علمائے فرنگی محل

حیات و خدمات

ایفا پبلیکیشنز، نئی دھلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	علمائے فرنگی محل-حیات وخدمات
صفحات	:	۴۹۰
سن طباعت	:	فروری ۲۰۱۲ء
قیمت	:	۲۵۰/روپے

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱ - ایف بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر:۹۷۰۸

جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

ای میل:ifapublication@gmail.com

فون: 011 - 26981327

مجلس ادارت

۱- مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی

۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳- مولانا بدر الحسن قاسمی

۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵- مولانا عتیق احمد بستوی

۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

پیش لفظ:	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۱

پہلا باب

علماءفرنگی محل اوران کی خدمات

کلیدی خطبہ:	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۵
خانوادۂ فرنگی محل اورخانوادۂ علم اللہی کے علمی ودینی روابط	مولانا سید محمد واضح رشید ندوی	۲۶
علما فرنگی محل (علاوہ مولانا عبدالحی) کی علمی خدمات پر ایک نظر	مولانا منور سلطان ندوی	۴۱
علما فرنگی محل اور افتاء کی خدمات	مولانا اشتیاق احمد اعظمی	۶۸
علمائے فرنگی محل کی اصلاحی خدمات	مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی	۱۰۵
علمائے فرنگی محل کی تدریسی خدمات	مولانا عبدالسلام ندوی	۱۱۹
علمائے فرنگی محل اورعربی زبان وادب میں ان کی خدمات	مولانا محمد فرمان ندوی	۱۲۹
فرنگی محل لکھنؤ کی شخصیات مولانا عبدالحی حسنی (مصنف نزہۃ الخواطر) کی نظر میں	مولانا معاذ احمد کاندھلوی	۱۳۸
علما فرنگی محل اوران کے فتاوی کی خدمات	مولانا عبدالقدوس خبیب رومی	۱۴۵

دوسرا باب

فرنگی محل کی چند ممتاز شخصیات

بحرالعلوم حضرت مولانا عبدالعلی فرنگی محلی - حیات وخدمات کے چند گوشے	مولانا عتیق احمد بستوی قاسمی	۱۵۱

حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی اور حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی - باہمی تعلقات پر ایک نظر	مولانا سید محمد شاہد مظاہری	۱۶۹
ملا نظام الدین محمدؒ بانی درس نظامی عہد زوال وانحطاط میں علم وفن کا نیر تاباں	ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی	۱۷۶
درس نظامی کی معنویت عصر حاضر کے تناظر میں	مولانا محمد نصر اللہ ندوی	۱۸۷

تیسرا باب

الف- علامہ محمد عبدالحی فرنگی محلی -زندگی کے چند گوشے

فرنگی محل کا ذرخشاہوا ز مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی -ایک نامور عالم، ایک بے مثال محقق	مولانا بدر الحسن قاسمی	۱۹۷
علامہ محمد عبدالحی فرنگی محلی اور ان کی زندگی کے نمایاں پہلو	مولانا عمیر الصدیق ندوی دریابادی	۲۰۴
مولانا عبدالحی فرنگی محلی اور معاصر علماء سے اختلاف	پروفیسر محمد مسعود عالم قاسمی	۲۰۹
مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ ۔ افکار ونظریات	مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی	۲۲۳
مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ -علمائے عرب وعجم کی نظر میں	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲۳۸
مولانا عبدالحی فرنگی محلی مغربی مفکرین کی نظر میں	محمد ضیاء اللہ ندوی	۲۶۴

ب -علامہ محمد عبدالحی فرنگی محلی -فنی خدمات

علامہ عبدالحی فرنگی محلی اور علم حدیث کی خدمت	ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری	۲۷۳
علامہ عبدالحی فرنگی محلی لکھنویؒ کی اصول حدیث پر تالیفات	مولانا بدر احمد مجیبی ندوی	۲۷۷
علامہ محمد عبدالحی لکھنویؒ اور علم حدیث	مولانا رحمت اللہ ندوی	۲۹۹
ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی اور فن حدیث میں ان کی خدمات	مولانا عبدالمتین ندوی	۳۲۳
علامہ عبدالحی لکھنوی اور ان کی فقہی خدمات	مولانا محمد ظفر عالم ندوی	۳۴۵
تاریخ سے متعلق علامہ عبدالحی فرنگی محلی کی کتابوں کا تعارف	مولانا ولی اللہ مجید قاسمی	۳۶۱

حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ تصوف اور اس کا تعارف	مفتی محبوب علی وجیہی	۳۷۱
علامہ عبدالحی فرنگی محلی اور تصوف و سلوک	مولانا محمود حسن حسنی ندوی	۳۸۱

ج - علامہ محمد عبدالحی فرنگی محلی کی کتابیں - ایک تعارف

علامہ ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی کتاب ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی - ایک جائزہ	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی	۳۹۱
مولانا عبدالحی فرنگی محلی اور ان کی ''فرحۃ المدرسین'' - فقہی مسائل کی گرہ کشائی اور تحقیق کا افادی پہلو	پروفیسر عبدالباری	۴۰۴
فرحۃ المدرسین بذکر المؤلفات والمؤلفین - تعارف اور جائزہ	ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی	۴۱۰
السعایہ - ایک مطالعہ	قاری ظفر الاسلام صدیقی	۴۳۴
فتاوی عبدالحی - ایک جائزہ	مفتی انور علی اعظمی	۴۶۴

چوتھا باب: اختتامی امور

تجاویز	۴۷۷
رپورٹ	۴۸۱

☆☆☆

پیش لفظ

جیسے مختلف شہروں، اداروں اور شخصیتوں کو علم دین کی خدمت میں منجانب اللہ امتیازی حیثیت حاصل ہوجاتی ہے، اسی طرح بعض خاندانوں کو اللہ تعالیٰ اس خصوصیت سے نواز دیتے ہیں، اسلامی تاریخ میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، ہندوستان میں خود شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا خاندان اس کی بہترین مثال ہے، خانوادہ ولی اللّٰہی کی خدمات پر بحمد اللہ بہت کچھ لکھا اور پڑھا گیا ہے، علمی خدمات میں قریب قریب اسی مقام ومرتبہ کا حامل ایک دوسرا خاندان، خانوادۂ فرنگی محل' ہے، جس میں بڑے جلیل القدر فقہاء، صوفیاء، مصنفین اور دعاۃ ومصلحین پیدا ہوئے، اگر اس خانوادہ میں صرف بحر العلوم مولانا عبد العلی یا فقیہ النفس مولانا عبد الحیؒ فرنگی محلی ہی پیدا ہوئے ہوتے تو یہ اس کے اعزاز وافتخار اور علو وامتیاز کے لئے کافی ہوگا؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ خاندان ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق ہے اور اس وقت برصغیر نیز برصغیر کے واسطہ سے ایشیا، یورپ، امریکہ اور افریقہ کے مختلف ملکوں میں بعض تبدیلیوں کے ساتھ درس نظامی سے موسوم جو نصاب تعلیم سکۂ رائج الوقت کی طرح مدارس کی دنیا میں چل رہا ہے، وہ بھی اسی خاندان کے ایک آفتاب جہاں تاب ملا نظام الدین کی دین ہے، مگر اس خاندان کی غیر معمولی علمی خدمات کے باوجود اس سلسلہ میں بہت کم لکھا گیا ہے۔

اگرچہ علماء فرنگی محل کی خدمات بہت متنوع ہیں، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ سب سے زیادہ جو علم ان کی توجہ اور جد وجہد کا مرکز رہا ہے، وہ ہے فقہ اسلامی، اس مناسبت سے اکیڈمی نے مدرسہ نظامیہ فرنگی محل اور اس کے گراں قدر وفعال ذمہ دار مولانا خالد رشید ندوی سے التماس کیا تھا کہ خانوادۂ فرنگی محل کی علمی خدمات پر ایک سمینار منعقد کیا جائے، ذمہ داروں نے نہایت مسرت

کے جذبہ سے اس کو قبول کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی میزبانی کی بھی پیش کش فرمائی؛ چنانچہ مورخہ ۲۰-۲۲رمئی ۲۰۱۱ء کو مدرسہ ہذا میں یہ عظیم الشان سہ روزہ سمینار منعقد ہوا، بحمد اللہ اکیڈمی کی آواز پر ملک کی اہم علمی وقلمی شخصیات نے تعاون کرتے ہوئے مختلف عنوانات پر بڑی قیمتی تحریریں لکھیں، یہ مجموعہ ان ہی مضامین پر مشتمل ہے، جو علوم اسلامی کی خدمت کے اس گم گشتہ گوشہ پر دستاویزی حیثیت کا حامل ہوگیا ہے۔ اس میں علماء فرنگی محل اور خاص کر مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی پر چشم کشا اور معلومات سے بھرپور تحریریں شامل ہیں، یقیناً اس موضوع پر اس سے پہلے اس تفصیل کے ساتھ کام نہیں ہوا تھا، اکیڈمی نہایت مسرت اور اس سے بڑھ کر سعادت کے احساس کے ساتھ ہندوستان کے ایک مایہ ناز علمی خانوادہ کی علمی سرگذشت کو اصحاب ذوق کی بارگاہ تک پہونچا رہی ہے، اللہ تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائے، اکیڈمی کے شعبۂ علمی کے رفیق مولانا صفدر زبیر ندوی صاحب کو کہ انھوں نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ نہ صرف ان مقالات کو مرتب کیا؛ بلکہ اس موقع سے زبانی جو باتیں کہی گئی تھیں، ان کو بھی ریکارڈ سے نقل کرنے کا مشکل کام انجام دیتے ہوئے اس مجموعہ میں شامل کیا، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول کریں اور ماضی کی اس میراث کو مستقبل کا سفر طئے کرنے میں مشعل راہ بنانے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔ واللہ هو الموفق۔

خالد سیف اللہ رحمانی

۲۴ر ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

۱۴ر فروری ۲۰۱۲ء

پہلا باب

علماء فرنگی محل اور ان کی خدمات

کلیدی خطبہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ☆

الحمد الله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين
وعلى آله واصحابه أجمعين ، ومن تبعهم باحسان إلى يوم الدين .

صدر عالی قدر، علماء کرام اور دانشورانِ ذی احترام!

نہایت مسرت کا موقع ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ اہم پروگرام لکھنؤ جیسے گلستانِ علم وادب اور نگارستانِ تہذیب وثقافت میں منعقد ہو رہا ہے، لکھنؤ ہمیشہ سے علم وادب کا سرچشمہ رہا ہے، یہاں کے اصحاب ذوق کے ذریعہ علم کی محفلیں سجتی اور شعر وسخن کی بزمیں آراستہ ہوتی رہی ہیں، سخن ورانِ لکھنؤ کی دھوم پورے ہندوستان میں رہی ہے، حالاں کہ اب لکھنؤ وہ لکھنؤ نہیں رہا اور حسین ولطیف اردو زبان میں اردو کے تلفظ کو بے لطف کردینے والی ہندی کی آمیزش ہوگئی ہے؛ لیکن پھر بھی دار العلوم ندوۃ العلماء جیسی عظیم درسگاہ اور اپنی مردم خیزی کی وجہ سے یہ شہر عالمی سطح پر شہرت وناموری کا حامل ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ علمی خدمات اور قائدانہ صلاحیت کے لحاظ سے اتر پردیش ہندوستان کا دل ہے اور لکھنؤ اتر پردیش کا۔

اس شہر کو ماضی میں جن دبستاں نہائے علم سے شہرت حاصل رہی ہے، ان میں ایک نمایاں ترین نام 'فرنگی محل' کا ہے، جس میں بڑے بڑے علماء وفقہاء اور مصنفین واہل قلم پیدا ہوتے رہے ہیں، کہنے کو یہ ایک خاندان ہے؛ لیکن اس کی علمی خدمات بڑے بڑے اداروں اور اکیڈمیوں کے ہم پلہ ہیں، خانوادۂ فرنگی محل میزبانِ رسول حضرت ابو ایوب انصاری ﷺ سے نسبی

☆ جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)۔

تعلق رکھتا ہے، حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے آفتاب نبوت کی میزبانی کی تھی اور اس خاندان نے علوم نبوت کی میزبانی کی ہے، چنانچہ اسلامک فقہ اکیڈمی کی عام روایت اصول فقہ اور جدید مسائل پر سیمینار کی رہی ہے نہ کہ شخصیتوں اور اداروں کی خدمات پر؛ لیکن فرنگی محل کی غیر معمولی علمی اور خاص کر فقہی خدمات کی وجہ سے اس عنوان کا انتخاب کیا گیا، جو اکیڈمی کی طرف سے اس نوعیت کا پہلا پروگرام ہے۔

حضرات! لکھنؤ کے فرنگی محل کی تاریخ اصل میں بارہ بنکی کے گمنام قصبہ ''سہالی'' سے شروع ہوتی ہے، جہاں اپنے عہد کے بڑے عالم اور منقولات ومعقولات کے ماہر استاذ ملا قطب الدین درس دیتے ہوئے ۱۹/رجب ۱۱۰۳ھ مطابق ۲۷/مارچ ۱۶۹۲ء کو شہید کردئے گئے، یہ حادثہ ایسا جان کاہ تھا کہ ملا صاحب کے بعض لڑکوں نے اورنگ زیب عالم گیر کے پاس استغاثہ کیا کہ ان کا خاندان یہاں سے ہجرت کرنا چاہتا ہے اور انصاف پرور بادشاہ نے لکھنؤ میں فرانسیسی تاجر کی وہ کوٹھی عنایت کردی، جو فرنگی محل کہلاتی تھی، کسے معلوم تھا کہ فرنگیوں کا یہ محل علوم اسلامی کی اشاعت کا محل بن جائے گا اور دور دور سے تشنگانِ علوم یہاں آکر سیراب ہوا کریں گے؛ چنانچہ ملا قطب الدین کے صاحبزادے ملا نظام الدین نے یہاں اپنے والد کی درسگاہ کی نشأۃ ثانیہ کی اور تعلیمی سلسلہ شروع کیا، اسے ایسی پذیرائی حاصل ہوئی کہ نہ صرف ان کا مقرر کیا ہوا نصاب ''درس نظامی'' کہلایا؛ بلکہ اس کے باوجود کہ اب یہ نصاب غیر معمولی تبدیلی کے ساتھ مختلف درسگاہوں میں پڑھایا جاتا ہے اور ملا نظام الدین کے مقرر کئے ہوئے نصاب کی چند کتابیں ہی اس میں باقی رہ گئی ہیں، پھر بھی اسے ''درس نظامی'' ہی کہا جاتا ہے۔

فرنگی محل کا خانوادہ جلیل القدر علماء کی کثرت اور علمی خدمات کے تسلسل کے اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں ایک انفرادی شان کا حامل ہے اور اس خاندان کے علماء کی تصانیف کا اگر جامع تذکرہ مرتب کیا جائے تو یقیناً کم سے کم ایک ضخیم جلد کی ضرورت ہوگی، ان علماء میں بحر العلوم ملا عبدالعلیؒ (م ۱۸۱۰ء) ملا محمد مبینؒ (م ۱۸۱۰ء) ملا حسنؒ، مولانا عبدالحلیم فرنگی محلیؒ

(م ۱۸۶۸ء) مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ (م ۱۸۸۶ء) اور مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ (م ۱۹۲۶ء) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، بحر العلوم نے اصول فقہ میں ''ارکان اربعہ''، ''حاشیہ زاہدیہ'' تألیف فرمائی، ''منار'' کی فارسی شرح ''تنویر الابصار'' کے نام سے تألیف کی، ''شرح صدر شیرازیؒ'' پر حاشیہ لکھا، ''مثنوی مولانا رومؒ'' کی شرح فرمائی، ''فقہ اکبر'' کی شرح کی اور متعدد تصنیفات ان کی یادگار ہیں؛ لیکن جس کتاب نے ان کو شہرت دوام عطا فرمائی، وہ ہے ''مسلم الثبوت'' کی مبسوط شرح ''فواتح الرحموت''، جس کا شمار اب اصولِ فقہ حنفی کے اہم مراجع میں ہوتا ہے اور جسے عالم عرب میں بھی غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

ملا محمد مبین فرنگی محلیؒ نے بھی ''سلم'' اور ''مسلم الثبوت'' کی شرح لکھی، اور ''میر زاہد ملا جلال'' پر حاشیہ لکھا، فقہ میں ان کا ایک اہم رسالہ ''کنز الحسنات فی ایتاء الزکوۃ'' ہے جس میں مقدار نصاب پر بڑی اچھی گفتگو کی گئی ہے، یہ اپنے زمانہ کے امام المعقولات سمجھے جاتے تھے، مولانا عبدالحلیم فرنگی محلیؒ (م ۱۸۶۸ء) — جو مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کے والد ہیں — بھی بڑے علماء میں تھے، مولانا عبدالحیؒ صاحب نے اپنے رسالہ ''حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم'' میں ان کے حالات لکھتے ہوئے ان کی ستائیس تألیفات کا ذکر کیا ہے، جن میں ''نور الانوار'' کے حاشیہ ''قمر الاقمار'' کو خاص شہرت حاصل ہوئی ہے۔

اس خاندان کی اخیر دور کی شخصیات میں ایک اہم نام مولانا عبدالباری فرنگی محلی (م ۱۹۲۶ء) کا ہے، ''تذکرۂ علماء فرنگی محل'' کے مصنف نے ان کی ایک سو دس تصنیفات کا ذکر کیا ہے، جن میں بہت سی تالیفات فقہ اور اصول فقہ سے متعلق ہیں، آپ نے بھی ''مسلم الثبوت'' کی ایک شرح ''ملہم الملکوت'' کے نام سے تالیف فرمائی ہے، آپ نے تصنیف و تالیف کے علاوہ قومی و ملی جد وجہد میں بھی حصہ لیا ہے اور تحریک خلافت میں بھی شامل رہے ہیں۔

اس خاندان کے گلِ سرسبد اور شجر سدابہار شخصیت کا ذکر میں اخیر میں کر رہا ہوں اور ان کے اس تذکرہ کو مسک ختام تصور کرتا ہوں، میری مراد محدثِ جلیل اور فقیہ بے مثیل حضرت مولانا عبد

الحی فرنگی محلیؒ (متوفی ۱۸۸۶ء) سے ہے، جو اسلامی اور عربی علوم میں نابغۂ روزگار اور درآبدار کی حیثیت رکھتے تھے، آپ کی تقریباً سو تالیفات ہیں اور ہر کتاب گویا اپنے موضوع پر حرفِ آخر ہے، اصول حدیث میں ''الرفع والتکمیل'' اور ''الأجوبۃ الفاضلۃ'' ایسی تالیفات ہیں کہ اصولِ حدیث کے پورے کتب خانہ میں شاید ہی ان کی مثال مل سکے، یہ اسلاف کے افکار وشخصیات کا عطر ہے اور اخلاف کے لئے خضرِ طریق ہے، اسی طرح فقہ میں ''شرح وقایہ'' کی شرح ''السعایہ'' اگر چہ کہ نامکمل ہے؛ لیکن حدیث وفقہ کے استیعاب کے اعتبار سے ایک بے نظیر کتاب ہے، اگر یہ کتاب مکمل ہوجاتی تو فقہی متون کی شرح میں یقیناً لاجواب تالیف ہوتی، اسی طرح ''شرح وقایہ'' کا حاشیہ ''عمدۃ الرعایۃ'' اختصار کے ساتھ جامعیت اور حل مشکلات کے لئے نمونہ کا درجہ رکھتی ہے، صرف ۳۹ سال کی حیات مستعار پانے کے باوجود آپ نے جو عظیم علمی خدمات انجام دی ہیں اور جو تالیفی ورثہ چھوڑا ہے، وہ علماء متقدمین کی یاد دلاتا ہے، مولانا کی تالیفات تو بجائے خود گراں قدر رہی ہی، ان کے عاشق نادیدہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ کی تعلیقات مولانا لکھنوی کی تحریروں کو نہ صرف متعارف کرانے میں ممد ومعاون رہی ہیں، بلکہ ان کے ذریعہ ان کتابوں کی قدر وقیمت میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔

حضرات افرنگی محل کے علماء کی کاوشیں اگر چہ مختلف علوم وفنون میں اپنے جوہر دکھاتی رہی ہیں اور اس زمانے کے مزاج ومذاق کے مطابق معقولات ان کی خاص جولان گاہِ فکر رہا ہے؛ لیکن شاید ان کا سب سے بڑا علمی اور تصنیفی ذخیرہ فقہ اور اصول فقہ میں ہے، اس موضوع پر بڑی ہی بلند پایہ کتابیں اس خانوادۂ علمی کا اثاثہ ہیں اور وہ اپنی اہمیت اور افادیت کی وجہ سے اصحاب علم اور اہل ذوق کی آنکھوں کا سرمہ بنتی رہی ہیں، فقہی تالیفات کے علاوہ فرنگی محل میں بالکل ابتدائی دور سے ہی فتاوی نویسی کا سلسلہ رہا ہے، اس حقیر کے رفیق درس ڈاکٹر اشتیاق احمد اعظمی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مطبوعہ مقالہ '' اودھ میں افتاء کے مراکز اور ان کی خدمات'' میں ان کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے، اللہ کا شکر ہے کہ فرنگی محل کا یہ علمی اور تعلیمی مرکز آج بھی زندہ ہے اور حضرت مولانا ابوطیب احمد میاں فرنگی محلی اور ان کے لائق فرزند جناب مولانا خالد رشید ندوی کے ذریعہ

اسے ایک نئی زندگی حاصل ہورہی ہے، خدا کرے یہاں کی بہار رفتہ واپس آئے اور یہ چراغ چراغ گھر بار ہوجائے، جس کی روشنی دور تک اور دیر تک پہنچتی رہے۔

حضرات فرنگی محل کی فقہی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ایک خاص پہلو جس کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے، اس کو واضح کرنے کی ضرورت ہے، جس سے صرفِ نظر کرجانا ناانصافی اور زمانہ ناشناسی ہوگی اور وہ ہے فرنگی محل کا مسلکِ اعتدال — بعض اعتقادی اور عملی مسائل جن میں شاہ اسماعیل شہیدؒ، حلقۂ دیوبند اور حلقۂ بدایوں کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا تھا، اور اب بھی پایا جاتا ہے، ان میں فرنگی محل کے علماء و ارباب افتاء کے درمیان بھی اختلاف رائے رہا ہے اور دو مختلف نقاطِ نظر پائے گئے ہیں؛ لیکن اس اختلاف نے حد اعتدال سے تجاوز نہ کیا اور اس اختلاف کی وجہ سے فریقِ مخالف کی تکفیر و تفسیق نہیں کی گئی؛ بلکہ اسے راجح اور مرجوح کا اختلاف سمجھا گیا، یہ بھی ایک خوش گوار حقیقت ہے کہ علماءِ فرنگی محل ہمیشہ تصوف کے قائل اور مشائخ صوفیہ سے مربوط رہے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود حدیثِ نبوی سے بھی ان کا رشتہ استوار رہا؛ اسی لئے ہمیں یہاں ہر دور میں ایسے علماء نظر آتے ہیں، جو ایک طرف تصوف کے ان اشغال کی تائید و تقویت میں قلم اٹھاتے ہیں، جن کا فی الجملہ احادیث و آثار سے ثبوت ہے، اور ان اشخاص کا رد بھی کرتے ہیں، جن کے لئے قرونِ اولیٰ میں کوئی نظیر نہیں اور جن کی سرحدیں بدعت بلکہ بعض اوقات شرک سے جاملتی ہیں۔

یہی حال فقہی مسائل و احکام کا ہے، خاص کر مولانا عبدالحی صاحب کے یہاں مسائل فقہیہ میں جو اعتدال ملتا ہے اور شارع کی نصوص اور فقہاء کے اجتہادات میں — تقلید پر قائم رہنے کے باوجود — ہم آہنگی پیدا کرنے کی جو کوشش نظر آتی ہے، وہ علماء کے لئے ایک مثال ہے، اگرچہ ہندوستان میں تمام ہی مکاتبِ فکر اپنی نسبت مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی طرف کرتے ہیں؛ لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ اس دعویٰ میں کس حد تک صادق القول ہیں اور اگر شاہ ولی اللہ صاحب اس دور میں پیدا ہوتے تو ان کے افکار و خیالات پر ان حضرات کا کیا ردِ عمل

ہوتا؛ لیکن مولانا عبدالحی صاحب واقعی فکرِ ولی اللٰہی کے امین؛ بلکہ اس کے نقیب وترجمان تھے۔

انھوں نے متعدد مواقع پر اپنے حنفی ہونے کا ذکر کیا ہے اور وہ عموماً دوسرے مذاہب کے احترام کے ساتھ حنفیہ کے نقطۂ نظر کی بھرپور وکالت بھی کرتے ہیں؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ متأخرین احناف کی بعض آراء پر نقد بھی کرتے ہیں، نیز فقہاء کے درمیان پائے جانے والے اختلافِ رائے کو پورے انصاف اور عدل کے ساتھ پیش کرتے ہیں، مثلاً خواتین کی جماعت کو بہت سے فقہاءِ احناف نے مکروہ قرار دیا ہے؛ لیکن مولانا نے اپنے رسالہ ''تحفۃ النبلاء'' میں تفصیل سے اس موضوع کی احادیث وآثار پیش کی ہیں اور فقہاء نے کراہت کے جو اسباب لکھے ہیں، ان کا تفصیلی تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"... وبعد التسليم لا دلالة على كراهة التحريم أصلا ، بل لو دل فإنما يدل على فضيلة صلاة الإنفراد " (تحفة النبلاء في جماعة النساء ،ص:۹۱۹)

''...اس بات کو تسلیم کرلیا جائے تب بھی عورتوں کی جماعت کے مکروہ تحریمی ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے؛ بلکہ یہ دلالت کرتی ہے تو صرف اس بات پر کہ عورتوں کا تنہا نماز پڑھنا بہتر ہے''

مولانا نے اپنی تالیفات میں ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھا ہے کہ اصحاب مذہب کے اقوال اصل ہیں اور مشائخ مذہب کے قول کو وہ اہمیت حاصل نہیں، انھوں نے حنفیہ کی مدافعت میں بھی اس بات کو ملحوظ رکھا ہے، فرماتے ہیں:

" فإنهم طعنوا في كثير من المسائل المدرجة في فتاوى الحنفية أنها مخالفة للأحاديث الصحيحة أو أنها ليست متأصلة على أصل شرعي ، ونحو ذلک ، جعلوا ذلک ذريعة إلى الطعن على الأئمة الثلاثة ظنًّا منهم أنها مسائلهم

ومذاهبهم وليس كذلك ، بل هي تفريعات المشايخ ، استنبطوها من الأصول المنقولة عن الأئمة ، فوقعت مخالفة للأحاديث الصحيحة فلا طعن بها على الأئمة الثلاثة ، ولا على المشايخ أيضا ،فإنهم لم يقرروها مع علمهم بكونها مخالفة للأحاديث " (النافع الکبیر ،ص:۲۱)

"ان لوگوں نے بہت سے ایسے مسائل کے متعلق جو حنفیہ کے فتاوی میں بعد میں داخل کئے گئے ہیں، اعتراض کیا ہے کہ یہ صحیح احادیث کے خلاف یا یہ کسی شرعی اصول پر قائم نہیں ہیں وغیرہ —— ان لوگوں نے اس کو لے کر امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد پر یہ سمجھتے ہوئے تنقید کی ہے کہ یہ ان کے مسائل اور ان کی آراء ہیں؛ حالاں کہ ایسا نہیں ہے؛ بلکہ یہ مشائخ کی تفریعات ہیں، انہوں نے ائمہ سے منقول اصول کی بنیاد پر ان کو مستنبط کیا ہے، چنانچہ وہ احادیث صحیح کے خلاف ہوگئی ہیں، ان کو لے کر ائمہ ثلاثہ پر طعن کرنا درست نہیں ہے؛ بلکہ مشائخ پر بھی طعن کرنا درست نہیں ہے، ان حضرات نے ان کو حدیث کے خلاف جاننے کے باوجود ان آراء کا اظہار نہیں کیا ہے"

اسی طرح اگر کسی مسئلہ میں احناف کے مختلف اقوال ہوں تو جو قول حدیث سے قریب تر ہوتا ہے، مولانا اسے ترجیح دیتے ہیں، جیسے وضوء کے شروع میں بسم اللہ کہنے کا مسئلہ ہے کہ اس میں ایک قول اس کے واجب ہونے کا ہے جس کی طرف علامہ ابن ہمامؒ کا میلان ہے، مولانا نے ظاہر حدیث سے موافقت کی وجہ سے اس کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا ہے:"... وأصحها و أحسنها " (أحكام القنطرة في أحكام البسملة ص: ۳۳) ---اسی طرح وضو میں گردن کے مسح کو بعض فقہاء نے سنت قرار دیا اور بعض نے بدعت و مکروہ کہا ہے، مولانا نے اپنے رسالہ "تحفۃ الطلبہ

فی تحقیق مسح الرقبۃ'' میں اس بات کو ترجیح دیا ہے کہ گردن کا مسح نہ سنت ہے اور نہ بدعت؛ بلکہ مستحب ہے یا ادب کے درجہ میں ہے، اختلافی مسائل میں غالباً مولانا کا سب سے تفصیلی رسالہ قراءت فاتحہ خلف الامام' کے موضوع پر'' امام الکلام مع غیث الغمام '' ہے، جس میں حدیث اور رجال کی بڑی نفیس بحثیں آگئی ہیں، اس رسالہ میں مولانا نے حنفیہ کے دلائل کو بڑی قوت کے ساتھ پیش کیا ہے اور لوگوں کی بے اعتدالی کا رونا رویا ہے اور علماءِ مقلدین سے گلہ کیا ہے کہ وہ ہر جگہ اس قاعدہ پر قائم رہتے ہیں کہ ہمارا مذہب صحیح ہے، گو اس میں خطا کا احتمال بھی ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسرا مذہب خطا پر مبنی ہے گو اس میں صواب کا احتمال بھی پایا جاتا ہے، اور یہ بات اس وقت بھی کہی جاتی ہے جب اپنے مذہب کے خلاف واضح نصوص موجود ہوں۔

مولانا نے اس رسالہ کے اخیر میں جو رائے قائم کی ہے وہ یہ ہے کہ مقتدی پر قراءت فرض نہیں ہے؛ البتہ سری نمازوں میں سورہ فاتحہ کا پڑھ لینا مستحب یا مسنون ہے، اگرچہ یہ مذہب کا قولِ ضعیف ہے؛ لیکن درایت کے اعتبار سے قوی ہے اور جو قول درایت کے مطابق ہو وہ قابل ترجیح ہے:" ولا یعدل عن الدرایة إذ وافقها روایة " (ص:۲۶۶) پھر آگے شاہ ولی اللہ صاحب کا قول نقل کر کے ان کے نقطہ نظر کی تائید کرتے ہیں کہ جہری نماز میں بھی سکتہ کے وقت سورۂ فاتحہ کو پڑھنے کی گنجائش ہے، (ص:۲۶۸) اسی رسالہ کے اخیر میں نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی قراءت پر گفتگو کی گئی ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا چوں کہ بعض صحابہ سے ثابت ہے؛ اس لئے اس کو مکروہ کہنا درست نہیں؛ البتہ ضروری نہیں ہے، (ص: ۲۷۳) یہ ضروری نہیں کہ ان مسائل میں مولانا کے نقطہ نظر سے اتفاق کرلیا جائے؛ لیکن اس سے مسائل فقہیہ میں آپ کا فکری اعتدال معلوم ہوتا ہے، آپ نے عصام ابن یوسف کا ذکر کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ وہ حنفی تھے؛ لیکن نماز میں رکوع سے پہلے رفع یدین کے قائل بھی تھے، پھر لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی حنفی بعض مسائل میں نصوص کی بنیاد پر دوسرے فقہاء کی رائے کو لے لے تو اس کی وجہ سے وہ حنفیت کے دائرہ سے باہر نہیں ہوجاتا۔

غرض کہ آپ کی ذات فقہاء احناف کے نقطۂ نظر پر وسیع نگاہ اور گہرے مطالعہ کے باوجود نصوص سے اعتناء، دوسرے مسالک کا احترام اور تقلید میں اعتدال کی بہترین مثال ہے، افسوس کہ مولانا لکھنویؒ اور نواب صدیق حسن خانؒ کے درمیان بعض اختلافات نے شدت اختیار کرلی اور اس کے نتیجہ میں ''ابراز الغی''، ''تذکرۃ الراشد'' اور ''تنبیہ ارباب الخبرۃ'' جیسی تألیفات آپ کے قلم سے آئیں، جو مولانا کے عمومی مزاج سے ہم آہنگ نہیں تھیں؛ لیکن نواب صاحب نے تقلید اور مقلدین کے بارے میں جو سخت لب ولہجہ اختیار کیا، یہ اس کا فطری ردعمل تھا؛ لیکن پھر بھی اپنے رسالہ ''ابراز الغی'' کی ابتدا میں نواب صاحب کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

'' وهو العالم الجليل والفاضل النبيل مجمع الكمالات الإنسية منبع الفضائل الحميدة النواب السيد صديق حسن خان بهادر دام اقباله'' (ابراز الغی، ص: ۳)

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ایک طرف ان دونوں معاصر اہل علم کے درمیان تحریری مناظرہ جاری تھا؛ لیکن دوسری طرف صورتِ حال یہ تھی کہ مولانا جب کبھی بھوپال تشریف لے جاتے تو نواب صاحب کے یہاں قیام فرماتے اور نواب صاحب جب لکھنؤ آتے تو مولانا ان کے میزبان ہوتے، نیز مولانا کی وفات پر نواب صاحب نے سخت غم واندوہ کا اظہار کرتے ہوئے سوگ کا اعلان کیا تھا۔

حضرات! اس حقیر نے خاتم الفقہاء حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا ذکر کرتے ہوئے کسی قدر تفصیل سے اس جہت کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ آج کے حالات میں خاص طور پر علماء کو راہِ اعتدال اختیار کرنے کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ یہود ونصاریٰ اور اعداء اسلام عام مسلمانوں کو جغرافیائی، نسبی اور لسانی بنیادوں پر اور مذہب سے مربوط مسلمانوں کو مسلکی اساس پر تقسیم کرنے کے درپے ہیں اور اس طرح وہ امت کے ٹکڑے کرنے اور ان کی صفوں کو بکھیرنے میں کامیاب ہوتے جارہے ہیں؛ اس لئے ضرورت ہے کہ علماء نقش دیوار کو پڑھیں، دشمنوں کی چال کا ادراک

کریں، حکمت سے کام لیں، اپنے اختلافات کو حدود میں رکھیں اور اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیں کہ دین وشریعت اصل ہے اور مسلک ومشرب ان کے تابع، اگر مسلکی تعصبات امت کے دینی وجود کو خطرہ میں ڈال دیں تو یقیناً یہ علم کے تقاضوں سے بے خبری اور علماء کی اپنے فریضۂ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی ہے۔

حضرات! اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی بنیاد ۱۹۸۹ء میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے رکھی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ، حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ، حضرت مولانا ابوسعود احمد باقویؒ اور حضرت مولانا عبد الرحیم لاجپوریؒ جیسے اکابر علم کی سرپرستی میں اس کاروانِ فکر ونظر نے اپنا سفر شروع کیا، آج بھی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا محمد سالم قاسمی اور حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب جیسے اکابر ملت کی رہنمائی اسے حاصل ہے اور اس کے انتظام و انصرام میں ہندوستان کے ممتاز علماء فقہ کا حصہ ہے، جو اس کی مجلس انتظامی کے ارکان ہیں، بانی اکیڈمی کے بعد ممتاز صاحب افتاء اور معروف مصنف حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ کو باتفاق رائے اس کا صدر منتخب کیا گیا تھا، ان کی قیادت میں اس قافلہ نے تیز رفتاری کے ساتھ اپنا علمی سفر طے کیا، ابھی دو ماہ پہلے ان کی وفات ہوگئی ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور اکیڈمی کو ان کا بدل عطا کرے۔

اکیڈمی جہاں اپنے سالانہ فقہی سیمیناروں کے ذریعہ علماء کے اجتماعی غور وفکر کے واسطہ سے نئے مسائل کا حل پیش کرتی ہے، وہیں نوجوان فضلاء کی تربیت کے لئے ورک شاپ بھی منعقد کرتی ہے اور مختلف فکری اور فقہی موضوعات پر سیمینار وسمپوزیم بھی رکھتی ہے، یہ پروگرام اسی کا ایک حصہ ہے، اس طرح ہمیں اپنے بزرگوں کی خدمات کو یاد کرنے اور ان کو نمونہ بنا کر عمل کرنے کا موقع ملے گا کہ جو قومیں اپنے ماضی کو یاد نہیں رکھتیں، ان کے لئے مستقبل کا سفر طے کرنا دشوار ہو جاتا ہے اور وہ احساس کمتری اور کم حوصلگی میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔

ہم آخر میں حضرت مولانا ابو الطیب احمد میاں فرنگی محلی اوران کے صاحب زادے مولانا خالد رشید ندوی، نیز ان کے رفقاء کار، شہر کے حاضرین اور مقالہ نگاروں کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہیں کی عنایت وتوجہ سے فکر ونظر کی یہ محفل سجائی گئی ہے، اور دعاء کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پروگرام کو اپنے مقصد میں کامیاب فرمائے، فرنگی محل کی علمی خدمات میں تسلسل قائم رہے اور اس جگہ کو علمی وفکری خدمات کا بہترین مرکز بنادے! وباللہ التوفیق، وهو المستعان. وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

۱۶ جمادی الاُخری ۱۴۳۲ھ

۲۰ر مئی ۲۰۱۱ء

خانوادۂ فرنگی محل اور خانوادۂ علم اللّٰہی کے علمی و دینی روابط

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی☆

الحمد الله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد بن عبد الله الأمين وعلى آله وصحبه أجمعين وبعد!

ہندوستان کے علمی و دینی حیثیت سے ممتاز خاندانوں میں فرنگی محل کا انصاری خاندان بڑی شہرت کا حامل خاندان رہا ہے، جس کو حضرت ملا نظام الدین فرنگی محلی (متوفی ۱۱۶۱ھ) کی ذات گرامی سے برصغیر اور پھر افغانستان، ترکستان کے علاقوں میں ان کے مرتب کردہ درس نظامی سے اور ان کے طرز تعلیم و تدریس اور تبحر علمی سے شہرت و مقبولیت ملی۔

حضرت ملا نظام الدین فرنگی محلی کے متعلق مولانا عبد الحی حسنی نے ''نزہۃ الخواطر'' (۶/ ۳۹۴) میں لکھا ہے:

''الشيخ الإمام العالم الكبير العلامة الشهير صاحب العلوم والفنون وغيث الإفادة الهتون العالم بالربع المسكون أستاذ الأساتذة وإمام الجهابذة الشيخ نظام الدين بن قطب الدين بن عبد الحليم الأنصاری السهالوی ثم اللكنوی الذی تفرد بعلومه وأخذ لوائها بيده، لم يكن له نظير في زمانه في الأصول والمنطق والكلام''۔

مزید ان کے کمالات علمیہ ومحاسن دینیہ اور مرجعیت و مقبولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

☆ معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ

''وبالجملة فإنه قرأ فاتحة الفراغ وله خمس وعشرون سنة، ثم تصدى للدرس والإفادة فتكاثر عليه الطلبة وخضع له العلماء وطارت مصنفاته في حياته إلى الأمصار والبلاد وتلقى نظام درسه في مدارس العلماء بالقبول وانتهت إليه رئاسة التدريس في أكثر بلاد الهند''۔

اس کے بعد علامہ عبدالحی فرنگی محلی (متوفی ۱۳۰۴ھ) کی علمی خدمات نے اس خاندان کی شہرت کو چار چاند لگادیئے اور بلادعربیہ میں خاص طور پر ان کی کتابوں کی اعلیٰ پیمانہ پر اشاعت ہوئی اور اللہ نے ایسے لوگ کھڑے کردیے، جنہوں نے ان کی تصنیفات کی اشاعت کو اللہ کے تقرب کا بڑا ذریعہ اوردین کی خدمت کا بڑا سبب سمجھا، ان عرب علماء میں علامہ محدث شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کا نام نامی خاص طور پر قابل ذکر ہے، ان کے علاوہ ہمارے فاضل دوست استاذ حدیث (جامعۃ العین) مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی صاحب نے بھی ''التعلیق الممجد'' کی تحقیق کے ذریعہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی اورفرنگی محلی کے علماء کے تعارف میں اہم حصہ لیا۔

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ملا نظام الدین فرنگی محلی کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا ہے کہ:

''شیخ قطب الدین (متوفی ۱۱۳۰ھ) کی شہادت کے بعد ان کے نامور فرزند ملا نظام الدین نے علم کے دریا بہادیے اور لکھنؤ کو علم کا مرکز بنادیا اور جو نصاب مقرر کیا اس کو ہندوستان کی ہر ایک درسگاہ میں بسروچشم قبول کیا گیا، اسی خاندان میں ملاحسن، بحرالعلوم (متوفی ۱۲۹۲ھ)، ملا مبین (متوفی ۱۲۲۵ھ)، مفتی ظہور اللہ (متوفی ۱۲۵۶ھ)، مولوی ولی اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ)، مفتی محمد اصغر (متوفی ۱۲۵۵ھ)، مفتی محمد یوسف (متوفی ۱۲۸۶ھ)، مولوی نعیم اللہ (متوفی ۱۲۸۲ھ)، مولوی عبدالحکیم (متوفی ۱۲۸۰ھ)، مولوی عبدالحی (متوفی ۱۳۰۴ھ)، وغیرہ ایسے ایسے باکمال مدرسین پیدا ہوئے جن کا جواب کسی خاندان میں نہیں مل سکتا'' (ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی جائزہ، ص: ۱۱۴)۔

اس سلسلہ کی ایک خصوصیت علم میں رسوخ کے ساتھ قناعت اور روحانیت بھی تھی جو ملا نظام الدین کے شیخ سید عبد الرزاق بانسوی سے روحانی استفادہ کا نتیجہ تھی اور یہ امتزاج اس پورے سلسلہ میں آخر تک قائم رہا اور درس نظامی کی خصوصیت بن گیا۔

مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے علمائے فرنگی محل کے درس وافادہ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''عہد اخیر کے ایک جلیل القدر عالم ومدرس مولانا عبد الحی فرنگی محلی نماز فجر سے پہلے بعض طلبہ کو وقت دیتے تھے اور اس وقت بھی ایک سبق ہوتا تھا'' (بحوالہ سابق ص: ۱۲۱)۔

ملک العلماء مولانا عبد العلی بحر العلوم (متوفی ۱۲۹۲ھ) کو جب منشی خان نے بہار (بردوان) آنے کی دعوت دی اور گرانقدر تنخواہ کی پیش کش کی تو مولانا نے عذر فرمایا کہ میرے ساتھ سو طالب علم ہیں، جب تک ان کے قیام وطعام کا انتظام نہ ہو میں نہیں آسکتا، جب منشی صاحب نے ان کی ذمہ داری لی تو مولانا تشریف لے گئے، مدراس میں نواب والا جاہ نے مولانا کی ایک ہزار ماہوار تنخواہ مقرر کی جو تمام وکمال طلبہ پر خرچ ہو جاتی تھی اور ان کے خاندان میں جو لکھنؤ فرنگی محل میں تھا اس کا کوئی حصہ نہیں پہنچتا تھا، اس کی وجہ سے ان کے صاحبزادے مولانا عبد النافع (متوفی ۱۲۲۳ھ) نے مدراس کا سفر کیا اور بار بار والد محترم سے اس بارے میں گفتگو کی، لیکن مولانا نے اپنا طرز عمل ترک نہیں کیا اور صاحبزادہ ناکام لکھنؤ واپس آئے (بحوالہ سابق ص: ۱۲۳)۔

طلبہ میں ان حضرات کو جو مقبولیت حاصل تھی، اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ابو الحسن علی ندوی صاحب لکھتے ہیں:

''طلبہ کا بھی اپنے اساتذہ سے ایسا تعلق تھا جو سعادت مندی، روحانی ارتباط اور قلبی وابستگی کی آخری حد ہے، اس سلسلہ میں یہ واقعہ تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا کہ ایک مرتبہ استاد العلماء ملا نظام الدین فرنگی محلی کے انتقال کی خبر مشہور ہوگئی، ان کے ایک شاگرد سید ظریف عظیم آبادی کی روتے روتے آنکھیں جاتی رہیں، دوسرے شاگرد سید کمال الدین عظیم آبادی اس

صدمہ کی تاب نہ لا سکے اور انتقال کر گئے ،بعد میں جاں نثاری ووفاداری اور اپنے اساتذہ کے ساتھ سچے عشق اورلازوال محبت کے واقعات اس قدیم نظام تعلیم کا طرہ امتیاز رہی ہیں اور جن علماء نے اپنے اساتذہ کا اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، اس سے ان کے گہرے تعلق اور شیفتگی کا اظہار ہوتا ہے''(بحوالہ سابق ص:۱۴۳-۱۴۴)۔

ان علمی کمالات اور مرجعیت ومقبولیت کے ساتھ اصلاح باطن کی فکر اور اہل اللہ کی خدمت میں نیازمندانہ حاضری اور استفادہ کو بھی مولانا نے اہمیت دی ہے اور لکھا ہے کہ:

''آخر میں جس سلسلۂ درس اور نصاب تعلیم کی قسمت میں جہانگیری لکھی تھی اور جس کا سکہ ہندوستان سے لے کر افغانستان وایران تک رواں رہا، اس کے نامور بانی ملا نظام الدین سہالوی (م ۱۱۶۱ھ) سلسلۂ قادریہ کے ایک شیخ حضرت سید عبدالرزاق بانسوی (متوفی ۱۱۳۶ھ) سے نہ صرف ارادت وخدمت کا تعلق رکھتے تھے بلکہ اپنے شیخ کی عقیدت سے مخمور اور ان کی محبت میں چور تھے''مناقب رزاقیہ'' کے لفظ لفظ سے اس شیفتگی اور والہانہ تعلق کا اظہار ہوتا ہے جو ان کو اپنے شیخ سے تھا''(بحوالہ سابق ص:۱۴۸)۔

اس سمینار میں علماء فرنگی محل کی خدمات کا تفصیل سے ذکر کیا جائے گا۔ہم اس مختصر مقالہ میں خاندان فرنگی محل کے علماء ومشائخ سے خاندان علم اللّٰہی کے علماء ومشائخ کے تعلق، علمی روابط اور استفادہ کا ذکر کریں گے۔

لکھنؤ کے جوار میں آباد شہر رائے بریلی میں گیارہویں صدی ہجری کی عمل بالعزیمت، توحید اور اتباع سنت میں عدیم النظیر شخصیت حضرت شاہ علم اللہ حسنی (م ۱۰۹۶ھ) کا خاندان اپنی دینی حیثیت میں بعض ایسی خصوصیات وامتیازات کا حامل تھا، جو مفقود ہوتی جارہی تھیں، خود شاہ علم اللہ صاحب خاندان مجددی سے بیعت وارشاد کے سلسلہ میں منسلک تھے وہ سید آدم بنوری سے بیعت تھے، ان کی اولاد واحفاد میں کئی شخصیتوں نے حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) سے علمی ودینی روابط قائم کیے اور بعض نے اجازت وخلافت بھی حاصل کی ان میں

حضرت شاہ ابوسعید حسنی (م ۱۱۹۳ھ) حضرت مولانا محمد واضح حسنی (۱۲۰۱ھ) حضرت مولانا محمد نعمان حسنی (م ۱۱۹۳ھ) ومولانا سید شاہ محمد معین حسنی کا تعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث سے بہت گہرا رہا اور مولانا سید محمد اسحاق حسنی (۱۲۳۴ھ) مولانا سید قطب الہدی حسنی (م ۱۲۲۶ھ) اور آخر میں امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید (۱۲۴۶ھ) کا تعلق حضرت شاہ عبد العزیز (متوفی ۱۲۳۹ھ) اور حضرت شاہ عبد القادر (متوفی ۱۲۳۰ھ) سے رہا اور بعض شخصیتوں نے اس خانوادۂ ولی اللّٰہی سے تعلق رکھنے والی عظیم شخصیت مولانا عبد القیوم بن علامہ عبد الحی بڑھانوی (متوفی ۱۲۹۹ھ) کی خدمت میں حاضری دی اور استفادہ کیا۔

حضرت ملا نظام الدین فرنگی محلی (متوفی ۱۱۶۱ھ) بانی درس نظامی سے مولانا سید محمد واضح حسنی کے گہرے علمی روابط کا پتہ چلتا ہے، صاحب ''تذکرۃ الابرار'' لکھتے ہیں:

''کتب درسیہ بخدمت والد ماجد خویش وملا عبد اللہ امیٹھوی شاگرد استاد الاساتذہ ملا نظام الدین فرنگی محلی تحصیل کمال رسانیدہ واز خدمت ملا نظام الدین ہم فیضہا ربودہ''۔

(ترجمہ: درسی کتابیں اپنے والد ماجد صاحب اور استاد الاساتذہ ملا نظام الدین فرنگی محلی کے شاگرد ملا عبد اللہ امیٹھوی سے مکمل کیں اور ملا نظام الدین سے بھی فیض حاصل کیا)۔

مولوی عبد اللہ امیٹھوی کے صاحب علم پوتے فرماتے ہیں:

''جتنے طلبہ مولوی عبد اللہ صاحب کے تھے، ان میں سے چار شخصیتیں متبحر عالم اور اعلیٰ درجہ کے مدرس ہوئے، ان میں سے ایک مولوی محمد واضح رئیس قصبہ رائے بریلی وہ شروع سے آخر تک میرے دادا مولوی عبد اللہ صاحب کے شاگرد رہے، وہ متبحر عالم وفقیہ اور اپنے وقت کے محدث تھے'' (خانوادۂ علم الٰہی مصنفہ مولانا سید محمد ثانی حسنی ص ۸۰-۸۱)۔

خانوادۂ علم اللّٰہی کے مصنف مولانا سید محمد ثانی حسنی نے مولانا مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی کے حوالہ سے لکھا ہے اور اس سے تعلق اور استفادہ کے علاوہ ملا نظام الدین کی باطنی قوت ادراک اور فراست اور تفہیم کے اسلوب کا اندازہ ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''رائے بریلی کے مشہور بزرگ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی تھے، جن کی طرف دائرہ شاہ علم اللہ منسوب ہے، ان کے پوتے مولانا محمد واضح ملا نظام الدین کے ممتاز شاگرد ملا عبد اللہ امیٹھوی کے شاگرد تھے، یہی مولانا واضح ایک دفعہ ملا صاحب کی یعنی اپنے استاذ الاساتذہ کی ملاقات کو آئے، ملا ولی اللہ فرنگی محلی لکھتے ہیں، مولانا واضح بیان کرتے تھے کہ ملا صاحبؒ کی ملاقات کی غرض سے ایک دفعہ حاضر خدمت ہوا، جاڑے کا زمانہ تھا اور شام کا وقت، بلکہ تھوڑا اندھیرا پھیل چکا تھا، اس وقت ملا صاحب بالوں کی ٹوپی پہنے ہوئے تھے، اندھیرے کی وجہ سے میں نے یہ سمجھا کہ ملا صاحب کے سر پر اس طرح کے بال ہیں جیسے لوگ رکھ لیتے ہیں کہ سر کے گرد بالوں کا حلقہ اور بیچ سے بالوں کا صفایا، یہ طریقہ خلاف شرع ہے، اس وقت اس خلاف شرع بات کا گمان میرے دل میں ہوا، دو شبہے اور بھی تھے ایک یہ کہ ملا صاحب حقہ پیتے ہیں، دوسرے یہ کہ منطق پڑھانے میں مصروف رہتے ہیں، حالانکہ علماء نے منطق میں مشغولیت کو حرام لکھا ہے، ملا صاحب مجھ سے بڑی تواضع اور مدارات سے پیش آئے، اس کے بعد اپنے سر سے بالوں کی ٹوپی اتاری اور فرمایا! میاں محمد واضح سمور بہت گرم اور جاڑوں میں بہت مفید ہوتا ہے، میں سمجھ گیا کہ میرے دل میں جو بدظنی تھی اس پر ملا صاحب مطلع ہو کر میرے وہم کا جواب دے رہے ہیں، اتنے میں ایک خدمت گزار نے حقہ لاکر ملا صاحب کے سامنے رکھ دیا، اب میں حقہ کے جائز و ناجائز ہونے کے بارے میں استفسار کرنا ہی چاہتا تھا کہ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی ملا صاحب نے فرمایا ''ساری عمر فقہ کی کتابوں کے مطالعہ میں گزر گئی لیکن مستند مصنفین کی کتابوں میں کہیں بھی حقہ کشی اور منطق پڑھانے کی حرمت کا کوئی ثبوت نہیں ملا، آپ کے دادا شاہ علم اللہؒ غالباً حقہ نوشی کو حرام بتاتے تھے، اگر یہ مسئلہ انہوں نے کسی کتاب سے لیا ہے تو مجھے اس کا حوالہ بتائیے'' میں نے کہا اس بارہ میں کوئی صراحت تو کتابوں میں ملتی نہیں، لیکن چونکہ یہ ایک بےکار اور لغو کام ہے اس لئے وہ منع کرتے تھے، ملا صاحب نے فرمایا ''لیکن حقہ نوشی میں فائدہ بھی تو ہے، ریاح کا توڑنا، قبض کو رفع کرنا، درد اور بادی امراض میں اس کا مفید ہونا وغیرہ، جو لوگ اس سلسلہ میں افراط

وتفریط کا شکار ہو گئے ہیں وہ مہمل اور فضول بات ہے، اس لئے کہ ہر چیز مباح ہے، شریعت میں اگر حرام ہونے کی صراحت نہیں ہے تو اصل ہی پر ہر شئی کو محمول کرنا چاہئے، رہا منطق کا معاملہ تو وہ قوت عقلیہ میں اضافہ کرتی ہے اور صحیح اور غلط نتیجہ کے درمیان اس کے ذریعہ فرق کیا جا سکتا ہے، منطق کے قواعد کو پیش نظر رکھنے سے غور وفکر میں غلطی سے حفاظت ہوتی ہے، اس لحاظ سے بقدر ضرورت منطق کا جاننا واجب ہے، اس لئے کہ وہ علم اصول فقہ کے مبادیات میں سے ہے، ممنوع یا حرام ہے تو وہ، فلسفہ کے ان قواعد واصول میں مشغولیت ہے جو قرآن وحدیث کے خلاف ہیں (ماخوذ از مضمون مفتی محمد رضا فرنگی محلی مشائع شدہ ''قومی آواز'' لکھنؤ)''۔

مولانا محمد واضح صاحب نے فرنگی محل کے علماء سے استفادہ کے بعد دہلی جا کر شاہ ولی اللہ صاحب سے استفادہ کیا اور صحاح کی سند لی۔ ان کے ہم عصر علماء نے ان کا بلند الفاظ میں ذکر کیا ہے اور علوم ظاہری اور باطنی میں یگانۂ وقت قرار دیا ہے۔

حضرت ملا نظام الدین فرنگی محلی کے بعد علامہ عبد الحی فرنگی محلی اور مولانا محمد نعیم فرنگی محلی (متوفی ۱۳۱۸ھ) سے فرنگی محل علماء ومشائخ کا مرجع ومرکز درس وافادہ بنا ہوا تھا، مولانا عبد الحی فرنگی محلی سے استفادہ کرنے والوں میں مولانا سید محمد حسین نصیر آبادی (متوفی ۱۳۱۳ھ) مولانا سید محمد مصطفیٰ حسنی ٹونکی (نواسہ حضرت سید احمد شہید، متوفی ۱۳۲۰ھ) اور مصلح کبیر حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی (متوفی ۱۳۴۹ھ-۱۹۳۰ء) کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کے شاگردوں میں مولانا سید عبد الحی حسنی (متوفی ۱۳۴۱ھ- ۱۹۲۳ء) کا نام زیادہ مشہور ہے اور انہوں نے تراجم رجال ہند پر اپنی معرکۃ آراء تصنیف ''نزہۃ الخواطر'' میں ان کا بڑی عقیدت ومحبت سے تذکرہ لکھا ہے، لیکن صرف یہی ایک نام نہیں ہے، ان کے علاوہ اور بھی نام ہیں، جیسے مولانا حکیم سید محمد یامین حسنی (متوفی ۱۳۱۵ھ) مولانا حکیم سید محمد اسحاق حسنی (رائے بریلی) اور سب سے بڑھ کر مولانا سید عبد الحی حسنی کے والد ماجد مولانا حکیم سید فخر الدین خیالی (۱۹۰۸ء) کا نام گرامی ہے، فرنگی محل کے علماء میں ایک نام

مولانا عبدالرزاق فرنگی محلی کا بھی ہے، جن سے راقم الحروف کے جد اعلیٰ مولانا سید رشید الدین حسنی (متوفی ۱۳۱۲ھ) نے شرف تلمذ حاصل کیا، اور ایک مسند درس مولانا فضل اللہ فرنگی محلی (متوفی ۱۲۱۳ھ) کی بھی تھی جہاں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے ماموں مولانا حافظ سید عبید اللہ حسنی (متوفی ۱۹۳۷ء) نے حاضر ہوکر علمی استفادہ کیا۔

علماء فرنگی محل کا خانوادۂ علم اللّٰہی کے مشائخ سے روحانی تعلق اور استفادہ

فرنگی محل کی شخصیات میں بعض بڑی محترم اور لائق فخر شخصیتیں ایسی بھی نظر آتی ہیں جو اپنے علم و فضل، کمال اور شہرت و مرجعیت رکھنے کے باوجود دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی کی شخصیات سے مرتبط نظر آتی ہیں جن میں ایک نام مولانا ازہار الحق فرنگی محلی کا ہے، ان کے علاوہ ملا بحر العلوم مولانا عبدالعلی فرنگی محلی اور بعض دوسرے حضرات کے بھی حضرت شاہ علم اللہ کے احفاد سے تعلقات کا پتہ چلتا ہے اور ان کے پوتے حضرت شاہ محمد عدل عرف شاہ لعل صاحب حسنی رائے بریلوی (۱۱۹۲ھ) سے روحانی روابط ظاہر ہوتے ہیں اور فرنگی محل کے خانوادۂ علم و فضل کے گل سرسبد حضرت مولانا شاہ محمد نعیم فرنگی محلی نے حضرت شاہ محمد عدل کے علم و فضل کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

''ان جیسا صاحب عزیمت وورع صاحب استقامت وکرامت صاحب تشرع وتورع (بزرگی) صاحب فضل وکمال اس عہد میں اور کوئی نہیں پیدا ہوا مہر درخشاں کی طرح روشن ہوئے اور ایک عالم کو فیضیاب کر گئے'' (خانوادہ علم الٰہی ص: ۹۱)۔

جہاں تک مولانا ازہار الحق فرنگی محل کا تعلق ہے تو وہ ان کے مرید اور خلیفہ بھی تھے۔

حضرت ملا عبدالعلی بحر العلوم فرنگی محلی جب رام پور سے بردوان (بنگال) جارہے تھے تو رائے بریلی میں حضرت شاہ محمد عدل حسنی رائے بریلوی کی خانقاہ میں ایک رات قیام کیا تھا اس لئے کہ ان کے داماد مولوی ازہار الحق فرنگی محلی جو شاہ صاحب کے مجاز طریقت تھے، خانقاہ میں مقیم تھے۔

مفتی ولی اللہ فرنگی محلی ''اغصان اربعہ'' میں لکھتے ہیں:

''الغرض از رام پور بطرف موضع مذکورہ (بہار ضلع بردوان) روانہ شد، در اثنائے راہ شہر رائے بریلی کہ مسکن شاہ لعل بود وملا ازہار الحق کہ برادرزادہ عم زاد ودامادبود درانجا قیام داشت بگذشت ومولوی ازہارالحق مذکور راجع فرزند وبرادرزادہ اوہمراہ خود'' (ص: ۱۳۳)۔

قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ملا عبدالعلی بحر العلوم کا یہ سفر رائے بریلی حضرت شاہ محمد عدل حسنی کے سفر آخرت کے قریب کا ہے ۱۱۹۲ھ میں یہ سفر ہوا اور اس کے کچھ دنوں کے بعد حضرت شاہ محمد عدل نے وفات پائی۔

حضرت ملا بحر العلوم مولانا عبدالعلی بن حضرت ملا نظام الدین فرنگی محلی کا پھر مدراس میں والا جاہ نواب محمد علی نواب آرکاٹ مدراس کے یہاں ۲۴/ ذی الحجہ ۱۲۰۵ء سے ۱۲/ رجب ۵/ ۱۲۲ھ تک قیام رہا، عجیب بات ہے کہ خانوادۂ علم اللّٰہی کے ایک اور چشم وچراغ مولانا سید قطب الدین محمد اسی زمانہ میں نواب آرکاٹ کے یہاں برسر روزگار تھے، مصنف خانوادۂ علم اللٰہی مولانا سید محمد ثانی حسنی رقمطراز ہیں:

''مدراس کے نواب کے دربار میں سو روپے کے گرانقدر مشاہرہ پر معزز عہدہ سے سرفراز تھے، ۱۲۵۵ھ کو چینا پٹن مدراس (چنئی) میں انتقال کیا، مولانا سید قطب الدین محمد صاحب حضرت شاہ ابوسعید حسنی کے بھتیجہ اور حضرت شاہ محمد معین تلمیذ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے شاگرد تھے، یہ بات ملحوظ رہے کہ مولانا سید محمد معین شاہ ابوسعید حسنی دونوں ہی بیک واسطہ حضرت ملا نظام الدین فرنگی محلی کے شاگرد تھے اور امیٹھی (لکھنؤ) جاکر ملا عبداللہ امیٹھوی سے شرف تلمذ حاصل کیا تھا (ملاحظہ ہو خانوادۂ علم اللٰہی)۔

جب امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا قافلہ لکھنؤ میں ٹیلہ والی مسجد میں ٹھہرا تو حضرت ملا بحر العلوم مولانا عبدالعلی فرنگی محلی کے صاحبزادہ اور حضرت مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کے دادا مولانا عبدالرب صاحب مرحوم نے پورے قافلہ کی ضیافت فرمائی اور ایک وقت کی دعوت کا

اہتمام فرمایا تھا، یہ تحقیق سے معلوم نہ ہوسکا کہ کھانا قیام گاہ سے پہنچایا تھایا فرنگی محلی میں مدعو کیا تھا، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے سیرت سید احمد شہید میں اس تعلق کا ذکر فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ:

"پہلے روز ملک العلماء مولانا عبد العلی بحر العلوم کے صاحبزادے مولوی عبد الرب صاحب (متوفی ۱۲۵۳ھ) نے دعوت کی، قیام گاہ کے قریب جو مسجد تھی اس میں سب آدمیوں کی گنجائش نہ تھی، آپ نے مرزا اسد علی بیگ سے فرمایا کہ "یہاں جماعت کو تکلیف ہے قیام کے لئے کوئی دوسری جگہ تجویز کرنی چاہئے جہاں بڑی وسیع مسجد ہو"، مرزا صاحب شیخ امام بخش سوداگر کے پاس گئے، سوداگر صاحب نے دریائے گومتی کے کنارے ٹیلے والی عالمگیری مسجد (پیر محمد صاحب کی مسجد) کے قریب ایک نفیس حویلی تعمیر کی تھی اس حویلی میں قافلے کا قیام ہوا، اس روز سے شاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلے کی مسجد میں نماز فراغت سے ہونے لگی" (سیرت سید احمد شہید ۱/ ۲۰۴)۔

جہاں تک امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید سے تعلق کی بات ہے تو یہ تعلق ان کی اولاد میں متعدی رہا، ان کے نواسہ مولانا سید محمد مصطفیٰ ٹونکی (متوفی ۱۳۲۰ھ) کے بارے میں حضرت مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کے الفاظ بڑی معنویت رکھتے ہیں، وہ ان کے اتباع شریعت اور عمل بالسنہ کے بڑے قائل نظر آتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"إن لمثله يسوغ أن يتتبع الأحاديث ويعمل بها نظراً إلى تورعه"۔

ان کے احتیاط وتقوی کو دیکھتے ہوئے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ان جیسی شخصیت کو یہ مقام حاصل ہے کہ وہ احادیث کا تتبع کرے اور اس پر عمل کرے (خانوادۂ علم الٰہی ۱۹۹-۲۰۰)۔

مولانا سید محمد مصطفیٰ ٹونکی، لکھنؤ فرنگی محل میں حاضر ہوئے اور علامہ عبد الحی فرنگی محلی (م ۱۳۰۴ھ) سے علم حاصل کیا، اس سے قبل وہ مولانا عبد الغفور ٹونکی اور مولانا امیر احمد سہسوانی سے تعلیم کا ایک حصہ حاصل کر چکے تھے۔

مولانا عبد الرزاق فرنگی محلی کا ذکر پہلے گزر چکا ہے انہوں نے دوشنبہ ۲۵/صفر ۱۳۰۷ھ) میں یعنی علامہ عبد الحی فرنگی محلی کی وفات کے تین سال بعد وفات پائی، وہ ایک شیخ

طریقت بھی تھے، اورتقوی وطہارت میں ضرب المثل تھے،مولانا عبد الباری بن مولانا عبد الوہاب فرنگی محلی (م ۱۹۲۶ء)بانی جمیعۃ علماء ہند اورتحریک خلافت ان کے پوتے ہیں، ان ہی مولانا عبدالرزاق فرنگی محلی سے مولانا سیدرشید الدین بن مولانا سیدسعید الدین بن مولانا غلام مہدی بن حضرت مولانا محمدواضح حسنی نے علم حاصل کیا، خانوادہ علم الہٰی کے مصنف لکھتے ہیں:

''لکھنؤ جا کرمولانا عبدالرزاق فرنگی محلی سے صرف ونحواور علوم آلیہ کی تحصیل کی اور اسی پر اکتفا کر کے وطن آ گئے (ص: ۱۹۳)۔

علامہ عبد الحی فرنگی محلی کے شاگردوں میں مولانا سیدمحمد حسین حسنی نصیرآبادی (متوفی ۱۳۰۳ھ) اورحضرت مولانا سیدمحمد امین حسنی نصیرآبادی (متوفی ۱۳۴۹ھ) کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں،مولانا سیدمحمد حسین بھوپال منتقل ہو گئے تھے، جوانی میں ۱۳۱۳ھ میں وفات پائی،مولانا محمد ثانی حسنی لکھتے ہیں:''ابتدائی تعلیم مولانا خواجہ احمد نصیرآبادی سے حاصل کی اور اپنے والد ماجد (مولانا سید احمد حسن نصیرآبادی متوفی ۱۳۱۷ھ) سے کچھ کتابیں پڑھیں اورصحاح ستہ تک کی تعلیم مولانا عبدالحی فرنگی محلی سے حاصل کی'' (خانوادۂ علم الہٰی ص: ۱۹۷)۔

حضرت مولانا سیدمحمد امین نصیرآبادی نے عربی کی ابتدائی تعلیم اپنے عم بزرگوار سید خواجہ احمد نصیرآبادی سے حاصل کی، اس کے بعد جونپور جا کر مولانا عبداللہ چھپروی سے صرف ونحو پڑھی اورمولانا شبلی بن حضرت مولانا سخاوت علی جونپوری (خلیفہ حضرت سید احمد شہید) سے ہدایہ تک تعلیم حاصل کی، پھر لکھنؤ میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی سے ۲۰ سال کی عمر میں درسیات کی تکمیل کی،مولانا عبدالحی فرنگی محلی سے ان کا تعلق بہت گہرا تھا، اس میں ایک بڑا سبب یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سیدمحمد امین نصیرآبادی کے والد مولانا سیدمحمد طہٰ نصیرآبادی نے علم حاصل کرنے کے لئے لکھنؤ کا سفر کیا تھا اورمولانا عبدالحی فرنگی محلی کے والد مولانا عبدالحلیم لکھنوی سے درسیات کی تعلیم حاصل کی تھی اور تکمیل کی، خانوادہ علم الہٰی کے مصنف نے ان حقائق کی طرف اشارہ کیا ہے اورمولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی کے خصوصی تعلق کوظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مولانا (سیدمحمد

امین صاحب) سے اس زمانہ کے علماء ومشائخ خصوصا ان کے اساتذہ کو بڑا تعلق تھا،مولانا عبد الحی فرنگی محلی کوخصوصی تعلق تھا،فراغت کے وقت اپنا کتب خانہ اپنے لائق شاگرد کو دے دیا اور برابر مکاتبت کا سلسلہ جاری رہا، ۱۳۰۰ھ میں ایک خط تحریر فرمایا جس کے الفاظ یہ ہیں:

''ازمحمد عبدالحی عفی عنہ بجامع فضائل کمالات مولوی سید محمد امین صاحب زادمجدہ''۔

دوسری جگہ تحریر فرمایا:

''اذکیاءزماں فاضل دوراں مولوی سید محمد امین صاحب لازالت شموس فیوضہ بازغۃ''

(خانوادۂ علم الٰہی ص: ۲۴۵)۔

حضرت مولانا محمد نعیم فرنگی محلی (متوفی ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء) حضرت مولانا عبدالحی حسنی (متوفی ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۲۳ء) کے خاص استاد تھے،مولانا عبدالحی حسنی کے علاوہ ان کے والد مولانا حکیم سید فخر الدین خیالی (وفات ۱۹۰۸ء) نے بھی ان سے تعلیم حاصل کی تھی، خانوادۂ علم الٰہی کے مصنف لکھتے ہیں:

''۱۲۸۲ھ میں لکھنؤ تشریف لائے، اس وقت لکھنؤ اہل علم وفضل کا گہوارہ بنا ہوا تھا اور خصوصاً فرنگی محل میں اصحاب درس علماء کی معتد بہ تعداد موجود تھی، جن کے علمی فیوض سے ایک عالم مستفید ہو رہا تھا،مولانا فخر الدین فرنگی محل کے مشہور عالم مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کی خدمت میں پہنچے اور ان کے حلقۂ درس میں شریک ہو گئے اور ممتاز شاگردوں میں شمار کئے جانے لگے،مولانا محمد نعیم فرنگی محلی سے شرح وقایہ،مشکوۃ،تفسیر جلالین اور دوسری متوسطات اور اعلیٰ کتابوں کی تعلیم حاصل کی،مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کی محبت وشفقت وخاص توجہ نے مولانا فخر الدین کے اندر علم کا ذوق اور اس کی استعداد اور لیاقت پورے طور پر پیدا کر دی'' (ص: ۲۰۴-۲۰۵)۔

حضرت مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کے دوسرے ممتاز شاگرد انہی مولانا حکیم فخر الدین خیالی کے صاحبزادے مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء ہیں، انہوں نے مولانا محمد نعیم صاحب سے کتب درسیہ پڑھیں، اس کے علاوہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے شاگرد مولانا محمد حسین

الہ آبادی کے پاس دو سال رہ کر تعلیم حاصل کی تھی، مولانا محمد نعیم صاحب کے متعلق مولانا عبدالحی صاحب کے صاحبزادہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی حیات عبدالحی میں لکھتے ہیں:

''نزہۃ الخواطر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مولانا امیر علی صاحب سے تفسیر جلالین مکمل پڑھی اور مولانا فضل اللہ صاحب فرنگی محلی سے میبذی کی شرح ہدایہ الحکمۃ اور حاشیہ غلام میر زاہد اور مولانا محمد نعیم صاحب سے ہدایہ، سراجی، شرح عقائد اور نخبۃ الفکر پڑھی، لکھنؤ کے اساتذہ میں مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی سے تلمذ خاص رہا، مولانا کو بھی خصوصی شفقت تھی، آپ کے لکھنو کے زمانہ قیام میں جلیل القدر و نامور عالم دین مولانا عبدالحی فرنگی محلی بھی حیات تھے، آپ نے ان کی زیارت کی، ان کی مجالس میں بھی شریک ہوئے، لیکن غالباً ابتدائی کتابیں ہونے کی وجہ سے ان سے پڑھنے کی نوبت نہیں آئی، مولانا کے جنازے اور تدفین کے موقع پر بھی آپ موجود تھے'' (حیات عبدالحی ص ۷۹-۸۰)۔

مولانا حکیم سید محمد اسحاق حسنی (خالصہاٹ رائے بریلی) کے بارے میں مولانا محمد ثانی حسنی لکھتے ہیں:

''مولوی سید محمد اسماعیل کے صاحبزادے اور حضرت شاہ داؤد حضرت شاہ علم اللہ کی اولاد میں تھے، ۱۲۸۷ھ یا ۱۲۸۸ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، اس کے بعد لکھنؤ جا کر مشہور علماء اور اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا فرنگی محل کے مشہور عالم اور شیخ طریقت مولانا محمد نعیم فرنگی محلی سے فقہ وحدیث پڑھی'' (خانوادہ علم الہیٰ ص ۲۶۸)۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی پر جن شخصیتوں نے گہرا اثر ڈالا ان میں ایک نام مولانا حافظ سید عبید اللہ حسنی کا ہے جو ان کے حقیقی ماموں اور مربی تھے، وہ حفظ قرآن کی تکمیل کے بعد درسیات کی تعلیم کے لئے لکھنؤ آئے اور وہاں کے مختلف اساتذہ سے مختلف کتابیں پڑھیں، ان اساتذہ میں ایک اہم نام مولانا فضل اللہ فرنگی محلی کا بھی ہے (ملاحظہ ہو خانوادہ علم الہیٰ ص ۲۵۹)۔

حیات عبدالحی میں مولانا عبدالحی حسنی کے اساتذہ فرنگی محلی میں مولانا فضل اللہ

صاحب کا بھی نام ہے، اس وضاحت کے ساتھ کہ مولانا نے ان سے صرف معقولات کی تعلیم حاصل کی، مولانا فضل اللہ فرنگی محلی مولانا نعمت اللہ فرنگی محلی کے صاحبزادے اور شاگرد تھے، مولانا عبد الوحید نبیرہ بحر العلوم اور مولانا عبد الحلیم بن امین اللہ فرنگی محلی سے پڑھیں، مولانا عبد الرزاق فرنگی محلی کے مرید تھے، آپ کا انتقال ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۱۲ھ کو ہوا۔

علماء فرنگی محل کا تعلق ندوۃ العلماء سے

شمس العلماء مولانا عبد الحمید فرنگی محلی کا تعلق دار العلوم ندوۃ العلماء سے رہا جس کی نظامت مولانا عبد الحی حسنی اور پھر ان کے صاحبزادے مولانا ڈاکٹر عبد العلی حسنی نے عرصہ دراز تک کی، مولانا عبد الحی حسنی ندوہ کے ابتدائی دور سے بحیثیت معاون ناظم تھے اور مولانا عبد الحمید فرنگی محلی بحیثیت مفتی دار العلوم ندوۃ العلماء کچھ عرصہ رہے (ملاحظہ ہو: مناقب حمیدیہ از مولوی مفتی محمد صدیق زید پوری)۔

ندوۃ العلماء کی تحریک سے وابستگی حضرت مولانا محمد نعیم صاحب کے بعد شمس العلماء مولانا عبد المجید فرنگی محلی (امام عیدگاہ عیش باغ لکھنؤ) کی رہی، جو ان کے حقیقی برادر زادہ تھے اور پھر آخر میں مولانا محمد اسلم صاحب (م ۱۹۴۱ء) نبیرہ مولانا محمد نعیم صاحب کے تعلقات مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب سابق ناظم ندوۃ العلماء سے رہے، اور مولانا ناصر میاں (متوفی ۱۹۷۸ء) اور ان کے صاحبزادے مولانا فاخر میاں فرنگی محلی نے اس رابطہ وتعلق کو باقی رکھا، اسی طرح مولانا محمد کامل فرنگی محلی ابن مولانا محمد اسلم صاحب کا مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی سے بڑا تعلق تھا اور مولانا شاہ محمد فاخر میاں فرنگی محلی مرحوم (م ۲۰۱۱ء) نے اپنے فرزند رشید مولوی ابو الحسن میاں فرنگی محلی کو دار العلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم دلوائی اور انہوں نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد کچھ اسباق بھی اپنے ذمے لئے، لیکن والد صاحب کے انتقال کے بعد کچھ دوسری ذمہ داریوں کی وجہ سے یہ سلسلہ قائم نہ رکھ سکے، اسی طرح مولانا عبد المجید صاحب فرنگی محلی کے پوتے مولانا ابو الطیب احمد میاں فرنگی محلی زادمجدہ کے دو صاحبزادے مولوی طارق رشید

صاحب اور مولوی خالد رشید صاحب فرنگی محلی نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی، اس طرح جو تعلق فرنگی محل کے علماء کا خانوادۂ علم اللہی رائے بریلی اور ندوۃ العلماء سے پہلے قائم ہوا تھا، وہ قائم ودائم ہے۔

اخیر میں ہم اسلامک سنٹر اور دارالعلوم فرنگی محل کے ذمہ داروں کو مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے علمائے فرنگی محل کی جوان کے اسلاف ہیں علمی خدمات کے تذکرہ کا موقع فراہم کیا اور ان کی یہ کوشش بھی قابل مبارکباد ہے کہ اس تعلیمی سلسلہ کو جو صدیوں قائم رہا اس کے احیاء کی کوشش کر رہے ہیں، امید ہے اس میں نئے حالات اور تقاضوں کی رعایت ہوگی، اس لئے کہ یہ نصاب جو بارہویں صدی ہجری میں تیار ہوا تھا، اس میں اس وقت کے حالات کی رعایت تھی، اس لئے اس میں فقہ اور اصول اور علوم عقلیہ پر زیادہ توجہ کی گئی تھی۔ضرورت ہے کہ اس میں علوم قرآن، حدیث اور دعوت اسلامی کے تقاضوں کی رعایت سے نئے علوم کا اضافہ کیا جائے اور اس وقت اسلام اور علوم اسلامیہ کے بارے میں مغرب سے جو علمی اور فکری جنگ مستشرقین اور ان کے منتسبین کے ذریعہ چل رہی ہے اس کا علمی جواب دیا جائے اور نئی نسل کی ذہنی، فکری اور ثقافتی حفاظت کی جائے۔ اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے تعاون سے سمینار منعقد ہو رہا ہے، اور اسلامک فقہ اکیڈمی کا اہم موضوع فقہی مسائل ہے، اس لئے امید ہے کہ ایسا تعاون اس سلسلہ میں مفید ہوگا۔ضرورت ہے کہ ماضی حال اور مستقبل کے درمیان ربط پیدا کیا جائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وما توفیقی إلا باللہ العلی العظیم۔

☆☆☆

علماء فرنگی محل (علاوہ مولانا عبدالحیؒ) کی علمی خدمات پر ایک نظر

منور سلطان ندوی☆

کثیر التصانیف علماء

فرنگی محل کے علماء کا درس وتدریس اورتصنیف سے خاص اشتغال رہا ہے، اکثر علماء ان دونوں چیزوں سے جڑے نظر آتے ہیں، تذکرہ علماء فرنگی محل میں اکثر علماء کے تعارف میں ان کی تصانیف کا ذکر ملتا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تصنیف رجال کے ساتھ تصنیف کتب کا کام مسلسل جاری تھا، ہر عالم مصنف ہے، مگر ان میں بعض شخصیات کو علم وتحقیق کی دنیا میں بڑی شہرت حاصل رہی، اس خانوادے میں کثیر التصانیف کی حیثیت سے چار حضرات مشہور رہے ہیں، ان میں پہلا نام ملا نظام الدینؒ کا ہے، جو استاذ الہند کے لقب سے مشہور ہیں، اصول فقہ، عقائد اور منطق وفلسفہ سے متعلق آپ کی اہم تصانیف ہیں، دوسرا نام مولانا عبدالعلیؒ کا ہے، جو بحر العلوم کے نام سے معروف ہیں، مختلف موضوعات پر آپ کی سو سے زائد کتابیں ہیں، تیسرے ملا مبین بن ملا محب اللہ ہیں، چوتھے نمبر پر مولانا ولی اللہ بن ملا حبیب اللہ کا شمار ہوتا ہے، یہ چاروں حضرات منقولات ومعقولات کے جامع تھے، ان کے علاوہ مولانا عبدالحیؒ، آپؒ کے والد ماجد مولانا عبدالحلیمؒ، مولانا عبدالباریؒ، مولانا برکت اللہؒ، مولانا محمد معین بن ملا مبینؒ کی بھی بڑی تصنیفی خدمات ہیں، ان حضرات کی تصنیف کا دائرہ مختلف

☆ (رفیق دارالافتاء دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

فنون تک پھیلا ہوا ہے، ان کے علاوہ بڑی تعداد ان حضرات کی ہے جو کثیر التصانیف کے اصطلاحی نام سے معروف تو نہیں ہیں، مگر ان کی تصانیف بھی کم نہیں ہیں، صحیح یہ ہے یہ پورا خانوادہ این خانہ ہمہ آفتاب است کے مصداق نظر آتا ہے۔

ان علماء کی علمی خدمات کا مکمل تذکرہ مشکل ہے، منطق، اصول فقہ وفقہ، حدیث، تفسیر، کلام سے متعلق فن وار ان خدمات کی ایک جھلک پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے، اخیر میں کثیر التصانیف علماء کی کتابوں کی ایک فہرست بھی دی جارہی ہے، تاکہ ان علماء کی علمی خدمات کا اندازہ ہو سکے۔

معقولات - علماء فرنگی محل کا اصل علمی میدان

اس میں کوئی شک نہیں کہ فرنگی محل کے علماء اصلاً مدرسین تھے، انہوں نے افراد سازی کی، تصنیف وتالیف پر ان کی توجہ اتنی نہیں تھی جتنی تدریس پر تھی، ان کے یہاں تدریس میں کمال ہی منتہائے کمال سمجھا جاتا تھا، اس لئے ان حضرات کی ساری توجہ تدریس پر اور تدریسی کتابوں کی تصنیف پر تھی، ملا نظام الدینؒ کے مرتب کردہ نصاب درس میں غالب حصہ معقولات کا رہا ہے، اس لئے یہی ان کی تدریس وتصنیف کا اصل محور بنا، اس خاندان کی بہترین ذہانتیں اس فن پر صرف ہوئی ہیں، یوں تو اکثر فنون کی ان حضرات نے خدمت کی ہے، مگر جو توجہ معقولات کو مل سکی وہ کسی اور فن کو کم ملی، اس فن کے بڑے بڑے امام اس خاندان میں پیدا ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس موضوع پر ان کی کاوشیں بہت ہیں، علامہ شبلیؒ نے منطق وفلسفہ میں ان کے تفوق کا اعتراف کیا ہے (مقالات شبلی ج ۳، ص: ۱۰۵) علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

ملا قطب الدین اور ملا نظام الدین کے عہد سے لے کر مولانا عبدالحلیم تک اس خانوادہ فضل وکمال کی علمی کوششوں کی جولان گاہ منطق اور اصول کی کتابیں ہیں (مقالات سلیمانی ج ۲، ص: ۵۵)۔

معقولات سے متعلق ان حضرات کی زیادہ تر علمی کاوشیں درسی کتابوں کی شروحات، ان کے حواشی اور حواشی کے حواشی کی شکل میں ہیں، ایک کتاب پر بسا اوقات کئی

حضرات کی شرحیں یا حواشی نظر آتی ہیں، مگر یہ شروح اور حواشی بھی علمی لحاظ سے بہت اہم ہیں، اور ان کے کمال پر شاہد عدل ہیں۔

پرفیسر ولی الحق انصاری صاحب تحریر کرتے ہیں:

یہ علماء بنیادی طور پر صاحب درس تھے، اس لئے ان کی بیشتر تالیفات کا تعلق بھی درس ہی سے ہے، اور یہی سبب ہے کہ ان کی تالیفات میں شرحوں اور حواشی کی تعداد بہت زیادہ ہے، لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ محض حواشی ہیں، حقیقتاً وہ بلند پایہ مستقل تصانیف کا مرتبہ رکھتے ہیں (ماہنامہ نیا دور'' اودھ نمبر'' ص: ۱۴۰ فرنگی محل کی علمی، ادبی اور سیاسی خدمات، از: پرفیسر ولی الحق انصاری)۔

بہت سے علماء نے اس فن میں کمال حاصل کیا اور وہ اس فن کے ماہر کی حیثیت سے مشہور ہوئے، ان کی بلند پایہ تصانیف آج بھی اپنے فن کی اہم تصانیف میں شمار ہوتی ہیں، چند نمایاں نام اور ان کی خدمات اس طرح ہیں:

ملاقطب الدین شہیدؒ کے صاحبزادے ملا نظام الدین (۱۰۸۹ھ-۱۱۴۱) کو منطق وفلسفہ میں کمال حاصل تھا، انہوں نے درس نظامی کے نام سے جو نصاب تیار کیا اس میں منقولات کے ساتھ معقولات پر خاص زور دیا ہے، مولانا عبدالحی حسنیؒ آپ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

لم يكن له نظير في زمانه في الاصول و المنطق و الكلام (الاعلام بمن فی الہند من الاعلام ص: ۸۵۱)۔

علامہ شبلی نعمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

فراغ تحصیل کے ساتھ ہی ملا صاحب اپنے والد بزرگوار کے مسند درس پر متمکن ہوئے، اور تھوڑے ہی دنوں میں ان کا آستانہ مشرقی ہندوستان کا مرجع بن گیا (مقالات شبلی ۳، ص: ۹۴)۔

علامہ نواب صدیق حسن قنوجیؒ فرماتے ہیں: كان فاضلا جيدا عارفا بالفنون المدرسية و العلوم العقلية والنقلية (ابجد العلوم ج ۳، ص: ۲۴۱)۔

اس موضوع پر آپ کی تصانیف اس طرح ہیں: حاشیہ حواشی قدیمہ دوانیہ، حاشیہ شمس

بازغہ، شرح رسالہ مبارزیہ (تذکرہ علماء فرنگی محل ص:۱۸۱)۔

ملا نظام الدینؒ کے بعد آپ کے صاحبزادے بحر العلوم مولانا عبد العلی (۱۱۴۲ھ-۱۲۲۵ھ) کو اس فن میں شہرت ملی، آپ معقولات ومنقولات کے جامع سمجھے جاتے ہیں، مولانا عبد الحی حسنیؒ نے بڑے بلند الفاظ کا آپ کا تعارف کرایا ہے فرماتے ہیں:

کان بحرام زخارا من نحور العلم امام جدالا فی المنطق والحکم والاصول والکلام مجتهدا فی الفروع ماهرا فی التصوف والفقه (الاعلام بمن فی الہند من الاعلام ص:۸۵۱ ص:۱۰۲۳)۔

علامہ شبلی نعمانیؒ فرماتے ہیں کہ درحقیقت ہندوستان کی خاک سے کوئی شخص اس جامعیت کا شروع اسلام سے آج تک پیدا نہیں ہوا (مقالات شبلی ج۳،ص:۹۸)۔

مفتی عنایت اللہ نے آپ کو ابن ہمام وجلال دوانی وصدر شیرازی کے مساوی قرار دیا ہے (تذکرہ علماء فرنگی محل ص:۱۴۰) اس فن کی درج ذیل تصانیف آپ کی علمی یادگار ہے: شرح سلم العلوم، یہ مطبوع ہے اور متداول ہے، حواشی زواہد ثلاثہ، حاشیہ رسالہ میر زاہد، حاشیہ صدرا، شرح ضابطہ التہذیب۔ آپ کی تالیفات میں وہ حقائق ودقائق ملتے ہیں اور شروح وحواشی میں اصل کتاب کا اس طرح حل اختصار کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے (تذکرہ علماء فرنگی محل ص:۱۴۰)۔

ملا نظام الدین کے شاگرد رشید ملا حسن جن کا پورا نام محمد حسن بن قاضی غلام مصطفیٰ (۱۲۰۹ھ) ہے اس فن کے امام شمار کئے جاتے ہیں، مفتی عنایت اللہؒ نے معتبر علماء کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر ملا حسن شیخ ابن سینا سے معقولات میں مقابلہ کرتے تو اس پر غالب آجاتے (تذکرہ علماء فرنگی محل ص:۴۶) وہ مزید لکھتے ہیں کہ ایک دن اپنے نامور استاد یعنی استاذ الہند سے کسی منطقی مسئلہ پر گفتگو فرمارہے تھے کہ استاذ الہند نے فرمایا: شیخ نے شفا میں یہ کہا ہے، تم کیوں اس کے مخالف گفتگو کررہے ہو، ملا حسن نے باادب عرض کیا کہ معقولات میں تقلید نہیں کی جاسکتی، شیخ نے یہ کہا ہے کہ میں یہ کہتا ہوں (حوالہ سابق)۔

مولانا عبدالباری تذکرہ الصالحین میں لکھتے ہیں: **كان متبحرا في علوم الحكمة غواصا في بحار الفنون المنطقية** (تذکرۃ الصالحین بحوالہ: تذکرہ المصنفین ص:۵۷) ملا صاحب بے مثال ذکاوت وذہانت کے مالک تھے، مولانا عبدالحی صاحب نے آپ کو ''احد اذکیاء العالم'' سے تعبیر کیا ہے (الاعلام ص:۸۱۳)۔

آپ کی تصانیف میں غایۃ العلوم ومعارج الفہوم شرح سلم، حواشی صدرا، حواشی زواہد ثلاثہ، حاشیہ شرح تہذیب ملا دوانی، حواشی شمس بازغہ، غایۃ الکلام اور حاشیہ شرح الہدایہ لصدر شیرازی اس فن سے متعلق ہیں، شرح سلم کے بارے مفتی عنایت اللہ لکھتے ہیں کہ ''ملاحسن کے کمال جودت طبع پر یہ شرح شاہد عدل ہے، طرز معقولی میں سلم کی کوئی شرح اس کے مقابل نہیں ہوسکتی'' (تذکرہ علما فرنگی محل ص:۴۸)۔

ملاحسن کے شاگرد ملا مبین بن ملا محب اللہ (م:۱۲۲۵ھ) کو اس فن پر کامل دسترس حاصل تھا، آپ علما فرنگی محل میں کثیر التصانیف علماء میں شمار ہوتے ہیں، مفتی عنایت اللہؒ لکھتے ہیں کہ مولانا بحر العلوم کے بعد سب سے زائد کثیر التصانیف اور بے مثل حل مطالب کرنے والے جامع معقول اور منقول، حاوی فروع واصول، واعظ ومحدث تھے (تذکرہ علما فرنگی محل ص:۱۷۲) سلم کی شرح اور حل بحث مشناۃ بالتکریر مذکوہ صدرا اس فن کی علمی یادگار ہے۔

مولانا ولی اللہ بن ملا حبیب اللہ (۱۲۷۰ھ) بھی معقولات ومنقولات کے جامع سمجھے جاتے ہیں، مولانا عبدالحی ابو الحسنات تحریر فرماتے ہیں:

من اكابر العلماء الواقفين على تحقيقات المتقدمين والمتاخرين نال من البراعة والمهارة بالحظ الوافر والف تاليفا كثيرة تدل على صعوده على معارج العلوم العقلية والنقلية (تذکرہ علما فرنگی محل ص:۱۹۸)۔

حاشیہ ہدایۃ الحکمۃ للصدر الشیرازی، شرح غایۃ العلوم، شرح معارج العلوم، تکملہ شرح سلم مولانا احمد عبدالحق، تکملہ شرح سلم ملاحسن، حاشیہ صدرا وغیرہ کتابیں معقولات سے متعلق ہیں۔

مولانا عبد الحلیم بن امین اللہ (۱۲۳۹ھ- ۱۲۸۵ھ) معقول پر کامل دسترس رکھتے تھے، اس موضوع پر آپ کی درج ذیل تالیفات ہیں: التحقیقات المرضیۃ لحل حاشیۃ الزاہد علی الرسالۃ القطبیۃ، معین الغائصین فی رد المغالطین، ایضاحات لمبحث المختلطات، کشف الاشتباہ فی حل شرح السلم لحمد اللہ، البیان العجیب فی شرح ضابطۃ التہذیب، کاشف الظلمۃ فی بیان اقسام الحکمۃ وغیرہ (الرعایۃ ص: ۱۸)۔

مولانا عبد الباریؒ (۱۲۹۵ھ- ۱۳۴۴ھ) کا بھی علوم نقلیہ کے ساتھ علوم عقلیۃ سے خاص تعلق تھا، ان کی اس فن سے متعلق کتابیں اس طرح ہیں: اعتصام الاذہان، شرحان ایاسا غوجی، تقریب الاذہان، حاشیہ شرح سلم قاضی، حاشیہ میر زاہد، حاشیہ شمس بازغۃ وغیرہ۔

مولانا قطب الدین بن مولانا غلام یحیی خان کی تالیفات میں معقولات سے متعلق کتابیں اس طرح ملتی ہیں: شرح معارج، شرح مدارج تالیفات ملاحسن، حل ضابطہ تہذیب۔

ان کے علاوہ اور بہت سے حضرات کی اس موضوع پر متعدد کتابیں ہیں۔

فقہ و اصول فقہ سے متعلق خدمات

اصول فقہ بھی علماء فرنگی محل کی علمی خدمات کا جلی عنوان ہے، معقولات کے بعد منقولات میں سب سے زیادہ توجہ اسی فن پر رہی ہے، ابتدا ہی سے منطق وفلسفہ کے پہلو بہ پہلو اصول فقہ اور پھر فقہ کا تذکرہ ملتا ہے، اصول فقہ اور فقہ سے متعلق چند اہم شخصیات اس طرح ہیں:

معقولات کی طرح اصول فقہ کے میدان میں بھی سب سے پہلا نام ملا نظام الدین ہے، آپ منقولات کے بھی ماہر تھے، اصول فقہ آپ کا خاص موضوع تھا، آپ کی تصنیفات میں شرح مسلم الثبوت، شرح تحریر الاصول لابن ہمام، شرح منار الاصول کو خاص مقام حاصل ہے۔

مفتی یعقوب بن ملا عبد العزیز (۱۱۲۵ھ- ۱۱۸۷ھ) جید عالم اور مفتی تھے، علوم دینیہ میں ایسی مہارت تھی کہ اپنے زمانہ میں ان علوم کے ممتاز افراد میں شمار ہوتے تھے، حکومت اودھ کی طرف سے افتاء کا عہدہ سپرد ہوا جسے آخری عمر تک انجام دیتے رہے (تذکرہ علماء فرنگی محل

ص: ۲۰۵، فقہاء ہند ج۵، ص: ۲۱۰)۔

یہ اس خاندان کے پہلے سرکاری مفتی ہیں، حکومت کی نظر میں ان کے فتوی کی بڑی اہمیت تھی، مفتی محمد رضا انصاری لکھتے ہیں:

خاندان فرنگی محل میں مفتی محمد یعقوب ہی پہلے عالم ہیں جن کو ایک نہج سے سرکاری مفتی کا رتبہ ملا، جہاں تک عام استفتاءات کے جوابات لکھنے کا تعلق ہے تو وہ ان کے استاذ ملا نظام الدین ہی لکھتے تھے، جہاں تک احکام شرعیہ کے اجراء اور نفاذ کا تعلق ہے اس کے لئے مفتی محمد یعقوب کے دستخطوں کو ہی اہمیت حاصل تھی (باقیات ص: ۱۲۱)۔

مولانا عبد العلی بن ملا نظام **الدین** (م: ۱۲۲۵ھ) جن کا لقب ہی بحر العلوم ہے، وہ بھی دونوں طرح کے علوم کے امام تھے، مفتی عنایت اللہؒ نے آپ کو ابن ہمام کے برابر قرار دیا ہے (تذکرہ علماء فرنگی محل ص: ۱۴۰) فقہ میں اجتہاد کا مرتبہ حاصل تھا، **مولانا** سید عبد الحی حسنی تحریر فرماتے ہیں:

"کان معلوم النظر فی زمانه رأسا فی الفقه والاصول" (الاعلام: ۱۰۲۱)۔

رسائل **الارکان** اپنے موضوع پر شاہکار تصنیف ہے، جس سے آپ کی فقہی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے، اس کے علاوہ ملا محبّ اللہ کی مسلم الثبوت کی شرح جو فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت کے نام سے ہے، نیز تحریر **الاصول** کی شرح کا تکملہ، منار کی فارسی شرح تنویر المنار اس فن کی اہم کتابیں ہیں۔

مولانا محمد مبین بن ملا محبّ اللہؒ (**ولادت: ۱۱۵۷ھ - وفات: ۱۲۲۵ھ**) **معقولات** و**منقولات** کے جامع، اصول و فروع پر حاوی تھے، اس موضوع پر شرح مسلم الثبوت، کنز الحسنات فی مسائل الزکاۃ آپ کی علمی یادگار ہیں۔

مفتی ظہور اللہ بن ملا ولی بن قاضی غلام مصطفیٰ (۱۱۷۴ھ - ۱۲۵۶ھ) اپنے زمانہ کے چیدہ علماء میں تھے، علوم عقلیہ میں مہارت کے ساتھ علوم نقلیہ اور بطور خاص فقہ میں بھی ملکہ تام حاصل تھا، حکومت اودھ کی طرف سے افتاء کا منصب سپرد ہوا، آپ نے چالیس سالوں تک اس

خدمت کوانجام دیا،بعض فقہی کتب درسیہ پرمتفرق حواشی ہیں۔

مفتی احمد بن ملا محمد یعقوب ''ابوالرحم'' کے نام سے معروف ہیں،تمام علوم دینیہ اور بالخصوص فقہ میں مہارت حاصل تھی،اپنے زمانہ کے مشہور فقہاء میں شمار تھا،فقہ کی جزئیات پر بڑا عبور تھا،آپ کی فقہی بصیرت سے متاثر ہوکرنواب سعادت علی خان نے افتاء اور قضاء کا عہدہ سپرد کیا،تمام عمر اس منصب پر فائز رہے،اور افتاء وقضاء کے فرائض بڑی دیانت داری کے ساتھ انجام دیتے رہے (فقہاء ہندوپاک تیرہویں صدی ص:۹۱،تذکرہ علماء فرنگی محل ص:۳۷)۔

مولانا ولی اللہ بن ملا حبیب اللہ(۱۱۸۲ھ-۱۲۷۰ھ)فرنگی محل کے ان چند بزرگوں میں سے ہیں جن پر اللہ تعالی نے باعتبار وجاہت دنیاوی اور خدمت علم کے غیر معمولی فضل فرمایا،استاذ الہند،بحر العلوم،ملا مبین کے بعد کثرت تالیفات میں آپ کا ہی شمار ہوتا ہے (تذکرہ علماء فرنگی محل ص:۱۹۷)معقولات ومنقولات کے جامع تھے،متقدمین اور متاخرین کے علمی سرمایہ سے خوب واقف تھے۔مسلم الثبوت کی شرح نفائس الملکوت اور ہدایہ کی شرح،تکملہ شرح مسلم مولانا احمد عبد الحق،تکملہ شرح مسلم ملاحسن فقہ اور اصول کے موضوع پر بہترین کتابیں ہیں،نفائس الملکوت دوجلدوں اور ہدایہ کی شرح چار جلدوں میں ہے (تذکرہ علماء فرنگی محل ص:۱۹۹،نیادور لکھنؤ نمبر ص:۴۴)۔

مولانا نعیم اللہ بن ملا حبیب اللہ(۱۲۰۰ھ-۱۲۸۲ھ)فقہ اور علم الفرائض میں مہارت حاصل تھی،مولانا عبدالحی حسنیؒ لکھتے ہیں:

كان رأسا في الفقه والفرائض والحساب (الاعلام ج۷،ص:۱۲۶)۔

علم الفرائض میں آپ کا ایک رسالہ خلاصۃ الفرائض مطبوع ہے۔

مولانا عبدالحلیم بن مولانا امین اللہ(۱۲۳۹ھ-۱۲۸۵ھ)اپنے زمانہ کے مشہور عالم تھے،منقول اور معقول دونوں علوم میں مہارت حاصل تھی،آپ کے اعزاز کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ محقق زمانہ مولانا عبدالحی ابو الحسنات کے والد بزرگوار ہیں،مولانا عبدالحی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

كان رحمه الله محققا فى الفنون النقلية مدققا فى العلوم العقلية (الحاية ص: ۱۷)۔

آپ کی تالیفات کثرت سے ہیں، فقہ واصول میں کتابیں درج ذیل ہیں:

الاملاء فى تحقيق الدعاء، رساله فى الاشاره بالسبابه فى التشهد، المصابيح فى مسائل الصوم، السقايه شرح الهدايه، قمر الاقمار حاشيه نور الانوار، القول الحسن فيما يتعلق بالنوافل والسنن، رساله فى احوال رحلة الى الحرمين، عمده التحرير فى مسائل اللون واللباس والحرير، التعليق الفاضلة فى مسئلة الطهر المتخلل، ايقاد المصابيح فى التراويح وغيره۔

ملا مبین کے صاحبزادے مولانا معین (م: ۱۲۸۶ھ) کو صاحب خیر العمل نے خاتم الفقہاء والمحدثین لکھا ہے، اس سے آپ کی فقہی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے، اپنے زمانہ کے مشہور فقیہ اور محدث تھے، فتوی نویسی کی خدمت بھی انجام دیتے تھے، مفتی عنایت اللہ آپ کا تعارف کراتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

بعض صفات میں تو مولانا اپنے زمانہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، مثلاً علم حدیث اور اس کے متعلقات کا کثرت مطالعہ، اور علم فقہ اور اصول اور علم ادب میں مہارت کاملہ، کثرت فتاوی، کثرت مطالعہ کتب ان امور میں مولانا بے نظیر تھے (تذکرہ علما فرنگی محل ص: ۱۷۴)۔

فقہ سے متعلق درج ذیل کتابیں ہیں: نہایت البیان فی ما تحل وتحرم من الحیوان، رسالہ قرآۃ خلف الامام، رسالہ معینہ فی تحریم المتعۃ۔

مفتی محمد یوسف بن مفتی محمد اصغرؒ (۱۲۲۳ھ-۱۲۸۶ھ) اپنے زمانہ کے مشہور فقیہ تھے، مولانا عبدالحی آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

كان جامعا للفروع والاصول حاويا للمعقول والمنقول صاحب الرياضات والمجاهدات...... كان حسن التقرير ذاملكة على حفظ الروايات الفقهية ماهرا بآداب الافتاء وتحريره احسن من تدريسه (الحاية ص: ۱۷)۔

والد ماجد کے انتقال کے بعد عہدہ افتاءنویسی کی خدمت ملی، جسے ۱۲۷۲ھ تک انجام دیتے رہے۔آپ کی تصانیف میں **معقولات** اورتفسیر کی کتابوں کے علاوہ شرح وقایہ کا حاشیہ اس فن کی یادگار ہے۔

شمس العلماء **مولانا محمد نعیم** بن مولانا عبدالحکیمؒ (م:۱۳۱۸ھ) کوعلوم فقہیہ میں کمال حاصل تھا، اس فن میں اپنے زمانہ میں بےنظیر شمار تھے، اسی کے ساتھ زہد وتقوی اور احتیاط میں اعلی درجہ حاصل تھا، فتوی نویسی کی خدمت بھی انجام دیتے تھے، مگر احتیاط کا یہ حال تھا کہ اپنی علمی وسعت نظری کے باوجود معمولی استفتاء کا جواب بھی کتاب دیکھے بغیر نہیں تحریر فرماتے تھے (تذکرہ علما فرنگی محل ص: ۱۹۴)۔

پروفیسر ولی الحق انصاری لکھتے ہیں:

مولانا عبدالحی کے معاصر شمس العلماء مولانا محمد نعیم زاہد یگانہ اور عالم زمانہ تھے، جنہوں نے اپنے پر دادا ملاعبدالعلی بحرالعلوم کی روایات کو برقرار رکھا، علوم فقہ اور انساب میں وہ یگانہ عصر تھے، اس کے علاوہ صاحب تصانیف کثیرہ ہیں، لیکن افسوس کہ وہ زیادہ تر نامکمل ہیں، تنقیدالکلام البتہ زیورطبع سے آراستہ ہوکر شائع ہوئی (نیا دور اودھ نمبر ص: ۴۵)۔

مولانا عبدالباری بن مولانا عبدالوہاب (۱۲۹۵ھ-۱۳۴۴ھ) کوبڑی عزت وشہرت ملی، ہندوستان کے علاوہ عرب ممالک میں آپ اور مولانا عبدالحی کے سوا کسی کو اتنی شہرت نہیں ملی، علوم عقلیہ اورنقلیہ دونوں میں ماہر تھے، سیاسی شعور بھی گہرا تھا، جمعیۃ علماء ہند اور خلافت کمیٹی کے روح رواں رہے، خود متعدد تنظیمیں بنائیں فرنگی محل کے مدرسہ نظامیہ کو زندہ کیا۔تدریس، تصنیف، فتوی نویسی کے ساتھ سیاست کے میدان میں سرگرم عمل رہے ہندو مسلم اتحاد کی عملی کوشش کا آغاز آپ نے ہی کیا۔مولانا عنایت اللہ صاحب نے آپ کی ۱۱۰ کتابوں کا نام ذکر کیا ہے ان میں فقہ کی ۱۳ اور اصول فقہ کی ۳ کتابیں ہیں، فقہ سے متعلق چند کتابیں اس طرح ہیں:

الانصاف فی الاوقات، الحظر، احقاق السماع، رسالہ فی مسائل

الطهارة،فتاوی قیام الملة والدین،ملهم الملکوت شرح مسلم الثبوت،اعجاز الابصار شرح المنار وغیره۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

مرحوم کو دراصل فقہ حنفی کے ساتھ والہانہ شغف تھا، اور اس کی نادر اور حنفی اماموں کی اصل کتابوں کا بڑا شوق تھا، اور ساتھ ہی ایسی حدیثوں کی بھی تلاش رہتی تھی جن سے کسی حنفی مسلک کی تائید ہوتی ہو،مولانا کے یہاں جب بھی جانا ہوتا اور ملنا ہوتا تو ان عنوانات پر گفتگو ضرور ہوتی، حدیث وفقہ کی نادر کتابوں کی بہم رسانی کا بھی انہیں شوق تھا، امام محمد کی سیر کبیر کا نسخہ جمع کرایا تھا، آثار امام محمد کے رجال کی تحقیق پر رسالہ لکھا، احادیث متواترہ یکجا کئے، ان کی سینہ بہ سینہ روایات کا خاندانی مجموعہ بھی چھاپا،مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک باب امام ابوحنیفہ کے رد میں ہے،مولانا نے ان کا جواب لکھا جو چھپ گیا ہے (مقالات سلیمانی ج ۲، ص: ۶۴)۔

رحمت اللہ بن ملا نور اللہ (م: ۱۳۰۵ھ) اپنے زمانہ کے مشہور علماء میں تھے،فقہ اور بطور خاص علم الفرائض میں کامل مہارت حاصل تھی،مفتی عدالت بھی رہے،فقہ میں ایک رسالہ اور ان کے فتاوی کا مجموعہ ان کی علمی یادگار ہے (الاعلام ج ۸، ص: ۱۲۲۹)۔

مولانا عبدالرزاق بن مولانا جمال الدین (۱۲۳۶ھ-۱۳۰۷ھ) کے بارے میں مولانا عبدالحی صاحب لکھتے ہیں:

فقیه عابد ونبیه زاهد ......له حفظ قوی للفروع الفقهیة (الحاية ص: ۱۹)۔

فقہ سے متعلق کتابیں اس طرح ہیں: حاشیہ شرح وقایہ (ناتمام)، منہج الرضوان فی قیام رمضان، کشف القنات عن امور الاموات، رسالہ آداب مطالعہ وغیرہ۔

مولانا خادم احمد (م: ۱۲۷۱ھ) کی فقہ کے موضوع پر درج ذیل کتابیں ہیں: **رسالہ دایره هندیه، رساله طهر متخلل، زاد الفتوی فی آداب الفتوی، اعلام الهدی فی تحریم المزامیر والغنا، هدایت الانام فی إثبات تقلید ائمة الکرام** (تذکرہ

علما فرنگی محل ص: ۵۷)۔

ان کے علاوہ مولانا عبدالحمید بن عبدالحلیم (م: ۱۳۵۳ھ) مؤلف: حاشیہ قدوری، حاشیہ شرح وقایہ، مولانا عبدالمجید بن عبدالحلیم (م: ۱۳۴۰ھ) مولانا افہام اللہ بن مولانا انعام اللہ (۱۳۱۸ھ)، مولانا عبدالباسط بن مولانا عبدالرزاق (م: ۱۲۹۵ھ) مولف: مجموعہ فتاوی، مولانا عبدالواحد بن مولانا عبدالاعلی، مولانا ابوالحسن بن عبدالجامع (م: ۱۲۸۲ھ) مولف: تمیز الکلام فی بیان الحلال والحرام، مولانا امین اللہ بن ملا محمد اکبر (م: ۱۲۵۳ھ) مولف: حاشیہ مسلم الثبوت، حاشیہ شرح وقایہ، مولانا برہان الحق بن مولانا نور الحق (م: ۱۲۸۶ھ) مولانا جمال الدین بن مولانا علاء الدین (م: ۱۲۷۶ھ)، مولانا حبیب اللہ بن محب اللہ (م: ۱۲۲۶ھ) وغیرہ کا فقہ سے خاص تعلق رہا ہے، مولانا عبدالحی حسنیؒ نے ان میں سے بعض کو العالم الفقیہ اور بعض کو احد الفقہاء الحنفیۃ کہا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: الاعلام ج ۸)۔

یہ سن کر تعجب ہوگا کہ فرنگی محل کے علماء نے پچاس برس ادھر تک علوم نقلیہ کی کوئی قابل ذکر خدمت نہیں کی تھی، حدیث اور فقہ و تفسیر ملا کر فخر المتاخرین مولانا عبدالحیؒ تک صرف دو تالیفیں ہوئی تھیں، جن میں سے ایک فقہ اور دوسری تفسیر میں، فقہ میں بحر العلوم کی نے ارکان اربعہ لکھی تھی اور تفسیر میں ایک بے مثل اور قابل ذکر تفسیر فارسی زبان میں ملا مبین کے نامور شاگرد اور بھتیجے مولانا ولی اللہ فرنگی محلی نے تالیف فرمائی، حدیث کی کوئی قابل ذکر تالیف مولانا ولی اللہؒ کے زمانہ تک کسی نے نہیں کی (تدوین حدیث از مفتی عنایت اللہ، ص: ۴۱)۔

علامہ ندویؒ اور مفتی عنایت اللہؒ نے کسی قابل ذکر کتاب کی نفی کی ہے، ورنہ ان علماء کا حدیث سے اشتغال اور اس کی طرف توجہ کا ثبوت اس سے پہلے بھی ملتا ہے، جس کے معترف یہ حضرات بھی ہیں، سید صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

ملا بحر العلوم فرنگی محل میں سب سے پہلی ہستی ہیں جن کی تصنیفات کتب حدیث کے حوالوں سے لبریز ہیں..... مولانا بحر العلوم کی دو تصنیفات ارکان اربعہ فقہ میں اور فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت اصول میں ایسی کتابیں ہیں جن میں احادیث اور کتب احادیث کے حوالے

بکثرت آئے ہیں (مقالات سلیمانی ج ۲، ص: ۵۶) اور مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ملا بحر العلوم کی کتابوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فن حدیث میں بھی ملکہ رکھتے تھے (تدوین حدیث ص: ۱۷)۔

مولانا محمد رضا انصاری کی تحقیق کے مطابق بحر العلوم کی ایک کتاب اصول حدیث سے متعلق بھی ہے، جو رضا لائبریری میں مخطوطہ کی شکل میں ہے (بانی درس نظامی ص: ۲۶۹)۔

ملا مبین (م: ۱۲۲۵ھ) کثیر التصانیف عالم، فقیہ اور محدث تھے، ان کو کثرت سے احادیث یاد تھیں، انصاف اربعہ میں ہے:

واحادیث بسیار حفظ داشت، چنانچہ ہنگام وعظ ترجمہ ہزاراں احادیث بر زبان می آوورد (انصاف اربعہ ص: ۱۸)۔

مفتی عنایت اللہؒ بیان کرتے ہیں کہ ہزار ہا احادیث اپنی یاد سے وعظوں میں بیان فرماتے، جس سے علم حدیث میں کمال وسعت نظر معلوم ہوتی ہے (تذکرہ علماء فرنگی محل ص: ۱۷۲)۔

ملا حیدر بن ملا مبین (م: ۱۲۵۶ھ) نے سفر حج میں مکہ کے محدثین علامہ سید یوسف اہدل اور عمر بن عبد الرسول مکی، شیوخ مدینہ مسند الوقت شیخ عابد سندی اور علامہ عبد الحفیظ العجمی سے اجازت حدیث حاصل کی (تذکرہ علماء فرنگی محل ص: ۵۰، مقالات سلیمانی ص: ۵۶)۔

مولانا عبد الرزاق بن مولانا جمال الدین (۱۲۳۶-۱۳۰۷ھ) خانوادۂ فرنگی محل کے مشہور بزرگ تھے، آپ نے حدیث کا علم مرزا حسن علی محدث، مولانا حسین احمد ملیح آبادی محدث اور شیخ ملا محسن بن بدر مدنی سے حاصل کیا، اور طویل عرصہ تک علوم نقلیہ کی تدریس میں مصروف رہے، تذکرہ علماء فرنگی محل میں ہے:

بعد بیعت زیادہ تر علوم شرعیہ کا درس فرماتے، اور خاص کر فقہ وحدیث کی جانب خاص توجہ عالی تھی (تذکرہ علماء فرنگی محل ص: ۹۳)۔

مفتی عنایت اللہ ثقات کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آپ کو ہزاروں حدیثیں مع اسناد زبانی یاد تھیں، آپ نے رسائل اذکار میں جتنی حدیثیں تحریر فرمائی ہیں وہ سب حفظ سے لکھائی

ہیں (تدوین حدیث ص: ۴۳۷)۔

مولانا محمد معین بن ملا مبین (م: ۱۲۵۸ھ) کو خاتم المحدثین کہا گیا ہے، آپ پہلے شخص ہیں جن کی حدیث کے موضوع پر باضابطہ کاوش ملتی ہے، آپ کو اپنے بھائی ملا حیدر کے واسطہ سے غائبانہ علماء حرمین سے اجازت حدیث کی سند حاصل تھی، آپ نے حصن حصین کے اسماء الرجال کی تحقیق کی ہے۔اس کے علاوہ اس موضوع پر کسی تصنیف کی نوبت ان کو کبھی نہیں آسکی (تدوین حدیث ص: ۷۱)۔

مولانا عبد الباقی بن مولانا علی محمد (و: ۱۲۸۶ھ.....) نے سفر حج میں علماء حرمین سے اجازت حدیث کی سند حاصل کی، دوسری بار ۱۳۲۱ھ میں حج کا سفر کیا، اور پھر وہیں مقیم ہوگئے، تقریبا پچیس برس سے زائد سے مسجد نبوی میں حدیث کا درس دیا، یہ شرف علماء فرنگی محل میں تنہا آپ کو حاصل ہے، مفتی عنایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

فرنگی محل کے دور حاضر کا سب سے بڑا اور عالی سند رکھنے والا یگانہ دہر عالم کے شرف کے لئے یہ کیا کم ہے کہ ۲۶ سال سے آرام گاہ آقائے دوعالم میں افضل الکتب بعد کتاب اللہ الباری کا درس دے رہے ہیں، ہزاروں باشندگان ہندوعرب سلسلہ تلمذ میں داخل ہوئے اور ہورہے ہیں (تذکرہ علما فرنگی محل ص: ۸۵)۔

اعلام من ارض النبوۃ کے مصنف شریف انس یعقوب کتبی حسنی نے آپ کے حالات اور تالیفات کا تذکرہ کیا ہے، انہوں نے مختلف موضوعات پر آپ کی بہت سی کتابوں کا تذکرہ کیا ہے، ان میں حدیث کی کتابیں اس طرح ہیں: **العقود المتلالئة فی الاسانید العالیه، الاسعاد بالاسناد، المناهل السلسة فی الاحادیث المسلسلة ، نشر العوالی فی الاحادیث الغوالی وغیرہ** (اعلام من ارض النبوۃ ج ۱، ص: ۲۰۲)۔ تذکرہ علماء فرنگی محل میں التعلیق المحمود حاشیہ سنن ابی داؤد (ناتمام) کا بھی ذکر ہے (تذکرہ علما فرنگی محل ص: ۸۵)۔

مولانا عبد الباری بن **مولانا عبد الوہابؒ** (۱۲۹۵ھ-۱۳۴۴ھ) کو علماء عراق اور علماء مدنیہ سے بھی حدیث کی اجازت حاصل تھی، آپ کی علمی خدمات میں حدیث ایک جلی عنوان

ہے،تذکرہ علما فرنگی محل میں آپ کی ۱۱۰ کتابوں کا تذکرہ ہے، ان میں حدیث کے موضوع پر ۱۴ کتابیں ہیں، چند اس طرح ہیں: الدرة الباهرة فی الاحادیث المتواترة،الهیاکل المعنویة فی شمائل النبویة،التعلیق المختارعلی کتاب الآثار،تسهیل المنهج فی اسماء رجال الحجج،المذهب الموید بما ذهب الیه احمد،هدیة الطیبه لصلة ابن ابی شیبة،الذب عن ابی حنیفه بما طعن به ابن قتیبه،حاشیه شرح مشکوة،الآثار المحمدیه وغیرہ (تذکرہ علما فرنگی محل ص:۱۰۹،تدوین حدیث ص:۷۴)۔

ابوالسلام مولانا محمد اسلم بن ملا اکرم (م:۱۹۵۲ء) نے حدیث کی تکمیل مولانا محمد شاہ صاحب رامپوری اور مولانا شعیب الدین تلمیذ فاضل خیرآبادی سے کی، آپ کو بھی شیوخ حرمین سے اجازت حدیث حاصل تھی، آپ کی تالیفات میں حاشیہ بخاری، حاشیہ مشکوۃ اور الاصول البہیہ فی علم الاحادیث النبویہ کا تذکرہ ملتا ہے (تذکرہ علما فرنگی محل ص:۴۰)

مفتی عنایت اللہ بن مولانا شرافت اللہ (م:۱۹۴۱ء) دوراخیر کے مشہور علماء میں سے تھے، آپ کا بھی حدیث سے اشتغال رہا ہے، خود فرماتے ہیں:

حضرت استاذؒ کے وصال کے بعد سے منقولات اور خاص کر علم حدیث کی جانب پوری توجہ کر رہا ہوں۔

اسی طرح اپنی تصنیفات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

''اربعون حدیثا'' سلطنت وامارت کے متعلق چہل حدیث مجاہد اسلام سلطان افغانستان کی خدمت میں تحفہ بھیجنے کے واسطے لکھی تھی......علاوہ ان کے جو فی الحال غیر مکمل ہیں ان میں سے ترتیب مسند امام احمد بن حنبل مع اسماء الرجال ہے، جس کو اب لکھنا شروع کیا ہے (تذکرہ علما فرنگی محل ص:۱۵۴)

تدوین حدیث آپ کی مطبوع تصنیف ہے، جس میں تدوین کے ساتھ معاجم، صحاح اور سنن کا بھی مختصر جائزہ لیا ہے، اس کے علاوہ مشکوۃ کے رواۃ کے حالات پر مشتمل الهدایة المزجاة

القراءالمشکوۃ کا ذکر بھی ملتا ہے (مفتی عنایت اللہ کے مختصر حالات زندگی ص: ۴۸)۔

مفتی عتیق (.....) کی تالیفات میں حدیث سے متعلق متعدد کتابوں کے نام درج ہیں: نفع المومنین بالاحادیث الاربعین، شرح مسلسل بالاشراف، شرح چہل احادیث موسوم بہ ریاحین فضائل نبوی، شرح چہل احادیث بخاری، تفسیر آیات واحادیث ہجرت (تنویر اللمعان لحامل القرآن، ص: ۱۰)

ترجمہ وتفسیر کے باب میں خدمات

تفسیر کے موضوع پر ان علماء کی کاوشیں بہت کم ہیں، مولانا ولی اللہ بن ملا حبیب اللہ (۱۱۸۲ھ-۱۲۷۰ھ) فرنگی محل کے پہلے عالم ہیں جنہوں نے تفسیر لکھی، مفتی عنایت اللہ صاحب تفسیری خدمات کی روداد بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

فرنگی محل میں آپ پہلے عالم ہیں جس نے تفسیر قرآن مجید تحریر فرمائی، آپ کے قبل اور آپ کے بعد کسی نے خدمت قرآن اس قدر نہیں کی جیسے آپ نے کی، البتہ اخیر زمانہ میں حضرت استاد رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر لکھنا شروع فرمائی تھی، چندہی پاروں کی تفسیر ہوئی کہ حضرت استاذ کی وفات ہوگئی (تذکرہ علماء فرنگی محل ص: ۱۹۷)۔

یہ تفسیر فارسی زبان میں ''معدن الجواہر'' کے نام سے ہے، جو پورے قرآن شریف کی ہے، اور اب بھی مخطوطہ کی شکل میں مسلم یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے، اس کی سات جلدوں ہیں، صرف پہلی جلد پانچ سوصفحات پر مشتمل ہے، جومقدمہ تفسیر کے طور پر ہے (باقی درس نظامی ص: ۲۷٦)۔

مولانا نور الحق بن مولانا انوار الحق (م: ۱۲۳۸ھ) اپنے زمانہ کے جید عالم اور فاضل کامل تھے، منقول ومعقول دونوں علوم میں تبحر حاصل تھا، آپ کی تصانیف میں سورہ فاتحہ کی تفسیر بھی شامل ہے، مفتی عنایت اللہ کے بقول مولانا عبد الحی صاحب نے اس تفسیر کو دیکھا ہے، مولانا عبد الحیؒ اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''طالعته فوجدته نفیسا حسنا شاهدا علی جلالة مولفه'' (تذکرہ علماء فرنگی محل

ص:۱۹۲)۔

مولانا عبد الباریؒ کی (۱۲۹۵ھ-۱۳۴۴ھ) کی تین کتابوں کا ذکر مفتی عنایت اللہ صاحب نے کیا ہے، ان کے نام یہ ہیں: فیض القادر تفسیر آیت الغافر، بیان القرآن، اور تفسیر الطاف الرحمٰن (تذکرہ علمائے فرنگی محل ص:۱۱۷)، تفسیر الطاف الرحمٰن دو جلدوں میں چھپی ہوئی ہے، یہ آپ کے درسی افادات ہیں جس کو شیخ محمد الطاف الرحمٰن قدوائی نے مرتب کیا، یہ دونوں جلدیں ابتدائی پاروں کی تفسیر پر مشتمل ہے۔

مولانا محبّ اللہ بن مولانا احمد عبد الحقؒ کو بیضاوی میں مہارت کاملہ حاصل تھی، مفتی عنایت اللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ آپ کی علمی قوت بہت زبردست تھی، اکثر ایسا ہوا کہ ملا حسن اور ملا احمد حسین بن ملا رضا سے اور آپ سے تفسیر بیضاوی یا ہدایہ کے متعلق کسی امر میں مذاکرۂ علمی ہوتا تو آپ دلائل قویہ سے ایسے مطالب بیان فرماتے کہ دونوں صاحب تحسین کرتے (تذکرہ علمائے فرنگی محل ص:۱۷۱)

مولانا قطب الدین بن مولانا غلام یحیی خانؒ اکابر علماء میں تھے، نہایت ذکی، تامل اور جامع منقول ومعقول تھے، آپ کی تصانیف میں سورہ یوسف کی تفسیر بھی شامل ہے (تذکرہ علماء فرنگی محل ص:۱۶۷)۔

مولانا محمد معین بن ملا مبین (م:۱۲۵۸ھ) حدیث فقہ اور تفسیر تینوں علوم میں دسترس رکھتے تھے، تفسیر میں تفسیر آیات میراث آپ کی یادگار ہے (علوم وفنون ہندوستان میں ص:۴۴۰)

مفتی محمد عتیق (م:۱۲۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء) دور آخر مشہور علماء میں سے تھے، آپ کا سب سے اہم کام ترجمہ قرآن وحواشی ہے، مولانا شاہ حلیم عطا صاحب اور مولانا دریا آبادی نے اسے سراہا ہے، یہ پاکستان سے شائع ہوچکی ہے، اس کے علاوہ متعدد سورتوں کی تفسیر ہے جو الگ الگ ناموں سے ہے، عرائس العرانات لآیات القرآن اپنے موضوع پر ایک اہم کتاب ہے، تنویر اللمعان لحامل القرآن تلاوت کے فضائل اور آداب سے متعلق مطبوع ہے، مولانا دریابادی کے بقول اس میں برکات قرآن وفضائل قرآن سے لے کر آداب تلاوت، شرائط حفظ وتعلیم

قرآن وغیرہ سب کچھ آ گیا ہے (تنویر الملمعان لحامل القرآن ص: ج)۔

مولانا عبدالحی حسنیؒ نے ان کے علاوہ مولانا محمد ظہور علی بن ملا حیدر (م:۱۲۷۵ھ) کی تفسیر قرآن، مولانا عبد الحمید بن مولانا عبد الحلیم (م:۱۳۵۳ھ) کی الکلام القدسی تفسیر آیت الکرسی، اور مولانا عبد الحکیم بن مولانا عبدالرب (م:۱۲۸۷ھ) کی حاشیہ بیضاوی کا تذکرہ کیا ہے۔(دیکھئے: علوم وفنون ہندوستان میں ص:۲۴۲-۲۴۳) اسی طرح مفتی عنایت اللہؒ نے مولانا عبدالرزاقؒ کی تصانیف میں مقدمۃ التفسیر کا نام بھی ذکر کیا ہے (تذکرہ علماء فرنگی محل ص:۱۰۰)۔

علم کلام سے متعلق کتابیں

منطق اور اصول کی طرح کلام بھی علماء فرنگی محل کا خاص میدان رہا ہے، لیکن یہاں بھی ساری کاوشیں اس فن کی بعض اہم کتابوں کی شروح وحواشی کی شکل میں ہے، دیگر موضوعات کی طرح اس موضوع کو بھی اکثر علماء نے اپنی توجہ کا مرکز بنایا، اور مختلف شروح وحواشی کی شکل میں اپنی یادگاریں چھوڑیں، چند اہم کتابیں اس طرح ہیں:

ملا نظام الدین کی اس فن پر تین کتابیں ہیں: حاشیہ شرح عقائد جلالی یہ مطبوع ہے، حاشیہ حواشی قدیمہ جلالیہ کا مخطوطہ رضا لائبریری رامپور میں ہے، تیسری کتاب شرح رسالہ مبارزیہ فی العقائد الاسلامیہ، اس کا بھی مخطوطہ رضا لائبریری رامپور میں ہے، یہ ۶۹۸ صفحات پر مشتمل ہے (بانی درس نظامی ص:۲۱۷)۔

بحر العلوم مولانا عبد العلی کی تین کتابیں حاشیہ القدیمہ، حاشیہ الجدیدۃ، حاشیہ الاجد اس موضوع پر ہے (علوم وفنون ہندوستان میں: ۳۲۸)۔

مولانا احمد عبد الحق بن ملا سعید: حواشی حاشیہ میر زاہد شرح مواقف

ملا حسن: حواشی زواہد ثلاثہ

ملا مبین: حواشی حاشیہ میر زاہد شرح مواقف

مولانا محمد ولی: حواشی زاہدیہ علی الجلالیہ، حواشی حاشیہ زاہدیہ علی شرح المواقف

مولانا عبدالحلیم: حاشیہ شرح عقائد جلالی، نظم الدرر فی شق القمر

مولانا ولی اللہ: حاشیہ کمال علی شرح العقائد الجلالی، حاشیہ بر میر زاہد شرح مواقف

مولانا عبد الحلیم بن مولانا عبد الرب: حاشیہ العروۃ الوثقی (علوم وفنون ہندوستان میں ص: ۳۲۵)۔

مولانا افہام اللہ بن مولانا انعام اللہ (م: ۱۳۱۶ھ) کی درج ذیل حواشی ہیں: حاشیہ شرح عقائد نسفی، حاشیہ بر حاشیہ خیالی، مفتی عنایت اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے حاشیہ خیالی دیکھی ہے، جو مولف کی قوت علمی پر دلالت کرتی ہے، افسوس یہ تالیف موصوف کی ناتمام رہ گئی (تذکرہ علما فرنگی محل ص: ۳۳)۔

مولانا عبدالباریؒ: غایۃ الکلام، زبدۃ الفرائض، کتاب العقائد، سائنس وکلام، موخر الذکر کتاب کی چونتیس جلدیں ہیں، ان میں صرف ایک جلد مطبوع ہے (تذکرہ علما فرنگی محل ص: ۱۱۷)۔

مولانا محمد اسلم: عمدہ الفرائد ترجمہ عقائد، ترجمہ اردو شرح فقہ اکبر مولانا بحر العلوم، حاشیہ شرح عقائد جلالی

دیگر علوم میں ان کی خدمات

ان کے علاوہ دیگر فنون مثلاً علم صرف، نحو، سیر وتراجم، تصوف وسلوک، حکمت، ریاضی اور ادب پر بھی علماء فرنگی محل کی کاوشیں ہیں، اور بہت سی اہم کتابیں ان کے قلم سے وجود میں آئی ہیں، طوالت کی وجہ سے ان کا تعارف نہیں کرایا گیا۔

علماء فرنگی محل کے مشہور مصنفین اور ان کی کتابیں-ایک نظر میں

۱-مولانا محمد حسن معروف بہ ملا حسن بن قاضی غلام مصطفیؒ

وفات: ۱۲۰۹ھ

تحصیل علم: بعض کتابیں اپنے ماموں ملا کمال الدین سے اور اکثر کتابیں استاذ الہند

سے پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔

تدریس: فرنگی محل میں ایک زمانہ تک تدریس کا سلسلہ جاری رکھا، اور ایک عالم اس چشمہ علم سے سیراب ہوا، اس کے بعد نجیب آباد کے دارانگر کے مدرسہ اور رامپور کے سرکاری مدرسہ میں بھی میں آپ کا فیض جاری رہا۔

۲-مولانا نعمت اللہ بن مولانا نور اللہؒ

وفات: ۱۲۰۹ھ

تحصیل علم: والد اور اپنے چچا مفتی ظہور اللہ سے تحصیل علم کر کے فراغت حاصل کی۔

تدریس: بروڈہ میں حکیم محمد ہاشم موہانی اور ریاست بتیا میں راجہ بتیا کے یہاں تدریس کی خدمت انجام دی۔

امتیازی خصوصیت: افتاءنویسی، لکھنؤ اور فیض آباد میں سرکار کی طرف سے افتاءنویسی کی خدمت سپرد ہوئی، جسے آپ نہایت دیانت کے ساتھ غدر تک انجام دیتے رہے۔

تصانیف: مولانا سلیمان پھلواروی کا بیان ہے کہ آپ نے اپنی تالیفات خود ہی تلف کردی، تمام کتب درسیہ اور خاص کر کتب ریاضیات پر آپ کے متفرق حواشی ہیں (تذکرہ علماءفرنگی محل ص: ۱۸۵)۔

۳-بحر العلوم مولانا عبد العلی بن ملا نظام الدینؒ

منقولات و معقولات میں ملکہ تام حاصل تھا، فقہ پر مجتہدانہ نظر تھی، آپ کو بڑی مقبولیت حاصل تھی۔

ولادت: ۱۱۵۲ھ- **وفات:** ۱۲۲۵ھ بمقام مدراس

تحصیل علم: اپنے والد ماجد ملا نظام الدین سے پوری تعلیم حاصل کی اور اٹھارہ سال کی عمر میں فراغت حاصل کی۔

تدریس: آپ نے مختلف شہروں میں مختلف مدارس کے مسند درس کو زینت بخشی ، مدت تک آپ کا علمی فیض لکھنؤ میں جاری رہا، رامپور، مدراس، شاہجہاں پور اور کرناٹک میں بھی آپ کے علمی فیض جاری رہے۔

۴-مولانا محمد مبین بن ملا محب اللہؒ

ولادت: ۱۱۵۷ھ-وفات: ۱۲۲۵ھ

وفات: ۲۲/ربیع الثانی ۱۲۲۵ھ

تحصیل علم: ملا حسن سے ساری کتابیں پڑھیں۔

تدریس: فراغت کے بعد تدریس کا سلسلہ شروع کیا، آپ کا حلقہ درس بہت مشہور ہوا، اور دور دور سے تشنگان علوم آپ کے پاس آتے تھے۔

۵-مولانا محمد ولی بن قاضی غلام مصطفیٰؒ

تعلیم: اپنے ماموں ملا کمال الدین فتحپوری سے حاصل کی۔

تدریس: تصنیف مدریس کا سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا، آپ کے حلقہ درس سے بڑے بڑے علماء مستفید ہو کر مشہور زمانہ ہوئے۔

تصانیف: سلم کی شرح، حواشی زاہدیہ علی الجلالیہ، حواشی زاہدیہ علی شرح المواقف، ان کے علاوہ بعض کتب پر حواشی ہیں۔

۶-مولانا نور الحق بن مولانا انوار الحق

جید عالم، علوم منقول ومعقول کے امام، صاحب کشف وکرامات بزرگ

ولادت: وفات: ۲۳/ربیع الاول ۱۲۳۸ھ

تعلیم: مولانا بحر العلوم سے تحصیل علم کر کے فراغت حاصل کی۔

تدریس: مدت العمر وطن میں تدریس کی خدمت انجام دی۔

امتیازی پہلو: بڑے جید عالم اور فاضل کامل تھے، آپ کے تلامذہ میں بڑے بڑے باکمال بزرگان شامل ہیں، حضرت مولانا فضل رسول بدایونی، حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی، حضرت مرزا حسن علی محدث اور مولانا حسین احمد محدث اسی خرمن کمال کے خوشہ چیں ہیں: معقول ومنقول میں تبحر حاصل تھا، نہایت متواضع اور خوش اخلاق، ایثار وتوکل میں بےنظیر تھے۔

: علوم باطنی میں بھی کمال حاصل تھا، آپ کے کشف وکرامات بہت ہیں،

تصنیف: سورہ فاتحہ کی تفسیر، کتب درسیہ پر حواشی

۷ ۔مفتی ظہور اللہ بن ملا ولی بن قاضی غلام مصطفیٰؒ

اپنے زمانہ کے چیدہ علماء میں شمار تھا، علوم عقلیہ میں مہارت کے ساتھ علوم نقلیہ اور بطور خاص فقہ میں بھی ملکہ تام حاصل تھا، طویل عرصہ تک افتا نویسی کی خدمت انجام دی۔

ولادت: ۱۱۷۴ھ۔ وفات: ۱۷/ربیع الاول ۱۲۵۶ھ

تحصیل علم: اپنے والد اور چچا ملا حسن سے علم کی تحصیل کی۔

امتیازی خصوصیت: حکومت اودھ کی طرف سے افتاء کا منصب سپرد ہوا، آپ نے چالیس سالوں تک اس خدمت کو انجام دیا، اس کے علاوہ تدریس اور تصنیف کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

۸ ۔مولانا عبدالحلیم بن مولانا امین اللہؒ

مشہور فقیہ، مولانا عبدالحیؒ کے والد بزرگوار، ہدایہ کے شارح اور دوسری بہت سی کتابوں کے مصنف

ولادت: ۲۱ شعبان ۱۲۳۹ھ۔ وفات: ۲۹/شعبان ۱۲۸۵ھ

تعلیم: اپنے والد ماجد کے علاوہ مفتی ظہور اللہ، مفتی محمد یوسف، مفتی محمد اصغر اور

مولانا نعمت اللہ سے حاصل کی۔

تدریس: عمر بھر تدریس اور تصنیف کی خدمت میں مشغول رہے، وطن کے علاوہ باندہ ، جونپور، حیدرآباد، کے مختلف مدارس کو رونق بخشی۔

تالیفات: آپ کی تالیفات کثرت سے ہیں، تذکرہ علماء فرنگی محل میں آپ کی ۴۳؍کتابوں کے نام درج ہیں، یہ تعداد حواشی کے علاوہ ہے۔

۹-مفتی محمد یوسف بن مفتی محمد اصغرؒ

ولادت: ۱۲۲۳ھ-وفات: ۱۹؍ذی قعدہ ۱۲۸۶ھ تدفین جنت البقیع

تحصیل علم: اکثر کتب درسیہ اپنے والد ماجد سے اور کچھ کتابیں مفتی ظہور اللہ سے پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔

تدریس: ایک مدت تک تدریس اور تصنیف کی خدمت وطن میں انجام دیتے رہے۔

امتیازی وصف: والد ماجد کے انتقال کے بعد عہدہ افتاء نویسی آپ کے سپرد ہوا، جسے ۱۲۷۲ھ تک انجام دیتے رہے۔

تصانیف: حاشیہ شرح سلم ملاحسن، حاشیہ شرح سلم قاضی مبارک، حاشیہ شمس بازغہ، تکملہ حواشی ملاحسن بر شمس بازغہ، حاشیہ طبیعات شفا، حاشیہ شرح وقایہ، ان کے علاوہ بخاری اور بیضاوی پر متفرق تعلیقات ہیں۔

۱۰-مولانا عبدالرزاق بن مولانا جمال الدینؒ

مشہور مقبول بزرگ، علوم شرعیہ میں کمال رکھنے والے اور علماء فرنگی محل میں نمایاں حیثیت کے مالک۔

ولادت: ۲۳؍ذی الحجہ ۱۲۳۶ھ

تعلیم: ابتدائی تعلیم مولانا محمد احمد، مولانا نور کریم دریاآبادی سے متوسطات تک مفتی

محمد اصغر سے اور تکمیل مفتی محمد یوسف سے کی۔

تدریس: تکمیل کے بعد ہی تدریس میں مشغول ہو گئے، علوم شرعیہ اور خاص کر حدیث اور فقہ کا درس دیتے تھے۔

تصانیف: حاشیہ شرح وقایہ (ناتمام)، منہج الرضوان فی قیام رمضان، کشف القناع عن امور الاموات، مقامات انوار غیبیہ، آداب مطالعہ، عمدۃ الوسائل، احسن الخصائل، مقدمۃ التفسیر۔

امتیازی وصف: تصوف، تقوی وطہارت میں آپ معروف تھے۔

مولانا عبدالحی صاحبؒ لکھتے ہیں: مولانا کے بچپن سے تقوی وطہارت، زہد وعبادت کے اس قدر واقعات خود میں نے ثقات کی زبان سے سنے ہیں کہ ان کا قدر مشترک تواتر ہے (عمدۃ الرعایۃ)۔

۱۱–مولانا عبدالحی ابوالحسناتؒ

شہرہ آفاق محقق مصنف، علماء فرنگی محل کے سب سے کثیر التصانیف عالم، منقول ومعقول کے مجمع البحرین

ولادت: ۲۶/ ذیقعدہ ۱۲۶۴ھ–وفات: ۲۹/ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ

تحصیل علم: ابتدائی فارسی مولانا خادم حسین سے اور درسیات کی جملہ کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں

تدریس: تدریس اور تصنیف کا سلسلہ مستقل جاری رہا۔

۱۲–شمس العلماء مولانا محمد نعیم بن مولانا عبدالحکیمؒ

وفات: ۲۳/ ربیع الثانی ۱۳۱۸ھ

تحصیل علم: کتب درسیہ اپنے والد ماجد سے پڑھی۔

تدریس وتصنیف: اخیر عمر تک تدریس اور تصنیف کا سلسلہ جاری رہا۔

امتیازی وصف: علوم فقہیہ میں کمال حاصل تھا، اس فن میں اپنے زمانہ میں بے نظیر شمار تھے۔زہد تقوی اور احتیاط میں اعلی درجہ حاصل تھا۔

تالیف: تنقید الکلام

۱۳ –مولانا عبدالوہاب بن مولانا عبدالرزاقؒ

وفات: ۲؍محرم ۱۳۲۱ھ

تعلیم: اپنے والد سے پوری تعلیم حاصل کی، علوم باطنی کی تعلیم بھی اپنے والد سے پائی۔

تدریس: فراغت کے بعد تدریس وتصنیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا، مگر والد صاحب کے انتقال کے بعد یہ سلسلہ موقوف ہوگیا۔

تصانیف: رسالہ جواز فاتحہ میں، رسالہ ذکر حضرت غوثیت، حواشی میر قطبی، حواشی توضیح وتلویح، حواشی مثنوی شریف، ہدایۃ المومنین۔

۱۴ –مولانا عبدالباری بن مولانا عبدالوہاب بن مولانا عبدالرزاقؒ

آپ اور مولانا عبدالحی حقیقی خالہ زاد بھائی ہیں، ان دونوں بھائیوں کو بڑی عزت وشہرت ملی، ہندوستان کے علاوہ عرب ممالک میں بھی ان دونوں کے سوا کسی اور کی شہرت نہیں پہونچی، علوم عقلیہ اور نقلیہ دونوں میں ماہر تھے، سیاسی شعور بھی گہرا تھا، جمعیۃ علماء ہند اور خلافت کمیٹی کے روح رواں رہے، خود متعدد تنظیمیں بنائیں فرنگی محل کے مدرسہ نظامیہ کو زندہ کیا۔

ولادت: ۱۰؍ربیع الاول ۱۲۹۵ھ وفات: ۴؍رجب ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹؍جنوری ۱۹۲۶ء

تحصیل علم: حافظ حاتم علی اور حافظ عبدالوہاب نبیرہ نواب ظہیر الدولۃ سے حفظ کی تکمیل کی، عربی وفارسی کی تعلیم مولانا عبدالباقی، مولانا غلام احمد پنجابی، ملا احمد اللہ سندیلوی اور مولانا عین القضاۃ سے حاصل کی، اور ۱۳۱۸ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

امتیازی پہلو: تدریس، تصنیف اور فتوی نویسی کے ساتھ سیاست کے میدان میں

سرگرم عمل رہے، ہندو مسلم اتحاد کی عملی کوشش کا آغاز آپ نے ہی کیا۔

تصانیف: مولانا عنایت اللہ صاحب نے آپ کی ۱۱۰ کتابوں کا نام درج کیا ہے، فن کے اعتبار سے ان کتابوں کی تعداد درج ذیل ہے:

تفسیر: ۳، حدیث: ۱۴، فقہ: ۱۳، علم صرف: ۱۰، علم نحو: ۴، علم کلام: ۴۰، حکمت: ۴، منطق: ۳، سیرت: ۱۹، تصوف وسلوک: ۸، ادب: ۲

ان کے علاوہ مختلف کتب درسیات پر آپ کے حواشی بھی ہیں۔

۱۵- ابو السلم مولانا محمد اسلم بن ملا محمد اکرم بن شمس العلما ملا محمد نعیمؒ

علوم حدیث وفقہ سے خاص ذوق تھا، حدیث کی مختلف کتابوں کے محشی ہیں۔

ولادت: ۴/ربیع الاول ۱۲۹۷ھ

تعلیم: ابتدائی تعلیم والد ماجد سے، نحو وصرف کی کچھ کتابیں اپنے نامور جد امجد اور کتب متوسط شمس العلماء ملا عبد المجید اور شمس العلماء مولانا عبد الحمید سے پڑھیں، حدیث کی تکمیل مولانا شاہ صاحب رامپوری اور مولانا شعیب الدین سے کی۔

امتیازی پہلو: علوم حدیث کی تکمیل، علماء حرمین سے اجازت حدیث، حدیث کی کتابوں پر حواشی۔

۱۶- مولانا عنایت اللہؒ مؤلف تذکرہ علماء فرنگی محل

ولادت: ربیع الاول ۱۳۰۶ھ- **وفات:** ۶/جولائی ۱۹۴۱ء

آپ کا شمار اپنے دور کی اہم شخصیات میں ہوتا ہے، مدرسہ نظامیہ کے افسر تھے، تذکرہ علماء فرنگی محل ان کی علمی یادگار ہے، فقہ سے خاص مناسبت تھی، فتوی نویسی کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔

تصانیف: تدوین حدیث، تذکرہ علماء فرنگی محل، الہدایۃ المزجاۃ لقراء المشکوۃ،

زجر الاولیاء عن انکاح الصغائر فی الصبا، الاقتصاد فی النکاح بالارتداد، ہدایۃ المنطق، زبدۃ المنطق (مفتی عنایت اللہ کے مختصر حالات ص: ۴۸)۔

۱۷-مولانا محمد رضا انصاریؒ

ولادت: ۱۸/ اپریل ۱۹۱۷ء- وفات:

تعلیم: مدرسہ نظامیہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی کے علوم شرقیہ سے اسناد حاصل کئے۔ فراغت کے بعد مدرسہ نظامیہ میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا، سیاست میں بھی شریک رہے، پھر مسلم یونیورسٹی کے شعبہ دینیات میں لکچرر بنے، آپ فتوی نویسی کی خدمت بھی انجام دیتے تھے، مولانا عبد الولی انصاری لکھتے ہیں: مفتی محمد رضا بن مولوی سخاوت اللہ صاحب فقہی مسائل پر استناد کا درجہ رکھتے ہیں، اور علی گڑھ کے محکمہ دینیات میں دینیات کے استاد رہ چکے ہیں (نیا دور اودھ نمبر ص: ۴۷)۔

تصانیف: بانی درس نظامی، ادب الجاہلی مجذوب اوران کا کلام، فتاوی فرنگی محل، حج کا سفر۔

مراجع:

تذکرہ علماء فرنگی محل	از: مفتی عنایت اللہ فرنگی محلی
الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام	مولانا عبد الحی حسنیؒ
ماہنامہ "نیا دور اودھ نمبر لکھنؤ	
اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں	مترجم: مولانا ابو العرفان ندویؒ
مقالات شبلی	مرتب: علامہ سید سلیمان ندویؒ
مقالات سلیمانی	
السعایہ	مولانا عبد الحی فرنگی محلی
بانی درس نظامی	مفتی رضا انصاری فرنگی محلی

☆☆☆

علماءِ فرنگی محل اور افتاء کی خدمات

مولانا اشتیاق احمد الاعظمی ☆

علماءِ فرنگی محل پہ کسی علمی گفتگو سے پہلے ضروری ہے کہ اس تقدس مآب خانوادے کا تاریخی پس منظر بیان کیا جائے، تاکہ اس کی روشنی میں اصل مقصد تک رسائی میں کسی قسم کی الجھن اور دشواری پیش نہ آئے اور مضمون کی اگلی ساری کڑیاں ایک دوسرے سے مربوط ہوتی چلی جائیں۔

علماءِ فرنگی محل کا تاریخی پس منظر:

علماءِ فرنگی محل کا گل سرسبد اور اس مشہور علمی خانوادے کا بنیادی ستون ملا نظام الدین محمد کی ذات گرامی ہے، ملا نظام الدین محمد کا آبائی وطن، قصبۂ سہالی ضلع بارہ بنکی تھا، آپ کے والد ماجد ملا قطب الدین سہالویؒ، جو نسباً انصاری ہیں، آپ کا سلسلۂ نسب سیدنا ابو ایوب انصاریؓ (میزبان رسول اکرم ﷺ) سے جاملتا ہے۔ اپنے وقت کے ایک طرف زبردست عالم معقول ومنقول تھے تو دوسری طرف، میدان طریقت میں بھی ایک اعلیٰ واہم مقام رکھتے تھے۔

ملا قطب الدینؒ گوشہ نشینی کی زندگی گذارتے تھے، امیروں اور دولتمندوں کے پاس نہیں جاتے تھے، طلبہ کو پڑھنے پڑھانے میں مصروف رہا کرتے تھے، اورنگ زیب عالمگیرؒ نے بار بار ملاقات کی زحمت دی، لیکن ملنے سے انکار کر دیا، کچھ شرپسندوں کی سازش سے انہیں ۱۹/رجب ۱۱۰۳ھ/ ۲۷/مارچ ۱۶۹۲ء کو قصبۂ سہالی ضلع بارہ بنکی میں طلوع آفتاب کے وقت طلبہ کو درس دینے

☆ دارالعلوم مئو

کے دوران مدرسہ میں شہید کر دیا گیا (اودھ میں افتاء کے مراکز اور ان کی خدمات ص ۱۷۹)۔

اسی واقعہ کا بیان علامہ شبلی نعمانیؒ یوں فرماتے ہیں:

''سہالی میں مشہور دو خاندان آباد تھے، انصاری: حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی اولاد سے تھے، عثمانی: حضرت عثمان غنیؓ کی اولاد سے۔ ملا قطب الدینؒ انصاری تھے، عثمانیوں اور انصاریوں میں قدیم سے عداوت چلی آتی تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن عثمانی، ملا صاحب کے گھر چڑھ آئے، ان کو قتل کر کے گھر میں آگ لگا دی'' (اودھ میں افتاء کے مراکز ......ص ۱۸۰) ملا قطب الدین کے ساتھ ان کے دو شاگرد بھی شہید کر دیے گئے اور ملا کی لائبریری کی ۹۰۰ کتابیں بھی جلا دی گئیں (اودھ میں افتاء کے مراکز ...ص ۱۸۰)۔

ملا قطب الدین کا سلسلۂ نسب

قطب الدین بن عبدالحلیم بن عبدالکریم بن احمد بن حافظ بن فضل اللہ بن بدھ بن نظام الدین بن علاء الدین انصاری (بانی درس نظامی ص ۳۶، بحوالہ انصان اربعہ)۔

یہاں تک نسب نامے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ملا شہید نے شیخ علاء الدین انصاری کو خواجہ عبداللہ انصاری کی اولاد سے بتایا ہے، حضرت خواجہ کا مزار، ہرات میں زیارت گاہ ہے، اور خواجہ صاحب کا نسب، حضرت سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے (دیکھئے بانی درس نظامی، بتصرف یسیر ص: ۳۷-۳۶، بحوالہ انصان اربعہ)۔

شیخ علاء الدین کے بعد خواجہ عبداللہ انصاری ہرویؒ تک کے نسب نامے میں اختلاف دیکھنے کو ملتا ہے (دیکھئے: تذکرہ علماء فرنگی محل، مولانا مفتی عنایت اللہ فرنگی محلی ص: ۲)۔

مولف تذکرہ علماء فرنگی محل کے ذکر کے مطابق، خواجہ عبداللہ انصاری ہروی کے پڑپوتے: خواجہ جلال الدین، جہاد کی غرض سے ہندوستان آئے تھے اور قریہ سرسل میں قیام فرما کر خانقاہ اور مسجد بنوائی اور خدمت علم میں مصروف رہے (ص: ۸) خواجہ جلال الدین مذکور کی چھٹی پشت میں مخدوم بدرالدین کا ذکر آتا ہے، انہوں نے دہلی میں توطن اختیار کیا اور علوم نقلیہ و عقلیہ کے تبحر

عالم ہوئے۔قطب کی لاٹ کے قریب مدرسہ بنوا کر مصروف تدریس رہے۔موصوف مخدوم نصر الدین چراغ دہلوی سے بیعت بھی تھے اور انہی سے اجازت خلافت بھی حاصل تھی۔مخدوم بدرالدین م ۷۸۸ ھ کے ایک لڑکے مسمّیٰ نصر الدین تھے۔اپنے والد سے تحصیل علم کر کے عالم و فاضل ہوئے اور ۸۴۹ ھ میں وفات پائی۔انہوں نے مخدوم علاء الدین کو یادگار میں چھوڑا۔تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ علاء الدین خلجی سلطان ہند آپ سے مرید تھا،آپ کا انتقال ۸۷۶ ھ میں ہوا،مخدوم علاء الدین کے دو بھائی تھے،ایک بھائی نے سنبھل میں قیام فرمایا،اور دوسرے بھائی ملا مسعود نے پانی پت میں،مخدوم علاء الدین کے لڑکے مخدوم نظام الدین وہ پہلے بزرگ ہیں،جن کا مبارک قدم سرزمین اودھ کے سہالی قصبہ پر پڑا۔آپ حافظ قرآن اور زبردست عالم تھے۔آپ کے لڑکے شرف الدین ہیں اور شرف الدین کے پوتے،ملا محمد حافظ بن شیخ فضل اللہ ہیں،جو ملا قطب الدین شہید کے سگڑ دادا ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے:ص/۸ تذکرہ علماء فرنگی محل)۔

ملا شہید کے اساتذہ:

ملا شہید نے اپنے والد ماجد،ملا عبد الحکیم سے تحصیل علم کی تھی،علاوہ ازیں ملا دانیال چوراسی اور ملا عبدالسلام دیوی سے بھی پڑھا،آپ کا سلسلہ تلمذ علامہ قطب الدین رازی تک پہنچتا ہے (دیکھئے:ص ۱۱/تذکرہ علماء فرنگی)۔

ملا قطب الدین شہید کی جسمانی اور روحانی اولاد:

ملا قطب شہید کے چار لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں،لڑکوں کے نام یہ ہیں،(۱)ملا اسعد(۲)ملا سعید (۳)ملا نظام الدین(۴)ملا محمد رضا۔ان چاروں بھائیوں میں سب سے زیادہ ممتاز اور شہرہ آفاق،ملا نظام الدین کی شخصیت تھی۔یہ آپ کی جسمانی اولاد تھیں۔ملا شہید کی روحانی اولاد نے بھی مختلف علوم وفنون میں انمٹ نقوش چھوڑے ہیں،جن میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱۔مولانا قطب الدین شمس آبادی مسکنا، امیٹھوی موطناً ۲۔حافظ امان اللہ بنارسی (صاحب محکم الاصول) ۳۔قاضی محبّ اللہ بہاری (صاحب سلم ومسلم الثبوت) ۴۔قاضی شہاب الدین گوپا مئوی ۵۔حاجی صفت اللہ خیرآبادی ۶۔مولانا زین العابدین سندیلوی ۷۔قاضی دولت سہالوی ۸۔مولوی اسماعیل اورنگ آبادی وغیرہ اوران کے علاوہ تینوں صاحبزادے: ۱۔ملا اسعد ۲۔ملا سعید اور ۳۔ملا نظام الدین، یہ سب حضرات اپنے اپنے وقت میں علم وفن کے آفتاب وماہتاب ہوئے (ص ۴۴/بانی درس نظامی، بتصرف)۔

ملا قطب شہید کی اولاد کی لکھنؤ منتقلی:

ملا قطب الدین شہید کی چاروں اولاد میں سب سے زیادہ صاحب علم وفضل، ملا نظام الدین محمد کی ذات گرامی ہے، اپنے والد کی شہادت کے وقت ۱۴/سال کے تھے، ان سے بڑے بھائی ملا سعید واقعۂ شہادت کے موقعہ پر خود بھی زخمی ہوئے تھے اور سب سے بڑے بھائی ملا اسعد اورنگ زیب کے دربار سے متعلق تھے، ملا اسعد کے ذریعہ عالمگیر کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ملا قطب شہید کی اولاد، سہالی میں نہیں رہنا چاہتی، چنانچہ ملا سعید، اپنے خاندان کے لئے اورنگ زیب سے لکھنؤ میں قیام گاہ حاصل کرنے کی غرض سے ایک درخواست لیکر دکن پہنچے، عالمگیر کروری بلدۂ لکھنؤ سے اس فرانسیسی تاجر کی کوٹھی حاصل کی، جو اجارے کی مدت ختم ہوجانے کی وجہ سے سرکاری ملک میں آچکی تھی، اس کوٹھی میں جو ''حویلی فرنگی'' کہلاتی تھی اپنے کنبے کے لوگوں کو آباد کرکے، ملا سعید دوبارہ خاص اس حویلی کے فرمان حاصل کرنے کیلئے دکن گئے اور جدید فرمان لیکر جواب تک اس خاندان میں محفوظ ہے، وطن واپس لوٹے (ص ۱۸۰/اودھ میں افتاء کے مراکز، بتصرف)۔

فرنگی محل کی وجہ تسمیہ

''حویلی فرنگی'' جوفرانسیسی تاجر کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوئی تھی، یہی حویلی ملا قطب الدین کے صاحبزادوں کی رہائش کے طور پر حضرت عالمگیر اورنگ

زیب کی طرف سے عطا ہوئی تھی، ان صاحبزادوں نے سہالی سے ترک وطن کر کے ۱۱۰۵ھ/۱۶۹۴ء میں اسی ’’حویلی فرنگی‘‘ کو اپنا مسکن بنایا تو یہی حویلی بعد میں ’’فرنگی محل‘‘ کے نام سے مشہور ہوئی (ص۸۱-۱۸۰/ اودھ میں اثناء)۔

ملا نظام الدین اور ان کی درسگاہ

ملا نظام الدین محمد جن کی عمر والد ماجد کی شہادت کے وقت ۱۴ ربرس تھی، شہادت کے سال (۱۱۰۳ھ) شرح جامی وکتب درسیہ کا درس اپنے والد ماجد سے لے رہے تھے، سہالی سے لکھنؤ (فرنگی محل) میں منتقل ہونے کے بعد، جب اس خاندان کو سکون میسر ہوا تو ملا نظام الدین نے دوبارہ تعلیم کا سلسلہ شروع کیا، سب سے پہلے دیوہ اور دیگر قصبات میں مختصرات پڑھے۔ پھر ملا امان اللہ بنارسی سے بنارس میں اکثر علوم حاصل کئے۔ کچھ ملا علی قلی جائسی سے بھی پڑھا، اور فاتحہ الفراغ، ملا غلام نقشبند گھوسوی لکھنوی سے لکھنؤ میں پڑھا۔ طریقت کی تلقین وتربیت، مولانا عبدالرزاق بانسویؒ اور میر اسماعیل بلگرامیؒ سے پائی (ص۸-۱۷۹/ تذکرہ علماء فرنگی محل، ودیار پورب میں علم وعلماء ص/۴۴۳) پچیس برس کی عمر میں فراغت حاصل کر کے فرنگی محل لکھنؤ میں آپ نے مسند درس بچھائی اور سب سے پہلے اپنے بھتیجوں کو درس دینے کا آغاز کیا، تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں شہرہ ہو گیا، ہر طرف سے طلبہ حصول علم کے لئے حاضر خدمت ہوتے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر جاتے۔ آخر میں حلقۂ درس کی شہرت وعزت اس قدر زائد ہو گئی تھی کہ طالب علم کتابیں کہیں بھی ختم کئے ہوتا، لیکن فاتحہ الفراغ پڑھنے کیلئے حضرت ملا نظام الدین ہی خدمت میں حاضر ہوتا (ص۱۸۰/ تذکرہ علماء فرنگی محل)۔

بقول آزاد بلگرامی: ’’استاد جہاں وتحریر زمان‘‘ تھے (ص۴۴۳/ دیار پورب میں علم اور علماء)

ملا نظام الدین نے درس کا ایسا طریقہ اختیار کیا کہ پانچ یا چھ سال میں طلبہ کو فارغ ہونے کا موقع ملنے لگا۔ درس وتدریس کا سارا کام ملا نظام الدین کے گھر یا گھر سے متصل مسجد میں انجام پا رہا تھا، اس درسگاہ میں ملا نے پچاس سال درس وتدریس کی خدمت انجام دی اور کثیر تعداد آپ سے

مستفید ہوئی، اس درسگاہ کا شہرہ اس قدر رہا کہ علامہ شبلی نعمانی نے اسے ہندوستان کی کیمبرج یونیورسٹی قرار دیا (ص ۱۸۱/اودھ میں افتاء کے مراکز)۔

ملا نظام الدین کا جاری کردہ درس نظامی:

ملا نظام الدینؒ نے جو درس نصاب رائج کیا، اس کا مقصد طالبعلم میں ایسا ملکہ پیدا کرنا تھا کہ اسے پڑھ کر پھر وہ کچھ بھی سمجھ لے یا پڑھ پڑھا سکے، یہی وجہ ہے کہ اس نظام میں مخصوص کتابیں داخل نہ تھیں بلکہ یہ ایک خاص طریقۂ درس تھا، اس درس کی نسبت ملا نظام الدین کے نام پر "درس نظامی" چل پڑی، حالانکہ یہ طریقۂ درس ملا نظام الدین کے والد، ملا قطب الدین شہید کے دور سے چل رہا تھا (ص ۱۸۱/اودھ میں افتاء کے مراکز)۔

ملا قطب الدین کے زمانہ میں اس طریقۂ درس میں ہر فن کی ایک کتاب جو اپنے موضوع میں سب سے بہتر ہوا کرتی تھی، داخلِ درس ہوتی تھی، ملا نظام الدین اپنے دور میں ہر فن کی دو کتابیں اور بعض ذہین طلبہ کو صرف ایک ایک کتاب ہی پڑھاتے تھے اور بحر العلوم ملا عبد العلی بعض طلبہ کو ایک ایک، بعض کو دو دو اور بعض کو تین تین کتابیں، استعداد کے موافق پڑھایا کرتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی متعین نصاب نہیں ہوتا تھا، بلکہ ہر استاذ طلبہ کے مناسب حال کتابوں کا انتخاب کرتا اور اسی کو پڑھاتا تھا۔ درس نظامی کی انہی خصوصیات کو علامہ شبلیؒ یوں بیان فرماتے ہیں:

(۱) اختصار یعنی ہر فن کی ایک دو مختصر کتابیں لے لی گئیں۔

(۲) اختصار کے اصول پر اکثر کتابیں نا تمام درس میں رکھی گئیں، یعنی صرف اس قدر حصہ لیا گیا جو ضروری خیال کیا گیا۔

(۳) ہر فن میں وہی کتاب رکھی گئی، جو اس فن کی سب سے مشکل کتاب ہے، اس سے مقصد یہ تھا کہ غور کی قوت پیدا ہو جائے، پھر جس کتاب کو چاہے دیکھ کر سمجھ لے (ص اودھ میں افتاء.........ص ۱۸۲/بحوالہ بانی درس نظامی)۔

ملا نظام الدین کے زمانے میں جوفنون اوراس سے متعلق کتابیں درسِ نظامی میں شامل تھیں، ان کا خاکہ حسب ذیل ہے:

درسِ نظامی میں شامل مضامین اورکتابیں:

۱	فن صرف	میزان ومنشعب،،صرف میر، پنج گنج، زبدہ،فصول اکبری، اورشافیہ
۲	فن نحو	نحومیر، شرح ماۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ اورشرح جامی
۳	فن بلاغۃ	مختصر المعانی، مطول (سعد الدین تفتازانی کی)۔
۴	علم فقہ	ہدایہ، شرح وقایہ
۵	اصول فقہ	نورالانوار، توضیح وتلویح، مسلم الثبوت
۶	حدیث	مشکاۃ المصابیح
۷	تفسیر	تفسیر جلالین، تفسیر انوار التنزیل (یعنی تفسیر بیضاوی)
۸	منطق	شرح شمسیہ، سلم العلوم، رسالہ میر زاہد، ملا جلال، صغری وکبری، ایسا غوجی، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی
۹	فلسفہ	شرح ہدایۃ الحکمۃ، شمس بازغہ، صدرا
۱۰	علم کلام	شرح مواقف، میر زاہد
۱۱	ریاضیات	تحریر اقلیدس، خلاصۃ الحساب، تشریح الافلاک، رسالہ قوشجی، شرح چغمینی

درسِ نظامیہ کے اندر علوم دینیہ کا نصاب کچھ اس طور پر تھا کہ بغیر کسی دقت کے غیر سنی طلبہ ان علوم کے بغیر اس درسگاہ سے پورا پورا استفادہ کر سکتے تھے، چنانچہ قیام مدرسہ کے وقت سے اس وقت تک جب تک یہ درسگاہ جاری رہی، شیعہ بلکہ غیر مسلم بھی اس سے استفادہ کرتے رہے (ص ۱۸۳/ اودھ میں افتاء)۔

درس نظامی میں شامل کتابوں اور مضامین پر مختلف لوگوں نے تنقیدی نگاہ ڈالی ہے، جس کا تذکرہ ''رودکوثر'' میں شیخ محمد اکرام نے کیا ہے ان تنقیدوں کا قدر مشترک خلاصہ یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ ''درس نظامی'' میں معقولات کی کتابوں کو منقولات کی بہ نسبت زیادہ جگہ دی گئی ہے، نصاب کا مذکورہ بالا چارٹ دیکھنے سے یہ بات بالکل عیاں ہے۔ کیونکہ درس نظامی میں حدیث کی صرف ایک کتاب ''مشکوۃ شریف'' اور تفسیر میں صرف دو کتابیں،، جلالین وبیضاوی،، کو جگہ دی گئی ہے، اس کے برعکس علوم آلیہ، نحو وصرف اور منطق وفلسفہ وغیرہ کی کتابیں نسبتاً کہیں زیادہ ہیں۔

درس نظامی اور دیگر معاصر درس نصاب کے مابین موازنہ:

ہندوستان میں دینی علوم کی تدریس وتعلیم، مسلمانوں کے یہاں آباد ہونے کے بعد سے برابر رہی ہے، تاریخ کے صفحات میں، بہت سی ان کتابوں کے نام بھی ملتے ہیں، جو پڑھائی جاتی رہی ہیں، لیکن کسی منظم نصاب کے عام رواج کا کوئی حتمی ثبوت نہیں ملتا، ''درس نظامی'' ہی غالباً پہلا منظم نصاب ہے، جس سے ہم متعارف ہیں جو اٹھارہویں صدی عیسوی (بارہویں صدی ہجری) میں پورے ملک میں رواج پذیر ہوا (اودھ میں افتاء.....ص ۱۸۳ بحوالہ بانی درس)۔

لکھنؤ فرنگی محل کا معاصر، ایک دوسرا علمی خانوادہ دہلی میں سرگرم عمل تھا اور وہ ہے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا خانوادہ۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کی پیدائش ۱۷۰۳ء میں ہوئی، جس کے ۴ ربرس بعد حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا۔ شاہ صاحب کی پیدائش کے تقریباً دس گیارہ برس پہلے، ملا نظام الدین سہالی سے فرنگی محل میں ۱۶۹۴ء میں منتقل ہوئے تھے۔ شاہ ولی اللہؒ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ پانچ برس کی عمر میں آپ نے مکتب جانا شروع کردیا اور دو سال میں کلام مجید پڑھ لیا (ص ۵۴۱ / رودکوثر) دس سال کی عمر میں شرح جامی شروع کی اور معقولات ختم کرکے منقولات تک جا پہنچے، فقہ، منطق، کلام کے علاوہ آپ نے اپنے والد سے طب، معانی اور ہندسہ وحساب کی کتابیں پڑھیں (ص ۵۴۲ / رودکوثر)۔

شاہ صاحب کی عمر ۱۷ ربرس کی تھی کہ والد ماجد مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ کا انتقال ہوگیا

تو آپ کو مسند تدریس سنبھالنی پڑی۔تقریباً ۱۲ ؍برس تک اپنے والد ماجد کے مدرسہ میں علوم عقلی ودینی کی تعلیم دی(ص ۵۴۲ / رود کوثر)۔

اس کے بعد آپ حرمین شریفین کی زیارت کیلئے گئے اور دومرتبہ حج وزیارت سے مشرف ہوئے۔ہندوستان میں آپ نے حدیث شریف مولانا محمد افضل سیالکوٹی سے پڑھا تھا،اس کی سند شیخ ابو طاہر بن ابراہیم مدنی سے لی۔شیخ ابو طاہر آپ کے فہم کے بڑے مداح تھے اور کہا کرتے تھے کہ ولی اللہ مجھ سے الفاظ کی سند لیتے ہیں اور میں ان سے معانی کی(ص ۵۴۳ / رود کوثر)۔

مولانا عبدالرحیمؒ کے قائم کردہ مدرسہ رحیمیہ میں کیا درس نصاب جاری تھا، اس کا مکمل پتہ تو نہیں چل رہا ہے۔تاہم شاہ صاحب نے جو کتابیں پڑھیں، اس کا بیان خود شاہ صاحب نے اپنی خودنوشت سوانح میں یوں فرمایا ہے: ''خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس علاقے کی رسم کے مطابق پندرہ سال کی عمر میں تمام علوم متعارفہ سے فراغ حاصل ہوگیا۔علم حدیث میں مشکوۃ کل پڑھی، کچھ حصہ کتاب البیع سے کتاب الآداب تک رہ گیا، اس کی بھی اجازت مل گئی، صحیح بخاری کا ایک حصہ تقریباً کتاب الطہارۃ تک اور مسائل ترمذی تمام، یعنی اصحاب کی قرآت کے ذریعہ والد صاحب کے حلقۂ درس میں سماعت کی، علم تفسیر میں کچھ حصہ بیضاوی کا اور کچھ حصہ تفسیر مدارک کا میں نے پڑھا.........علم فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ، ان دونوں میں تھوڑا حصہ چھوڑ کر تمام کی تمام پڑھی گئیں۔اصول فقہ سے حسامی اور توضیح وتلویح کا معتد بہ حصہ اور منطق سے شرح شمسیہ کل اور شرح مطالع کا کل حصہ، علم عقائد وکلام میں شرح عقائد نسفی کل اور کچھ حصہ خیالی کا اور شرح مواقف کا کچھ حصہ، علم سلوک میں عوارف المعارف کا کچھ حصہ نیز رسائل نقشبندیہ وغیرہ کا کچھ حصہ۔حقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی۔لوائح، مقدمہ شرح لمعات، مقدمہ نقد النصوص پڑھے.....علم طب میں موجز القانون اور حکمت میں شرح ہدایۃ الحکمۃ وغیرہ پڑھیں۔نحو میں کافیہ اور شرح ملا جامی، فن معانی میں بڑا حصہ مطول کا اور مختصر المعانی کا اس قدر حصہ، جس پر حاشیہ ملا زادہ چڑھا ہوا ہے، اور ہندسہ وحساب سے بھی بعض رسائل مختصرہ پڑھے'' (ص ۳۳-۳۴/شاہ ولی اللہ حیات و

افکار مرتبہ پروفیسر ظفر احمد نظامی)۔

یہ ہے شاہ صاحب کے نصاب درس کی تفصیل، جسے انہوں نے خود اپنی زبانی بیان فرمایا ہے۔ درس نظامی اور اس نصاب درس میں یہ چیز خاص طور سے نوٹ کرنے کے قابل ہے، کہ مؤخر الذکر میں منطق وفلسفہ کی کتابوں کی وہ بڑی تعداد دیکھنے کو نہیں ملتی، جو درس نظامی کے چارٹ میں موجود ہے، یوتو موازنہ بھی اوزمانے کے مدارس اور انمیں جاری اسباق سے کیا جاسکتا ہے، تاہم طوالت مانع ہے۔

مدرسہ نظامیہ:

ملا نظام الدین کے زمانے میں ''مدرسہ'' کے نام سے حدودفرنگی محل میں کوئی الگ عمارت نہیں تھی، ملا صاحب کی قیام گاہ، ان کی درسگاہ تھی یا قیام گاہ سے بالکل ملی ہوئی مسجد (ص ۲۰۸/ بانی درس نظامی)۔

ملا صاحب کی وفات کے بعد ان کے اکلوتے بیٹے ملا عبد العلی بحر العلوم نے دس بارہ سال تک اسی مکان کی مسند تدریس کو زینت بخشی، انہی تدریسی سرگرمیوں کی بنا پر یہ مکان ''مدرسہ نظام الدین'' کہلانے لگا (ص ۲۰۷/ بانی درس)۔

بحر العلوم کے ترک وطن ۷۳-۱۱۷۲ھ کے بعد بھی، ملا صاحب کا یہ مکان، علاوہ رہائش کے درس وتدریس کے بھی کام آتا رہا، چنانچہ ملا صاحب کے اسی مکان میں اُن کے شاگردوں، ملا حسن فرنگی محلی، ملا محمد ولی فرنگی محلی، ملا احمد حسین فرنگی محلی اور مفتی محمد یعقوب فرنگی محلی نے استاذ کی مسند درس پر فرائض قائم مقامی انجام دیئے (ص ۲۰۹/ بانی درس نظامی)۔

علامہ بحر العلوم کی وفات (م ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ء) کے بعد یہ مکان وراثۃً، ان کے صاحبزادے ملا عبد الرب اور پوتے ملا عبد الجامع کو مل گیا، پھر ان سے ان کے صاحبزادے ملا عبد الغفار (م ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء) کے حصے میں آگیا، ملا عبد الغفار کی چونکہ کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے یہ مکان ان کی زوجہ ذاکیۃ النساء کو منتقل ہوگیا۔

مولانا عبدالغفار کی وفات کے ایک سال بعد (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) میں ''مدرسہ ملا نظام الدین'' والے مکان میں ''مدرسہ نظامیہ'' قائم کیا گیا۔ یہ مدرسہ علمائے فرنگی محل پر مشتمل ایک تعلیمی ادارے ''انجمن مؤید العلوم'' نے قائم کیا، چنانچہ ۹ رجمادی الاولی ۱۳۲۹ھ/۱۹۰۵ء یعنی ٹھیک ملا نظام الدین کی وفات کے دن حضرۃ استاذ الاساتذۃ مولانا عین القضاۃؒ کے ہاتھوں اس مدرسہ کا قیام عمل میں آیا (ص ۲۱۰/ بانی درس)۔

۱۹۰۵ء میں قائم ہونے والا یہ مدرسہ پچاس پچپن سال تک علوم عقلیہ ونقلیہ کی اعلیٰ تعلیم کا مشہور مرکز بنا رہا۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ (م ۱۹۲۶ء) صدر انجمن مؤید العلوم کی حیات تک ہندوستان کی مسلم ریاستوں تک سے امداد نہیں لی گئی۔ ان کی وفات کے بعد ریاست حیدر آباد و ریاست رام پور سے امداد قبول کی گئی، جو ۱۹۴۷ء تک باقی رہی، امداد کے بند ہو جانے کے بعد مدرسہ مالی اعتبار سے پریشان رہا۔ طلبہ کی تعداد کم ہوتی گئی، مدرسہ پھر بھی جاری رہا۔ فتویٰ نویسی، بلا درجہ بندی، مختلف اسباق اور ابتدائی درجات کی با قاعدہ تعلیم جاری رہی، بالآخر ۱۹۷۰ء کے آس پاس یہ مدرسہ صرف پرائمری درجات کی تعلیم تک محدود رہ گیا۔ اب ادھر چند سالوں پہلے مدرسہ نظامیہ کی نشأۃ ثانیہ، عیش باغ عیدگاہ کے دائیں طرف عمل میں آچکی ہے، حفظ قرآن کریم اور پرائمری وغیرہ کے درجات کی تعلیم جاری ہے، امید ہے کہ مدرسہ پھر دھیرے دھیرے اعلیٰ تعلیم کے مدارج طے کرے گا۔ ان شاء اللہ

علماء فرنگی محل اور ان کی تصنیفی و تدریسی خدمات:

فرنگی محل میں تقریباً آٹھ پشتوں تک علم وفضل کا دور دورہ رہا اور تقریباً تین سو سے زائد علماء مختلف علوم وفنون میں یگانہ ویکتا ہوئے۔ تصنیف و تالیف کا میدان ہو یا تدریسی خدمات کا، علماء فرنگی محل نے ہر دو میدانوں میں اپنا لوہا منوایا، ملا نظام الدین کی تدریس کا اس قدر شہرہ ہوا کہ طلبہ دوسری درسگاہوں سے فارغ ہونے کے بعد بھی فاتحہ فراغ پڑھنے کے لئے ملا نظام الدین کے پاس کثیر تعداد میں آیا کرتے تھے اور جنھوں نے از اول تا آخر استفادہ کیا، ان کی تعداد اس قدر رہے کہ ان

ناموں کا استقصا، اس مختصر مقالے میں دشوار ہے، پھر ملا نظام الدین کے خاندانی شاگردوں نے بھی تدریس وتعلیم کا سلسلہ جاری کیا اور ہر دور میں ماہر فن اساتذہ فرنگی محل میں پیدا ہوتے رہے۔

اسی خانوادے میں ملا حسن، ملا مبین، ملا بحر العلوم عبد العلی، ملا نور اللہ، ملا رحمت اللہ، ملا نعمت اللہ اور اخیر دور میں مولانا عبد الحی فرنگی محلیؒ جیسے نامور اساتذہ اور مصنفین پیدا ہوئے، جن کی اتنی مختصر سی عمر میں تدریسی اور تصنیفی خدمات کی نظیر ملنا دشوار ہے۔

تنہا مولانا عبد الحی فرنگی محلیؒ کی ذات گرامی ہی کو لے لیجئے، جنہوں نے تدریس کے ساتھ، جن موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، اس کا حق ادا کردیا ہے، فقہ میں شرح وقایہ کا مختصر حاشیہ، جو شرح وقایہ کے نسخوں پر مطبوع ہے وہی کچھ کم نہیں، اسی شرح وقایہ کی تفصیلی شرح اور مبسوط حاشیہ، جو آپ نے ''السعایہ الی حل مافی شرح الوقایہ'' کے نام سے تحریر فرمایا ہے، یہ اتنا زبردست کام ہے کہ اگر یہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہوتا تو فقہ حنبلی کی مشہور کتاب ''المغنی لابن قدامۃ'' کے ٹکر کا ہوتا، لیکن مولانا مرحوم کی زندگی وفا نہ کرسکی اور یہ حاشیہ صرف ''باب الاذان'' تک تحریر ہوسکا۔ کاش کوئی صاحب ذوق اور صاحب نظر فقیہ ہمت کرتا اور اس عظیم ادھورے کام کی تکمیل کئے دیتا۔ ....علاوہ ازیں آپ نے مؤطا امام محمدؒ پر اپنا وقیع حاشیہ موسوم ب ''التعلیق الممجد علی مؤطا الامام محمد'' رقم فرمایا ہے، جو فن حدیث میں آپکا عظیم کارنامہ ہے، اس مختصر سے مقالے میں آپ کے تمام مصنفات کو شمار کرانا بھی مشکل ہے، چہ جائیکہ اس پر کچھ تبصرہ کیا جائے۔ مولانا عبد الحی فرنگی محلیؒ کے علاوہ دیگر علماء فرنگی محل کی تصنیفی خدمات بھی عظیم ہیں، جن کا سرسری ذکر بھی طوالت سے خالی نہیں، صرف بحر العلوم کی مسلم الثبوت کی عربی شرح ''فواتح الرحموت'' کا حوالہ کافی ہے، جس نے عرب وعجم سے اپنا لوہا منوایا ہے۔ اسی طرح اکثر علماء فرنگی محل نے اس کثرت سے کتب معقولات پر حواشی اور تعلیقات لکھے ہیں کہ ان کو اس مختصر مقالے میں شمار کرانا بھی ایک دشوار امر ہے۔

علماء فرنگی محل اور ان کا مسلکی رجحان:

یہ بات تو واضح ہے کہ علماء فرنگی محل کے یہاں فقہ حنفی پہ عمل ہوا کرتا ہے، لیکن ان

حضرات کے یہاں حنفیت میں وہ تصلب نہیں، جو علماء دیو بند کے یہاں پایا جاتا ہے، چنانچہ خود بانیٔ درس نظامی ملا نظام الدینؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے تیمّم کے باب میں فقہاء احناف کے مسلک کو چھوڑ کر، امام شافعیؒ کے قول قدیم کو لیا ہے۔ فقہاء احناف کے یہاں تیمّم میں ہاتھوں کا مسح، کہنیوں تک ہوا کرتا ہے، جبکہ امام شافعیؒ کے قول قدیم میں تیمّم میں ہاتھوں کا مسح گٹوں ہی تک ہوتا ہے، نہ کہ کہنیوں تک۔ ملا صاحبؒ نے مناقب رزاقیہ میں احناف کے خلاف اپنی رائے لکھی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے مرشد حضرت مولانا عبدالرزاق بانسویؒ کا کشف بھی یہی تھا۔ مزید براں ملا صاحب نے اپنی تائید میں وضو کے مسائل پہ ایک کتاب لکھی ہے، جس میں متعلقہ احادیث نقل فرمائی ہیں، وہیں تیمّم والی ایک حدیث بھی تحریر فرمائی ہے۔ ملا صاحبؒ مسلکاً حنفی ہونے کے باوجود محققانہ انداز میں تحریر فرماتے ہیں:

''واکثر احادیث صحاح مؤید قول امام شافعیؒ وغیرہ است وظاہر فتوی حضرت شیخ ابن عربی قدس سرہ الاصفی ہمیں است'' (بانیٔ درس نظامی ص ۲۲۳ بحوالہ مناقب رزاقیہ)۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ گرچہ ملا صاحب مسلکاً حنفی تھے، لیکن تقلید جامد کے قائل نہ تھے، بلکہ ان کے اندر مسلکی توسع تھا، اگر کسی مسئلہ میں، مسلک کے خلاف صحیح روایت مل جاتی، تو اپنا مسلک چھوڑ کر، مسلک غیر کو اختیار کرنے میں پس وپیش نہ کرتے۔

ملا نظام الدینؒ کے بعد اس خانوادے سے اٹھنے والے فقہاء ومفتیان کرام کے اندر بھی یہی رنگ دیکھنے کو ملتا ہے، چنانچہ مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں:

''فن حدیث اور فقہ حدیث کی طرف توجہ کرنے میں من جانب اللہ مجھے توفیق ملی ہے۔ میں کسی مسئلے پر اس وقت تک اعتماد نہیں کرتا جب تک اس کی اصل، کسی آیت یا حدیث سے نہ مل جائے۔ جب کوئی مسئلہ نص صریح کے خلاف ہوتا ہے تو میں اسے ترک کردیتا ہوں اور مجتہد کو اس میں معذور بلکہ ماجور سمجھتا ہوں۔ مختلف فیہ مسائل میں درمیانی چال اختیار کرتا ہوں، خالص تقلید مجھے پسند نہیں کہ فقہاء کے قول کو ہر حال میں اختیار کروں، چاہے وہ ادلۂ شرعیہ کے مخالف ہی کیوں نہ ہو، لیکن اس کے ساتھ ہی فقہاء پر لعن وطعن اور بالکلیہ ان کا ترک بھی ناپسند کرتا ہوں'' (ص ۲۰۰ / اودھ میں

افتاء کے مراکز)۔

یہ تھا حضرت مولانا عبدالحیی فرنگی محلیؒ کا توسع ،مولانا گرچہ اصول فروع میں مسلک حنفی کے پیروکار تھے ،لیکن جمود نہیں تھا ،بطور نمونہ یہ دو نام ہم نے پیش کئے ہیں ، ورنہ فرنگی محل کے علماء میں اس طرح کی اور بھی کئی مثالیں ہمارے سامنے ہیں ،طوالت کے خوف سے اسے چھوڑتے ہیں ۔

علماء فرنگی محل اور ان کے صوفیانہ رجحانات:

جس طرح علماء فرنگی محل کے مسلک کے اندر توسع دیکھنے کو ملتا ہے ، کچھ یہی حال ان حضرات کے یہاں عقائد وغیرہ کے سلسلے میں بھی ظاہر ہوا کرتا ہے ، چنانچہ ملا نظام الدینؒ کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ اپنے ایک مسترشد کو " **یا شیخ عبد القادر شیأ للّٰہ** '' کے ورد کی تلقین فرمایا کرتے تھے (ص ۱۶۷/ بانی درس نظامی)۔

صوفیاء کے یہاں اس ورد کے جواز وعدم جواز میں گرچہ کلام ہے ،تاہم کتاب وسنت کی روشنی میں اگر پرکھا جائے اور اس کی کوئی تاویل نہ کی جائے تو عدم جواز ہی کو ترجیح حاصل ہونی چاہئے ،ملا صاحب جب نصوص شرعیہ کی روشنی میں تیمّم میں ہاتھوں کے مسح کے سلسلے میں ، امام شافعیؒ کے قول قدیم کو اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ وہ نصوص سے زیادہ میل کھاتا ہے ،تو اسی طرح درباب تصوف بھی وہ رائے زیادہ قابل ترجیح ہونی چاہئے ، جو نصوص کتاب وسنت سے زیادہ قرب ہو ،تاہم راقم جیسے ظاہر بیں شخص کو اس قسم کے معاملات میں زبان بند رکھنا ہی بہتر ہے ۔

اسی طرح ملا صاحبؒ ربیع الاول میں تبرک پیغمبر ﷺ یعنی میلا دشریف کی تقریب (ضیافت) میں شرکت کو مستحسن قرار دیتے ہیں ۔ قاضی قل محمد نے ملا نظام الدین کے پاس تبرک غوث اعظم قدس سرہ العزیز یعنی غوث پاک کی نیاز کا تبرک بھیجا تو ملا نظام الدین نے فرمایا: ''میں نے اس تبرک کو سر آنکھوں پر رکھا'' (ص ۱۹۷/ بانی درس نظامی)۔

اسی طرح ملا نظام الدین کے مزار پر سالانہ فاتحہ ۸ / جمادی الاولی کا دن گذار کر ۹/ کی

شب میں ہوا کرتا ہے (ص ۲۰۶/ بانی درس نظامی)۔

قبر پر فاتحہ خوانی عند الاحناف ممنوع نہیں بلکہ ایک امر مستحسن ہے، لیکن کسی خاص دن اس عمل کو متعین کر کے کرنا، اسے بدعت کے زمرے میں لا دیتا ہے۔

یہ چند نمونے خود بانی درس نظامی کی زندگی میں پائے جانے والے اعمال وعقائد سے متعلق ذکر گئے ہیں، بعد کے لوگوں میں اس رجحان میں کوئی کمی دیکھنے کو نہیں ملتی؛ بلکہ مرور زمانہ کے ساتھ عقائد و اعمال کے اضمحلال کی صورتیں مزید بڑھتی نظر آتی ہیں، فی زمانہ اس خانوادے میں عرس وغیرہ میں شرکت، نذر و نیاز، فاتحہ خوانی ہمزارات پر چادر پوشی، چراغاں وغیرہ کی رسوم کو بڑی عقیدت کے ساتھ عمل میں لایا جاتا ہے، جیسا کہ باشندگان لکھنؤ اور بالخصوص بعض فرنگی محلی احباب نے اپنے معمولات، اس ناچیز سے بیان کئے۔

علما ءفرنگی محل اور خدمت افتاء:

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ فرنگی محل میں تقریباً آٹھ پشتوں تک علم وفضل کا دور دورہ رہا، تقریباً تین سو سے زائد علماء، مختلف علوم وفنون میں یگانہ و یکتا تھے، علما فرنگی محل نے درس و تدریس، وعظ و ارشاد، تصنیف و تالیف اور فتویٰ نویسی کے ذریعہ جو علمی خدمات انجام دی ہیں، اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ....ہم اپنی تالیف ''اودھ میں افتاء کے مراکز اور ان کی خدمات'' میں علما فرنگی محل کی خدمات کے ذیل میں دو صدیوں -انیسویں اور بیسویں- میں جن علماء کا ذکر کیا ہے، ان کی کل تعداد ۳۲ ہے، ان دو صدیوں سے قبل بھی اس خانوادے میں ایسے علماء موجود رہے ہیں، جنہوں نے افتاء کی خدمات انجام دیں، جن میں سر فہرست بانی درس نظامی ملا نظام الدین کی ذات گرامی، نیز مفتی محمد یعقوب بن ملا عبد العزیز اور ان کے چھوٹے لڑکے مفتی ابو الرحم اور ملا حسن جیسی یگانہ روزگار ہستیاں منصب افتاء پر فائز رہی ہیں۔

علما فرنگی محل جب سے لکھنؤ میں آباد ہوئے، غیر سرکاری فتویٰ نویسی ان ہی کے سپرد رہی، شہر اور بیرون شہر سے ان کی خدمت میں استفتاء آتے اور ان کے جوابات عموماً سرگروہ علماء

فرنگی کے دستخط سے جاتے (ص ۱۸۴/ اودھ میں افتاء کے مراکز)۔

سرکاری طور پر بھی علماء فرنگی محل نے افتاء کی خدمت انجام دی ہے، چنانچہ مفتی محمد یعقوب فرنگی محلی سب سے پہلے سرکاری مفتی شہر تھے، پھر مفتی محمد اصغر، مفتی ظہور اللہ، مفتی محمد یوسف، مفتی نعمت اللہ اور ملا مبین اپنے اپنے زمانے میں مفتی عدالت رہ چکے ہیں (ص ۱۸۵/ اودھ میں افتاء کے مراکز)۔

اس اجمالی تذکرۂ افتاء کے بعد ہم اختصار کے ساتھ علماء فرنگی محل کی افتاء نویسی کا ذکر ترتیب زمانی کے اعتبار سے آیندہ سطور میں کریں گے، اس سلسلے میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ راقم نے اِن ارباب فقہ وفتاویٰ کے مصنفات کے ذکر سے، اس لئے پہلوتہی کی ہے کہ مقالہ کو طوالت سے بچایا جا سکے:

(۱) بانی درس نظامی ملا نظام الدین محمد بن ملا قطب شہید (م ۹ ر جمادی الاولیٰ ۱۱۶۱ھ):

ملا نظام الدین محمد کے نام سے علمی دنیا کا بچہ بچہ واقف ہے۔ پیدائش قصبۂ سہالی میں غالباً ۱۰۸۹ھ/ ۱۶۷۸ء میں ہوئی، والد صاحب کی شہادت کے بعد لکھنؤ منتقل ہوگئے، اپنے والد سے شرح جامی تک درس لے چکے تھے، دیوہ، جائس اور بنارس جا کر اساتذۂ وقت سے تحصیل علوم کیا، اور آخر میں لکھنؤ آ کر ملا غلام نقشبند گھوسوی ثم لکھنوی سے پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔ زندگی بھر فرنگی محل میں ایک مکان کے اندر درس وتدریس میں مشغول رہے، کثیر تعداد نے آپ سے فیض اٹھایا، تدریس کے ساتھ خدمتِ افتاء بھی انجام دیا کرتے تھے، اگر چہ آپ کی موجودگی میں آپ کے بھائی کے پوتے، ملا محمد یعقوب سرکاری مفتی ہو چکے تھے، لیکن غیر سرکاری طور پر آپ ہی کے فتووں کو اہمیت حاصل ہوا کرتی تھی، ایک فتویٰ اور اس کا جواب ہم نے اپنی تالیف ''اودھ میں افتاء کے مراکز اور ان کی خدمات'' میں نقل کیا ہے (دیکھئے: ص ۱۸۴) کئی تصانیف آپ نے یادگار چھوڑی ہیں۔

(۲) ملا حسن بن قاضی غلام مصطفیٰ (م ۱۱۹۹ھ):

یہ ملا شہیدؒ کے پڑپوتے ہیں، بعض کتابیں اپنے ماموں ملا کمال الدین اور اکثر

کتابیں استاذ الہند ملا نظام الدین سے پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے، تمام علوم میں مہارت حاصل کی، یہاں تک کہ معتبر علماء اس کو بیان کرتے ہیں کہ اگر ملا حسن، شیخ ابن سینا سے معقولات میں مقابلہ کرتے تو ان پر غالب آجاتے، انہیں بعض حالات کی بناپر ترک وطن کرنا پڑا، شاہجہاں پور، دارانگر (نجیب آباد) رام پور اور دہلی میں بھی قیام رہا۔ آپ بلا کے ذہین اور زبردست قوت حافظہ کے مالک تھے، صاحب تذکرہ علماء فرنگی محل کے بقول: ''خاندان فرنگی محل میں ملا حسن سے زیادہ قوی الحافظہ، ذکی اور منطقی طریق پر بحث کا ماہر کوئی دوسرا نہیں گذرا''۔

رسالہ قطبیہ کے حوالہ سے صاحب بانی درس نظامی تحریر فرماتے ہیں: ''بیس سال کے قریب ملا حسن فرنگی محل میں درس دیتے رہے، اور بڑا احترام ان کا کیا جانے لگا، چنانچہ لوگ اُن کو (ملا نظام الدین کا) جانشین سمجھنے لگے اور استفتاؤں پر اسی طرح ان سے جواب لکھواتے جیسا کہ ملا نظام الدین سے لکھواتے تھے اور ملا نظام الدین کے انتقال کے بعد ملا عبد العلیٰ بحر العلوم سے لکھوایا کرتے تھے'' (ص ۱۳۲/بانی درس نظامی)۔

(۳) ملا محمد یعقوب بن عبد العزیز (م ۱۱۹۹ھ یا ۱۲۰۹ھ)

یہ بھی ملا قطب شہید کے پڑپوتے ہیں، تحصیل علوم ملا نظام الدین اور ملا حسن سے کیا۔ زبردست عالم اور مفتی تھے، علوم دینیہ میں مہارت تامہ حاصل تھی، ملا نظام الدین کی زندگی ہی میں آپ کی تدریس کی شہرت ہوگئی تھی، آپکی دیانت اور تقویٰ پر عوام اور خواص سب کو بھروسہ تھا، یہاں تک کہ سرکار اودھ کی جانب سے آپکو عہدۂ افتاء سپرد ہوا، جس کو آخری عمر تک نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے، حکام کو آپ کے فتاویٰ پر بہت زیادہ اعتماد و اعتبار تھا (ص ۲۰۵/تذکرہ علماء فرنگی محل)۔

(۴) مفتی ابو الرحم فرنگی محلی (تاریخ وفات نامعلوم)

نام احمد تھا معروف بہ ابو الرحم تھے، ملا محمد یعقوب بن عبد العزیز کے صاحب زادے ہیں، حافظ قرآن تھے، والد سے تلمذ تھا، فاتحہ فراغ اپنے بڑے بھائی مولوی عبد القدوس سے پڑھا، تمام

علوم، بالخصوص کتبِ فقہ میں مہارت تامہ تھی، نواب سعادت علی خان کے زمانہ میں مفتی عدالت ہوئے، نواب صاحب کو آپ کی دیانت وامانت پر پورا بھروسہ تھا (ص ۲۷/تذکرہ علما فرنگی محل)۔

یہ چند وہ حضرات علما فرنگی محل ہیں، جن کا ذکر ہماری تالیف "اودھ میں افتا کے مراکز اور ان کی خدمات" میں شامل نہیں تھا، کیونکہ یہ حضرات، ہماری متعینہ دوصدیوں (۱۹ویں اور ۲۰ویں) سے قبل کے ہیں، باقی اصحاب فقہ وفتاویٰ، جو فرنگی محل سے متعلق ہیں، ان کا قدرے مختصر ذکر اپنی کتاب کے حوالہ سے پیش ہے:

(۵) ملا مبین فرنگی محلی (م ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ء):

مولد ومنشا لکھنؤ ہے۔ درسی کتابیں از اول تا آخر ملا حسن سے پڑھیں، اور فاتحہ فراغ بھی اُنہی سے پڑھا، علوم عقلیہ ونقلیہ کے عالم، رموز خفی وجلی سے واقف، اور جودت ذہن وذکاء وطلاقت میں مشہور تھے۔

فراغت کے بعد تدریس وتالیف کا سلسلہ شروع ہوا، حلقۂ درس، استاذ کے سامنے وسیع اور مشہور ہوگیا۔ ملا حسن جب رام پور چلے گئے تو ان کے تلامذہ اور اطراف واکناف کے طلبۂ علم نے آپ کی خدمت میں تحصیل علم شروع کردیا اور آپ کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔ تلامذہ کی کثرت، آپ کے حلقۂ درس میں سب ہم عصروں سے زائد ہوگئی۔ عوام وخواص، سب کی نظروں میں محبوب ومعزز ومکرم ہوگئے۔ ہر جمعہ کو مسجد فرنگی محل میں وعظ فرماتے۔ آپ کا وعظ نہایت شیریں اور موثر ہوا کرتا تھا۔ معاصرین علمائے کرام کی عزت وتکریم فرمایا کرتے تھے۔ باوجود معقولی ہونے کے بزرگانِ دین کے ساتھ حسنِ عقیدت رکھتے تھے۔

عام سوانح نگاروں نے فتویٰ نویسی کے پہلو کو معرض خفا میں رکھا ہے۔ صاحب "نزهة الخواطر" نے صرف: أحد کبار الفقهاء الحنفية کہنے پر اکتفا کیا ہے۔ تاہم مفتی محمد رضا فرنگی محلی نے ان کا شمار فرنگی محل کے ان مفتیانِ کرام میں شمار کرایا ہے، جنہیں حکومتِ اودھ میں مفتیِ عدالت رہنے کا شرف حاصل رہا ہے۔

(۶) ملا بحر العلوم عبد العلی (م ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ء):

جملہ درسی کتابیں اور علوم متعارفہ اپنے والد ماجد ملا نظام الدینؒ سے پڑھ کر اٹھارہویں سال میں فارغ ہوئے۔ اس کے بعد آپکے والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ والد کے انتقال کے بعد کتبِ معقول و منقول کے مطالعہ میں مشغول ہو گئے اور اپنے والد کے شاگرد خاص ملا کمال الدین کی خدمت میں غوامض حل فرماتے۔

بعض حالات کی بناپر آپ اولاً بنگال پھر مدراس تشریف لے گئے۔ نواب والا جاہ محمد علی نے مع عزیزوں اور امراء کے استقبال کیا اور اعزاز کے ساتھ ان کو اپنے محل میں لے گئے۔ نواب نے ایک بڑے مدرسہ کی بنیا درکھی۔ آپ اس مدرسہ میں طلبہ کو درس دینے میں مشغول ہو گئے۔ نواب موصوف کی سرکار سے ''بحر العلوم'' کا خطاب ملا۔

بحر العلوم ملا عبد العلی کے عام سوانح نگاروں مثلاً مؤلف تذکرہ علماء فرنگی محل (مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی)، مؤلف تذکرہ علماء ہند (رحمٰن علی ناروی) اور فقیر محمد جہلمی مؤلف ''حدائق الحنفیۃ'' وغیرہ، تذکرہ نگاروں میں سے کسی نے بھی نے بحر العلوم کے فتویٰ نویسی کا پہلو اجاگر نہیں کیا ہے۔ صرف مؤلف ''بانی درس نظامی'' مولانا محمد رضا انصاری فرنگی محلی نے دو جگہ ضمناً آپکی فتوی نویسی کا ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ ملا حسن کے تذکرہ کے ضمن میں اور دوسری جگہ خود بحر العلوم کے تذکرے میں۔

(۷) مولوی نور اللہ فرنگی محلی (م ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۵ء):

تحصیل علم اپنے والد ماجد ملا ولی سے کی۔ دوران تحصیل ملا ولی صاحب کا انتقال ہوگیا تو بقیہ علوم کی تحصیل خیر آباد جا کر اپنے والد ماجد کے تلمیذ خاص مولانا عبد الواجد خیر آبادی سے کی اور فاتحۃ الفراغ بھی انہی سے پڑھا۔ دیگر علوم کے علاوہ علم ریاضی کے اکثر شعبے، خیر آباد ہی میں حاصل کئے۔

خیرآباد سے واپس آکر علم کی خدمت میں مشغول ہوگئے اور تمام کتب معقولہ ومنقولہ میں عموماً اورفن ریاضی میں خصوصاً تبحر پیدا کرلیا۔ ریاضی میں جس قدر ملکہ مولانا نور اللہ کو حاصل تھا، ہمعصروں میں سے کسی دوسرے کو نصیب نہ تھا، بلکہ علماء فرنگی محل میں آپ اور آپکے صاحبزادے مولانا نعمت اللہ کو فنون ریاضیہ میں جو تبحر حاصل تھا، وہ کسی دوسرے عالم کے حصہ میں نہیں آیا۔ اسی طرح یہ دونوں بزرگ اور ان کے منجھلے بھائی مفتی ظہور اللہ، طرز تدریس کے ماہر فرد تھے، جس کسی نے کتب مطولہ کے چند اسباق بھی پڑھ لئے، اسکو پھر کسی دوسرے کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کتابوں کے مطالب کے متعلق تقاریر اس قدر جامع ومانع، حاوی، حشو وزوائد سے پاک ہوتی تھیں کہ ان تقریروں کے بعد طلبہ کو کسی قسم کا شبہ باقی نہیں رہ جاتا تھا، اور اگر اس تقریر میں سے کوئی لفظ ہٹا دیا جاتا تو کوئی نہ کوئی اہم خرابی پیدا ہوجاتی۔ غبی سے غبی طلبہ میں بھی آپکے درس میں شرکت کے بعد کافی قابلیت پیدا ہوجاتی۔ سرکار اودھ کی جانب سے لکھنؤ اور فیض آباد کی خدمتِ افتاء بھی آپ کے سپرد تھی۔

(۸) مولوی عیسیٰ فرنگی محلی (م ۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۴ء)

اپنے جد امجد ملا اسحاق سے تحصیل علم کرکے فارغ ہوئے۔ فراغت کے بعد درس وتدریس کو اپنا مشغلہ بنایا۔ نہایت خوش اخلاق، منکسر المزاج تھے، جو بھی آپ سے ملتا خوش ہوتا۔ اپنا وقت تدریس ومطالعۂ کتب میں صرف فرماتے۔ علم طب بھی حاصل کیا تھا۔ آپ کے دادا ملا اسحاق آخری عمر میں جب معذور ہوگئے تو مولوی عیسیٰ ہی اپنے دادا کی طرف سے فتوے تحریر فرمایا کرتے تھے۔ دادا کی حیات ہی میں عدالتِ دیوانی میں ان کے قائم مقام مقرر ہوگئے تھے۔

(۹) مولوی امین اللہ فرنگی محلی (م ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء):

درسی کتابیں اپنے چچا مفتی محمد اصغر اور اپنے نانا مفتی ظہور اللہ سے پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ حافظ قرآن بھی تھے، آپ نہایت مستعد عالم تھے، طلبہ کو درس دیتے اور اپنے نانا کے

پاس آنے والے استفتوں کے جواب، ان کے حکم سے لکھا کرتے تھے۔

(۱۰) مولوی مفتی محمد اصغر فرنگی محلی (م ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۹ء):

حافظ قرآن تھے۔ تحصیل علم اپنے والد ماجد اور ملا مبین سے فرما کر فارغ التحصیل ہوئے۔ تمام علوم خاصکر فقہ و اصول میں مہارت تامہ تھی۔ صورت و سیرت دونوں میں نہایت حسین تھے۔ نواب سعادت علی خاں کے عہد میں ایک مدت تک عہدۂ فوج داری آپ سے متعلق رہا، انہی کے زمانے میں مفتیٔ عدالت مقرر ہوئے، نواب موصوف کو مفتی صاحب کی دیانت و امانت پر بھرپور اعتماد تھا۔

(۱۱) ملک العلماء مولوی حیدر فرنگی محلی (م ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء):

درسی کتابیں اپنے والد ماجد اور مفتی ظہور اللہ بن ملا محمد ولی نبیرۂ ملا محمد اسعد سے پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ مدتوں اودھ سرکار میں نہایت عزت و احترام کی زندگی بسر ہوئی۔ حاسدین کے حسد کی بنا پر لکھنؤ میں قیام مناسب نہیں سمجھا اور حج کے قصد سے اپنے صاحبزادے مولوی غضنفر کے ساتھ مکہ معظمہ ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء میں پہنچے۔ حج کی سعادت حاصل کی اور حرمین کے شیوخ سے سند حدیث حاصل کی۔ ۲۷/ذی الحجہ ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء کو وطن واپسی کے لئے جدہ سے روانگی عمل میں آئی۔ جہاز حادثہ کا شکار ہوگیا۔ سوائے چند لوگوں کے، سارے مسافر غرق ہوگئے۔ ملا حیدر اور ان کے فرزند اور دوسرے عزیز شیخ حشمت علی کاکوروی ایک کشتی کے ذریعہ بچا لئے گئے، آپ شیخ حشمت علی کے ساتھ ان کے ایک بھائی سے ملنے حیدرآباد چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر انہیں نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ ریاست حیدرآباد ہی میں قیام پر آمادہ کیا گیا اور ایک ہزار روپیہ ماہوار منصب، ایک ہزار روپیہ ماہوار کی جاگیر، آپ کے نام نسلاً بعد نسلٍ مقرر کردی گئی۔ وہاں تدریس و افتاء اور وعظ میں مصروف رہے۔ تمام شہر کے رؤساء و عمائدین سلطنت اور علماء آپ کے ساتھ کمال عزت و احترام کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔

(۱۲)مفتی ظہور اللہ فرنگی محلی (م ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء):

تحصیلِ کتب اپنے والد اور چچا ملا حسن سے کی۔ نہایت زبردست و قابل عالم تھے۔ تمام علوم کے ماہر تھے، خاص کر علوم فقہیہ میں ملکۂ تام حاصل تھا۔ عہدۂ افتاء سرکار اودھ سے سپرد ہوا، جس کو چالیس سال تک متواتر انجام دیتے رہے۔ باوجود عدالتی کاموں کے سلسلہ تدریس وتالیف بند نہیں ہوا۔ ہمیشہ درس وتدریس کے کام میں منہمک رہے اور اپنے زمانے میں خوب مشہور ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا۔ چنانچہ مفتی عنایت اللہ فرنگی محلی نے اربابِ فرنگی محل کے علاوہ ان کے تلامذہ میں ۶۱ر بیرونی علماء کرام کے نام لکھے ہیں۔

(۱۳)مولوی محمد معین فرنگی محلی (م ۱۲۵۸ھ/ ۱۸۴۲ء)

درسی کتابیں اپنے والد ماجد، بڑے بھائی مولوی محمد حیدر اور مولوی ولی اللہ سے پڑھیں۔ اور حدیث کی سند مولانا عبد الحفیظ حنفی سے حاصل کی۔ فقیہ، محدث اور واعظ ہوئے۔ صاحبِ خیر العمل ''علامہ عبد الحی فرنگی محلی'' نے تحریر فرمایا ہے کہ میرے والد ماجد نے ملا معین کو ''خاتم الفقہاء والمحدثین'' تحریر فرمایا ہے۔

ملا محمد معین نہایت متقی، پرہیز گار، زاہد شب زندہ دار تھے۔ تصنیف وتدریس اور اوراد واذکار کے باوجود علم حدیث اور اس کے متعلقات کا کثرت سے مطالعہ فرماتے تھے۔ فقہ واصول اور علم ادب میں مہارت کاملہ حاصل تھی، کثرتِ فتاویٰ، کثرتِ مطالعہ، ان امور میں، ملا معین اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ محدث عصر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ، رحمٰن علی ناروی کی کتاب ''تذکرہ علماء ہند'' کے صفحہ نمبر ۲۲۸ پر صاحب ترجمہ ''ملا معین'' کے بارے میں رقم طراز ہیں: ''چند فتاوائے او در بابِ حرمت سجدۂ تعظیمی و حرمت بقرہ منذورہ برائے سید احمد کبیر مؤرخہ ۴۵-۱۲۴۷ھ/ ۲۹-۱۸۳۱ء من دیدہ ام کہ ازاں وسعتِ نظر وتدقیق اوشاں ظاہر می شود''۔ محدث اعظمیؒ کے اس تبصرہ سے فقہ وفتویٰ میں آپ کی علوِشان کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۱۴) مولوی عبد الواحد فرنگی محلی (م ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء):

ابتداءً مولانا ازہار الحق کی خدمت میں تحصیل علم کی اور بقیہ درسی کتابیں اپنے دادا بحر العلوم کی خدمت میں مدراس میں پڑھیں۔ آپ فقہ واصول فقہ کے ماہر عالم تھے۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد، منصبِ قضاء وافتاء کے حصول کے ارادے سے کلکتہ گئے اور عدالتِ بنگال کے حاکم "ہارنگٹن" سے ملاقات کی، مگر مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔ فتحِ دہلی کے بعد، مذکورہ حاکم کی سفارش سے ڈھائی سو ماہانہ مشاہرہ پر "روہتک" کے مفتی ہوگئے۔ وہاں سے تبدیل ہو کر پانی پت پہنچے۔

(۱۵) مولوی خادم احمد فرنگی محلی (۱۲۷۱ھ/۱۸۵۵ء):

علم کی تحصیل اپنے چچا ملا معین اور مفتی ظہور اللہ سے کی۔ آپ مدۃ العمر تدریس وتصنیف اور افتاء میں مشغول رہے۔ آپ کے شاگرد کثرت سے تھے۔ فرنگی محل کی مسجد میں ہر جمعہ کو وعظ کہتے تھے۔ آپ کے وعظ سے فرنگی محل کی رونق تھی۔ اپنے والد مولوی محمد حیدر کے مرید تھے، کہتے ہیں کہ جس زمانے میں مولوی امیر الدین علی امیٹھوی مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ ہنومان گڈھی کے بیراگیوں کے مقابلہ کے لئے ۱۲۷۱ھ/۵۵-۱۸۵۴ء میں کمر بستہ ہوئے تھے، تو دوسرے زیرِ پرست علماء کے ساتھ، انہوں نے بھی نواب نقی علی خان کے اشارے پر مولوی امیر الدین علی کو فہمائش کی تھی اور ان کے جہاد کے بارے میں حرمت کا فتویٰ دیا تھا۔

(۱۶) مولوی ظہور علی عرف محمد غوث فرنگی محلی (۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء):

آپ مولانا حیدر کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے، درسی کتابیں اپنے والد ماجد اور مفتی ظہور اللہ سے پڑھیں۔ نہایت قابل وفاضل علماء میں آپ کا شمار ہے۔ تحصیل علم کے بعد جوانی میں قرآن کریم حفظ فرمایا۔ وطن میں مدتوں تدریس میں مشغول رہے۔ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد حیدر آباد تشریف لے گئے اور والد ماجد کے قائم مقام ہوئے اور سرکار نظام سے منصب وجاگیر

مقرر ہوئی۔ وہاں بھی تدریس وتعلیم میں عمر بسر کی۔ حیدرآباد کے علماء وامراء اور شاہِ دکن، بہت اعزاز و اکرام سے پیش آتے تھے۔ ہر جمعہ کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔ آپ ہی کے فتووں پر عدالتی فیصلے ہوا کرتے تھے۔ حافظہ غضب کا تھا۔ ماہِ رمضان میں قرآن کریم پورا حفظ کرکے تراویح میں سنایا تھا۔

(۱۷) مولوی نعیم اللہ فرنگی محلی (م ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۶ء)

درسی کتابیں اپنے بڑے بھائی مولانا ولی اللہ فرنگی محلی سے پڑھیں۔ بیضاوی شریف اور دیگر کتبِ منقولہ اپنے چچا ملا مبین سے پڑھکر فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد تدریس اور خدمتِ علم میں مصروف ہوگئے مگر فکر معاش کی وجہ سے تدریس کی نوبت زیادہ مدت تک میسر نہ آئی۔ حساب اور علم فرائض میں خاص مہارت تھی۔ غدر کے زمانے میں اودھ سرکار میں خدمتِ افتاء پر مامور رہے اور نہایت عزت واحترام کے ساتھ زندگی بسر فرمائی۔

(۱۸) مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی (م ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء)

حفظ قرآن کے بعد درسی کتابیں اپنے والد ماجد سے اور مفتی ظہور اللہ، مفتی محمد یوسف بن مفتی محمد اصغر، مفتی محمد اصغر اور مولوی نعمت اللہ بن مولوی نور اللہ سے پڑھیں۔ ۱۶ ربرس کی عمر میں ختمِ کتب کرلیا۔ مرزا حسن علی محدث اور مولانا حسین احمد محدث سے حدیث حاصل کی۔ عمر بھر تدریس وتالیف کا سلسلہ جاری رہا۔ ابتداءً وطن میں رہے۔ پھر باندہ میں نواب ذوالفقار الدولہ کے مدرسہ میں ۹ رسال خدمت کرتے رہے، اس کے بعد جونپور میں حاجی امام بخش کے مدرسہ میں ۱۰ رسال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، پھر حیدرآباد دکن میں ایک سرکاری مدرسہ میں مدرس ہوئے۔ ۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۲ء میں اہل وعیال کے ساتھ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے اور وہاں کے شیوخ حدیث سے اجازتِ حدیث حاصل فرمائی۔ حرمین سے واپسی پر حیدرآباد میں عدالتِ عالیہ نظامیہ کے عہدے پر تقرر ہوا۔ چونکہ آپ نے مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں، اس لئے آپ کے تلامذہ کی اس قدر کثرت ہے کہ جن کا احاطہ

دشوار ہے، ان میں سے اکثر وبیشتر خود صاحبِ تصانیف ہوئے ۔آپ نے فتوے بھی دیے اور بکثرت مفید اور نافع کتابیں تالیف فرمائیں، جو آپ کی شہرت کا باعث بنیں۔علامہ عبدالحی فرنگی محلی ''مقدمہ عمدۃ الرعایۃ'' میں رقم طراز ہیں: ''واشتهرت فضائله وفتاواه وتصانيفه فيمابين الخافقين'' ان کے فتاوی کا مجموعہ بھی تھا،لیکن ناتمام۔

(۱۹)مفتی محمد یوسف فرنگی محلی (م۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء)

اکثر درسی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں ۔رسالہ قوشجیہ مولانا نوراللہ بن ملا ولی سے پڑھا اور کچھ کتابیں مفتی ظہور اللہ سے پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے ۔سیرت وصورت دونوں میں آپ یوسفِ ثانی تھے،نہایت خوبصورت اور ورزشی بدن تھا۔اخیر عمر تک ورزش نہیں چھوڑی۔ ایک مدت تک تدریس وتالیف میں مشغول رہے۔اپنے والد کے انتقال کے بعد عہدۂ افتاء پر سر فراز ہوئے ،جسکو غدر ۱۸۵۷ءتک انجام دیتے رہے۔بڑے زاہد ومتقی تھے۔غدر کے بعد جونپور کے مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے۔

آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولانا فاروق چریاکوٹی ہیں ۔پروفیسر محمد ایوب قادری نے تذکرہ علماء ہند(اردو) کے حاشیہ پرلکھا ہے کہ:''علماءفرنگی محل میں مفتی محمد یوسف فرنگی محلی نے ہنومان گڑھی کے جہاد کے موقع پر مولوی امیر الدین علی کی تحریک کو حکومت اودھ کے اشارے پر سخت نقصان پہنچایا۔مولوی عبدالرزاق فرنگی محلی کو جہاد سے باز رکھا۔مجاہدین کی جماعت میں جہاد کے خلاف وعظ کہا اور جہاد کے خلاف فتویٰ بھی دیا''۔فتوے کا متن ،معرکۂ ہنومان گڑھی کے چشم دید گواہ، شیخ محمد عظمت علی علوی کاکوروی نے اپنی کتاب ''امیر علی شہید اور معرکۂ ہنومان گڑھی'' میں یوں نقل کیا ہے:''فی الواقع فسخ عزیمت می باید ودرشہادت دغدغہ است واللہ اعلم''

(۲۰)مولوی نعمت اللہ فرنگی محلی (م۱۲۹۰ھ/ ۱۸۷۳ء):

اپنے والد ماجد اور چچا سے تحصیل علوم فرما کر عالم وفاضل ہوئے ۔آپ کو علوم عقلیہ

میں تبحر کامل حاصل تھا، خاص کر فنون ریاضیہ میں آپ آیت عظمیٰ تھے۔ تحصیل علوم کے بعد آپ نے اپنے والد ماجد کی حیات ہی میں خدمتِ علم شروع کر دی۔ آپ میں چند خصوصیات ایسی تھیں کہ بقول صاحب ''خیر العمل'' کہ ان اوصاف کا جامع علماءِ فرنگی محل میں کوئی دوسرا نہیں ہوا۔ آپ کا طرزِ تعلیم اور تقریر ایسی عمدہ ہوتی کہ بلید سے بلید طالب علم بھی کتاب کو سمجھ لیتا۔ اگر آپ کسی کو چند اسباق بھی پڑھا دیتے تو اتنے ہی سے آپ کے طالب علم کو وہ قوت حاصل ہو جاتی کہ پھر اس کو کسی دوسرے استاذ کی حاجت نہ رہتی۔ آپ کثیر المطالعہ تھے۔ جس کتاب کو پڑھاتے، اس کے تمام حواشی کا مطالعہ فرماتے اور ان کے مکمل مضامین آپ کی یادداشت میں رہتے۔ کتبِ علمیہ کے علاوہ لاتعداد قصے آپ کو ایسے یاد تھے کہ جب آپ کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے، تو بڑوں اور چھوٹوں، سبھی کو آپ ہی کی باتوں سے دلچسپی ہوتی اور کسی طرح اس مجلس کے ختم ہونے کا دل نہ چاہتا۔ ایک بڑی خوبی آپ میں یہ تھی کہ مدت العمر کبھی آپ نے کسی کی غیبت خود نہیں کی، اور جب کوئی دوسرا غیبت کرتا تو اسے روک دیتے۔ ہمیشہ سچائی کے عادی تھے اور دیانت وامانت آپ کا شعارِ خاص تھا۔ لکھنؤ اور فیض آباد کا عہدۂ افتاء مدتوں آپ کے سپرد رہا، آپ نے نہایت دیانت کے ساتھ فرائض کی انجام دہی کی۔ غدر کے بعد، عہدۂ افتاء سے کنارہ کش ہو کر ریاستِ بڑودہ تشریف لے گئے اور وہاں حکیم محمد ہاشم موہانی کے یہاں تدریسی خدمت پر مامور ہوئے، پھر ریاست بیتیا میں راجہ بیتیا کے یہاں مدرس ہوئے اور اخیر تک وہیں قیام رہا۔ اس درمیان رام پور سے نواب کلب علی خان نے آپ کو طلب کیا، مگر آپ نے جانا منظور نہیں فرمایا۔

(۲۱) مولوی عبدالباسط فرنگی محلی (م ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء):

آپ، اپنے والد ماجد کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ حفظِ قرآن کے بعد درسی کتابیں اپنے والد ماجد اور دیگر علماء سے پڑھ کر سندِ فراغت حاصل کی۔ طویل مدت تک وطن میں سلسلۂ تدریس جاری رکھا، اور فتویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔ لیکن تنگیِ معیشت کی وجہ سے روزی کی تلاش میں حیدرآباد گئے اور مجلسِ وضعِ قوانین کی معتمدی کی خدمت، چار سو روپے ماہوار پہ

سپرد ہوئی۔ایک زمانے تک وہاں قیام رہا۔آپ نے اپنا مجموعۂ فتاویٰ بھی مرتب کیا تھا۔

(۲۲)مولوی محمد مہدی فرنگی محلی (م ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۴ء):

تمام درسی کتابیں اول سے آخر تک اپنے والد ماجد سے پڑھکر فراغت پائی۔ایک زمانے تک اپنے والد ماجد کی قائم مقامی میں متولی افتاء رہے۔انگریزی سرکار کی طرف سے رجسٹراری کا عہدہ آپ کے سپرد ہوا۔تدریس کی نوبت نہیں آئی۔

(۲۳)مولانا عبدالحی فرنگی محلی (م ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء):

حفظ قرآن کے بعد اپنے والد ماجد کی خدمت میں رہ کر درسیات کا علم حاصل کیا۔ معقولات اور منقولات دونوں ہی طرح کی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔علم ہیئت کی بعض کتابیں مفتی نعمت اللہ بن نوراللہ فرنگی محلی سے بھی پڑھیں،سترہ سال کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہو گئے۔دو مرتبہ آپ کو حج وزیارت کی سعادت حاصل ہوئی اور وہاں کے علماء سے اجازت حدیث حاصل کی۔فراغت کے بعد حیدرآباد میں تدریس اور لوگوں کو علمی فائدہ پہنچانے کا سلسلہ شروع کیا اور لمبے عرصے تک یہ سلسلہ باقی رہا۔آپ معقولات اور منقولات میں ماہر،شریعت کے رموز واسرار سے واقف تھے اوراصول فروع پر کامل دسترس حاصل تھی،حسن تعلیم میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

ہندوستان میں فتویٰ نویسی کے اندر منفرد شان تھی۔لوگ ہر جانب سے آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔اصول فروع میں مذہب حنفی کے پیروکار تھے لیکن جمود نہیں تھا۔جب کسی مسئلہ میں کوئی نص مل جاتی،جو مذہب کے خلاف ہوتی تو آپ مسلکی روایت کو ترک کر کے نص کے مطابق فیصلہ صادر کیا کرتے تھے،آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ فن حدیث اور فقہ حدیث کی طرف توجہ کرنے میں من جانب اللہ مجھے توفیق ملی ہے۔میں کسی مسئلے پر اس وقت تک اعتماد نہیں کرتا جب تک اس کی اصل،کسی آیت یا حدیث سے نہ مل جائے۔جب کوئی مسئلہ نص صریح کے

خلاف ہوتا ہے تو میں اسے ترک کر دیتا ہوں اور مجتہد کو اس میں معذور بلکہ ماجور سمجھتا ہوں۔ مختلف فیہ مسائل میں درمیانی چال اختیار کرتا ہوں، خالص تقلید مجھے پسند نہیں کہ فقہاء کے قول کو ہر حال میں اختیار کروں چاہے وہ ادلۂ شرعیہ کے مخالف ہی کیوں نہ ہو، لیکن اس کے ساتھ ہی فقہاء پر لعن وطعن اور بالکلیہ ان کا ترک بھی ناپسند کرتا ہوں۔

حدیث وفقہ میں بصیرت کے ساتھ، علم الانساب، علم الاخبار اور فنون حکمت میں بھی کافی جانکاری تھی۔ مناظرے اور مباحثے سے دلچسپی تھی۔ بہت سے معاصرین علماء مثلاً علامہ عبدالحق خیرآبادی، علامہ نواب صدیق حسن خان اور مولانا بشیر سہسوانی جیسے لوگوں سے مختلف مسائل میں مناظرے کئے ہیں۔ ان سب کے باوجود زمانے کے علماء آپ کی علمیت کے معترف تھے۔ آپ کے فتاوے کا مجموعہ تین اجزاء میں مطبوع ہے۔

(۲۴) مولوی رحمت اللہ فرنگی محلی (م ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء):

تحصیل علم اپنے بھائی ملا نعمت اللہ سے کی۔ عالم وفاضل ہوئے۔ نہایت سمجھدار اور دانشمند بزرگوں میں سے تھے صاحب ''تذکرہ علماء فرنگی محل'' فرماتے ہیں کہ: ''میں نے اپنے بھائی سے سنا ہے کہ: '' ملا نعمت اللہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر سلطنت عقل کے ذریعہ مل سکتی تو ہمارے بھائی رحمت اللہ ضرور بادشاہ ہوتے''۔ خاصکر آپ کو علم فرائض، فقہ اور حساب میں کامل مہارت تھی۔

اپنے چچا مفتی ظہور اللہ کے انتقال کے بعد ان کی جگہ مفتیٔ عدالت مقرر ہوئے، تھوڑے زمانے کے بعد آپ غازی پور چلے گئے اور وہاں مدرسہ ''چشمۂ رحمت'' جاری کیا، وہاں آپ نے بڑی وجاہت اور عزت پیدا کی تھی، حکام اور عوام سب کی نظروں میں بہت مہذب تھے، آنزیری مجسٹریٹ بھی سرکار کی جانب سے بنادئے گئے تھے۔

آپ کے فتاوے کا بھی ایک مجموعہ ہے۔

(۲۵) مولانا عبدالرزاق فرنگی محلی (م ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء):

ابتدائی کتابیں مولانا محمد حامد بن مولانا محمد احمد اور مولانا نور کریم دریابادی سے پڑھیں،

پھر متوسطات کی کتابیں اپنے پھوپھا مفتی محمد اصغر بن مفتی ابوالرحم سے پڑھیں۔ تکمیل وفاتحۃ الفراغ پھوپھی زاد بھائی مفتی محمد یوسف بن مفتی محمد اصغر سے پڑھا، آپ اور مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کے والد ماجد مولانا عبدالحلیم ہم سبق تھے۔ علم حدیث مرزا حسن علی محدث اور مولانا حسین احمد ملیح آبادی اور شیخ ملا حسن بن بدر مدنی سے حاصل کیا۔

تحصیل علم کے بعد تدریس وتالیف میں مصروف ہوگئے، زیادہ تر علوم شرعیہ کا درس دیتے، بالخصوص فقہ وحدیث کی جانب خاص توجہ تھی۔

افتاء کا کام بھی ایک مدت تک اسلاف کے طریقہ پر انجام دیتے رہے، لیکن بعد میں خدمت افتاء سے اپنے آپکو الگ کرلیا، واقعہ یہ پیش آیا کہ واجد علی شاہ کے زمانہ میں بیراگیوں نے اجودھیا میں مصاحف جلائے، مسجد ڈھادی اور مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ تقریباً ۱۳۰ مسلمان شہید ہوگئے۔ اس واقعہ سے مولوی امیر علی شاہ امیٹھوی نے بڑا اثر لیا اور حکومت وقت سے بیراگیوں سے انتقام لینے کا مطالبہ کیا۔ کچھ عرصہ انتظار کر کے مولوی امیر علی نے جہاد کا فتوی جاری کیا۔ اہل سنت والجماعت میں سے تن تنہا مولانا عبدالرزاق فرنگی محلی اور شیعہ علماء میں سے سید محمد بن دلدار علی لکھنوی مجتہد نے اس فتوے پر دستخط کئے اور بقیہ سارے علماء، حکومت وقت کی خوشنودی میں لگے رہے اور بہت سارے انعامات اور ہدایا سے مستفیض ہوئے۔ حکام وقت نے آپ کو ڈرایا اور قید کی دھمکی دی تو آپ ان سے روپوش ہوگئے اور اسی دن سے افتاء کی خدمت بھی ترک فرمادی۔ اور یاد خدا میں مشغول ہوگئے۔

(۲۶) مولوی ظہور حسن فرنگی محلی (م ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء):

تحصیل علم اپنے والد ماجد اور مولانا عبدالحلیم بن مولانا امین اللہ سے کیا۔ فراغت کے بعد افتاء وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ والد ماجد کے انتقال کے بعد انکے قائم مقام ہوئے۔ جاگیر اور منصب سرکاری مقرر کیا گیا، اور نجم العلماء کا خطاب منجانب سرکار نظام عطا ہوا۔ آپ کا احترام حیدرآباد میں بہت زیادہ تھا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کسی سے خوف نہیں

کرتے تھے۔

(۲۷) شمس العلماء مولانا محمد نعیم فرنگی محلی (م ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء):

حفظ قرآن کے بعد تمام درسی کتابیں از اول تا آخر اپنے والد ماجد سے پڑھیں ۔ ریاضی مولوی کمال الدین موہانی (تلمیذ مولانا نعمت اللہ فرنگی محلی) سے پڑھکر فراغت حاصل کی اور زاہد یگانہ اور عالم زمانہ ہوئے ۔ انگریزی گورنمنٹ سے شمس العلماء کا خطاب ملا تھا۔

پوری عمر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہے، خاصکر علوم فقہیہ میں کمال وسعت نظر حاصل تھی ۔ آپکے زمانے میں کوئی آپکا نظیر نہیں تھا۔ زہد وتقویٰ اور احتیاط میں اعلیٰ درجہ پر فائز تھے ۔ باوجود وسعتِ نظر وکمال علم ،معمولی استفتوں کا جواب بھی کتاب پر مکرر نظر کئے بغیر تحریر نہیں فرماتے تھے۔ باوجودیکہ زندگی میں عسرت تھی ،مگر کبھی دنیا کی جانب رغبت نہیں فرمائی اور نہ کبھی حکام وامراء سے ربط رکھا۔ شکل نہایت نورانی اور پاکیزہ تھی ۔ آپکی صحبت میں حاضرین کو دنیوی اشغال سے غفلت اور یادالٰہی کیجانب رغبت پیدا ہوتی تھی ۔ ارباب دنیا سے قطع تعلق کے باوجود جو حاضرِ خدمت ہوتا، اس سے اخلاقِ کریمانہ سے پیش آتے ۔

(۲۸) مولوی لمعان الحق فرنگی محلی (م ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۱۳ء):

درسی کتابیں اپنے والد ماجد ،مولانا عبدالحکیم اور مولانا نعیم بن مولانا عبدالحکیم سے پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

کبرسنی تک علم ظاہری کی خدمت فرماتے رہے،لیکن عمر کے آخری حصہ میں علوم باطنیہ کی جانب زیادہ توجہ ہوگئی تھی۔ اپنے بزرگوں کے مثل مدت اعمر باغ مولانا انوار کی مسجد میں ظہر سے عشا تک ہدایت خلق میں مصروف رہتے ۔ شعبان کے آخر سے رمضان کے آخر تک اعتکاف فرماتے ۔ نہایت فرشتہ خصلت اور وجیہ بزرگ تھے ۔ باطنی امور میں انہاک کے باوجود فتویٰ نویسی بھی فرماتے تھے ۔

(۲۹)مولانا عبدالمجید فرنگی محلی (م ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۲ء):

کچھ دنوں اپنے چچا مولانا محمد نعیم صاحبؒ کے پاس پڑھتے رہے، پھر علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ کی صحبت میں رہکر اکثر درسی کتابیں انہی سے پڑھیں۔ علامہ عبدالحی فرنگی محلی کی وفات کے بعد انکے شاگرد مولانا عین القضاۃؒ سے بقیہ کتابوں کی تحصیل کی۔ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مکہ مکرمہ میں قراءت وتجوید کی تعلیم حاصل کر کے ہندوستان لوٹے اور کیننگ کالج (لکھنؤ) میں مدرس ہوگئے۔

فقہ، اصول فقہ اور بعض علوم معقول میں بھی انتہائی مہارت تھی۔ غضب کے متواضع اور حسن اخلاق کے پیکر تھے۔ اسی وجہ سے لوگوں میں ہر دلعزیز اور فقہ وفتویٰ میں لوگوں کے مرجع وماویٰ تھے اور لکھنؤ کی عیدگاہ میں خطابت فرمایا کرتے تھے۔ حکومت کی جانب سے شمس العلماء کا خطاب ملا تھا۔

(۳۰)قیام الدین والملۃ مولانا عبدالباری فرنگی محلی (م ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء):

میزان سے لیکر متوسطات تک اکثر کتابیں حضرت مولانا عبدالباقی سے پڑھیں۔ مولانا عبدالباقی کے حج میں چلے جانے کے بعد قطبی مع حاشیہ سید، میبذی، خلاصۃ الحساب، اقلیدس، تفسیر جلالین اور مجمۃ الیمن مولانا غلام احمد پنجابی سے پڑھیں۔ معقولات کی اکثر مطول کتابیں مثلاً شرح سلم ملا حمد اللہ سندیلوی، قاضی مبارک، حواشی میر زاہد بر ملا جلال وبر امور عامہ، شرح مواقف، شرح ہدایۃ الحکمۃ للشیرازی، شمس بازغہ، شرح ملخص للعلامہ چغمینی، بست باب اصطرلاب، حاشیہ خیالی بر شرح عقائد اور اصول فقہ میں مسلم الثبوت، مولانا عین القضاۃؒ سے پڑھیں اور میر زاہد رسالہ مع حاشیہ مولانا غلام یحییٰ، ودیگر منقولات مطولات مولانا عبدالباقی صاحب سے پڑھیں۔

زمانۂ تحصیل ہی سے مولانا نے تدریس کا سلسلہ جاری فرمادیا تھا۔ تکمیل کے بعد تو اسباق

کی بہت کثرت ہوگئی تھی، نماز فجر سے لیکر ۱۰/ بجے تک اورظہر کے بعد سے عصر تک اور اکثر اوقاتِ شب میں بھی تدریس کا سلسلہ ہوتا تھا۔ بعض دفعہ ۱۵/ اسباق یومیہ کی نوبت آتی ۔مولانا کی عادت تھی کہ شب کو تدریسی کتابوں کا مطالعہ ضرور فرماتے تھے ،کتابوں کے مطالعہ میں استغراق ہوا کرتا تھا۔دوپہر کے وقت بھی قیلولہ کے بجائے مطالعۂ کتب میں مشغول رہتے اور استفتوں کے جواب تحریر فرماتے۔ والد ماجد کی تاکید تھی کہ بغیر کتاب دیکھے معمولی سے معمولی فتوے بھی تحریر نہ کرو۔مولانا کی عادت تھی کہ جواب لکھتے وقت، کتابوں کے مقامات بالاستیعاب دیکھتے اورحتی الامکان اس باب کے سارے مسائل پرنظر ڈالتے۔

(۳۱)مولانا مفتی محمد عنایت اللہ فرنگی محلی (م ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء):

تمام درسی کتابیں از اول تا آخر باستثناء بعض، حضرت الاستاذ مولانا قیام الدین عبد الباری صاحب سے پڑھیں ،البتہ چند ابتدائی کتابیں مولانا عبد الباقی صاحب ،مولانا عبد العزیز صاحب اورمفتی محمد یوسف صاحب سے پڑھیں ۔ ۱۲/ربیع الاول غالباً ۱۳۲۷ھ/ مارچ ۱۹۰۹ءکومولانا قیام الدین عبدالباری صاحب سے فاتحہ الفراغ پڑھا۔فراغت کےبعد مدرسہ نظامیہ میں تدریسی خدمت پر ماموررہے۔ درمیان میں ایک سال کے لئے مدرسہ حنفیہ جونپور میں افسر مدرس کے عہدہ پرمقرر ہوئے ،لیکن وہاں سے اپنے استاذمحترم کےحکم کےمطابق صفر ۱۳۳۴ھ/ دسمبر ۱۹۱۵ء میں مستعفی ہوکر مدرسہ عالیہ نظامیہ میں آگئے اور اس وقت سے ’’تذکرہ علماءفرنگی محل‘‘ کی تصنیف محرم ۱۳۴۷ھ/ جولائی ۱۹۲۸ءتک اسی مدرسہ میں عہدۂمدرسی پر مامور رہ کرخدمات انجام دیتے رہے ،ساتھ ہی ساتھ فتویٰ نویسی بھی کرتے رہے ۔معقولات سے خاص دلچسپی تھی ۔منقولات خاص طور سے علم حدیث کی جانب توجہ حضرت الاستاذ کے انتقال کےبعد مرکوز کی۔

آپ کی شان تحقیق واجتہاد صرف معقولات ہی میں نہ تھی، بلکہ بعض اوقات فقہیات میں بھی اپنی مستقل رائے ظاہرفرمادیا کرتے تھے۔ چنانچہ نماز جمعہ کی ایک رکعت ہوجانے کے بعد

آپ نماز جمعہ میں شریک نہ ہوتے اور دوسری مسجد میں نماز جمعہ ادا کرتے۔ اسی طرح آمین بالسر جسطرح عام لوگ کہتے ہیں، وہ نہ کہتے، وہ آمین اتنی آواز سے کہتے کہ پاس کھڑے ہونے والے دو تین نمازی سن لیتے تھے۔ جنکو قطرہ آنے کا مرض (سلس البول) ہو تو ان کے لئے ضروری نہیں سمجھتے کہ نماز کے لئے ہر وقت تازہ وضو کریں۔ علماء دیوبند میں سے بعض افاضل کو جب ان کے سامنے وہابی کہا جاتا تو منع کرتے، اور فرماتے کہ میں ان کی کتابوں کے مطالعہ اور اعمال پر غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ حضرات متشدد حنفی ہیں۔ امام اعظم سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ ائمہ اربعہ کی کتابوں کا میں نے تفصیلی مطالعہ کیا ہے اور اب میں کہتا ہوں کہ نہ صرف استدلالی نقطۂ نظر سے بلکہ مقصدِ قرآن وحدیث سے تطابق کے اعتبار سے سب سے بہتر مسلک، احناف کا مسلک ہے اور تقلید شخصی بالمعنی المتعارف کو آپ شرعاً واجب نہیں سمجھتے تھے۔

(۳۲) مولانا عبدالقادر فرنگی محلی (م صفر ۹ے۱۳ھ/ ۱۹۵۹ء):

اول سے اخیر تک مدرسہ عالیہ نظامیہ فرنگی محل میں پڑھا۔ آخری کتابیں زیادہ تر حضرت مولانا عبدالباری صاحب، مولانا مفتی محمد عنایت اللہ صاحب اور منجھلے بھائی مولانا محمد قائم صاحب سے پڑھیں اور فتویٰ نویسی کے اصول اور انداز تحریر زیادہ تر مولانا مفتی عنایت اللہ صاحب ہی سے سیکھے۔

۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۴ء سے مدرسہ عالیہ نظامیہ میں درس دینا شروع کر دیا تھا اور مرضِ وفات تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آخر کے دس بارہ سال آپ اسی مدرسہ کے افسر مدرس رہے۔ فرض کی ادائیگی میں آپ نے اپنے پیش رووں کے خصوصیات کو برقرار رکھا۔ تفسیر، حدیث اور فقہ سے تو آپ کو غیر معمولی شغف تھا ہی، لیکن وہ اسی مہارت اور دلنشیں انداز کے ساتھ منطق وفلسفہ کا بھی درس دیا کرتے تھے۔ آپ کے تلامذہ سیکڑوں کی تعداد میں مختلف اداروں میں علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ شاہ معین الدین احمد ندویؒ ایڈیٹر ''معارف'' اور مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلیؒ جیسی نہ معلوم کتنی شخصیتوں کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

آپ کی فتویٰ نویسی کی عمر چالیس برس ہے۔ اوسطاً آپ روزانہ دو درجن فتوے دیا کرتے تھے۔ شروع میں طلاق ونکاح اور میراث کے فتوے لکھتے تھے، لیکن چندہی سالوں کے بعد آپ ایک خاص بصیرت کے ساتھ اہم دینی اور فقہی استفسارات پر محققانہ بلکہ بعض اوقات مجتہدانہ انداز سے روشنی ڈالتے۔ لاؤڈ اسپیکر، رویت ہلال، ذبیحہ اور اوقاف وغیرہ پر جو کچھ انہوں نے تفصیل اور ایک خاص فقہی بصیرت کے ساتھ لکھا ہے، وہ فتوے نہیں، رسالے ہیں۔ فتووں میں آپ کی عبارت ماقل ودل اور فیصلہ کن انداز کی ہوتی۔ آپ خالص حنفی ہونے کے باوجود بوقت ضرورت دوسرے ائمہ کے اجتہادات کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ اہل قبلہ کی تکفیر سے گریز اور اکابر علما فرنگی محل کی پیروی میں تکفیر وتفسیق پر جسارت نہ کرتے۔ ننانوے وجوہ کفر ملنے پر اگر ایک وجہ بھی ایمان کی مل جاتی تو کسی مسلم کی تکفیر وتضلیل نہ کرتے۔ اختلافی مسائل میں طویل مطالعہ کے بعد مضبوط اور مستند حوالوں کے ساتھ فتوے لکھتے۔ آپ کے وہاں فتویٰ دینے کے اوقات متعین نہیں تھے۔ راستہ چلتے مستفتی آپ کو روک کر فتویٰ لکھوا سکتا تھا۔ آپ کی بے لوث فتویٰ نویسی عوام وخواص ہی میں نہیں بلکہ حکومت اور عدالتوں میں بھی مسلم تھی۔ عدالتیں عموماً آپ کے فتوے کو تسلیم کر لیتیں۔ اسی طرح لکھنؤ میں رویت ہلال کا اعلان بھی آپ ہی کی تصدیق پر موقوف ہوا کرتا تھا۔

(۳۳) مولانا مفتی عبد القیوم محمد قائم فرنگی محلی (م ۱۳۹۰ھ/دسمبر ۱۹۶۹ء):

درسی کتابیں از اول تا آخر باستثنائے بعض کتب حضرت مولانا قیام الدین محمد عبد الباری فرنگی محلی سے پڑھ کر فاتحہ الفراغ بھی غالباً ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں ان ہی سے پڑھا۔

آپ بڑے ہوشیار، نہایت سمجھدار، تیز اور ذکی تھے۔ دنیاوی امور میں بھی انتظام وانصرام کی اچھی صلاحیت رکھتے تھے۔ فراغت کے بعد تدریس کا آغاز مدرسہ نظامیہ عالیہ سے کیا اور پھر اس کے افسر مدرس مقرر ہوئے اور عرصہ تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ جب مفتی عنایت اللہ صاحب نے مدرسہ حنفیہ جونپور میں تدریس کا کام چھوڑ دیا تو ان کی جگہ افسر مدرس مقرر ہوکر گئے اور نہایت خوش اسلوبی سے یہ خدمت انجام دی کہ جونپور کے حکام ورعایا اور مدرسہ کے

متولی جناب نواب صاحب کی نظر میں بھی مقام پیدا کرلیا۔ زندگی کے آخری ایام میں جونپور چھوڑ کر لکھنؤ آ گئے تھے اور لکھنؤ ہی میں وفات پائی۔

آپ اپنے بھائی مولانا مفتی عبد القادر فرنگی محلی کے انتقال کے بعد فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دیتے رہے اور یہ خدمت زندگی کے آخری ایام تک جاری رہی۔

(۳۴) مولانا مفتی محمد عتیق فرنگی محلی (م ۱۳۹۷ھ/مئی ۱۹۷۷ء)

آپ کی تعلیم بچپن ہی سے مدرسہ عالیہ نظامیہ فرنگی محل میں ہوئی۔ ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء میں پہلی بار بعمر ۱۳ برس تراویح میں قرآن سنایا۔ ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں اپنے والد ماجد کے دست حق پرست پر بیعت کی اور جملہ علوم وفنون کی تکمیل کے بعد ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء میں باضابطہ سند اجازہ حاصل ہوئی۔

زمانہ طالب علمی ہی سے تدریس شروع فرمادی تھی اور مدرسہ کے طلبہ کو ہر شعبۂ علم کی کتابوں کا درس دیتے۔ تکمیل علوم کے بعد والد ماجد کے حکم سے افتاء کی خدمت انجام دیتے رہے اور اکابر علماء نے اسکی تصویب فرمائی اور علمی تبحر کو سراہا۔ ہندوستان کے ہر صوبہ میں آپکے فتاویٰ مقبول رہے۔ متعدد جلدیں آپکے فتاویٰ کی محفوظ ہیں۔ زندگی کے آخری زمانے تک فتویٰ نویسی میں مشغول رہے۔ ۱۹۴۱ء میں حجاز سے واپسی کے بعد آپنے حکام سے ملنا جلنا چھوڑ دیا اور گوشہ نشینی میں سختی برتی اور صرف تدریس وافتاء اور ارشاد خلق میں مصروف رہے۔

(۳۵) مولانا مفتی محمد شفیع حجت اللہ فرنگی محلی (م ۱۳۹۹ھ/فروری ۱۹۷۹ء):

حفظ قرآن کریم کے بعد، مدرسہ عالیہ نظامیہ فرنگی محل میں از اول تا آخر درسی کتابوں کی تحصیل کی اور مولانا کی سند سے سرفراز ہوئے۔ الہ آباد یونیورسٹی سے "ملا" کا امتحان پاس کیا، پھر زراعتی کالج کانپور میں تعلیم حاصل کرنے گئے، لیکن بیمار ہوکر واپس آ گئے۔ دوبارہ جانا نصیب نہ ہوا۔ مولانا ابو الکلام آزاد کی طلب پر مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے آپ کو کلکتہ بھیجدیا۔ کچھ

زمانے بحیثیت مدرس اور عرصہ تک بحیثیت افسر مدرس و مہتمم کام کرتے رہے۔ کلکتہ کی خلافت کمیٹی کی صدارت کے منصب پر فائز کئے گئے۔ کلکتہ کے ایک پارک میں مصطفیٰ کمال پاشا کی فاتحانہ پیش قدمی کے سلسلے میں انگریزوں کی مداخلت پر ایک پر جوش تقریر کی، جسکے نتیجے میں ربیع الاول ۱۳۴۱ھ/نومبر ۱۹۲۲ء کو گرفتار کر لئے گئے اور ایک سال تک مرشد آباد کے جیل خانے میں قید رہے۔ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ/نومبر ۱۹۲۳ء میں رہائی ملی۔

کلکتہ کے سربرآوردہ حضرات آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ رہائی کے بعد وطن واپس آ گئے اور مدرسہ عالیہ نظامیہ میں تدریسی خدمت پر مامور ہو گئے۔ علمی مباحث میں بڑی وسعتِ نظر حاصل تھی۔ آپ علوم معقولات و منقولات میں فرنگی محل کے آخری جید عالم تھے۔ آپ فتوی نویسی کی خدمت بھی انجام دیا کرتے تھے۔ آپ کے فتاوی آپ کے معاصرین علما فرنگی محل کے بالمقابل زیادہ وقیع اور معتبر ہوا کرتے تھے۔

(۳۶) مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی (م ۱۴۱۰ھ/فروری ۱۹۹۰ء):

مدرسہ عالیہ نظامیہ سے فراغت کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ علوم مشرقیہ سے اسناد حاصل کئے۔ فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ نظامیہ لکھنؤ میں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ علمی اور سیاسی کاموں میں مشغول رہے۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کے بانیوں میں سے ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے پہلے، کچھ عرصے تک روزنامہ ''ہمدم'' کے ادارتی اسٹاف میں کام کیا، اس کے بعد ''قومی آواز'' میں بحیثیت اسٹاف رپورٹر کام کرتے رہے اور اس زمانے میں سیاست میں بھی عملی حصے لیتے رہے۔ ''قومی آواز'' کی ملازمت ترک کر کے مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے شعبۂ دینیات میں ۱۹۷۲ء میں لکچرر ہوئے، وہاں سے ۱۹۸۱ء میں ریٹائرڈ ہونے کے بعد ''اردو اکادمی'' اتر پردیش لکھنؤ کے چیرمین ہوئے۔ مفتی عبد القادر فرنگی محلیؒ کے انتقال کے بعد فتوی نویسی کی ذمہ داری بھی آپ نے سنبھالی اور ان کے فتوؤں کو مرتب کر کے ''فتاوی علما فرنگی محل'' کے نام سے طبع کرایا۔ فقہی مسائل میں استناد کا درجہ رکھتے تھے۔

علماءِ فرنگی محل اور ان کا طریقۂ فتویٰ نویسی

علماءِ فرنگی محل مسلکاً حنفی تھے، لیکن تشدد اور جمود کے قائل نہ تھے، فتویٰ نویسی میں توسع سے کام لیا کرتے تھے۔ جب کسی مسئلہ میں اپنے مسلک کی روایت کے بالمقابل کوئی حدیث صحیح مل جاتی تو اس کو معمول بہ اور فتویٰ نویسی کی بنیاد بنا لیتے، جس کے نظائر ہم نے گذشتہ صفحات میں پیش کئے ہیں، ملا نظام الدین، مولانا عبد الحی فرنگی محلی، مولانا مفتی عنایت اللہ، مولانا مفتی عبد القادر صاحبؒ جیسے لوگوں سے توصراحۃً اس کی مثالیں گذر چکی ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و إلیہ أنیب۔

☆☆☆

علمائے فرنگی محل کی اصلاحی خدمات

ابرارحسن ایوبی ندوی☆

الحمد لله رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی رسوله الکریم أما بعد!

تمہید:

بلاشبہ یہ اسلام کی ابدیت اور بقاء کی دلیل اورنشانی اور اس کے آسمانی وربانی ہونے کا ایک کھلا معجزہ ہے کہ اس کی ابتدائی صدیوں سے لے کر اب تک ہر دور اور ہر زمانے اور ہر سطح پر اس کی صحیح معنوں میں نمائندگی کرنے والے، اور اس کے پیغام کو زندہ اور زندگی بخش ہونے کی حیثیت سے پیش کرنے والے افرادکار ہمیشہ موجود رہے ہیں۔

اصحاب دعوت وعزیمت کی روشن تاریخ پر جن کی نگاہ ہے، انہوں نے تاریخ کے اوراق میں علماءِ حق کی اس سجی ہوئی کہکشاں کا ضرور مشاہدہ کیا ہوگا۔

ہندوستان کی سرزمین جسے اکال لأمم کہا جاتا ہے یہاں پر اسلام کا اپنی اصل شکل میں نہ صرف باقی رہنا بلکہ قیادت وسیادت کی صلاحیت واہلیت کا ثبوت دینا فضل خداوندی کے بعد انہیں ایمان ویقین کے متوالوں کی سعی پیہم اور جہد مسلسل کا نتیجہ ہے۔

عقائد وعبادات سے لے کر معاشرت ومعاملات بلکہ جملہ شعبۂ ہائے حیات کے اسلامی نظریہ کی تعلیم وتبلیغ نشر واشاعت اور حفاظت وصیانت کے سلسلہ میں ان علماءِ حق کا ناقابل فراموش کردار رہا ہے۔

☆ دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، اسلام کی اسی ابدیت، اور اس کے بقاء اور تحفظ کی جو کوششیں علماء حق نے انجام دی ہیں کو سراہتے ہوئے، اپنی مشہور کتاب ''ہندوستانی مسلمان ایک جائزہ'' میں ''ہندوستان کی مردم خیز اسلامی نسل'' کے تحت رقم طراز ہیں: ''مسلمانوں نے ہندوستان میں اسلام کے جس درخت کو اپنے مخلص ہاتھوں سے لگایا اور پاک نفس مجاہدین نے اپنے پاک خونِ جگر سے ہر زمانہ میں اس کی آبیاری کی تھی، آج بھی خالق کائنات کے حکم سے برابر پھل دے رہا ہے۔ یہاں ہر دور میں اسلامیان ہند میں ایسی یکتائے روزگار شخصیتیں پیدا ہوئیں جنھوں نے دوسری قوموں پر اپنی لیاقت، ذہنی تفوق اور خداداد صلاحیت کا سکہ بٹھادیا'' (ہندوستانی مسلمان ایک جائزہ ۱۷۶)۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ''ہندوستان کی مسلم قوم، اپنی غیر معمولی شخصیات، کاملین فن اور عبقری انسانوں سے مالامال رہی ہے'' (ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی جائزہ/۵۷)۔

علماء کی اس مقدس جماعت میں جس نے اس ملک میں دین کی بڑی خدمت انجام دی ہے، خانوادہ فرنگی محل کا نام بھی بڑی ہی عقیدت واحترام کے ساتھ لیا جاتا ہے جس کا فیض تقریباً پورے جنوب ایشیاء کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

علامہ شبلی نعمانی اپنے ایک مضمون ''فرنگی محل یا نظامیہ بغدادیا ہندوستان کا کیمبرج'' میں اس خانوادہ کے فیضان کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تمام ہندوستان بلکہ انصاف یہ ہے کہ تمام دنیائے اسلام میں یہ بات صرف اسی مقدس ذات کو حاصل ہے کہ پورے دوسو برس تک متواتر اور مسلسل بلافصل ان کی نسل سے علماء ہوتے چلے آئے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے'' (مقالات شبلی)۔

ہندوستان کے مشہور اسلامی مؤرخ حضرت مولانا حکیم سید عبدالحیؒ حسنی اپنی مایہ ناز تصنیف ''الهند فی العهد الاسلامی'' میں مدرسہ فرنگی محل کے تعارف کے موقعہ پر نہایت بلیغ انداز میں فرماتے ہیں ''فلتخرج فيها كثير من الفضلاء وعمت فيوضهم'' (الہند

فی العہد الاسلامی/۶۹ ۳)۔

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی فرماتے ہیں: ''شیخ قطب الدین کی شہادت کے بعد ان کے صاحبزادہ شیخ نظام الدین سہالوی تعلیم وتربیت کے میدان میں ان کے جانشین ہوئے، ان کی کوششوں سے لکھنؤ ایک علمی مرکز میں تبدیل ہوگیا، انہوں نے جونصاب مقرر کیا ہندوستان کی تمام درسگاہوں میں بسروچشم قبول کیا گیا۔ ملاحسن، علامہ عبد العلی المعروف بحرالعلوم، ملامبین، مفتی ظہور اللہ، مفتی محمد اصغر، مفتی محمد یوسف، مولوی نعیم اللہ، مولوی نور اللہ، مولوی عبدالحکیم، مولوی عبدالحلیم، مولوی عبدالحئ وغیرہ ایسے ایسے باکمال مدرسین پیدا ہوئے جن کا جواب کسی خاندان میں نہیں مل سکتا'' (ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی جائزہ/۶۱)۔

خانوادۂ فرنگی محل کا نسب اور وطن:

اس خانوادہ کا وطن ضلع بارہ بنکی اتر پردیش کا ایک مردم خیز قصبہ سہالی ہے۔ فرنگی محل لکھنؤ یہ خانوادہ شیخ قطب الدین جو ملا نظام الدین کے والد ماجد ہیں کی شہادت کے بعد منتقل ہوا۔

اس خانوادہ کا نسب میزبان رسول حضرت ابو ایوب انصاری سے ملتا ہے، مولوی محمد رضا انصاری فرنگی محلی اپنی کتاب بانی درس نظامی میں فرماتے ہیں: ملا قطب الدین شہید (والد ملا نظام الدین) نسب انصاری، سکنا سہالوی اور اصلا مدنی تھے، خاندانی شجروں کی نقلوں کے درمیان جزوی اختلافات کے باوجود یہ امر متفقہ ہے کہ ملا قطب الدین، میزبان رسول اکرم حضرت ابو ایوب انصاری مدنی رضی اللہ عنہ کی نسل میں بواسطۂ شیخ الاسلام حضرت عبداللہ انصاری ہروی تھے

(بانی درس نظامی استاذ الہند ملا نظام الدین/ ۳۴ تذکرہ علماء فرنگی محل/۶)۔

انتقال مکانی: قصبہ سہالی ضلع بارہ بنکی سے فرنگی محل لکھنؤ:

قصبہ سہالی کے عثمانیوں نے بعض رنجشوں کی وجہ سے ملا قطب الدین کو جب شہید کردیا یہ واقعہ ۹/رجب ۱۱۰۳ھ کو پیش آیا۔ ملا قطب الدین کے علم وفضل کی وجہ سے اورنگ زیب

عالمگیر حاکم ہند آپ کے بڑے معتقد تھے، جب شہادت کی خبر ملی تو شہادت کے پورے دو سال بعد یعنی ۱۱۰۵ھ مطابق ۱۶۹۴ء کو شاہی فرمان کے ذریعہ اس خانماں برباد قبیلہ کو فرنگی محل لکھنؤ میں رہائش اختیار کرنے کا حکم جاری کیا" الفاظ کچھ اس طرح تھے" یک منزل حویلی فرنگی با متعلقہ آں واقع بلدہ لکھنؤ مضاف بصوبہ اودھ" (بانی درس نظامی، ۴۸)۔

فرنگی محل کا تعارف اور وجہ تسمیہ:

لکھنؤ شہر کے محلّہ چوک کے جنوبی طرف ایک حویلی تھی۔ جو کسی فرانسیسی تاجر نے رہائش کے لئے کرایہ پر لی تھی، چونکہ وہ تاجر اس میں رہتا تھا، اس لئے اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے اسے فرنگی محل کہا جانے لگا تھا۔ اور جس وقت ملا قطب الدین کے خانماں برباد قبیلہ کو اس میں رہائش کا شاہی فرمان ملا، اس فرانسیسی تاجر کے اجارہ کی مدت ختم ہو چکی تھی (بانی درس نظامی، ۵۰)۔

سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندوی "حیات شبلی" میں فرنگی محل کے تعلق سے لکھتے ہیں:

" یہ فرنگی محل اس لئے کہلاتا تھا کہ ایک فرنگی کی کوٹھی تھی، اور اس لئے محل اس کی طرف منسوب ہو گیا" (حیات شبلی، ۴۸۴)۔

خود اورنگ زیب عالمگیر کا شاہی فرمان جس کا پچھلے صفحے میں حوالہ دیا گیا اس میں بھی اسے "فرنگی حویلی" کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔

فرنگی محل کے تعلق سے کچھ وضاحت کے ساتھ میر شیر علی افسوس جعفری نے اپنی کتاب آرائش محفل میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: " اور چوک سے متصل دکھن طرف "فرنگی محل" وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے کہ اکبر بادشاہ کے عہد سلطنت میں اس مکان کے بیچ ایک فرانسیسی سوداگر اترا تھا، چونکہ بے اذن حضور اعلا کے یہ امر وقوع میں آیا، ملازمان حضور کو گوارا نہ ہوا، آخر اس کو اخراج کیا، پھر اورنگ زیب کے وقت میں حسب الحکم بادشاہی مکان مسطور ملا قطب الدین شہید کے فرزندوں کو ملا (بانی درس نظامی)۔

واضح رہے اس کتاب کا زمانہ تصنیف ۱۲۲۰ھ مطابق ۱۸۰۵ء ہے۔

لیکن فرنگی محل کی اصل شہرت ملا نظام الدین کی تدریسی خدمات سے وابستہ ہے، انہوں نے تقریباً پچاس سال تک اس طرح علوم نبوت کو عام کیا کہ علامہ شبلی کے الفاظ میں "فرنگی محل اسلامی علوم کی یونیورسٹی بن گیا" (ایضاً)۔

علماء حق کی دو اہم صفات: صلاح و اصلاح:

دعوت و اصلاح کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ اللہ کے جن برگزیدہ بندوں اور قدسی صفات نفوس نے اصلاح کی شمع روشن کی، انہوں نے خود پہلے اپنے قلوب کو صیقل کیا، اپنے قلوب کا تزکیہ کیا، پہلے صلاح کے پیکر بنے، پھر اصلاح کی طرف توجہ کی۔

اور یہ بات بھی محقق ہے کہ کامیابی و کامرانی نے اسی مربی و مصلح کے قدم چومے جو بذات خود صلاح و تقوی کے زیور سے آراستہ رہا ہو اور جو اس جوہر سے تہی دست رہا ہو اس کی کوششوں کا بہت بہتر نتیجہ سامنے نہیں آسکا، علمائے فرنگی محل کی اصلاحی خدمات سے پہلے "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر چند علماء کے صلاح کے تعلق سے باتیں نقل کی جارہی ہیں ورنہ اس خانوادہ کے حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد کہا جا سکتا ہے: ع

این خانہ ہمہ آفتاب است

اصلاحی خدمات:

درحقیقت اہل اللہ وہ ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر خدا یاد آجائے، اعمال حسنہ کا شوق پیدا ہو جائے، اعمال سیئہ سے نفرت ہو جائے۔ جن کی صحبت کیمیاء اثر زندگیوں میں انقلاب برپا کردے۔

گذشتہ صفحات میں خانوادۂ فرنگی محل کے ایسے ہی علماء کا مختصر اتذکرہ آیا ہے، اور ان کی لائق رشک زندگیوں پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے، اور ایسی صفات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو کسی بھی مصلح و مربی کے لئے جو اصلاح باطن اور تزکیۂ نفس جیسا عظیم الشان کام کرنے والا ہو

نہایت ناگزیر ہیں۔

آیئے اب ہم واقعات کی روشنی میں یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس خانوادہ کے علماء نے کس طرح اصلاحی خدمات انجام دی ہیں، کس طرح عوام وخواص، اپنوں وبے گانوں اور راہ حق سے بھٹکے ہوؤں کو خدا سے ملانے اور جوڑنے، رذائل سے بچنے اور فضائل کو اپنانے کی ترغیب دی ہے۔

ملا قطب الدین: خانوادہ فرنگی محل کے اصل لاُصول ملا قطب الدین شہید جس طرح ایک عظیم مدرس تھے، اسی طرح ایک عظیم مصلح ومربی بھی تھے۔ ان کی اصلاحی خدمات کے تعلق سے ایک واقعہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ملا صاحب کے ایک بڑے ہونہار اور عزیز شاگرد غلام مصطفیٰ متخلص بہ انسان مرادآبادی گزرے ہیں۔ علمی اعتبار سے بڑے ہی فائق وممتاز تھے، علامہ غلام علی آزادبلگرامی نے ان کے سلسلہ میں یہ شہادت دی ہے: ''شیخ غلام مصطفیٰ انسان کامل اور دار احاطۂ علوم عقلیہ ونقلیہ ممتاز اماثل'' علوم عقلیہ ونقلیہ میں حاوی ہونے میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے اور ہم عصروں میں ممتاز مانے جاتے تھے اکثر علوم عقلیہ کی تحصیل ملا قطب الدین کی خدمت میں کی۔

اس کے بعد علامہ بلگرامی نے خود شیخ غلام مصطفیٰ کی زبانی ان کے ایک بہت بڑے فتنے اور برائی میں پڑجانے اور تعلیم سے کنارہ کش ہوکر جنگلوں کی خاک چھاننے کا واقعہ لکھا ہے۔ اور پھر اخیر میں یہ لکھا ہے کہ '' ایک دفعہ ملا قطب الدین اسی قصبہ میں تشریف لائے، اور لوگوں سے میرا حال دریافت کیا، جو معاملہ تھا لوگوں نے عرض کردیا، ملا صاحب نے فرمایا کوئی جاکراس کو یہاں لے آتا۔ لوگوں نے کہا کہ وہ بستی میں کبھی نہیں آتے۔ حضرت ملا صاحب نے قلم اٹھایا اور ایک پرزہ پر حسب ذیل الفاظ تحریر فرمائے: ''اطرق کراء اطرق کراء ان النعامۃ فی القری'' یہ پرزہ دیکھتے ہی میں دوڑتا ہوا ملا صاحب کی خدمت میں بسروچشم حاضر ہوا اور سعادت قدم بوسی حاصل کی (بانی درس نظام م ۴۶)۔

مولوی انوار الحق بن مولانا احمد عبد الحق :

مولوی انوار الحق بن مولانا احمد عبد الحق کے تذکرہ میں مولوی عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی فرماتے ہیں: "اپنی حیات بھر خدمت علم ظاہری و باطنی میں مشغول رہے اور ہمیشہ ارشادِ خلق واخذ بیعت فرماتے رہے، آپ کے دست مبارک پر بے شمار و بے تعداد لوگوں نے بیعت کی" (تذکرہ علمائے فرنگی محل ر ۲۷)۔

مولوی شرافت اللہ بن مولوی کرامت اللہ :

آپ علوم شرعیہ کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ کے بھی ماہر تھے، اس لئے آپ کو سرکاری ملازمت مل گئی اور ترقی کرتے کرتے ڈپٹی کلکٹر ہو گئے، ملازمت کے باوجود عبادت وریاضت اور ذکر وشغل میں کوئی کمی نہ آئی، سرکاری عہدہ ملا تو خود کو بہتر منتظم ایک اچھا منصف ثابت کیا، کلمۂ حق کہنے میں کسی حاکم سے نہ ڈرے، اور اپنے بعض فیصلوں کے ذریعہ حکام کی اصلاح کی بھی کوشش کی۔

تذکرہ علمائے فرنگی محل کے مصنف لکھتے ہیں: "زمانہ ملازمت میں ہمیشہ نصف شب کے بعد جاگتے اور تمام شب ذکر وشغل اور عبادت میں بسر فرماتے مدت ملازمت بھر ایک پیسہ اور چیز رشوت کی یا ناجائز حاصل نہیں کی، ڈالی وغیرہ تو بڑی چیز ہے کسی سے بلاقیمت لکڑی جلانے کی نہیں لی، مقدمات کے فیصل کرنے میں کبھی کسی سفارش یا حکام بالادست کی بے جا خوشامد اور حاضر باشی میں تضیع اوقات نہیں فرماتے۔

ایک واقعہ اصغر علی خاں صاحب ساکن وزمیندار موضع سوائن ضلع اناؤ نے اپنے ذاتی علم کی بناء پر بیان کیا، جس کا اظہار اس موقعہ پر خالی از دلچسپی نہیں ہوگا اور جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مولانا کو انصاف اور رعایا پروری کس درجہ ملحوظ تھی، خان صاحب مذکور کا بیان ہے کہ ۱۸۹۸ء میں جبکہ مولانا ضلع سلطانپور میں بعہدۂ ڈپٹی کلکٹر تعینات تھے، اور تحصیل کادی پور کے انچارج تھے،

اس وقت خانصاحب مذکور ضلع اور تحصیل مذکور میں دیہات کورٹ آف وارڈس علاقہ کھیراڈیہہ سیتی پور کے ضلعدار تھے اور اکثر مولانا کی خدمت میں اپنی موروثی عقیدت اور خلوص کی بناء پر حاضر ہوتے رہتے تھے، علاقہ مذکور کے موضع سارنگ پور کے ٹھاکر بہت شریر اور شورہ پشت اور متمرد تھے، ان کے متعلق اس اطراف میں مشہور ہے، شاہی زمانہ میں از راہ شرارت چکلہ دار کے امنٹ کو کوٹھے پر چڑھا کر چھپادیا تھا۔ ملازمین کورٹ آف وارڈس کی حکومت کا اثر نہیں لیتے تھے اور نہ لگان وقت پر ادا کرتے تھے، حکام کورٹ آف وارڈس کے ایماء پر اس موضع کے سرغنہ اور اس کے چند ساتھیوں پر ملازمین محکمۂ مذکور نے ایک مقدمہ فوج داری چلایا۔ کورٹ آف وارڈس کے اثر سے پولیس نے اس میں رنگ آمیزی کر کے مولانا کے اجلاس پر ملزمین کا چالان کردیا کہ ملزمین کو سزا دی جائے، ڈپٹی کمشنر ضلع دورے پر تھے، اس نے ملازمین کورٹ کی خواہش سے مولانا کو ایک چٹھی لکھی کہ ملزمین کو سزاء دی جائے، اور جب دورہ سے واپس آئے تو زبانی بھی سزا دینے کی تجویز کی، مولانا کو اس مقدمہ میں شک پیدا ہوا، پہلے خود موقع پر جا کر تفتیش فرمائی ان کے نزدیک مقدمہ بالکل جھوٹا اور بے بنیاد ثابت ہوا۔ فریقین کی باضابطہ شہادت لینے کے بعد ملزمین کو بری کردیا اور صاحب ڈپٹی کمشنر کے خط کو مسل میں شامل کردیا اور اس ملازم کورٹ پر جس نے یہ استغاثہ دائر کیا تھا بموجب دفعہ ۱۹۳ تعزیرات ہند غلط الزام لگانے کا مقدمہ دائر کردیا، جس میں کورٹ آف وارڈس کا بہت روپیہ صرف ہوا تب عدالت اپیل سے اس ملازم کی بریت ہوئی، ڈپٹی کمشنر کو اس معاملہ میں بہت خفت ہوئی اور آپ سے ہمیشہ ناراض رہا مگر آپ نے اظہار حق اور انصاف کے مقابلہ پر اس کی کوئی پرواہ نہیں کی (تذکرہ علمائے فرنگی محل/ ۹۶-۹۶)۔

اس طرح عملاً آپ نے حکام کی اصلاح کی کوشش کی، اور ان کو انصاف کا راستہ دکھایا، صرف قولاً اصلاح کی کوشش شاید اتنی مؤثر نہ ہوتی۔

مولوی علی محمد بن ملا معین:

آپ ایک اچھے اور ماہر خطیب تھے، ہر جمعہ کو فرنگی محل کی مسجد میں خطاب کرتے، تقریر

کے معاملہ میں ''لایخاف فی اللہ لومۃ لائم'' کا واقعی نمونہ تھے، مال حرام سے اجتناب بڑی شدت سے فرماتے، آپ کا یہ اجتناب فرمانا صرف خوشحالی کی بات نہ تھی، بلکہ انتہائی عسرت وتنگدستی اور فقر وفاقہ سے دوچار ہونے کے باوجود اس پر سختی سے کاربند رہے۔ آپ کا اتنی شدت سے مال حرام سے اجتناب کرنا ایک بڑے تاجر کے توبہ کا سبب بن گیا جو کہ سودی کاروبار کرتا تھا، اور آپ کے عملی نمونہ نے وہ اثر کیا جو شاید بہت سی تقریریں نہ کرپاتیں۔

مولوی عنایت اللہ آپ کے تذکرہ میں رقم طراز ہیں: ''آپ نہایت محتاط متقی اور پرہیز گار تھے، غیر طیب مال پر کبھی توجہ نہ فرماتے، میرے والد صاحب ایک واقعہ بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ علی محمد بھائی پر تین فاقہ ہو چکے تھے اور کھانے کو کچھ نہیں ملا تھا، بھائی صاحب نماز پڑھ رہے تھے، کہ کسی نے دروازہ پر آواز دی، میں باہر نکل کر گیا، ایک صاحب دروازہ پر موجود تھے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ مولانا محمد علی صاحب کو بھیج دو، میں نے اندر جاکر بعد ختم نماز عرض کیا، مولانا باہر آئے میں بھی ہمراہ تھا، اس شخص نے پانچ روپیہ نذر کئے، مولانا نے شکریہ ادا کرکے رکھ لئے جب اندر واپس جانے لگے دفعتاً کچھ خیال آیا، پھر واپس آکر نذر دینے والے صاحب کو آواز دے کر واپس بلایا اور ان سے کہا مجھے یاد نہیں رہا تھا یہ پوچھنا بھول گیا کہ یہ روپیہ تمہارے مشکوک مال سے تو نہیں ہے (یہ صاحب سود کا بھی کاروبار کرتے تھے اور لوگ ان کو جانتے تھے) انہوں نے عرض کیا کہ اگر آپ نہ پوچھتے تو میں عرض بھی نہ کرتا، سچ یہ ہے کہ روپیہ جہاں تک مجھ کو خیال ہے میرے مشکوک ہی مال میں سے ہے۔ مولانا نے بے حد معذرت کے ساتھ روپیہ ان کو واپس کیا، اور گھر کے اندر جاکر فوراً سجدہ میں گر پڑے، اور گو مجھ کو ایسی حاجت کے وقت ان کے روپیہ نہ لینے سے تکلیف ہوئی مگر خود مولانا پر اس کا اثر نہ تھا تھوڑی دیر کے بعد وہ صاحب واپس آئے اور پھر آواز دی، مولانا باہر آئے تو انہوں نے دس روپیہ نذر کئے اور عرض کیا کہ میں قرض لے کر آیا ہوں، اور ادائے قرض بھی اپنے غیر مشکوک مال سے کروں گا۔ یہ آپ کی نذر ہے۔ یہ صاحب زار وقطار رو رہے تھے اور خود مولانا پر بھی رقت طاری تھی اس کے بعد ان صاحب نے سود کا کاروبار ترک کر دیا (تذکرہ علمائے فرنگی محل، ص ۸۴)۔

تذکرہ علمائے فرنگی کے مصنف نے ایک واقعہ مولوی علی محمد صاحب کا بیان کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ کس طرح آپ منکر کی نکیر فرماتے تھے، اور کس طرح اصلاح کی کوشش کرتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

''مولانا کو جب عسرت نے بہت تنگ کردیا تو کلکتہ تشریف لے گئے وہاں سیٹھ محمد زکریا اور حاجی وحدا نے بہت عزت کی اور مولانا کی عسرت پر نظر کر کے انھوں نے مولانا کو آمادہ کیا کہ آپ بڑی مسجد میں اس جمعہ کو وعظ فرمائیں، مولانا نے اس کو منظور کیا، کلکتہ میں میمن قوم کا دستور تھا اور شاید اب بھی عیدین میں دستور ہے کہ بعد وعظ تمام سیٹھ بقدر حیثیت واعظ کی خدمت کیا کرتے ہیں، اس لحاظ سے حاجی زکریا کا خیال ہوا کہ مولانا کو ۳؍ ۴؍ ہزار روپئے مل جائے گا۔ اور اس کے لئے حاجی زکریا نے اپنی قوم کے لوگوں کو خاص طور پر آمادہ بھی کیا تھا۔ مولانا جب وعظ کہنے کے لئے ممبر پر گئے تو انہوں نے مولانا سے کان میں کہا کہ آپ سود کے خلاف کچھ نہ بیان فرمائیے گا، کیوں کہ یہاں کے بڑے بڑے سیٹھ سودی کاروبار کرتے ہیں وہ ناراض ہوجائیں گے، مولانا نے وعظ شروع فرمایا اور اول سے لے کر آخر تک سود خوروں کے متعلق وعیدیں اور سود خوری کی برائی بیان کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر سیٹھ اٹھ کر چلے گئے اور عوام ہی کا مجمع باقی رہ گیا اور مولانا کو دو تین صاحبوں کے سوا کسی سے کچھ نہ ملا۔

جائے قیام کی واپسی پر حاجی زکریا نے بطور شکایت کہا کہ آپ نے خوب میرے کہنے کا خیال کیا، مولانا نے کہا کہ جس وقت میں ممبر پر گیا ہوں میرے حاشیۂ خیال میں بھی سود کے متعلق بیان کرنا نہ تھا، مگر آپ نے مجھ سے کہا تو مجھ کو خیال ہوا کہ کیا میرے واسطے یہ جائز ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کو ایک امر حرام میں مبتلا پاؤں اور محض اپنی منفعت دنیاوی کے لئے تلقین حق نہ کروں، میرے دل نے اس کو گوارہ نہیں کیا (تذکرہ، ۸۵-۸۶)۔

خلاصہ بحث:

اسلام کی آمد کے بعد سے چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود اس کا اپنی اصل شکل میں

باقی رہنا اس کے منزل من اللہ ہونے کی بین دلیل ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ایک وعدہ (إنا نحن نزلنا الذکر وإنا له لحافظون) (الحجر:۹) کا اظہار بھی ہے۔ اس کا اصل سبب اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی ہے، لیکن کسی حد تک اسباب کے درجہ میں اس کی حفاظت وصیانت، نشر واشاعت کا بڑا کام علمائے امت جو درحقیقت انبیاء کے وارث وجانشین ہیں، نے انجام دیا ہے، دنیا کے دیگر خطوں کی طرح اکال لأمم سرزمین یعنی ہندوستان میں بھی ان علماء کا اس سلسلہ میں بڑا کارنامہ ہے۔

مفکر اسلام مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ نے اپنی کتاب ''ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی جائزہ'' میں ''ہندوستان کی مردم خیز اسلامی نسل'' کے موضوع کے تحت یہ بات تحریر فرمائی ہے ''ہندوستان کی مسلم قوم، اپنی غیر معمولی شخصیات، کاملین فن اور عبقری انسانوں سے مالا مال رہی ہے (ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی جائزہ ۵۶/ ۵۷)۔

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں ''مسلمانوں نے ہندوستان میں اسلام کے جس درخت کو اپنے مخلص ہاتھوں سے لگایا اور پاک نفس مجاہدین نے اپنے پاک خون جگر سے ہر زمانہ میں اس کی آبیاری کی تھی، آج بھی خالق کائنات کے حکم سے برابر پھل دے رہا ہے'' (ایضاً/ ۶۷)۔

یہ بات بھی تاریخی طور پر ثابت ومحقق ہے کہ سرزمین ہند میں جس طرح بہت سے خانوادوں اور حلقوں وجماعتوں کا اسلام کی نشر واشاعت اور دعوت واصلاح میں حصہ ہے، اسی طرح خانوادۂ فرنگی محل (ملا قطب الدین شہید سہالوی کی اولاد اور ان کی نسل) کا بھی اس سلسلہ میں نمایاں کردار ہے۔

اس خانوادہ کا نسب شیخ الاسلام ابوعبداللہ ہروی کے واسطے سے میزبان رسول سیدنا حضرت ابوایوب انصاری مدنی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے (بانی درس نظامی/ ۳۰ تذکرہ علمائے فرنگی محل/ ۶، ۷)۔

اس خانوادہ کے جد امجد ملا قطب الدین کی شہادت کے بعد، حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے ایک فرمان کے بموجب یہ خاندان اپنے وطن قصبہ سہالی ضلع بارہ بنکی سے لکھنؤ میں

ایک فرانسیسی تاجر کی کوٹھی میں منتقل ہوا تو اس کی نسبت سے اس کے افراد کو فرنگی محل کے نام سے جانا جانے لگا (ایضا)۔

اس خانوادہ نے علم وعمل اور اصلاح ودعوت کے میدانوں میں اپنے جگر کے ٹکڑے پیش کئے، ان کا فیض ملک ہندوستان ہی نہیں بلکہ تقریباپورے جنوب ایشیا تک پہنچا، اور دنیا نے ان کے فضل وکمال کا اعتراف کیا۔

ایک طرف علمی اعتبار سے امامت وسیادت کے درجہ کے افرادمثلاً ملا قطب الدین، ملا نظام الدین، ملا حسن، علامہ عبد العلی المعروف بحر العلوم، ملا مبین، مفتی ظہور اللہ، مفتی محمد اصغر، مفتی محمد یوسف، مولوی نعیم اللہ، مولانا عبد الباری اور مولانا عبدالحیؒ نے اس خانوادہ میں جنم لیا جن کے بارے میں مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی شہادت یہ ہے کہ ان کا جواب کسی خاندان میں نہیں مل سکتا (ہندوستانی مسلمان ر ۶۱)۔

دوسری طرف زہد وورع، تقوی وطہارت، صفائی معاملات اور صفائی باطن میں ممتاز اورتزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق اور اصلاح نفس کا فریضہ انجام دینے والے خود مذکورہ افراد اور خاص طور پر ملا احمد عبد الحق بن ملا سعید، مولوی انوار الحق بن ملا احمد عبد الحق، مولانا برہان الحق بن مولانا نور الحق، مولانا عبد الرزاق بن مولانا جمال الدین، مولوی عبد الوہاب بن مولانا عبد الرزاق، مولوی شرافت اللہ بن مولوی کرامت اللہ اور مولوی علی محمد بن ملا معین ہندوستان کے دیگر مسلم خاندانوں میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں (تذکرہ علمائے فرنگی محل، از ابتدا تا انتہاء)۔

علمی میدان میں اس خانوادہ کا فضل وکمال اور تفوق وبرتری تقریباً معروف ومسلم ہے، لیکن دعوتی واصلاحی اعتبار سے ان کی خدمتوں کا جس طرح تعارف ہونا چاہئے غالباً اب تک نہیں ہوسکا ہے۔

ذیل میں ہم ان میں سے چند کے ورع وتقوی کے بارے میں شہادتیں پیش کر رہے ہیں:

مولوی عبدالرزاق بن مولانا جمال الدین:

آپ کے تعلق سے واقعہ کے عینی شاہد اور خادم مولوی احمد اللہ نے بیان کیا ہے کہ سخت بیماری کی حالت میں بھی جبکہ تقریباً زندگی سے مایوسی پیدا ہوچکی تھی اور اکثر وقت غفلت اور بے ہوشی رہتی تھی، نصف شب میں بیدار ہوکر تہجد پڑھتے اور ذکر واذکار میں مشغول رہتے، نمازوں کی پوری پابندی تھی، خدام کے بیدار کرنے پر اٹھتے نماز ادا کرتے پھر غفلت طاری ہوجاتی اس حالت میں بھی حکم کر رکھا تھا وضو کرانا تیمّم مت کرانا، ایک مرتبہ تخلیل اصابع کی سنت فوت ہوگئی تو فرمایا کہ ابھی تو میں زندہ ہوں مجھ کو سنت سے کیوں محروم کرتے ہو (تذکرہ علمائے فرنگی محل/۹۶)۔

خود مولوی احمد اللہ صاحب کا ہی یہ کہنا تھا کہ باوجود سخت ابتلاء وآزمائش کے اس شخص نے کبھی کسی امر حرام کا ارتکاب نہیں کیا (ایضاً/۹۷)۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی:

سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندوی کے مطابق آپ عبادت گزار، شب زندہ دار اور حق کے طلبگار تھے، ارشاد وہدایت، وعظ ونصیحت، درس وتدریس تحریر وتالیف ان کے روزانہ کے مشاغل تھے (معارف جنوری ۱۹۲۶ء)۔

مولوی انوار الحق بن مولانا احمد عبدالحق:

تذکرہ علمائے فرنگی کے مصنف کے مطابق اپنی حیات بھر آپ علم ظاہری وباطنی کی خدمت میں مشغول رہے اور ہمیشہ ارشاد خلق واخذ بیعت فرماتے رہے۔آپ کے دست مبارک پر بے شمار وبے تعداد لوگوں نے بیعت کی'' (تذکرہ علمائے فرنگی محل/۲۷)۔

مولوی شرافت اللہ بن مولوی کرامت اللہ:

جس زمانہ میں ضلع سلطانپور کے ڈپٹی کلکٹر تھے، ایک مقدمہ کا عادلانہ ومنصفانہ فیصلہ

کر کے ڈپٹی کمشنر کی عملی اصلاح فرمائی اور مدت ملازمت میں شب بیداری کا معمول رہا۔ کبھی بھی ایک پیسہ یا چیز رشوت کی یا نا جائز حاصل نہیں کی (ایضاً/۶۶-۹۶)۔

مولوی علی محمد بن ملا معین:

نہایت محتاط، متقی اور پرہیز گار تھے، غیر طیب مال پر کبھی توجہ نہ فرماتے، ایک زمانہ میں آپ پر فاقے چل رہے تھے کہ ایک سودی کاروبار کرنے والے صاحب نے کچھ روپے نذر کیے، پہلے تو قبول فرمایا، لیکن تنبیہ ہوتے ہی پوچھا مال مشکوک تو نہیں اس نے اثبات میں جواب دیا، آپ نے نہایت معذرت کے ساتھ واپس کردیا۔ اس پر اس کے دل کی دنیا بدل گئی، اور سودی کاروبار سے ہمیشہ کیلئے تائب ہوگیا (ایضاً/۸۴)۔

☆☆☆

علمائے فرنگی محل کی تدریسی خدمات

مولانا عبدالسلام ندوی بھٹکلی ☆

علمائے فرنگی محل

علمائے فرنگی محل کا اطلاق لکھنؤ کے ان علماء پر ہوتا ہے جنہوں نے مغلیہ دور کے ایک عظیم بادشاہ سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دور میں ضلع بارہ بنکی کے ایک قصبہ ''سہالی'' سے ہجرت کر کے لکھنؤ میں ایک فرانسیسی تاجر کی کوٹھی میں اورنگ زیب عالمگیرؒ کے حکم سے بود وباش اختیار کی تھی، جو بعد میں فرنگی محل کے نام سے مشہور ہوئی۔

یہ حضرات دراصل سہالی کے ایک بڑے اور مستند عالم ملا قطب الدین شہید کی اولاد تھے، جن کو اس قصبے کے بعض شر پسندوں نے شہید کر دیا تھا۔

یہ خانوادہ فرنگی محل نسباً انصاری کہلاتا ہے اس لئے کہ اس کا سلسلۂ نسب میزبان رسول علیہ السلام حضرت ابو ایوب خالد بن زید الانصاریؓ ''مدفون ترکی'' سے جا ملتا ہے، اس خاندان فرنگی محل کے پہلے سلسلے میں ملا نظام الدینؒ استاذ الہند بانی درس نظامی بہت مشہور ہوئے جو کہ ملا قطب شہید کے صاحبزادے تھے اور فرنگی محل کو سب سے پہلے شہرت انہی کی ذات گرامی سے ملی، پھر ملا نظام الدین اور ان کے بھائیوں کی اولاد در اولاد کا جو سلسلہ چلا تو آج تین سو سال سے بھی زیادہ کا عرصہ گزرنے کے باوجود فرنگی محل اپنی ایک شناخت باقی رکھے ہوئے ہے اور آج سے سوڈیڑھ سو سال پہلے تو اس خاندان کے علماء کا ایک طرح سے سکہ چلتا تھا۔

☆ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

علمائے فرنگی محل کے تذکرے پر مشتمل مولانا مفتی عنایت اللہ صاحب فرنگی محلیؒ کی کتاب میں ان کے زمانے تک کے تقریباً (۲۹۲) دوسو بانوے علماء کے حالات مذکور ہیں، اسی طرح ہندوستان کے علماء وفضلاء اور مشہور شخصیات کے حالات پر لکھی گئی مشہور ومعروف شہرۂ آفاق کتاب ''نزہۃ الخواطر'' کی آخری جلدوں میں مؤرخ ہند علامہ سید عبد الحی حسنی رائے بریلویؒ نے اس خانوادے کے بہت سے علماء کا تذکرہ کیا ہے جس میں وہ ان حضرات کے نام کے ساتھ ''اللکھنوی'' تحریر فرماتے ہیں اور نسب کا ذکر کرتے ہوئے'' الانصاری اللکھنوی'' وغیرہ لکھتے ہیں اور بھی جن علماء ومؤرخین نے ہندوستان کے علماء وفقہاء وغیرہ کی تذکروں پر کتابیں لکھی ہیں اس میں اس خاندان کے علماء کا یقینی طور پر ذکر کیا ہے۔

تدریسی خدمات

بہرحال علمائے فرنگی محل کے جہاں بھی حالات ملتے ہیں اور اس میں جو ان کی امتیازی خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے تو درسی کتابوں پر ان کے حواشی اور بعض تصنیفی کاموں کے ساتھ ان کی تدریسی خدمات کا ذکر بہت نمایاں انداز میں ملتا ہے بلکہ اس تسلسل کے ساتھ تقریباً ڈھائی سو سال تک تدریسی انداز میں دین کی خدمت کرنا کم از کم برصغیر میں صرف اسی خاندان کی خصوصیت ہے۔

استاذ وکامیاب مدرس اور ایک خاص انداز میں طلبہ کو تعلیم دینے میں سب سے زیادہ شہرت ملا نظام الدین محمد فرنگی محلیؒ کو ملی، جو لکھنؤ منتقل ہونے کے بعد سب سے پہلے فرنگی محل میں باضابطہ مسند درس پر رونق افروز ہوئے اور ایک نصاب متعین کیا جس کو بعد میں درس نظامی کے نام سے عالمگیر شہرت حاصل ہوئی، ویسے تو درس وتدریس کا سلسلہ ان کے والد ملا قطب الدین شہیدؒ ہی کے زمانے سے قائم تھا، اور وہ ایک باقاعدہ نصاب کے تحت طلبہ کو درس دیتے تھے لیکن اس کا تسلسل انضباط اور شہرت ملا نظام الدین اور ان کے اولاد واحفاد کا حصہ رہی۔

علمائے فرنگی ہندوستان کے مختلف علاقوں میں

علمائے فرنگی محل نے اپنے گھر اور مدرسہ یعنی فرنگی محل میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور ان میں کاہر نوجوان جو اپنی تعلیم سے فارغ ہوجاتا تو پھر درس وتدریس ہی کے مشغلے کو اختیار کرتا ملا نظام الدین صاحب نے جب مدرسہ کی بنیاد رکھی تو ان سے پڑھنے والوں میں دوسروں کے علاوہ خود ان کے خاندان کے افراد ان کے چھوٹے بھائی ملا رضا بھتیجے مولوی احمد عبد الحق اور خود ملا نظام الدین کے صاحبزادے بحر العلوم مولانا عبد العلی صاحب وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے جنہوں نے پڑھا اور سند فراغ کے بعد اسی مبارک مشغلہ سے وابستہ ہوگئے۔

علمائے فرنگی محل سے جس طرح مختلف علاقوں کے طلبہ وعلماء نے فرنگی محل حاضر ہوکر استفادہ کیا ہے، اسی طرح یہاں کے علماء کے فیوض سے ہندوستان بلکہ بعض علماء سے بلادعرب میں بھی استفادہ کئے جانے کا تاریخی کتابوں میں اشارہ ملتا ہے۔

ہندوستان کے مختلف علاقوں کو اپنے علوم وفنون سے فیضیاب کرنے اور مختلف جگہوں پر مسند درس کو آراستہ کرنے میں سب سے پہلے اس خانوادہ کے جس عالم دین کا تذکرہ بڑی تفصیل سے ملتا ہے وہ استاذ الہند ملا نظام الدینؒ کے وارث وصاحبزادے بحر العلوم مولانا عبد العلی صاحب ہیں، جن کے بارے میں مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب حسنیؒ نزہۃ الخواطر میں تحریر فرماتے ہیں: "**كان معلوم النظير في زمانه رأسا في الفقه والأصول إماماً جوالا في المنطق والحكمة والكلام**" (الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام المعروف بنزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۳۰۹ للمورخ الہند الکبیر العلامۃ الشریف عبدالحی الحسنی الرائے بریلوی)۔

مولانا نے پہلے لکھنو میں درس دینا شروع کیا، پھر وہاں سے شاہجہاں پور تشریف لے گئے وہاں صاحب نزہۃ الخواطر کے بقول بیس سال تک درس وتدریس کے ذریعہ طالبان علوم نبوت کو مستفید کرتے رہے، وہاں سے پھر رامپور کے نواب کی دعوت پر رام پور تشریف لے گئے، پھر وہاں سے ضلع بردوان کے ایک قصبہ "بوہار" جانا ہوا جہاں کے ایک مدرسہ میں آپ بغرض افادہ مقیم رہے، وہاں سے نواب والا جاہ محمد علی خان والی ارکاٹ کی دعوت پر مدراس تشریف لے

گئے جہاں نواب صاحب نے اپنے وزرائے حکومت واعیان سلطنت کے ساتھ بڑا زبردست استقبال کیا، آپ کی بڑی قدر دانی کی، ایک مدرسہ درس وتدریس کے واسطہ قائم کیا، آپ اور آپ کے ساتھ آئے ہوئے شاگردوں کے وظیفے وروزینے مقرر کئے نواب صاحب جب تک زندہ رہے اکرام واحترام میں کوئی کمی نہ ہونے دی، نواب صاحب کے بعد آپ کے جانشینوں نے بھی اس سلسلے کو باقی رکھا یہاں تک کہ ملا بحر العلوم کی وہیں وفات ہوگئی، پھر آپ کے داماد وشاگرد ملا علاء الدین احمد فرنگی محلی آپ کے جانشین قرار پائے، پھر ان کے انتقال کے بعد ملا بحر العلوم کے نواسے اور ملا علاء الدین کے اکلوتے صاحبزادے ملا جمال الدین فرنگی محلی اس مسند کے وارث قرار پائے، ان تینوں حضرات کی وفات بھی مدراس ہی میں ہوئی (بانی درس نظامی ۱۱۰ - ۱۱۲) وہیں ان کی قبریں مسجد والا جاہی میں زیارت گاہِ خلائق ہیں، اور آج بھی لکھنو کے فرنگی محل کے بعض حضرات ملا بحر العلوم کی یوم وفات پر منعقد کئے جانے والے پروگراموں میں شرکت کے لئے مدراس (چنئی) تشریف لے جایا کرتے ہیں اس طرح سے ملا بحر العلوم کا فیض شمالی ہندوستان کے ساتھ ساتھ جنوبی ہند میں بھی دور دور تک پہونچا۔

اسی طرح ملا حسنؒ جو ملا نظام الدینؒ کے شاگرد اور بڑے بھائی کے پوتے تھے جن کا شمار فرنگی محل کے بہت قوی الحافظ ذہین وذکی لوگوں میں ہوتا ہے انہوں نے ایک عرصہ تک فرنگی محل میں درس وتدریس کی خدمات انجام دی پھر بعض اسباب کی بناء پر وہاں سے دارانگر نجیب آباد کے قریب ایک علاقے میں تدریسی خدمت انجام دیتے رہے پھر رامپور منتقل ہو گئے (علمائے فرنگی محل ۹۵ونزہۃ الخواطر رقم الترجمہ ۶/ ۵۵۸)۔

اسی طرح ملک العلماء مولوی حیدر بن ملا مبین صاحب اور ان کی اولاد کا علمی فیض سر زمین حیدرآباد میں عام ہوا، جہاں یہ ایک عرصہ تک درس وتدریس اور وعظ وافتاء میں مصروف رہے (علمائے فرنگی محل ۹۸) ملک العلماء کے صاحبزادے مولوی ظہور علی بھی عرصے تک حیدرآباد میں درس وتدریس میں مصروف رہے اور وہیں انتقال فرمایا (علمائے فرنگی محل ۱۳۳)۔

حیدرآباد میں فرنگی محل ہی کے ایک دوسرے بزرگ و عالم دین **مولانا** عبدالحلیم بن **مولانا** امین اللہ والد بزرگوار علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ نے بھی تدریسی خدمات انجام دی ہے، وہاں آپ سرکاری مدرسہ میں مدرس تھے اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ وہاں کے امراء نے آپ کو رکھا حیدرآباد ہی میں **مولانا** کا انتقال ہوا، اور وہیں مدفون ہیں، حیدرآباد تشریف لے جانے سے پہلے آپ نے اولاً لکھنؤ میں پڑھایا، پھر وہاں سے باندہ گئے، ہاں نو ۹ سال تک قیام کیا وہاں سے پھر جونپور تشریف لے گئے، وہاں کے ایک مدرسہ میں دس ۱۰ سال تک تدریسی خدمت انجام دی (علمائے فرنگی محل ۱۹۷ ونزہۃ الخواطر رقم الترجمہ ۷/۲۴۴)، پھر اس کے بعد حیدرآباد میں قیام کیا، اسی طرح ان کے صاحبزادے علامہ عبدالحی فرنگی محلی نے بھی لکھنؤ منتقل ہونے سے پہلے چند سال حیدرآباد میں پڑھایا تھا، جنوبی ہندوستان کے جن علاقوں کو علمائے فرنگی محل کے علمی فیوض سے مستفیض ہونے کا موقع ملا ہے، ان میں وہاں کے بزرگوں کی سرزمین گلبرگہ شریف بھی ہے جہاں کے ایک صاحب سجادہ کو فرنگی محل کے **مولوی** افہام اللہ بن **مولانا** انعام اللہ صاحب پڑھایا کرتے تھے، انہوں نے گلبرگہ شریف سے پہلے جنوبی ہند کے ایک مشہور علمی شہر ویلور (نزد مدراس) میں بھی تدریسی خدمت انجام دی ہے، ان کا انتقال جوانی ہی میں لکھنؤ میں ہوا (علمائے فرنگی محل ۴۷)۔

علمائے فرنگی محل کے ایک عالم دین مولوی رحمت اللہ بن ملا نور اللہ نے غازی پور میں ایک مدرسہ چشمۂ رحمت کے نام سے قائم کیا تھا جو ماشاء اللہ آج بھی شان سے چل رہا ہے (علمائے فرنگی محل ۱۳۳) ان کے بعد بھی اس خانوادے کے کئی علماء اس سے وابستہ رہے۔

فرنگی محل ہی کے **مولوی** شفیع حجت اللہ بن **مولوی** سلامت اللہ صاحب نے کلکتہ کے مسلمانوں کے قائم کردہ مدرسہ، مدرسہ اسلامیہ زکریا مسجد میں **مولانا** ابو الکلام آزاد کی طلب اور **مولانا** قیام الدین عبدالباری فرنگی محلی کے حکم سے ایک عرصہ تک تدریسی خدمت انجام دی (علمائے فرنگی محل ۱۴۷)۔

بہار کے ایک مشہور شہر مونگیر کے ایک مدرسہ میں خانوادۂ فرنگی محل کے ایک عالم دین

مولوی عباد اللہ بن مولوی خلیل اللہ نے ایک مدت تک تدریسی خدمت انجام دی اور وہیں ۱۸۸۷ء میں انتقال فرمایا (علمائے فرنگی محل ۱۵۰)۔

اس خانوادہ کے ایک بڑے متواضع منکسر المزاج نہایت قابل وذی استعداد عالم دین مولوی مراد اللہ بن نعمت اللہ بڑودہ گجرات میں ایک عرصہ تک مصروف تدریس رہے، اور ۱۸۶۳ء میں اپنے والد کی حیات میں انتقال فرمایا (علمائے فرنگی محل ۲۴۷،۹۸)۔

علمائے فرنگی محل ہندوستان سے باہر

مدینہ منورہ میں

اس خانوادۂ فرنگی محل کے ایک عالم دین مولانا عبد الباقی بن مولانا محمد علی جو فخر المتاخرین علامہ عبد الحی فرنگی محلی اور ان کے شاگرد رشید مولانا عین القضاۃ حیدرآبادی (مدفون لکھنؤ) وغیرہ کے شاگردوں میں سے تھے یہ اپنے دور کے بڑی عالی سند رکھنے والے ممتاز عالم دین تھے انہوں نے پہلے تو وطن ہی میں درس وتدریس کا کام انجام دیا، پھر ۱۹۰۳ء سے مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے وہیں کتب حدیث وغیرہ کا درس دینے لگے، وہاں آپ کے درس سے عرب وعجم دونوں یکساں طور پر مستفید ہوتے تھے آپ کا انتقال مدینہ منورہ ہی میں ۱۹۴۳ء کو ہوا (علمائے فرنگی محل ۱۴۵)۔

صاحب نزہۃ الخواطر ان کے بارے میں لکھتے ہیں: "درس وأفاد مدة من الزمان ببلدته ثم سافر إلى الحرمين الشريفين، فحج وزار وأخذ الحديث عن المشائخ الأجلاء، ثم سكن بمدينة النبي ﷺ مع عفة وقناعة وتوكل على الله سبحانه وتعالىٰ واشتغاله بالتدريس ومطالعة الكتب" (نزہۃ الخواطر)۔

امریکہ میں

اس وقت فرنگی محل کے ایک عالم دین دار العلوم ندوۃ العلماء کے فارغ اور امریکہ کی

ایک اسلامک سوسائٹی کے صدر اور چند کتابوں کے مصنف مولانا طارق رشید صاحب فرنگی محلی امریکہ میں اپنے اسلاف کے علمی ورثہ کو عام کرنے میں مشغول ہیں، یہ امام عیدگاہ شہر لکھنؤ مولانا ابو الطیب احمد انصاری صاحب فرنگی محلی کے بڑے صاحبزادے اور نائب امام عیدگاہ و مہتمم مدرسہ نظامیہ مولانا خالد رشید صاحب فرنگی محلی ندوی کے برادر اکبر ہیں۔

لکھنؤ میں علمائے فرنگی محل کی خدمات

جہاں تک ان حضرات کی تدریسی خدمات کا تعلق انہی کے موطن و مسکن لکھنؤ میں انجام دینے کا ہے، "فحدث عن البحر ولا حرج"۔ یہاں پر تو استاذ الہند بانی درسِ نظامی استاذ العلماء ملا نظام الدین محمد فرنگی محلیؒ سے تدریسی سلسلہ جو شروع ہوا ہے تو آج تک یہ کسی نہ کسی صورت میں قائم ہے، اس وقت کے فرنگی محل کے نوجوان عالم دین نائب امام عیدگاہ خالد رشید صاحب فرنگی محلی ندوی فرنگی محل کے قدیم مدرسہ، مدرسہ نظامیہ کو جو علامہ نظام الدین محمد فرنگی محلی بانی درس نظامی کی یاد میں قائم کیا گیا تھا انکی نشاۃ ثانیہ کا کام کر کے انکی علمی و انتظامی سرپرستی کر رہے ہیں، اسی کے ساتھ دار الافتاء و دار القضاء وغیرہ کے کاموں کی بھی نگرانی کرتے ہیں اور دوسرے بہت سے سماجی و رفاہی کام بھی انجام دے رہے ہیں۔

تو دوسری طرف فرنگی محل کے ایک نوجوان صاحب علم و مطالعہ عالم دین اپنے اسلاف کے علوم و کمالات اور روایات کے امین و جانشین اور دینی و عصری علوم سے بہرہ ور مولانا ابو الحسن نظام الدین محمد فرنگی محلی ندوی ایم اے علیگ صاحب ادھر کئی سال سے ندوۃ سے فراغت کے بعد ندوہ ہی میں تدریسی خدمت انجام دے رہے تھے عربی گرامر فقہ اصول فقہ اور میراث وغیرہ سے متعلق مضامین انکے ذمہ تھے اب سے چند ماہ پیشتر اپنے والد گرامی قدر جناب فاخر میاں صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد انکے سجادہ نشین ہونے پر انہوں نے یہ رسمی تدریسی سلسلہ اپنی مصروفیات کی بناء پر منقطع کردیا ہے، لیکن ان سے امید ہے کہ وہیں اپنے گھر پر کسی نہ کسی طرح اپنے اسلاف کے اس سلسلہ زریں کو جاری و ساری اور زندہ و تابندہ رکھیں گے۔

اب ذیل میں ہم علمائے فرنگی محل کے ان چند مشہور علماء کی تدریسی خدمات کا مختصر سا تذکرہ کرتے ہیں، جنہوں نے اپنے وطن اور گھر ہی میں مسند درس آراستہ کی، اس میں سب سے پہلا نام تو استاذ الہند کا ہے جو لکھنو میں اس علمی سلسلہ کے بانی ومؤسس اور اس کو قائم کرنے اور آگے بڑھانے میں پیش پیش تھے، جن سے علماء کی ایک بڑی تعداد نے استفادہ کیا تھا اور جن کی شہرت دور دور تک پہونچ گئی تھی، انکے تفصیلی حالات کے لئے اسی خانوادے کے ایک صاحب قلم عالم محمد رضا صاحب فرنگی محلی کی کتاب "بانی درسِ نظامی" دیکھئے۔

استاذ الہند کے زمانے میں ان کے چھوٹے بھائی ملا محمد رضا بھی مسند تدریس سنبھالے ہوئے تھے انہوں نے چند کتابیں بھی تصنیف کی تھیں، لیکن پھر انہوں نے تارک الدنیا ہوکر مدینہ منورہ کی طرف رخت سفر باندھا، اس کے بعد ان کا کوئی پتہ نہ چل سکا (بانی درس نظامی ۸۶) اس کے بعد ملا احمد عبد الحق بن ملا محمد سعید اپنے استاذ و چچا ملا نظام الدین کا درس وتدریس میں تعاون کرنے لگے، آپ درس کے ساتھ ساتھ فرنگی محل کے تمام انتظامی امور کے نگراں بھی تھے ان کے بارے میں ملا نظام الدین ہمیشہ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ "میاں احمد عبد الحق کی بدولت نظام الدین نظام الدین بنے، انہوں نے دنیا کی الجھنیں اور تمام معاملات کی پریشانیاں اپنے سر لیں اور میں پورے اطمینان کے ساتھ درس وتدریس میں مشغول ہوگیا (بانی درس نظامی ۸۲)۔

اسی طرح ملا رضا کے صاحبزادے اور استاذ الہند کے بھتیجے ملا احمد حسین بھی تحصیل علم کے بعد مدت العمر درس وتدریس ہی میں مشغول رہے آپ اپنے دور کے مشہور اور قابل اساتذہ میں سے تھے (علمائے فرنگی محل ۸۷)۔

استاذ الہند کے صاحبزادے، بحر العلوم مولانا عبد العلی صاحب بھی ترک وطن سے پہلے فرنگی محل ہی میں درس وتدریس سے وابستہ رہے، ملا حسن جو استاذ الہند کے شاگرد اور ان کے بڑے بھائی کے پوتے تھے ان کا شمار فرنگی محل کے ذہین وذکی اور قوی الحافظہ لوگوں میں ہوتا تھا یہ بھی ترک وطن سے پہلے فرنگی محل ہی کے مدرسہ سے وابستہ رہے (علمائے فرنگی محل ۹۴)۔

ملاحسن کے شاگرد وداماد ملامبین بن ملامحبّ اللہ فرنگی محل کے ان مشہور اساتذہ میں سے تھے جن کا حلقہ درس بہت وسیع تھا، طلبہ دور دور سے آپ سے استفادہ کے لیے حاضر ہوتے تھے، بڑے مقرر وواعظ اور کئی کتابوں کے مؤلف نہایت مشہور ومقبول شخص تھے (علمائے فرنگی محل/۲۴۹)۔

اسی طرح ملامبین کے شاگرد وبھتیجے مولانا ولی اللہ بن حبیب اللہ کا شمار اپنے زمانے کے ان فاضل اساتذہ میں ہوتا ہے جنہوں نے اس مبارک مشغلہ میں اپنی پوری عمر گزاری، اور ایک بڑی تعداد نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا بقول صاحب ''نزهة الخواطر'' وبذل جهوده فی التدريس حتى إنتهت إليه الرئاسة العلمية بمدينة لكهنؤ وانتفع به خلق كثير'' توفی ۱۲۷۰ھ وعمره ۸۸ (نزہۃ الخواطر رقم الترجمہ ۷/۱۰۰۸)۔

ملامبین کے صاحبزادے ملامعین بھی تدریس وتصنیف اور وعظ وافتا میں اپنا ایک مقام رکھتے تھے، علم حدیث وادب وغیرہ میں خاص دستگاہ تھی ان کا انتقال ۱۲۵۸ھ میں ہوا (علمائے فرنگی محل/۲۵۴)۔

فرنگی محل کے ایک عالم دین مولانا نعمت اللہ صاحب بن مولانا نور اللہ صاحب تھے جن کا شمار اس خاندان کے بڑے کثیر المطالعہ علماء میں ہوتا ہے آپ بھی درس وتدریس میں بڑے ممتاز تھے خصوصاً فنونِ ریاضی میں آپ کی بڑی شہرت تھی آپ کا انداز تدریس ایسا بہترین ہوتا کہ کمزور سے کمزور طالب علم بھی کتاب کو سمجھ لیتا، ۱۸۸۳ء میں آپ کا انتقال ہوا (علمائے فرنگی محل/۲۶۴)۔

اب فرنگی محل کے دور اخیر کے چند علماء کا ذکر کیا جاتا ہے، جن میں سب سے پہلا نام تو فخر المتاخرین علامہ عبد الحی لکھنوی فرنگی محلی کا آتا ہے جن کی شروحات، تالیفات، دروس وتحقیقات سب کے سب بہت مشہور ہوئے، آپ کی کتابوں کو عرب علماء ومحققین نے ایڈٹ کر کے شائع کیا اور آپ کے سامنے بڑے بڑے علماء نے زانوئے تلمذ تہ کیا، ان کے بارے میں مولانا عبد الحیٔ حسنی تحریر فرماتے ہیں: "متبحراً فی العلوم معقولا ومنقولا مطلعا على دقائق الشرع وغوامضه تبحر فی العلوم وتحرى فی نقل الأحكام وحرر المسائل''۔ ان کا انتقال انتالیس (۳۹) سال کی عمر میں ہوا، وہ اپنے پیچھے ایک بڑا علمی ذخیرہ چھوڑ گئے (نزہۃ

الخواطر ترجمہ ۷/۲۳۲)۔

دوسرے عالم دین انہی علامہ لکھنوی کے خالہ زاد بھائی مولانا قیام الدین عبد الباری فرنگی محلی تھے جن کے زمانے میں فرنگی محل ہندوستان کی آزادی کی فکر کرنے والے رہنماؤں وقائدین کا ایک اہم مرکز اور لکھنو میں ان کے قیام کی ایک عمدہ جگہ تھی، آپ نے اپنی سیاسی وملی سرگرمیوں کے ساتھ درس وتدریس سے اپنا تعلق قائم رکھا اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں، بڑے بڑے علماء سے اجازت حدیث حاصل کی اور فرنگی محل میں مدرسہ نظامیہ کی بنیاد رکھی، آپ کا انتقال جنوری ۱۹۲۶ء کو ہوا (علمائے فرنگی محل ۱۶۹ و نزہۃ الخواطر ترجمہ ۸/۲۰۱)۔

ایک اور عالم دین شمس العلماء مولانا نعیم صاحب فرنگی محلی جو بحر العلوم مولانا عبد العلیؒ کی شاخ کے گل سرسبد اور دور آخر میں فرنگی محل کے علمی تدریسی اور روحانی کمالات کی آخری یادگار تھے، اور تمام علوم متداولہ میں بلند پایہ رکھتے تھے اور ساری کتب درسیہ کو یکساں قوت ومہارت کے ساتھ پڑھاتے تھے، صاحب نزہۃ الخواطر نے بھی ان کے درس میں شرکت کی ہے، ان کی وفات اگست ۱۹۰۰ء میں ہوئی (حیات عبد الحئیؒ مؤلفہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ حاشیہ پر ۵۷ و نزہۃ الخواطر ترجمہ ۸/۴۸۵)۔

☆☆☆

علمائے فرنگی محل اور عربی زبان وادب میں ان کی خدمات

مولانا محمد فرمان ندوی☆

برصغیر میں فرد وجماعت دونوں اعتبار سے علمی ودعوتی خدمات کا تسلسل ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت مجدد الف ثانیؒ، خانوادۂ ولی اللّٰہی، تحریک شہیدین سے وابستہ افراد اور علمائے صادق پور کی کوششیں ہزار ہا خراج تحسین کی مستحق ہے، لیکن مسلسل تین سو سال تک جس خاندان نے امانت علم کی تقسیم کا بیڑہ اٹھایا وہ خانوادۂ فرنگی محل کے نام سے متعارف ہے، ملا قطب الدین سہالوی سے اس علمی کوشش کا آغاز ہوتا ہے، ان کی نسل میں کسی کو علمی صلاحیت کی بنیاد پر استاذ الہند کا لقب ملا، تو کسی کو قیام الملۃ والدین کا، کوئی فخر المتأخرین سے متعارف ہوا، تو کسی کو دنیا نے ملک العلماء اور استاذ الاساتذہ کہا، یہ تمام افراد اسی خاندان کے چشم وچراغ اور اسی بحر علم کے لعل وگہر ہیں، علامہ شبلی نعمانیؒ نے لکھا ہے کہ: ’’ہندوستان میں جس قدر اور جہاں جہاں بڑے بڑے سلسلۂ درس قائم ہوئے اکثر اسی خاندان کا فیض ہے‘‘ (مقالات شبلی صفحہ ۱۲۲)۔

علمائے فرنگی محل اور مروجہ زبانیں:

بارہویں صدی ہجری سے علمائے فرنگی محل کی دعوت دین کے اس زریں سلسلے کا آغاز ہوتا ہے، انہوں نے دین وشریعت، ایمان وعقیدہ اور معاشرت واقتصاد کو اپنی خدمت کا موضوع بنایا، اور علوم اسلامیہ کی تبلیغ واشاعت میں اپنی حیات مستعار کو صرف کیا، ہندوستان کی اس وقت

☆ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

سرکاری زبان فارسی تھی، اردو بھی مسلمانوں اور دین وشریعت سے وابستہ افراد کے مابین لکھی اور پڑھی جاتی تھی، عربی زبان چونکہ قرآن وحدیث کی زبان تھی اور کسی مسلمان کے لئے علم شریعت سے مکمل واقفیت اسی وقت ممکن تھی، جب وہ اس زبان سے پوری طرح واقف ہو چکا ہو، چنانچہ علمائے فرنگی محل نے ان تینوں زبانوں میں اپنی بنیادی صلاحیت مضبوط کی اور ان کے ذریعہ سے اسلام کی نشر واشاعت کا اہم بالشان کام انجام دیا۔

درس نظامی اور عربی زبان وادب

درس نظامی کے اصلاً بانی ملا قطب الدین سہالوی ہیں، انہوں نے سہالوی کے مدرسے میں اپنے تیار کردہ نصاب کے مطابق طلبہ کے پڑھانے کا سلسلہ شروع کیا، اسی نقش قدم پر چل کر ان کے صاحبزادے نے درس نظامی کو مرتب کیا، اس میں عربی زبان وادب سے متعلق سے کتابیں بھی رکھیں، فن نحو میں نحو میر، شرح مأۃ عامل، نہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی شامل نصاب رہی، فن صرف میں میزان منشعب، صرف میر، پنج گنج، زبدہ، اصول اکبری، شافیہ، فن بلاغت میں مختصر المعانی اور مطول ما أنا قلت تک قابل ذکر ہیں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملا نظام الدینؒ نے عربی زبان وادب کے اصول وضوابط کے حفظ وفہم پر کتنی توجہ مرکوز کی، اس سلسلہ میں مولانا عبدالحی حسنیؒ رقمطراز ہیں کہ: ''ان کا طریقۂ درس یہ تھا کہ وہ کتابی خصوصیات کا چنداں لحاظ نہیں کرتے تھے، بلکہ کتاب کو محض ذریعہ تعلیم قرار دے کر اصل فن کی تعلیم دیتے تھے'' (ہندوستان کا نصاب درس از مولانا عبدالحی حسنی)۔

علامہ شبلی نعمانیؒ نے درس نظامی کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''درس نظامی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں امعان نظر اور قوت کا مطالعہ کا خیال رکھا گیا ہے، اس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ درس نظامی کی کتابیں اگر اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لی جائیں تو عربی زبان کی کوئی کتاب لاینحل نہیں رہ سکتی، بخلاف درس قدیم کے کہ اس سے یہ بات حاصل نہیں ہوسکتی تھی'' (مقالات شبلی ج:۳ ص:۹۹-۱۰۰)۔

عربی ذوق پیدا کرنے والی کتاب کا فقدان

لیکن اسی کے ساتھ یہ بات قابل توجہ ہے کہ درس نظامی کے نصاب عربی زبان وادب میں کوئی بھی کتاب نصوص نثر وشعر سے متعلق نہیں ہے، شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ نحو وصرف اور بلاغت کے قواعد سے واقفیت کے بعد ان کی تطبیق تفسیر وحدیث اور فقہ کی کتابوں پر ہوتی تھی، اور طلبہ مسائل پوری طرح سمجھ لیتے تھے، اس لئے مزید کسی مشقی وتمرینی کتاب کی ضرورت نہیں تھی۔

علمائے فرنگی محل اور عربی زبان وادب میں ان کی تصنیفات

علمائے فرنگی محل کا اصلاً موضوع درس وتدریس ہے؛ ہزارہا طالبان علوم نبوت اس چشمۂ صافی سے سیراب ہو کر ملک وملت کے لئے نافع اور مفید بنے، لیکن اسی کے ساتھ انہوں نے تصنیف وتالیف کی طرف توجہ کی، درسی کتابوں کی شروحات لکھیں اور غیر درسی کتابوں کے ایک معتبر ذخیرہ کے ذریعہ اسلامی کتب خانہ کو مالا مال کیا، ذیل میں چند ایسی شخصیتوں کے نام ذکر کئے جارہے ہیں، جنہوں نے زبان وادب کے لحاظ سے کسی طرح کی خدمت انجام دی۔

قیام الملۃ والدین مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، علمی، تصنیفی، تدریسی، سیاسی اور اصلاحی وتربیتی کوششوں سے ان کی زندگی عبارت ہے، ان کا نام قیام محمد عبد الباری تاریخ ولادت ۱۲۹۵ھ اور تاریخ وفات ۱۳۴۴ھ ہے، ان کے بارے میں تذکرہ علمائے فرنگی محل کے مؤلف نے لکھا ہے ''**كبير الباع في العلوم الدينية، ملك العلماء بحر العلوم امام الوقت حافظ قوانين الشريعة الناطق بالحق عند سلطان الجائر المتكلم بالصواب عند إختلاف الأكابر سحاب الجود والشجاعة غيث المعرفة والبراعة، صاحب الذهن الثاقب**''۔

انہوں نے عربی زبان سے متعلق کئی کتابیں لکھیں، علم صرف میں آپ کی دس کتابیں ہیں، مثلاً تحفۃ الاخوان، ہدیۃ الخلان، المنتخب، سلسلۃ الذہب، تسہیل الصرف، جامع الفوائد،

ارتقاءالشرف، مقدمۃ الصرف، شرح ہدایۃ الصرف، شرح فصول اکبری۔

علم نحو میں چار کتابیں ہیں، نور الصباح شرح المصباح، ہدیۃ الطلبۃ، شرح ہدایۃ النحو، حاشیۃ الفیۃ۔

ادب میں دو کتابیں ہیں، مثلاً حاشیۃ حماسۃ، شرح قصیدۃ بردہ۔

مولانا صبغۃ اللہ بن مولانا ہدایت اللہ فرنگی محلی بھی زبان وادب کے ایک معتبر عالم ہیں، ۱۳۳۱ھ میں مدرسہ فرنگی محل سے فراغت حاصل کی، نہایت ذہین وفطین تھے، بقول مولانا عنایت علی فرنگی محلی ''عربی ادب میں خاص مہارت حاصل کی ہے، نہایت خوش بیان اور اچھے مقرر اور انشاءپرداز ہیں، تقریر وتحریر نہایت اچھی اور لطافت آمیز ہوتی ہے، علمائے فرنگی محل میں ان کے برابر کوئی اچھی تقریر کرنے والا نہیں ہے۔تصنیفات میں شہرستانی کی کتاب ملل ونحل کا ترجمہ، تاریخ مؤلفہ ابو الفداء، ترجمہ تاریخ اسلام مؤلفہ سید احمد دحلان مکی ہے''۔

مولانا عظمت اللہ بن احمد اللہ فرنگی محلی عربی زبان کے قادر الکلام ادیب تھے، آپ کی تاریخ ولادت ۱۲۹۲ھ ہے آپ کو نحو معقولات میں خاص ملکہ حاصل تھا، نفحۃ الیمن پر آپ نے حاشیۃ لکھا، جس کا نام إزالۃ الحزن ہے، اس کے علاوہ اکثر طویل کتابوں مثلاً، ملاحسن مقامات حریری پر حاشیہ لکھے، آپ کی وفات ۱۳۲۱ھ میں ہوئی۔

علامہ بحر العلوم عبد العلی بن نظام الدین لکھنوی سہالوی جن کی تاریخ وفات ۱۱۴۳ھ ہے، انہوں نے ہدایۃ الصرف کے نام سے فن صرف میں ایک کتاب لکھی۔

مولانا برکت اللہ بن احمد اللہ (ولادت ۱۲۹۶ھ) نے حاشیہ صرف میر ومیزان المختصر اور مولانا روح اللہ بن مولانا محب اللہ نے نحو میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا، مولانا علاء الدین فرنگی محلی (متوفی: ۱۲۴۲ھ) مولانا امین اللہ فرنگی محلی (متوفی: ۱۲۵۳) نے شرح رکاز الاصول کے نام سے کتاب لکھی، مولانا محمد شفیع نے اسباق الادب کے نام سے ایک کتاب لکھی۔

علامہ عبد الحی فرنگی محلی نے عربی زبان وادب کو اپنے رشحات قلم سے مالا مال کیا، علم

صرف میں التبیان شرح المیز ان، تکلمۃ المیز ان، امتحان الطلبۃ فی الصیغ المشکلۃ۔ علم نحو میں خیر الکلام، فی تصحیح کلام الملوک ملوک الکلام، إزالۃ الجمد عن إعراب أکمل الحمد، اور فن لغت میں تحفۃ الثقات فی تفاضل اللغات نامی کتابیں تصنیف کیں۔

علمائے فرنگی محلی اور ان کا شعری ذوق

شعر وشاعری کلام کی ایک معتبر صنف ہے، علمائے فرنگی محل کا عربی شعر وشاعری سے ربط بہت قوی تھا، چونکہ وہ اسلامی علوم کے ماہر تھے، قرآن وحدیث کی زبان کے رمز شناس تھے، شعر جاہلی کا مطالعہ گہرا تھا، اس لئے قوی امکان ہے کہ ان درس اشعار عرب کا کثرت سے استعمال کرتے ہوں گے، کیونکہ اس کے بغیر استدلال میں وزن پیدا ہونا مشکل ہے۔

علمائے فرنگی محل کے عربی اشعار اگر چہ نہیں ملتے، لیکن عربی شاعری سے ان کی خصوصی ذوق کا پتہ کئی واقعات سے چل سکتا ہے، ذکرہ علمائے فرنگی محل کے مؤلف مولانا محمد عنایت اللہ انصاری فرنگی محلی کی یہ عبارت خاص طور سے پڑھنے کے لائق ہے، جس میں انہوں نے جاہلی شاعر سموئل بن عادیاء کے ایک شعر کو برمحل استعمال کیا ہے، وہ رقمطراز ہیں کہ ”حضرت الاستاذ (قیام الدین والملۃ مولانا عبد الباری) کی وفات کے بعد مولانا عبد الباقی کی مدینہ شریف میں حاضری کی وجہ سے ہم بہت ہی بے دست ہوگئے، مگر ان پاک دعاؤں اور خاص طور سے قاسم علوم اولین وآخری صلی اللہ علیہ وسلم کی محترم ومستجاب دعا کی وجہ سے ہم مایوس نہیں ہیں، اور یقین کرتے ہیں، عربی شعر ہے۔

إذا سيد منا خلا قام سيد قؤول لما قال الكرام فعول

مولانا عبد الباریؒ ہی کی وفات کے موقع پر انہوں نے مرثیہ کا یہ شعر لکھا ہے۔

وما كان قيس هلكه هلک واحد ولكنه بنيان قوم تهدما

قیس کا مرنا صرف ایک آدمی کا مرنا نہیں، بلکہ پوری قوم کی بنیاد کا گرجانا ہے۔

انہی کے تذکرہ میں ایک جگہ رقمطراز ہیں:

حقيق بأن يقال فيه:

لايدرک الواصف المطری خصائصه وإن يک سابقا فی کل ماسبقا

ان اشعار سے علماءِ فرنگی محل کی عربی شعر وشاعری سے انسیت وتعلق خاطر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے دیوان الحماسۃ اور قصیدۃ بردۃ کی عمدہ شرح لکھ کر قابل قدر کارنامہ انجام دیا ہے۔

علمائے فرنگی محلی اور عربی زبان وادب کا اسلوب

علمائے بلاغت نے موضوعات کے لحاظ سے طرز ہائے نگارش کو الگ الگ خصوصیات کے ساتھ ذکر کیا ہے، علمائے فرنگی محل چونکہ بلاغت سے پورے طور پر واقف تھے، اس لئے انہوں نے زبان وبیان، سیرت وسوانح، تاریخ واخبار اور وعظ ونصیحت کے لحاظ سے مطابق حال اسلوب میں کتابیں تصنیف کی ہیں۔

سیرت نگاری کا اسلوب

سیرت نگاری میں ان کا اسلوب اس کے مزاج کے مطابق سہل، رواں، شستہ اور معلومات افزا ہے۔ اس کا اندازہ لگانے کے لئے مولانا عبدالباری کی یہ تحریر لائق استفادہ ہے ''ملا محمد اسعد بن القطب الشهيد وكان أكبر أبنائه الأربعة كان عالما فاضلاً جيداً عديم النظير تلمذ على أبيه وبرع في جميع الفنون وكانت له مهارة في كلام المتاخرين ولازم السلطان عالمگير صحبته وكان ملا معه في الدكن وتوفي هناک، ألف حاشية على الحواشي القديمة للدواني المتعلقة بشرح التجريد وهي تدل على مهارته وتنطق بقوة ملكته، ولذا بنا اسمه ملا غلام مصطفى'' (آثار الأول في تذکرۃ علماء فرنگی محل ص: ۵)۔

تاریخ نویسی کا اسلوب

تاریخ نویسی میں وہ اپنی طرف سے کوئی بات گڑھ کرنہیں پیش کرتے بلکہ حقیقت واقعہ کو بیان کرتے ہیں، کیونکہ تاریخ ان کے نزدیک قوموں کے عروج وزوال کی پوری ایک داستان ہے،فرنگی محل کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مولانا عبد الباری رقمطراز ہیں، اس عبارت سے ان کے تاریخ نویسی میں ان کی علمی قابلیت ولیاقت کا اندازہ ہوگا" ذكروا أن تاجرا من أهل فرنسا جاء مستامنا في الند زمن السلطان أكبر المذكور أشهر سلاطين المغلية ودخل لكهنؤ وبنى بها بيتا اشتهرت باسم حويلي فرنگي أو فرنگي محل فلما تمت مدة قيامه واستيمانة ترك الهند وصار مكانه نزولاً في بيت المال حسب قواعدهم ثم لما استشهد ملا قطب وأراد أبناؤهم أن ينقلوا عن وطنه إلى موضع آخر أعطاهم السلطان أورنگ زيب تلك الدار المشهورة بفرنگي محل فلما استوطنوا صار دارالعلم والعمل ولكن اسمها السابق لم يتبدل هذا هو الوجه الاصلي للتسمية بهذا الاسم، أما ما قال بعض التلامة من الافاغته وغيرهم أنه كان في الأصل فرهنگي اى الفهم ثم سقطت الهاء لكثرة الاستعمال فليس بشئ إلا أنه توجيه حسن لائق لهذه المدار والله أعلم بحقيقة الحال (آثار الاول فی تذکرۃ علما فرنگی محل ص: ۵)۔

اس عبارت میں اسلوب کی تمام قسموں میں تاریخ نویسی کے لئے موزوں قسم اسلوب علمی کو اختیار کیا گیا ہے، جو ماہرین بلاغت اور زبان وادب کے رمز شناسوں کے نزدیک معتبر ہے، اور مسجع عبارتوں کی وجہ سے ادبی چاشنی کی حامل ہے۔

مولانا عبدالحی: ذات میں انجمن

مولانا عبدالحی فرنگی محلی عربی زبان کے ایک گوہر آبدار کا نام ہے، انہوں نے عربی

زبان میں جو معتبر کتابیں تصنیف کی ہیں، وہ اہل زبان کے یہاں اعلیٰ معیار کی حامل ہیں، تمام عرب علماء نے ان کی عربی زبان دانی کی گواہی دی ہے۔ سچ کہا ہے کسی کہنے والے نے

وليس يصح في الأذهان شيئ   إذا احتاج النهار إلى دليل

انہوں نے فقہ وفتاوی، اصول حدیث، شرح وتعلیق کے لئے حلاوت وچاشنی والے اسلوب کو اختیار کیا ہے، حتی کہ خطبات جمعہ کے لئے انہوں نے ایک کتاب مرتب کی تو اس میں بھی اس پہلو کو ملحوظ رکھا، ذیل میں ان کے مجموعۃ الخطب کا ایک اقتباس نذر قارئین ہے۔

”عباد الله! إن الدنيا دار فناء لاتبقي فيها بقية، دار المحن والفتن، دار الاكدار والحزن، دار غدرت بالحسين والحسن، دار زينها الله تعالى لامتحان عباده من تركها كرمه ومن طلبها، سبحانه ما أعظم شانه“ (مجموعۃ الخطب ص ۱۲-۱۳)۔

اس عبارت سے اندازہ ہوتا ہے علامہ فرنگی محلی نے خطبہ کے لئے مروجہ الفاظ کو دہرانا پسند نہیں فرمایا، بلکہ اپنے خطبہ میں ایک پیغام دیا کہ دنیا امتحان وآزمائش کی جگہ ہے، مولانا کے یہ خطبات کئی لحاظ سے اہم ہیں۔

۱-خطبہ اولی اور خطبہ ثانیہ میں موقع ومحل کے لحاظ سے نئے مضامین جمع کئے گئے ہیں۔

۲-خطبے کی زبان مسجع ومقفع ہے، لیکن تکلف وتصنع سے بہت دور۔

۳-خطبے آیات قرآنیہ اور حدیث سے نہ صرف یہ کہ معمور ہیں، بلکہ حالات حاضرہ کی اور معاش ومعاد کی پوری ترجمانی کرتے ہیں۔

یہ خطبے مولانا نے ۱۳۰۳ھ میں مرتب کئے اور شائع ہوکر مقبول خاص وعام ہوئے۔

یہ مختصر تذکرہ تھا علمائے فرنگی محل کی عربی زبان وادب میں خدمات کا، اس سے یہ اندازہ لگانا قطعاً دشوار نہیں کہ علمائے فرنگی محل علوم شرعیہ میں مہارت وبراعت کے ساتھ ساتھ زبان وبیان پر پوری قدرت رکھتے تھے اور زبان خواہ کوئی بھی ہو، اس میں درک حاصل کرنا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے

تھے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ''کلموا الناس علی قدر عقولھم أتریدون أن یکذب اللہ ورسولہ''۔ لیکن اب زمانہ کے تقاضے بدل گئے ہیں، اس لئے زمانہ کی ضرورت کے لحاظ سے ان پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

وما توفیقی إلا باللہ علیہ توکلت وإلیہ أنیب

ورق تمام ہوا، مدح ابھی باقی ہے
سفینہ چاہئے، اس بحر بیکراں کے لئے

☆☆☆

فرنگی محل لکھنؤ کی شخصیات

مولانا عبدالحی حسنی (مصنف نزہۃ الخواطر) کی نظر میں

مولانا معاذ احمد کاندھلوی ندوی☆

ہندوستان کے مشاہیر واعلام کے تعارف وتذکرہ کی سب سے جامع کتاب عربی میں نزہۃ الخواطر کے نام سے سامنے آئی، جس کا پورا نام نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر ہے، اس کا آخری حصہ جو آٹھواں حصہ ہے اس کی تکمیل کا کام مصنف کے فخر عہد صاحبزادۂ گرامی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے انجام دیا، اور اس کا جدید ایڈیشن جو اس کا تصحیح شدہ ایڈیشن ہے ''الإعلام بمن في تاریخ الهند من الأعلام'' کے نام سے اپنے ادارے دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی سے بڑے اہتمام سے شائع کیا اور بعض جگہ بڑے مفید نوٹ بھی لکھے، اورانہی کی کوشش سے اس کا پہلا ایڈیشن دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد سے شائع ہوا تھا اور پھر پاکستان کے بعض مکتبات اور مطابع نے شائع کیا، اور بعض حصوں کا اردو ترجمہ بھی پاکستان میں شائع کیا گیا، چونکہ مصنف نزہۃ الخواطر مولانا سید عبدالحی حسنی رائے بریلی کا تلمذ واستفادہ علمائے فرنگی محل بالخصوص استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد نعیم فرنگی محل سے رہا تھا، اور مصنف کے خانوادۂ حسنی علم اللّٰہی کے متعدد افراد اور شخصیات نے بھی فرنگی محل سے استفادہ کیا تھا، اور بعض نے حضرت ملا نظام الدین فرنگی محلی کے شاگرد ملا عبداللہ امیٹھوی سے کسب فیض کیا تھا، اس لئے مصنف نے اپنے اوپر یہ حق سمجھا کہ فرنگی محل کے علماء واساتذہ، مشائخ ومصنفین اور

☆ استاذ شعبۂ عربی ادب مظاہر علوم سہارنپور۔

قائدین کا اپنی اس معرکۃ آراء کتاب میں اہمیت سے ذکر کریں، تلاش وجستجو سے ان شخصیات کا احاطہ کیا گیا تو ستر ۷۰ سے زائد وہ شخصیات نظر آئیں جن کا تعلق فرنگی محل کے خانوادۂ ایوبی انصاری سے ہے، کون جانتا تھا کہ اسلامی تقویم کے ہزارۂ اول کا آغاز اس خاندان کے مورث اعلیٰ سیدنا حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی میزبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا، اور پھر ہزارۂ دوم کی باد بہاری انہی کی نسل میں ایسے افراد کو جنم دے گی جو علم میں رسوخ اور دین میں تفقہ حاصل کرنے میں اپنی ساری توانائی صرف کردیں گے اور دین شریعت کو علمی تقویت پہونچانے کا وہ کام انجام دیں گے جس میں ان کی ہم سر کوئی دوسری جماعت نظر نہیں آتی، ایک ہزار سال گزرنے پر میزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ایسی معجزہ نما کرامت سامنے آئی جس نے لوگوں کو انگشت بدنداں کردیا۔ اور اس میں حضرت ملا نظام الدین فرنگی محلی کو اس کی نسبت سے جہاں عالمگیر شہرت حاصل ہوئی وہیں تصنیف وتالیف کے میدان میں علامہ عبدالحی فرنگی محلی نے وہ نام ومقام پیدا کیا کہ اس میدان میں ان کی جلالت شان امامت کی حیثیت کے ساتھ تسلیم کی گئی ہمولانا عبدالحی حسنی نے ان دونوں شخصیتوں کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے، اور ان الفاظ سے یاد کیا ہے جس سے وہ محبت وعقیدت ظاہر ہورہی ہے، جو کم ہی شخصیتوں کے سلسلہ میں ظاہر ہوئی ہے، مولانا طارق رشید صاحب ندوی فرنگی محلی خاص طور سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے نزہۃ الخواطر کے مختلف حصوں سے جو کہ آٹھ کے چار حصے ہیں ان شخصیتوں کے حالات یکجا کرنے کا اہتمام کیا اور اسے اپنے ادارے ''المجمع الثقافی للعلامۃ عبدالحی الفرنگی محلی لکھنؤ'' سے شائع کیا یہ شخصیات ۷۴ ہیں، اور ان کا تذکرہ تقریباً اسی صفحات میں آیا، مصنف نزہۃ الخواطر نے اپنی اس کتاب میں ان حضرات کے تذکرے میں یہیں کی ایک اہم شخصیت مولانا ولی اللہ فرنگی محلی کی کتاب ''اغصان اربعۃ'' سے خصوصیت سے استفادہ کیا ہے وہ اس کا اشارہ تذکرے کے ختم پر ''كمافي الأغصانِ الأربعة'' کرکے کرتے ہیں، اور مراجعت کے لئے اس کی طرف رہنمائی بھی کردیتے ہیں۔

مولانا عبد الحی حسنی نے اس کے علاوہ ''رسالۂ قطبیہ''، ''حدیقۃ المرام'' مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی ''آثارالاول'' اور ناروی کی ''تذکیرۃ العلماء'' وغیرہ سے بھی استفادہ کیا ہے، اور ان کا حوالہ دیا ہے، ان کتب وتصنیفات کے علاوہ ایک بڑا مصدر ان کے استاذ حضرت مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کی ذات گرامی بھی ہے، جن سے بعض حضرات کے احوال مصنف نزہۃ الخواطر نے خود سماعت فرمائے اور اس بات کا انہوں نے کئی مواقع پر ذکر کیا جیسے وہ مولانا عبد الرب فرنگی محلی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''واني سمعت شيخنا محمد نعيم بن عبد الحكيم بن عبد الرب اللكنوي يقول: إنه سافر مرةً إلى دلهي فلقي بها الشيخ عبد العزيز بن ولي الله الدهلوي فأكرمه الشيخ عبد العزيز وأضافه، انتهى

مولانا عبد الحی حسنی نے تذکروں میں فرق مراتب اور شخصیت کے امتیازی وصف کا خاص خیال رکھا اور وہ اس میں ابن خلکان وقت نظر آتے ہیں گویا انہوں نے ''وفیات الاعیان'' کی پیروی کی ہے، عموماً وہ علمائے فرنگی محل کے تذکرے ''الشیخ الفاضل'' سے شروع فرماتے ہیں، لیکن وہیں درمیان میں جب علامہ ہند بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی کا تذکرہ آتا ہے تو ان کا دریائے قلم جوش مارنے لگتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

الشيخ الإمام العالم الكبير العلامة عبد العلي بن نظام الدين بن قطب الدين بن عبد الحليم الانصاري السهالوي اللكنوي بحر العلوم ملك العلماء۔

جبکہ وہ اس میں اتنے محتاط ہیں کہ کسی شخصیت کے ساتھ الفاضل کے بجائے محض ''العالم'' پر اکتفا کرتے ہیں اور کہیں ''العالم'' کے ساتھ ''الصالح'' کی صفت بڑھاتے ہیں، اور ''الفاضل'' کے ساتھ ''الکبیر'' کی صفت کا اضافہ کرتے ہیں اور کہیں ''العالم'' کے ساتھ ''الفقیہ'' کا لفظ جوڑ دیتے ہیں، اور کہیں ''المفتی'' کا لفظ ''الفقیہ'' کے ساتھ لگاتے ہیں، جیسے مفتی محمد اصغر فرنگی محلی کے مدت العمر افتاء سے جڑے رہے تو ان کا تذکرہ ''الشیخ الفقیہ المفتی'' کے الفاظ سے

شروع کیا۔

صاحب ''اعصان اربعہ'' مولانا ولی اللہ فرنگی محلی کی کتاب سے انہوں نے خاص استفادہ کیا اس لئے ان کے علم وفضل کے جوہر ان پر زیادہ کھلے، ان کا اعتراف ''العلامۃ'' اور ''احد الأساتذۃ المشہورین'' کے لفظ سے کرکے بہت سے علماء پر ان کی فوقیت کی طرف اشارہ کیا ہے، یہی انہوں نے مفتی محمد یوسف فرنگی محلی کے ساتھ کیا لیکن ان کے لئے احد الأساتذہ کے بجائے ''احد العلماء المشہورین کا لفظ لائے ہیں، اور مزید ان کے لئے یہ تعبیر بھی اختیار کی کہ ''وکان من کبار الأساتذۃ''۔

رشد وصلاح کی کوئی بات کسی میں نمایاں محسوس کرتے ہیں تو اس کا بھی ذکر کردیتے ہیں تاکہ دوسرے لوگ اس صفت کو اختیار کریں جیسے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی جماعت سے نماز کے اہتمام کو اس طرح بیان کیا:

''وکان شدید المحافظة علی الصلوٰة بالجماعة سفراً وحضراً، لایسافر الا مع اثنین من الرفاق لیلا تفوته الجماعة حتی فی القطار، وکان مواظباً علی الأوراد والرواتب۔

محض مدح وتوصیف سے کام نہیں لیتے بلکہ کوئی چیز حد اعتدال سے ہٹتی دیکھی تو اس کی طرف بھی اشارہ کردیتے ہیں تاکہ اس میں اس شخصیت کو نمونہ نہ بنائیں۔

انہی مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وموی المزاج تعتریة الحدة فی أکثر الاحیان، ویغلب علیه الغضب فیتجاوز حد الاعتدال''۔

مولانا عبدالرزاق فرنگی محلی جن کے علم وفضل اور حق گوئی میں جرأت کا تذکرہ کیا ہے وہیں ان پر اس بات پر تنقید کی ہے کہ انہوں نے عرس کے موقع پر سماع وموسیقی کی بدعت جاری کی، اور یہ کہ وہ حضرت شاہ اسماعیل شہید کے سخت مخالف تھے، اسی طرح اپنے استاد مولانا فضل

اللہ فرنگی محلی کا تذکرہ کیا تو معقولات اور تدریس میں ان کی مہارت کو تسلیم کیا لیکن علوم شرعیہ کے بارے میں اس طرف بھی اشارہ کردیا کہ ''وكان قليل الخبرة بالعلوم الشرعية''۔

اپنے ایک رفیق درس مولانا عبدالباقی فرنگی محلی کا تذکرہ کیا تو بڑے لطیف انداز میں اپنے دو فرنگی محلی استادوں کا ذکر بھی کر گئے ہیں: جیسے کہ

''وقرأ شرح هداية الحكمة للميبذی علی مولانا فضل الله بن نعمة الله وهداية الفقه علی شيخنا محمد نعيم بن عبد الحكيم النظامي وكنت مشاركاً له، فی القراءة والسماع فی شرح هداية الحكمة وهداية الفقه''.

مولانا عبدالحمید فرنگی محلی کی عوام وخواص میں مقبولیت کا ان الفاظ میں اظہار کیا ہے۔

''حصلت له الوجاهة العظيمة فی عوام أهل البلدة ولقبته الدولة الإنكليزية ''شمس العلماء''۔

علمی خدمات میں قدوری پر ان کا حاشیہ الحل الضروری اور علامہ عبدالحی فرنگی محلی کی ''عمدۃ الرعایۃ'' کے تکملہ کا اور دوسری کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

مولانا عبدالحی حسنی اس کا التزام رکھتے ہیں کہ اگر صاحب تذکرہ، صاحب تصانیف ہے تو ان کی تصانیف کی طرف اشارہ کردیا جائے، اور اگر مختلف موضوعات پر اس کی کتابیں ہیں تو موضوع کا ذکر کر کے اس موضوع پر اس کی جتنی کتابیں ہیں انہیں گنا دیا جائے، یہ دوسرا طریقہ مولانا عبدالحی حسنی نے علامہ عبدالحی فرنگی محلی کے ساتھ خاص طور پر اختیار کیا ہے۔

اسی طرح علمی کمالات کے ساتھ باطنی محاسن واوصاف کا جوہر بھی ہے تو اس امتیاز کو بھی ظاہر کردیا جائے جیسے مولانا عبدالمجید فرنگی محلی کے تذکرے میں کیا ہے کہ:

''وله خبرة تامة بالفقه والأصول وبعض العلوم الحكمية مع التواضع وحسن الأخلاق ولذلک حبب إلی الناس وصار المرجع والمقصد ببلدته بعلم الفتوی والخطابة فی المصلیٰ، ولقبته الحكومة (شمس العلماء، له

مصنفات"۔

مولانا فضل اللہ صاحب جن سے مصنف نزہۃ الخواطر کو تلمذ کا شرف حاصل تھا، ان کے ممتاز ہونے میں ان کے والد مولانا نعمت اللہ کے طرز تدریس کی طرف اشارہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

"کان والدہ یجتھد کل الاجتھاد فی تدریسه ویقرر المسألة ویبالغ فیھا حتی تحفیظ کلھا"۔

آخری تذکرہ حضرت مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کا ہے جو کہ مصنف نزہۃ الخواطر کے استاد ہیں ان کے متعلق لکھا ہے "احد کبار العلماء" اور اس طرح تعریف کی ہے کہ:

"وکان عالماً کبیراً فقیھا اصولھا متکلما ناصحا مفیداً مع البر والدین والتودد والتواضع والحلم والأناة والاستقامة، وله اتم خبرة بأحوال الناس، وما یلیق بکل أحد منھم وما یناسبة وما لایناسبة ومجالسته ھی نزھة الأذھان والعقول بما لدیه منن الأخبار التی منشف الاسما ع"۔

علامہ عبدالحی فرنگی محلی کی خدمت میں اپنی حاضری بلکہ ایک بار سے زائد حاضری کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ "وانی حضرت بمجلسه غیر مرة، اور تعریف کی ہے "العالم الفاضل التحریر أفضل من بث العلوم فأروی کل ظمآن" اور ان کے کمالات کا خلاصہ اس طرح بیان کیا ہے، "والحاصل أنه کان من عجائب الابن ومن محاسن الھند، وکان الثناء علیه کلمة إجماع والإعتراف بفضله لیس فیه نزا ع"۔

اور حضرت ملا نظام الدین فرنگی محلی کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا ہے:

"الشیخ الإمام العالم الکبیر العلامة الشھیر صاحب العلوم والفنون وغیث الإفادة الھتون، العالم بالربع المسکون، أستاذ الاساتذة وإمام الجھابذة، الشیخ نظام الدین بن قطب الدین بن عبد الحلیم الأنصاری السھالوی ثم اللکنوی الذی تفرد بعلومه وأخذ لواء ھا بیده لم یکن لهٗ نظیر فی

زمانه فی الأصول والمنطق والکلام"۔

نزہۃ الخواطر میں جن اعلام فرنگی محل کا تذکرہ ہے نمونہ کے طور پر چند شخصیات سے متعلق صاحب نزہۃ الخواطر کے تأثرات پیش کیے جو فرنگی محل کی اس خصوصیت کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہیں کہ یہاں علم وعمل کی جامعیت کی برابر کوشش جاری رہی، اور ہر دور میں ایسے افراد سامنے آتے رہے جن سے ملت اسلامی اپنے معاملات میں رہنمائی حاصل کرتی رہی، اللہ سے دعا ہے کہ یہ چشمہ فیض بند نہ ہو جاری رہے۔

☆☆☆

تلخیص مقالہ

علماء فرنگی محل اور ان کے فتاوی کی خدمات

مولانا مجد القدوس خبیب رومی ☆

فرنگی محل کا ایوبی خاندان ایک منفرد و ممتاز علمی خانوادہ رہا ہے جس سے غیر منقسم ہندوستان کے مختلف مکاتب فکر و عمل کے علماء و فقہاء نے یکساں طور پر تحصیل علم و فقہ کیا ہے۔

علما فرنگی محل کے تین طبقے یادگار سلف گزرے ہیں جو اپنے اپنے وقت میں استاذ الہند، بحر العلوم، ملک العلماء، سلطان العلماء، عمدۃ العلماء، نجم العلماء، فضل العلماء، شمس العلماء، فخر الہند، استاذ الوقت وغیرہ کہلائے اور قاضی عدالت اور مفتی شہر قرار پائے ان میں ایک طبقہ تو ان حضرات فقہاء و اصولیین کا تھا جن کا مشغلہ شب و روز کتب فقہ و اصول فقہ کی تعلیم و تدریس اور تشریح و تحشیہ رہا۔ (جن کے کتب و رسائل اور حواشی کی تفصیل اور ان کا مختصر تعارف اصل مقالے میں ملاحظہ کیا جائے)۔

تیسرا طبقہ ان حضراتِ اہل علم و درس و تحقیق کا تھا جنہیں فرنگی محل کی آخری یادگار شخصیتیں قرار دیا جاسکتا ہے، جن کے فقہ و اصول فقہ سے متعلق کتب و رسائل اور مجموعۂ فتاویٰ مخطوطہ یا مطبوعہ شکل میں آج بھی ان کے حقیقی ورثہ کے پاس فرنگی محل میں موجود اور محفوظ ہیں، مثلاً مجموعۂ فتاویٰ مولانا محمد جنید عبد الباسط فرنگی محلیؒ (متوفی ۱۲۹۵ھ) مجموعۂ فتاویٰ فخر الہند علامہ عبد الحیٔ فرنگی محلیؒ (متوفی ۱۳۰۴ھ) مجموعۂ فتاویٰ شمس العلماء ملا محمد نعیم فرنگی محلیؒ (متوفی ۱۳۱۸ھ) فتاویٰ قیام الملۃ والدین مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ (متوفی ۱۳۴۴ھ)، فتاویٰ شمس العلماء مفتی عبد الحمید فرنگی محلیؒ (متوفی ۱۳۵۴ھ)، فتاویٰ قادریہ مفتی عبد القادر فرنگی محلیؒ (متوفی ۱۳۷۹ھ)، وغیرہ۔

☆ مظاہر علوم سہارنپور

علماءِ فرنگی محل جب سے لکھنؤ میں آباد ہوئے، سرکاری اور غیر سرکاری فتویٰ نویسی ان ہی کے سپرد رہی، شہر اور بیرونِ شہر سے ان کی خدمت میں استفتا آتے اور ان کے جوابات عموماً سرگروہ علماءِ فرنگی محل کے دستخط سے جاتے تھے۔ مفتی محمد یعقوبؒ فرنگی محل کے سب سے پہلے سرکاری مفتیٔ شہر مقرر ہوئے، یہ راجہ نول رائے (نائب صفدر جنگ) کی عدالت میں مسلمانوں کے معاملات کے شرعی فیصلے کرتے تھے ۱۷۵۰ء میں نظام عدالت درہم برہم ہوجانے کے بعد مفتی صاحب خانہ نشیں ہوگئے اور نجی طور پر فتوے دیتے رہے۔

البتہ حضرت ملا نظام الدین محمدؒ فرنگی محل کے اولین مفتی تھے۔

یہاں مفتیانِ فرنگی محل کی ایک فہرست بترتیب سنین وفات درج ذیل کی جاتی ہے۔

فرنگی محل کے منتخب مفتیانِ کرام ایک نظر میں

(جو مذہباً سنی، مسلکاً حنفی، کلاماً ماتریدی، مشرباً قادری (رزاقی)، فکراً نظامی اور نسبتاً فرنگی محلی تھے)

۱- ا-استاذ الہند ملا نظام الدین محمدؒ بانی درس نظامی (وفات ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء)

۲- ملا محمد یعقوب فرنگی محلیؒ

(۱۱۶۳ھ/ ۱۷۵۰ء تک حکومت اودھ کے مفتی رہے)

۳- ملا احمد ابو الرحم فرنگی محلیؒ

(اپنے والد مفتی محمد یعقوب فرنگی محلی کے بعد حکومت اودھ کے مفتی رہے)

۴- ملا حسن فرنگی محلیؒ (وفات ۱۲۰۹ھ/ ۱۷۹۴ء)

۵- بحر العلوم ملا عبد العلی محمد فرنگی محلیؒ (وفات ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ء)

۶- ملا محمد مبین فرنگی محلیؒ (وفات ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ء)

۷- ملا نور اللہ فرنگی محلیؒ (وفات ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۵ء)

۸- ملا عیسیٰ فرنگی محلیؒ (وفات ۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۴ء)

۹- ملا امین اللہ فرنگی محلیؒ (وفات ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء)

۱۰- ملا محمد اصغر فرنگی محلیؒ (وفات ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء)

۱۱- ملک العلماء ملا حیدر فرنگی محلیؒ (وفات ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء)

۱۲- ملا محمد معین فرنگی محلیؒ (وفات ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء)

۱۳- ملا عبدالواحد فرنگی محلیؒ (وفات ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء)

۱۴- ملا خادم احمد فرنگی محلیؒ (وفات ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۵ء)

۱۵- ملا ظہور علی فرنگی محلیؒ (وفات ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء)

۱۶- ملا نعیم اللہ فرنگی محلیؒ (وفات ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء)

۱۷- ملا عبدالحلیم فرنگی محلیؒ (وفات ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء)

۱۸- مفتی محمد یوسف فرنگی محلیؒ (وفات ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء)

۱۹- ملا نعمت اللہ فرنگی محلیؒ (وفات ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء)

۲۰- مفتی محمد جنید عبدالباسط فرنگی محلیؒ (وفات ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء)

۲۱- ملا محمد مہدی فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء)

۲۲- فخر الہند علامہ عبدالحیؒ فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء)

۲۳- ملا رحمت اللہ فرنگی محلیؒ (بانی چشمۂ رحمت غازی پور) (وفات ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء)

۲۴- مولانا عبدالرزاق فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء)

۲۵- مفتی ظہور حسن فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء)

۲۶- شمس العلماء ملا محمد نعیم فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء)

۲۷- مولانا عبدالوہاب فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء)

۲۸- مفتی لمعان الحق فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء)

۲۹- شمس العلماء ملا عبدالمجید فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء)

۳۰- مفتی محمد یونس فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء)

۳۱- مفتی محمد برکت اللہ فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء)

۳۲- مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء)

۳۳- شمس العلماء مفتی عبدالحمید فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۵۳ھ/ ۱۹۳۵ء)

۳۴- مفتی عنایت اللہ فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء)

۳۵- مفتی عبدالہادی فرنگی محلی (وفات ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء)

۳۶- مفتی محمد قطب الدین عبدالوالی فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۴ء)

۳۷- مفتی عبدالقادر فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ء)

۳۸- مفتی محمد صبغۃ اللہ شہید فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۴ء)

۳۹- مفتی عبدالقیوم محمد قائم فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۶۹ء)

۴۰- مفتی محمد ایوب فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء)

۴۱- مفتی ابو القاسم محمد عتیق فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء)

۴۲- مفتی محمد شفیع حجۃ اللہ فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء)

۴۳- مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلیؒ (وفات ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء)

الحاج ابو الطیب احمد میاں فرنگی محلی (ایم، اے)

(حال امام عیدگاہ وبانی دار العلوم فرنگی محل لکھنؤ)

اور مولوی خالد رشید ندوی حفظہ اللہ

(نائب امام عیدگاہ، فاؤنڈر اسلامک سینٹر آف انڈیا ہیں)

☆☆☆

دوسرا باب

علماء فرنگی محل کی چند ممتاز شخصیات

بحر العلوم حضرت مولانا عبد العلی فرنگی محلی

حیات وخدمات کے چند گوشے

عتیق احمد قاسمی ☆

ملا قطب الدین سہالوی شہید (۱۱۰۳ھ/ ۱۶۹۲ء) جو ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار تھے انہیں اللہ جل شانہ نے یہ خصوصی شرف بخشا کہ ان کے خانوادہ میں تسلسل کے ساتھ یہ کثرت علماء ومشائخ پیدا ہوتے رہے اور ڈھائی سو سال سے زائد عرصہ تک ان کے خاندان میں علم ومعرفت کی نہریں جاری رہیں، ملا قطب الدین شہید کی اولاد واحفاد میں اللہ جل شانہ نے برکت نازل فرمائی، چاروں صاحبزادگان کی نسلوں سے بے شمار علماء، مشائخ، حفاظ اور مفتیان کرام پیدا ہوئے اور ان کے ذریعہ درس وتدریس، تصنیف وتالیف، بیعت وارشاد کی ایسی گرم بازاری ہوئی کہ ہندوستان کا خطہ خطہ اور قریہ قریہ علماء فرنگی محل کی علمی ودینی خدمات سے روشن ہوگیا۔

علماء فرنگی محل کا نسبی تعلق میزبان رسول حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ دفین استنبول (ترکی) سے ہے، ان کا مزار آج بھی استنبول میں مرجع خلائق ہے اور ترکی کی اسلامیت کا عظیم رمز ہے، ملا قطب الدین سہالوی کو سہالی (ضلع بارہ بنکی، صوبہ اتر پردیش انڈیا) کے ان کے مکان میں جس طرح درندگی اور بربریت کے ساتھ شہید کیا گیا، اس کی تفصیل اس خانوادے کی تاریخ میں محفوظ ہے، مغل شہنشاہ عالمگیر کے دور میں یہ شرمناک حادثہ پیش آیا، اطلاع ملنے پر عالمگیر نے اس خانوادہ کو لکھنؤ میں رہائش کے لئے فرنگی محل نامی وسیع عمارت دی اور قاتلوں سے

☆ استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

قصاص لینے کا فرمان جاری کیا، ملا قطب الدین سہالویؒ کی اولاد نے قاتلوں کو معاف کرنے اور قصاص جاری نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا اس لئے قصاص کی سزا جاری نہ ہوسکی۔

ملا قطب الدین سہالوی کی مظلومانہ شہادت رنگ لائی، اور ان کے پسماندگان کی عفو ودرگزر کی روش اللہ جل شانہ کو پسند آئی اور اس خانوادہ پر دینی اور دنیوی برکتوں کی بارش ہونے لگی، ملا قطب الدین سہالوی کے چاروں صاحبزدگان (ملا محمد اسعد، ملا محمد سعید، ملا نظام الدین، ملا محمد رضا) کی اولاد و احفاد میں بڑی برکت ہوئی اور کئی سو سال تک ان کی نسلوں میں علماء، مشائخ، قضاۃ، مفتیان کرام اور خادمان دین متین پیدا ہوتے رہے۔

ملا قطب الدین شہید کے تیسرے فرزند ملا نظام الدین کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی شہرت وقبولیت سے نوازا، ان کا جاری کردہ نظام ونصاب تعلیم سکہ رائج الوقت بن گیا اور پورے برصغیر میں اس کا ایسا آوازہ بلند ہوا کہ شاید ہی کسی نصاب کے حصہ میں آیا ہو۔

انہیں کی اکلوتی اولاد بحر العلوم ملا عبد العلی فرنگی محلی تھے۔

بحر العلوم ملا عبد العلی فرنگی محلی کی تدریسی خدمات کی طرح ان کی تصنیفی خدمات بھی گراں قدر رہیں۔ ان کی زیادہ تر تصنیفات منطق، فلسفہ اور حکمت سے متعلق ہیں، دوسرے نمبر پر تصورف پر ان کی تحریریں ہیں۔ فقہ واصول فقہ پر ان کی تصنیفات چند ہی ہیں لیکن ان علوم میں ان کی گہرائی اور گیرائی کی شاہد عدل ہیں۔

مولانا یوسف کوکن عمری نے اپنی کتاب ''بحر العلوم'' میں ملا عبد العلی کی ۲۳ کتابوں کا ذکر کیا ہے، ان کتابوں کے ناموں کا ہم فوارذ کر کرتے ہیں:

۱- رسائل الارکان (فقہ) عربی زبان میں

۲- فواتح الرحموت فی شرح مسلم الثبوت (اصول فقہ) عربی زبان میں

۳- تنویر المنار (اصول فقہ) فارسی زبان میں

۴- شرح مثنوی مولانا روم (تصوف) فارسی زبان میں

۵ - وحدت الوجود (تصوف) فارسی زبان میں

۶ -تنزلات ستۃ (تصوف)

۷ -شرح فص نوحی من فصوص الحکم (تصوف)

۸ - رسالۃ الصغری فی السلوک (تصوف)

۹ -شرح سلم العلوم مع الحواشی (منطق) عربی زبان میں

۱۰ - الحاشیۃ علی حاشیۃ میر زاہد علی الرسالۃ القطبیۃ (منطق)

۱۱ - الحاشیۃ علی حاشیۃ میر زاہد علی ملا جلال (منطق)

۱۲ -شرح الضابطۃ (منطق)

۱۳ - الحاشیۃ علی الصدرا (فلسفہ)

۱۴ -تعلیقات علی الافق المبین (فلسفہ)

۱۵ - العجالۃ النافعۃ (فن الہیات)

۱۶ - الحاشیۃ علی حاشیۃ میر زاہد علی شرح مواقف (کلام

۱۷ - الحاشیۃ علی المشناۃ بالتکرار (حکمت)

۱۸ -شرح مقامات المبادی (حکمت)

۱۹ -شرح المجسطی (ہیئت)

۲۰ - رسالۃ فی تقسیم الحدیث (اصول حدیث)

۲۱ -شرح فقہ اکبر (کلام)

۲۲ -ہدایت الصرف (علم صرف)

۲۳ - احوال قیامت (اسلامیات) فارسی زبان میں

مولانا یوسف کوکن عمری نے ''بحر العلوم'' میں مذکورہ بالا کتابوں کا مختصر تعارف کرایا ہے اور یہ بھی نشاندہی کی ہے کہ کون سی کتابیں مطبوعہ ہیں اور کون غیر مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کے

نسخوں کے بارے میں وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان کے نسخے کن کتب خانوں میں ہیں (ملاحظہ ہو ''بحر العلوم'' ۲۸ تا ۳۴)۔

مولانا یوسف کوکن عمری نے تصنیفات بحر العلوم کا احاطہ کرنے کی اچھی کوشش کی ہے اگرچہ بعض تصنیفات کا ذکر آنے سے رہ گیا ہے، مثلاً ان کے والد ماجد ملا نظام الدین نے علامہ ابن ہمام کی اصول فقہ میں مشہور کتاب تحریر الاصول کی جو شرح تحریر فرمائی وہ نا تمام رہ گئی تھی، بحر العلوم ملا عبد العلی نے اس شرح کی تکمیل فرمائی، شرح کا بڑا حصہ بحر العلوم ہی کے قلم سے ہے، شرح تحریر الاصول کا ذکر اس فہرست میں نہیں ہے، اس کا قلمی نسخہ خانوادہ قاضی بدر الدولۃ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

بحر العلوم کی فہرست تصنیفات سے یہ بات واضح ہے کہ ان کی زیادہ تر تصنیفات منطق وفلسفہ اور حکمت والٰہیات پر ہیں، ان کا دوسرا پسندیدہ موضوع تصوف واحسان ہے، تصوف پر ان کی کتابوں کی تعداد چھ ہے، اس کے بعد اصول فقہ کا نمبر آتا ہے انھوں نے اصوف فقہ کے تین مشہور متون کی فاضلانہ شرحیں تحریر فرمائیں، ملا محبّ اللہ بہاری کی کتاب مسلم الثبوت کی عظیم الشان شرح فواتح الرحموت کے نام سے تصنیف فرمائی، یہ شرح عربی زبان میں ہے اور دور حاضر کے علمی حلقوں میں بحر العلوم کا تعارف زیادہ تر اسی کتاب کی وجہ سے ہے، فواتح الرحموت امام غزالی کی المستصفی کے ساتھ بار بار شائع ہوچکی ہے اور اصول فقہ کی متداول کتابوں میں ہے، بہت سے نادر مباحث اور افادات پر مشتمل ہے اور اصول فقہ میں بحر العلوم کی غواصی اور کامل مہارت کی شاہد عدل ہے۔

اصول فقہ میں بحر العلوم کی دوسری تصنیف امام نسفی کے مشہور متن منار الانوار پر ان کی فارسی شرح تنویر المنار ہے جو شائع ہوچکی ہے۔

اصول فقہ پر بحر العلوم کی تیسری کتاب علامۃ ابن ہمام کے متن تحریر الاصول کی عربی شرح ہے، اس شرح کا آغاز ملا نظام الدین نے فرمایا تھا لیکن اس کی تکمیل ان کے نامور

صاحبزادہ بحرالعلوم ملا عبد العلی کے قلم سے ہوئی، یہ کتاب اب تک زیورطبع سے آراستہ نہیں ہوئی ہے لیکن اس کے قلمی نسخے متعدد جگہوں پر موجود ہیں اس شرح کا حق ہے کہ اس کی علمی خدمت کر کے تحقیق وتعلیق کے ساتھ اہتمام سے شائع کیا جائے۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ماہنامہ الندوہ کے ۱۳۲۵ھ (۱۹۰۷ء) کے دو شماروں (ربیع الثانی، جمادی الاولی ۱۳۲۵ھ) میں بحرالعلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی کے حالات اور شخصیت پر ایک طاقتور مضمون لکھا، اس وقت سید صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے نئے نئے فارغ ہوئے تھے، ان کی عمر بائیس (۲۲) سال تھی، اس مضون کا عنوان تھا ''مولانا بحرالعلوم اور ان کی ایک صدی کی سالگرہ'' اس مضمون میں سید صاحب نے بڑے بلند الفاظ میں بحرالعلوم کا تعارف کرایا ہے اور ان کی خدمات اور علمی مقام پر بھرپور روشنی ڈالی ہے، اسلوب نگارش میں نوجوانی کا جوش وخروش نمایا ہے، مضمون کی تمہیدی سطروں کے اخیر میں لکھتے ہیں:

''ہندوستان کے مطلع پر چھ سو برس تک اسلامی ہلال چمکتا رہا، اس عرصہ میں آسمان علم کے سیکروں ستارے نکلے اور ڈوبے اور سیل علوم بڑھے اور گھٹے مگر بحرالعلوم اس شان سے معقولات کے افق پر طلوع ہوا کہ اکثر ستارے اس کے آگے ماند پڑ گئے اور اس جوش سے منقولات کے ساحل پر لڈا کہ تحقیق کے دفتر سے ہنر شناسان فن کے نام مٹا ڈالے، ۱۲۲۵ھ میں بحرالعلوم نے وفات پائی اور یہ ۱۳۲۵ھ ہے، اس تقریب سے یہ مضمون بحرالعلوم کی ایک صدی سالگرہ کی یادگار ہے، جس کے لکھنے کا حق سب سے زیادہ ندوہ اور الندوہ کو ہے'' (الندوہ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ ص: ۲۲-۲۳)۔

سید صاحب کے اس مضمون کے کچھ اقتباسات زیر تحریر مضمون میں نقل کیے جائیں گے، اس وقت حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے ایک دوسرے مضمون ''فرنگی محل اور علم حدیث'' کے بعض مشتملات پر خصوصا بحرالعلوم کی دو کتابوں رسائل الارکان اور فواتح الرحموت کے تحلیل وتجزیہ سے متعلق سید صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا اختصار کے ساتھ جائزہ لینا ہے۔

اپنے اس مضمون کا آغاز ہی سید صاحب نے جس انداز سے کیا ہے اس پر علماء فرنگی محل

کو خاصا اعتراض ہے۔ سید صاحب لکھتے ہیں:

’’لکھنؤ میں فرنگی محل کا علمی مرکز عالمگیر کے عہد میں قائم ہوا، ملا قطب الدین اور ملا نظام الدین رحمہما اللہ کے عہد سے لے کر مولانا عبدالحلیم رحمۃ اللہ علیہ تک اس خانوادۂ فضل وکمال کی علمی کاوشوں کا جولانگاہ منطق اور اصول کی کتابیں رہیں، اور تعجب ہے کہ اس قدر طویل زمانہ تک ہندوستان کی یہ مشرقی درسگاہ حدیث کے ترانۂ قدس سے ناآشنا رہی۔ بزرگوں سے جو کچھ سنا ہے وہ یہ ہے کہ درس نظامی میں صرف مشکوٰۃ داخل تھی اور وہی پڑھائی جاتی تھی، یہ بھی سنا ہے کہ فرنگی محل میں صحیح بخاری کے پندرہ پارے موجود تھے، مگر وہ صرف تبرکاً رکھے رہتے تھے‘‘ (مقالات سلیمان حصہ دوم ۵۵)۔

اس سے انکار مشکل ہے کہ علماءِ فرنگی محل کی تصنیفی اور تدریسی صلاحیتیں زیادہ تر منطق، فلسفہ اور اصول فقہ میں صرف ہوئیں لیکن یہ بات بہر حال مبالغہ آمیزی سے خالی نہیں ہے کہ ’’اس قدر طویل زمانہ تک ہندوستان کی یہ مشرقی درسگاہ حدیث کے ترانۂ قدس سے ناآشنا رہی‘‘۔

حضرت سید صاحب نے مذکورہ بالا اقتباس میں دو باتیں سنی سنائی درج فرمائی ہیں یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ کس سے سنا ہے اور ان باتوں کا ماخذ کیا ہے، ظاہر ہے کہ علمی بحث وتحقیق کے میدان میں اس طرح کی سنی سنائی باتیں قابل استدلال نہیں ہوتیں۔

فرنگی محل کے ایک محقق عالم مولانا عبدالباقی انصاری ہیں جو حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے مخصوص شاگردوں میں سے ہیں، انھوں نے مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے رسالہ ’’خیر العمل بذکر تراجم علماءِ فرنگی محل‘‘ کا تکملہ بھی لکھا ہے اور علماءِ فرنگی محل کے حالات میں ان کی متعدد کتابیں ہیں انھوں نے اپنی کتاب ملا نظام الدین کے نصاب درس کی جہاں تفصیل لکھی ہے وہاں یہ بھی صراحت فرمائی ہے کہ ملا نظام الدین صحیح بخاری کا بھی درس دیتے تھے، چنانچہ ملا نظام الدین کے نصاب درس کو تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

ثم مشكاة المصابيح وشرح الجلال للعقائد العضدية وكان يدرس

صحیح البخاری وفصوص الحکم (برکۃ العمل فی تراجم اہل محلۃ فرنگی محل ص:۵۵، مخطوطہ)۔

مولانا محمد رضا فرنگی محلی نے اپنی کتاب ''بانی درس نظامی استاذ الہند ملا نظام الدین محمدؒ فرنگی محلی''، میں بہت تفصیل سے حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کے مذکورہ بالا اقتباس کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے اور متعدد قدیم حوالوں سے یہ بات ثابت کی ہے کہ ملا نظام الدین فرنگی محلی صحیح بخاری کا بھی درس دیتے تھے اور ان کے نصاب درس میں صحیح بخاری شامل تھی (ملاحظہ ہو بانی درس نظامی ۲۶۶-۲۷۶)۔

بحر العلوم ملا عبد العلی کے بارے میں علامہ سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں:

''علماء فرنگی محل میں سب سے پہلی ہستی جن کی تصنیفات کتب حدیث کے حوالوں سے لبریز ہیں وہ مولانا عبد العلی بحر العلوم خلف الصدق ملا نظام الدین کی ذات ہے، مگر یہ بہ تحقیق معلوم ہوا ہے کہ ان کو حدیث کی کتابوں کی باقاعدہ سند حاصل نہ تھی اور اس کا کہیں ذکر ان کے حالات وتصنیفات میں نہیں ملتا، بلکہ علوم کی فراغت کے بعد انھوں نے محدثین کی کتابیں پڑھ کر اس فیض کو از خود حاصل کیا تھا......

مولانا بحر العلوم کی دو تصنیفات ارکان اربعہ فقہ اور فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت اصول میں ایسی کتابیں ہیں جن میں کتب احادیث کے حوالے بکثرت ہیں یہاں پر دو باتیں قابل بحث ہیں، مولانا کو یہ کتابیں کہاں ملیں اور ان میں سے اصلاً کون کون کتابیں سی ملیں۔

پہلی بات کے متعلق یہ یقینی ہے کہ لکھنؤ کے قیام کے زمانہ میں یعنی ۱۱۷۲ھ یا ۱۱۷۳ھ تک جب مولانا کی عمر ستائیس اٹھائیس سال کی تھی یہ کتابیں نہیں لکھی گئیں اور نہ لکھنؤ میں تالیف پائیں......انصاف اربعہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ مولانا کی اکثر تصنیفات شاہجہانپور ہی کے زمانہ قیام میں تالیف پائی ہیں اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ نواب شاہجہانپور حافظ الملک رحمت خاں نے ایک بڑا کتب خانہ بھی فراہم کیا تھا، اور یہ سرمایہ بعد میں رامپور میں منتقل ہوا، ان وجوہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا بحر العلوم کو اسی کتب خانہ میں کتابیں ملیں۔

دوسرے سوال کا جواب کچھ زیادہ اہم نہیں، ارکان اربعہ میں جو کچھ ہے اس کا ماخذ دو کتابیں ہیں، اس کی اصل بنیاد تو علامہ ابن ہمام کی فتح القدیر (شرح ہدایہ) پر ہے۔فتح القدیر میں تمام کتب حدیث کے اقتباسات اور حوالے موجود ہیں، اور انہیں مباحث اور حوالوں کا خلاصہ ارکان اربعہ ہے، اس کے علاوہ دوسرا ماخذ مختلف احادیث کا ایک مشہور مجموعہ جامع الاصول ہے، جس کا مولانا نے بارہا اس میں حوالہ دیا ہے اور اس سے حدیثیں نقل کی ہیں۔فواتح الرحموت کی تصنیف کے وقت مولانا کے سرمایہ میں اور اضافہ ہوگیا ہے اس وقت ابن ہمام کی فتح القدیر اور تحریر فی الاصول کے علاوہ ابن حجر اور سیوطی کی کتابیں بھی ان کو مل گئی تھیں، چنانچہ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری شرح صحیح بخاری اور جلال الدین سیوطی کی تفسیر درمنثور اور الاتقان فی علوم القرآن کے حوالے بکثرت ان کی اس کتاب میں ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ''سیوطی کی یہ دونوں کتابیں ہندوستان میں اس زمانہ میں پہنچ چکی تھیں، میر غلام علی آزاد کی تالیفات میں بھی ان دونوں کتابوں کے حوالے ہیں۔

کتب حدیث اور ان کی روایتوں کے حوالے جس طرح فواتح الرحموت میں آئے ہیں ان سے بالیقین معلوم ہوتا ہے کہ صحیح بخاری و مسلم مولانا کے مطالعہ میں تھی اور دیگر کتب حدیث کی روایتیں بالواسطہ اور زیادہ تر درمنثور اور اتقان سے ماخوذ ہیں اور مولانا نے اکثر خود اس واسطہ کا ذکر کردیا ہے'' (مقالات سلیمان ۲/۵۶-۵۸)۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ علیہ کے مقالہ کے کچھ طویل اقتباسات آپ کے سامنے پیش کیے گئے، کیونکہ بحرالعلوم کی اہم تالیفات ارکان اربعہ اور فواتح الرحموت کے بارے میں چند اہم حقائق پیش کرنے کے لئے ان اقتباسات کو سامنے لانا ضروری تھا، نیز سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جو چند تسامحات اس سلسلے میں ہوئے ان کی نشاندہی بھی ضروری۔

ان دونوں کتابوں کی تصنیفی ترتیب کے بارے میں حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہ ہے کہ پہلے ارکان اربعہ لکھی گئی، اس کا اصل ماخذ فتح القدیر ہے اور دوسرا ماخذ جامع

الاصول ہے، فواتح الرحموت ارکان اربعہ کے بعد لکھی گئی، اس وقت مولانا کے کتابی سرمایہ میں اور اضافہ ہوگیا تھا، حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری شرح صحیح البخاری اور علامہ سیوطی کی درمنثور اور الاتقان بھی فواتح الرحموت کی تصنیف کے وقت بحر العلوم کے پیش نظر تھیں، نیز صحیح بخاری اور صحیح مسلم بالیقین مولانا بحر العلوم کے مطالعہ میں تھیں۔ حضرت سیدؒ صاحب سے یہاں زبردست چوک ہوئی ہے۔

فواتح الرحموت تو کتاب کا تاریخی نام ہے جس سے اس کا سن تالیف ۱۱۸۰ھ طے ہوجاتا ہے، یہ بحر العلوم کے قیام شاہجہانپور کا زمانہ ہے اور ارکان اربعہ یا رسائل الارکان کی تالیف اس سے پہلے کی نہیں بلکہ اس کے بعد کی ہے اس کی قطعی دلیل یہ ہے کہ بحر العلوم نے رسائل الارکان میں جگہ جگہ فواتح ارحموت کا حوالہ دیا ہے اور لکھا ہے کہ ہم یہ بحث تفصیل سے فواتح الرحموت میں کرچکے ہیں، مثلاً کتاب کے ابتدائی صفحات میں صفحہ ۴ پر وضوء کے دوسرے فرض (کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کو دھونا) پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

وقد بينا نبذا منه في شرح المسلم (ہم نے اس کی کچھ بحث مسلم کی شرح میں کی ہے)۔

کتاب کے صفحہ ۹ پر تحریر فرمایا ہے:

وقد اشبعنا الكلام في المسئلتين في فواتح الرحموت شرح المسلم (ہم نے ان دومسئلوں پر مسلم الثبوت کی شرح فواتح ارحموت میں سیر حاصل گفتگو کی ہے)۔

رسائل الارکان کے صفحہ ۲۰ پر مس ذکر کی بحث میں مروان کی روایت قبول کیے جانے یا نہ کیے جانے پر بحث کرنے کے بعد لکھا ہے:

وعند محققي مشائخنا لاتقبل رواية اصلا وهو الحق وقد بينا في فواتح الرحموت شرحنا للمسلم (ہمارے محقق مشائخ کے نزدیک اس کی روایت بالکل نہیں قبول کی جائے گی، اور یہی حق ہے اور اس کو ہم نے فواتح الرحموت میں واضح کردیا ہے جو مسلم

پر ہماری شرح ہے)۔

ہمارا احساس ہے کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنا مضمون ''فرنگی محل اور علم حدیث'' لکھنے سے پہلے فواتح الرحموت کا تو کسی قدر تفصیلی مطالعہ فرمایا لیکن رسائل الارکان کے بالکل سرسری مطالعہ پر اکتفا فرمایا، انھیں تفصیل کے ساتھ رسائل الارکان پڑھنے کا موقع نہ مل سکا، ورنہ ان جیسے دقیق النظر اور محقق شخص سے فواتح الرحموت کے بار بار کے حوالے اوجھل نہ رہ جاتے اور انھیں یہ غلط فہمی نہ ہوتی کہ فواتح الرحموت رسائل الارکان سے بعد کی تصنیف ہے۔

جب یہ بات محقق ہوگئی کہ رسائل الارکان کی تصنیف فواتح الرحموت کے بعد عمل میں آئی تو یہ حقیقت بھی آئینہ ہوگئی کہ فواتح الرحموت کی تصنیف کے وقت جو مراجع بحر العلوم کے پیش نظر تھے (جن کا ذکر سید صاحب نے اپنے مضمون میں کیا ہے) وہ لازماً رسائل الارکان کی تصنیف کے وقت بھی پیش نظر رہے ہوں گے، ان مراجع میں کمی ہونے کا تو سوال نہیں اضافہ ہی کی امید ہے، پھر یہ کہنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ ارکان اربعہ کا ماخذ دو کتابیں ہیں فتح القدیر اور جامع الاصول پھر طرفہ یہ ہے کہ خود سید صاحب نے بھی یہ بات لکھی ہے کہ اسی کتاب پر شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے انہیں بحر العلوم کا خطاب عنایت فرمایا، علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

''متعدد طریقوں سے یہ روایت سنی ہے کہ مولانا عبد العلی (بحر العلوم) کی جب عقلی تصنیفات دلی میں مولانا شاہ عبد العزیز صاحب کی خدمت میں پہنچیں تو حضرت شاہ صاحب نے دیکھ کر فرمایا: کہ دینیات سے کورے ہیں، یہ سن کر مولانا عبد العلی نے فقہ میں ارکان اربعہ لکھ کر بھیجی، جس میں محققانہ مسائل پر بحث اور احادیث کے حوالے ہیں، اس کو دیکھ کر شاہ صاحب نے فرمایا: اخاہ ملا عبد العلی تو بحر العلوم ہیں'' (مقالات سلیمان ۲/۵۶)۔

سید صاحب کی اس بات پر بھی رد وقدح کی گئی ہے کہ ملا نظام الدین اور ملا عبد العلی بحر العلوم کے پاس حدیث کی سند نہیں تھی، مولانا رضا انصاری نے اس پر کافی نقد کیا ہے، جب ملا نظام الدین کے نصاب درس میں مشکوۃ اور صحیح بخاری شامل تھی اور ملا صاحب کے ایک استاذ

حضرت شاہ غلام نقشبندی حدیث کا درس دیتے تھے اور سند بھی عطا کرتے ہیں تو یہ بات مستبعد معلوم ہوتی ہے کہ ملا نظام الدین نے حدیث کی سند حاصل نہ کی ہو جب کہ وہ خود مشکوٰۃ اور بخاری کا درس دیا کرتے تھے، اسی طرح ملا عبد العلی بحر العلوم جن کی رسائل الارکان احادیث کے حوالوں سے لبریز ہے اور جنھوں نے حدیث کی قسموں پر رسالہ لکھا ہے ان کے بارے میں یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ انھوں نے حدیث کی سند حاصل کرنے سے بالکل بے اعتنائی برتی ہو۔

علم فقہ میں بحر العلوم کی ایک ہی تصنیف ہے اور وہ ہے رسائل الارکان، اس کتاب کا موضوع اسلام کے چار بنیادی ارکان نماز، زکوۃ، روزہ اور حج ہیں، نماز کی تمہید کے طور پر طہارت پر تفصیلی گفتگو ہے، یہ کتاب اگر چہ متعدد بار چھپ چکی ہے لیکن علمی حلقوں میں اس کتاب کا خاطر خواہ تعارف نہیں ہو سکا، لیتھو پر یہ کتاب بڑی سائز کے ۲۸٦ صفحات میں چھپی اور ہندوستان میں کسی حد تک اس کا تعارف بھی ہوا لیکن بلاد عربیہ اب بھی اس کتاب سے ناواقف ہیں کیونکہ ہمارے علم کی حد تک ابھی تک بلاد عربیہ میں اس کی اشاعت نہیں ہوئی ہے۔

رسائل الارکان بحر العلوم کی شاہکار تصنیف ہے، یہ کتاب فقہ، اصول فقہ نیز حدیث اور علوم حدیث میں بحر العلوم کی مہارت، غواصی اور ژرف نگاہی کی شاہد عدل ہے، انھوں نے تقریباً ہر مسئلہ میں کتاب وسنت کے دلائل کا التزام کیا ہے، ائمہ مجتہدین کے اقوال کے دلائل کو تحقیقی انداز میں اجاگر کیا ہے، فقہ حنفی کے مختلف اقوال وروایات کا ذکر کر کے اپنی ترجیحات بھی متعین کی ہیں اور بڑے اصولی اور مجتہدانہ انداز میں اپنی ترجیح کے دلائل دیے ہیں، یہ کتاب مجتہدانہ شان رکھتی ہے، اس کے مطالعہ سے استنباط احکام کا ملکہ پروان چڑھتا ہے، مولانا یوسف کوکن عمری نے اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

"اس میں نماز، روزہ، زکوۃ، حج کے مسائل قلمبند کیے ہیں، یہ کتاب اپنے زمانہ کے متن، شرح اور حواشی کے اسلوب سے بالکل الگ ہو کر لکھی ہے۔ حنفی نقطۂ نظر سے مدلل طور پر مسائل فقہی کا بھی استنباط کیا ہے، یہ کتاب بعض مدارس عربیہ میں پڑھائی جاتی تھی، اور اب بھی اس قابل ہے کہ فقہ

کے نصاب میں درسی کتاب کی حیثیت سے پڑھائی جائے، کاش یہی اسلوب دوسرے فنون کے متعلق بھی اختیار کیا جاتا تو ان کتابوں کی افادیت بھی بڑھ جاتی، طلبہ متن، شرح اور حواشی کے پر پیچ دلدلوں میں پھنسنے کے بجائے براہ راست مسائل و دلائل سے واقف ہوجاتے یہ کتاب کئی مرتبہ شائع ہوچکی ہے۔ اس کے نسخے مختلف جگہوں پر پائے جاتے ہیں'' (بحر العلوم ۲۹-۳۰)۔

واقعہ یہ ہے کہ رسائل الارکان یا ارکان اربعہ کے ساتھ وہ اعتناء نہیں کیا گیا جس کی یہ کتاب مستحق تھی، غالباً اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ اس میں نرا تقلیدی انداز نہیں ہے بلکہ بحر العلوم کی اجتہادی شان اس کتاب میں بہت نمایاں ہے،۔ بحر العلوم نے اس کتاب میں مسائل کو کتاب وسنت کے دلائل پر پیش کیا ہے، تصحیح وترجیح کی بزم سجائی ہے اور بعض مسائل میں فقہ حنفی سے عدول کر کے بعض دوسرے ائمہ کے مسالک کو ترجیح دی ہے، رسائل الارکان کا تحقیقی مطالعہ مقالہ نہیں بلکہ ایک کتاب چاہتا ہے، یہاں ہم اختصار کے ساتھ اس کتاب کی چند خصوصیات پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

رسائل الارکان کی سب سے اولین خصوصیت اس کا تحقیقی اور استدلالی انداز ہے یہ کتاب نہ فقہی متن ہے نہ کسی فقہی متن کی شرح، بلکہ اپنے انداز کی ایک اچھوتی کتاب ہے جس میں چاروں ارکان (نماز، زکوۃ، روزہ، حج) کے مسائل پر وسعت اور گہرائی کے ساتھ بحث کی گئی ہے اگر چہ اس کتاب میں علامہ ابن ہمام کی فتح القدیر شرح ہدایہ سے بہت استفادہ کیا گیا ہے لیکن اس کتاب کو ابن ہمام کی فتح القدیر کے مباحث کا خلاصہ قرار دینا اس کے ساتھ بڑی زیادتی ہے، مصنف کے پیش نظر صرف فتح القدیر اور جامع الاصول ہی نہیں بلکہ بہت سی کتب حدیث اور شروح حدیث، نیز فقہ واصول فقہ کی انتہائی اہم کتابیں ان کے مراجع میں شامل ہیں، جیسا کہ کتاب کے مباحث سے عیاں ہے، پھر بحر العلوم صرف ناقل نہیں ہیں بلکہ اکثر مقامات پر اپنا نقد ونظر اور اپنی ترجیح بھی پیش فرماتے ہیں، ابن ہمام سے بہ کثرت نقل کرنے کے باوجود وہ ان کے دلائل اور ترجیحات پر باوزن تنقید بھی فرماتے ہیں، اسی طرح اکثر مسائل میں وہ حنفیہ کی

وکالت وترجمانی کرنے کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں حنفیہ پرنقد کرتے ہیں اور ان کے دلائل کو کمزور قرار دے کر کسی اور فقہی مسلک کی ترجیح کی طرف میلان ظاہر فرماتے ہیں، ان سب چیزوں کی اگر تفصیلی مثالیں دی جائیں تو مقالہ تنگ دامانی کا شکایت کرے گا، اس لئے دو چار نمونے پیش کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔

وضوء کے تیسرے فرض سر کے مسح کے بارے میں بحر العلوم نے مختلف ائمہ فقہ کے مسالک اور دلائل پر بحث کرتے ہوئے بالکل معروضی انداز میں ائمہ کے دلائل پر گفتگو کی ہے، حنفیہ نے چوتھائی سر کا مسح فرض ہونے پر جن دو طریقوں سے استدلال کیا ہے انہیں بحر العلوم نے مخدوش قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو کتاب کا ص: ۴، ۵)۔

وضوء میں تسمیہ کے حکم کے بارے میں بحر العلوم نے فقہاء کے مسالک اور دلائل کا ذکر فرمایا، ابن ہمام کے اس رجحان کا ذکر فرمایا کہ تسمیہ فرض نہیں لیکن واجب ہے، پھر بحر العلوم نے ابن ہمام کی اس رائے پر نقد فرمایا اور تسمیہ کے سنت ہونے ہی کو ترجیح دیا (ص: ۹، ۱۰)۔

پانی کی طہارت اور نجاست کے مسئلہ میں بحر العلوم نے مختلف ائمہ کے مسالک اور دلائل پر گفتگو کرتے ہوئے امام مالک کے مسلک کو ترجیح دی ہے وہ لکھتے ہیں:

والاشبه عندی نظراً الی الدلیل قول الامام مالک لان حدیث الماء طهور لاینجسه شئ صحیح ثابت بلاشبهة (ص: ۲۸)۔

اس کے بعد علامہ بحر العلوم نے ان دلائل کا رد کیا ہے جو امام مالک کے مسلک کے خلاف اور حنفیہ اور شافعیہ کی تائید میں پیش کیے جاتے ہیں۔

طریقۂ تیمم کے مسئلہ میں کہ ایک ہی بار زمین پر ہتھیلی مار کر چہرہ اور ہاتھوں دونوں کا مسح کیا جائے گا یا دوبار زمین پر ہتھیلی مار کر ایک بار چہرہ کا مسح کریں گے دوبارہ دونوں ہاتھوں کا علامہ بحر العلوم نے امام احمد کے مسلک کو روایات اور دلائل کی روشنی میں ترجیح دی ہے اور لکھا ہے:

والاشبه عندی ما قال الامام احمد بوجهين (ص: ۳۴-۳۵)۔

سرسری طور پر یہ چند نمونے پیش کیے گئے، اگر پوری کتاب کا مطالعہ کر کے بحر العلوم کے اختیارات جمع کیے جائیں تو ایک رسالہ تیار ہوسکتا ہے۔

اصول فقہ علما فرنگی محل خصوصاً بحر العلوم کے خصوصی فنون میں سے ہے، اصول فقہ کے تین اہم ترین متون (تحریر الاصول، مسلم الثبوت، المنار) پر بحر العلوم کی فاضلانہ شرحیں اس فن میں ان کی غیر معمولی مہارت اور دستگاہ کا پتہ دیتی ہیں، رسائل الارکان میں بھی ان کا یہ رنگ بہت نمایاں ہے، انھوں نے تقریباً ہر مسئلہ میں علم اصول فقہ کی روشنی میں بھی گفتگو کی ہے اور مسائل کو اصول فقہ پر پرکھا ہے، کثرت سے اصول فقہ کی کتابوں اور شخصیات کا حوالہ دیا ہے، اس طرح رسائل الارکان ایسی کتاب ہوگئی ہے جو اصول فقہ کے آراء ونظریات کو تطبیقی انداز سے پیش کرتی ہے۔

باب صفۃ الزکوۃ کے شروع میں بحر العلوم نے فرض، واجب، سنت ومستحب وغیرہ پر جو چشم کشا اصولی گفتگو کی ہے وہ انہیں کا حصہ ہے، اس بحث میں انھوں نے علامہ ابن ہمام کے بعض نظریات پر بھی بھرپور تنقید کی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ بحر العلوم ابن ہمام سے صرف نقل ہی نہیں کرتے بلکہ ان پر بصیرت افروز نقد بھی کرتے ہیں، اس طرح کے مباحث سے بحر العلوم کا علمی مقام کھل کر سامنے آتا ہے (رسائل الارکان ص: ۶۷-۶۸)۔

علامہ عبد العلی بحر العلوم صرف علوم ظاہرہ کے مرد میدان نہیں تھے بلکہ علوم باطنہ اور تصوف واحسان پر بھی انہیں کامل عبور تھا، محی الدین ابن عربی سے خصوصی مناسبت تھی، ابن عربی کی دو مشہور کتابیں الفتوحات المکیۃ اور فصوص الحکم ان کے مطالعہ میں رہا کرتی تھیں، بحر العلوم نے ابن عربی کے نظریہ الوجود پر کتاب لکھی اور اس نظریہ کی پرزور وکالت کی، اسی طرح انھوں نے فصوص الحکم کے ایک فص کی شرح بھی لکھی، بحر العلوم کا یہ متصوفانہ رنگ رسائل الارکان میں بھی نمایاں ہے، انھوں نے مختلف مقالات پر الفتوحات المکیۃ کے اقتباسات دیے ہیں، دوسرے صوفیاء سے بھی مختلف چیزیں نقل کی ہیں، احکام شریعت کے اسرار وحکم بیان کرنے میں خاص طور پر ابن عربی کی تحقیقات سے فائدہ اٹھایا ہے۔

ملا عبد العلی بحر العلوم کا مقام

حضرت مولانا عبد الحیٔ الحسنی رحمۃ اللہ علیہ نزہۃ الخواطر میں بحر العلوم کا ذکر جمیل ان بلند الفاظ میں شروع فرماتے ہیں:

الشیخ الامام العالم الکبیر العلامۃ عبد العلی بن نظام الدین بن قطب الدین ابن عبد الحلیم الانصاری السہالوی اللکہنوی بحر العلوم ملک العلماء کان معدوم النظیر فی زمانہ راسا فی الفقہ والاصول، امام اجوالا فی المنطق والحکمۃ الکلام (نزہۃ الخواطر ۶/۳۱۳)۔

مولانا عبد الحیٔ حسنی ان کے حالات زندگی، تدریسی خدمات وغیرہ کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وکان عبد العلی بحرا زاخرا من بحور العلم، اماما جوالا فی المنطق والحکمۃ والکلام، مجتہداً فی الفروع ماہراً فی التصوف والفقہ، ذا نجدۃ وجرأۃ وسخاء وإیثار وزہد واستغناء یبذل الاحوال الطائلۃ علی رجال العلم والطلبۃ فلما یبقی لہ ولعیالہ الایسیر ولذلک کان ابنائہ یسخطون علیہ وجملۃ القول فیہ انہ کان من عجائب الزمن ومحاسن الہند یرجع إلیہ اہل کل فن فی فنہ الذی لایحسنون سواہ فیفیدہم ثم ینفرد عن الناس بفنون لا یعرفون اسمائہا فضلا عن زیادۃ علی ذلک ولہ فی حسن التعلیم صناعۃ لایقدر علیہا غیرہ فانہ یجذب الی محبتۃ والی العمل بالادلۃ من طبعہ لم ترا لعیون مثلہ فی کمالاتہ وما وجد الناس احدا یساریہ فی مجموع علومہ ولم یکن فی الدیار الہندیۃ فی آخر مدۃ لہ نظیر (ص:۳۱۷)۔

بحر العلوم مولانا عبد العلی کے مرتبہ ومقام کو پہچاننے کے لئے نزہۃ الخواطر کا مذکورہ بالا اقتباس بہت کافی ہے، اس کے باوجود ہم چند اور تذکرہ نگاروں کی شہادتیں یہاں تحریر کر دیتے ہیں۔

تذکرہ علماء فرنگی محل کے مصنف مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی انصاری لکھتے ہیں:

''ان کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا بحر العلوم مجتہد فی المذہب کے مرتبہ پر پہنچ گئے تھے، اور اگر چہ تادبا بمقام العلماء اصاغر کا اکابر سے مقابلہ کرنا مناسب نہیں ہے مگر بلالحاظ لومۃ لائم حق امر کہنے سے میں باز نہیں رہ سکتا کہ مولانا اپنے اکابر تو کیا ابن ہمام وجلال دوانی وصدر شیرازی سے کسی طرح کم نہ تھے'' (ص: ۱۴۰)۔

یہی مصنف حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے حالات کے تحت لکھتے ہیں:

''حق یہ ہے کہ ہمارے محلّہ میں اس ذات گرامی کی کوئی نظیر سابق میں سوائے بحر العلوم کے دوسری نہیں ہوئی'' (ص: ۱۳۱)۔

مولانا عبدالباقی انصاری جو مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے انھوں نے برکۃ العلم والعمل فی سکان محلۃ فرنگی محل میں بحر العلوم کے تذکرہ میں لکھا ہے:

شهد له ملا كمال الدين بانه بلغ مرتبة الدواني والشيرازي في التحقيق، كان امام المحققين، قدوة المتبحرين، فاقد النظير، رحله عصره، افتخر بتلمذته الكملة وشاعت تصانيفه في الاقطار والامصار (ص: ۵۶)۔

مولانا عبدالباقی انصاری نے اپنے استاذ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے حالات کے ضمن میں ان کے مقام علمی کی نشاندہی کرتے ہوئے بحر العلوم اور ابن ہمام کو ان کا پیش رو قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:

كان امام المحققين في المعقول مجتهدا في المذهب في المنقول كان له باع طويل في معرفة فن الحديث وكان يعرض مذهبه الحنفي على الكتاب والسنة، فمان كان في نظره قوى الثبوت افتاره كان حنفيا محققا منصفا وله في ذلك اسوة كبحر العلوم وابن الهمام وامثالها (برکۃ العلم والعمل)۔

بحر العلوم ملا عبدالعلی فرنگی محلی پر یہ مضمون ختم کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ

ان کی شخصیت اور خدمات سے متعلق چند علمی کاموں کی تجویز اہل علم کی خدمت میں پیش کردی جائے، ہوسکتا ہے کہ بعض نوجوان اہل علم وتحقیق کسی تجویز کو عملی شکل دے سکیں۔

۱-مفصل سوانح کی ترتیب

بحرالعلوم عہد آفریں شخصیت کے مالک تھے، ان کے حالات وخدمات پر مفصل کتاب کی ضرورت ہے جس کی ان کی زندگی کے تمام احوال وکوائف کا احاطہ کیا جائے، ان کے اساتذہ اور ممتاز تلامذہ کا تفصیلی تذکرہ ہو، مختلف علوم پر ان کی تصنیفات کا تعارف اور تجزیہ ہو، اپنے عہد اور بعد کے ادوار پر ان کے اثرات کا جائزہ پیش کیا جائے، ان کے تعلیمی اور علمی نظریات کا بھی کسی حد تک احاطہ کیا جائے۔

۲-بحرالعلوم کی تصنیفات کی تحقیق واشاعت

بحرالعلوم کی جو تصنیفات شائع ہوچکی ہیں وہ بھی اب ناپید ہیں، ان تصنیفات کی ازسرنو خدمت اور اشاعت کی ضرورت ہے اور جو کتابیں اب تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوسکیں اور ان کے قلمی نسخے مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں انھیں ایڈٹ کرکے نئے طرز پر شائع کرنے کی ضرورت ہے، اس سلسلے میں ابن ہمام کی تحریر الاصول پر ملا نظام الدین کی شرح اور بحرالعلوم کے تکملہ پر سب سے پہلے توجہ دینا چاہئے، یہ کتاب اصول فقہ کی اہم ترین کتابوں میں سے ہے اور بڑے اہم مباحث پر مشتمل ہے۔

۳-رسائل الارکان کی تحقیق واشاعت

رسائل الارکان یا ارکان اربعہ فقہ میں بحرالعلوم کی تنہا کتاب ہے اور مختلف روایتوں کے مطابق اسی کتاب سے متاثر ہوکر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ صاحب نے ملا عبدالعلی کو بحرالعلوم کے خطاب سے یاد فرمایا یا اپنے توصیفی مکتوب میں ان کو بحرالعلوم لکھا۔

واقعہ یہ ہے کہ رسائل الارکان بحر العلوم کی شاہکار تصنیف ہے، اس کتاب کی اشاعت اگر چہ متعدد بار ہوچکی ہے لیکن یہ اشاعتیں قدیم انداز میں لیتھو پر ہیں، تصحیح کا اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے اغلاط بھی بے شمار ہیں، بڑے سائز کے تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل ہے، کتاب میں پیراگراف بھی قائم نہیں کیے گئے ہیں، اس کتاب کی تفصیلی خدمت کی ضرورت ہے، اگر اس کتاب کو تحقیق و دراسہ کے ساتھ نئے طرز پر تیار کیا جائے تو کم از کم تین جلدوں میں آئے گی، اس کتاب میں بے شمار مراجع سے استفادہ کیا گیا ہے، تمام حوالوں میں مراجعت اور توثیق کی ضرورت ہے اس دور میں فقہ مقارن کا بڑا چرچا ہے، یہ کتاب فقہ مقارن کا بہترین نمونہ ہے، اس کتاب کی وقیع علمی خدمت کر کے اسے نئے انداز سے شائع کر کے علماء فرنگی محل بلکہ علماء ہند کی علمی خدمات کی سنہری کڑی میں ایک وقیع اضافہ ہوگا۔

۴۔بحر العلوم کے تعلیمی اور علمی نظریات پر تحقیق وریسرچ

ملا عبد العلی بحر العلوم

۱-پیدائش ۱۱۴۴ھ میں لکھنؤ میں ہوئی

۲-اساتذہ (۱) ملا نظام الدین استاذ الہند (۲) ملا کمال الدین سہالوی

۳-۱۷ سال کی عمر میں تعلیم سے فراغت ہوئی اور کاکوری میں شادی ہوئی

۴-۱۱۷۱ھ یا ۱۱۷۲ھ میں ستائیس یا اٹھائیس سال کی عمر میں شاہجہانپور پہنچے، شاہجہانپور کے گورنر حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے بحر العلوم کا بڑا استقبال کیا، نواب شاہجہانپور عبد اللہ خان نے قلعہ کے اندر اپنی خاص حویلی میں ٹھہرایا اور قلعہ کے باہر لب دریا ایک مدرسہ بنوادیا۔

۵-۱۱۸۴ھ (۱۷۷۴ء) میں حافظ الملک کی شہادت کے بعد نواب فیض اللہ والی رامپور کی دعوت پر رامپور تشریف لائے۔

☆☆☆

حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی اور حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی - باہمی تعلقات پر ایک نظر

سید محمد شاہد سہارنپوری ☆

یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ لکھنؤ شہر میں واقع فرنگی محل کے علماء ومفتیان کرام اپنے اپنے دور میں علم وفضل درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں نہ صرف ہندوستان بلکہ اس سے باہر بھی اعتماد واعتبار اور قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

یہ حضرات صرف علوم دینیہ عالیہ ہی میں یگانہ روزگار نہیں بلکہ علوم آلیہ اور منطق وفلسفہ میں بھی امتیازی مقام اور خصوصیات کے حامل تھے اور جس طرح علماء فرنگی محل دین وشریعت کے ظاہری پہلو یعنی قرآن وحدیث کے محافظ وناشر رہے، اسی طرح دین وشریعت کے باطنی پہلو یعنی سلوک واحسان کے بھی داعی اور امام رہے ہیں۔

چنانچہ اپنے اپنے وقتوں میں حضرت مولانا شیخ عبدالحق الہ آبادی، شیخ مفتی صالح کمال حنفی، شیخ مفتی محمد سعید حضرمی، شیخ مصطفی حبشی، علامہ خربوطی، علامہ جزری، علامہ سید احمد زینی دحلان مکی شافعی جیسے مشائخ وقت سے علمائے فرنگی محل کی روحانی اور علمی وابستگی رہ چکی ہے۔

بڑی بات یہ ہے کہ روحانی اور علمی قدروں سے یہ وابستگی کسی نہ کسی شکل اور حیثیت سے آج کے اس گئے گزرے دور میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ چند ماہ قبل اسی علمی خاندان کی ایک مایہ ناز شخصیت حضرت مولانا عبدالعلی محمد فاخر فرنگی محلی نے وفات پائی ہے۔ بعض ذی علم سوانح نگاران

☆ امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی

کے تعلق مع اللہ توکل واعتماد علی اللہ اورعبدیت نیز صبر وقناعت کے بہت سے روشن پہلوؤں پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر چکے ہیں۔مولانا ناظر صاحب کے حال اور مقام سے واقف وباخبر اہل علم کا کہنا ہے کہ مولانا موصوف ایک ذاکر وشاغل متبع سنت بزرگ تھے۔ اب ان کے جانشین مولانا الحاج الحافظ ابوالحسن نظام الدین محمد فرنگی محلی ہیں۔جنہوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء سے علوم دینیہ،فقہ، اصول فقہ اورحدیث وغیرہ پڑھی۔اوراب وہیں استاذ ہیں۔

فرنگی محل کے علماء میں حضرت مولانا محمد قیام الدین عبدالباریؒ کا اپنے وقت میں بڑا علمی رعب اور دبدبہ رہا ہے۔ وہ نہ صرف علمی وفقہی اعتبار سے امتیازی شان کے مالک تھے بلکہ تحریک آزادیٔ ہند کے ایک مجاہد اورخدا دادفکر وبصیرت اپنی کشادہ قلبی اور وسعت اخلاق کے لحاظ سے عوام وخواص میں مقبول ومتعارف اور ایوان حکومت میں اپنی مضبوط شناخت اور پہچان رکھنے والے اہل علم میں سے تھے۔ان کے جلیل القدر اوررفیع المقام معاصرین میں جامعہ مظاہر علوم کے صدراعلیٰ، اس کی مجلس شوریٰ سرپرستان کے اولیں سرپرست حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی ناظم ومہتمم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور(وفات ۱۵/ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ/ ۱۲/اکتوبر ۱۹۲۷ء) بھی شامل تھے اورجن سے آپ کے گہرے روابط وتعلقات تھے۔

یہ دونوں حضرات کتنے ہی دینی وشرعی مسائل اور کتنے ہی ملی وملکی مسائل پر ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ میں رہ کرخط وکتابت رکھتے تھے۔چنانچہ ہندوستان میں برپا ہونے والی تین اہم اوردوررس اثرات کی حامل تحریکات تحریک خلافت عثمانیہ تحریک ہجرت اورتحریک ترک موالات پر دونوں حضرات کی ایک دوسرے کے موقف کو سمجھنے سمجھانے اورایک دوسرے کی تائید وحمایت کرنے پرمضبوط تحریری شہادتیں آج بھی موجود ہیں۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی نے اس دور کے دواہم مسائل نصب امامت اورشریف حسین مکہ کی انگریزوں سے سازباز اورترکوں کے خلاف اس کی طرف سے ہونے والی غداری وبغاوت پرحضرت مولانا عبدالباری فرنگی محل لکھنؤ سے بڑی مدلل فقیہانہ خط

وکتابت بھی فرمائی تھی اور جس کے جواب اور جواب الجواب کے کئی تحریری دور چلے تھے۔

اس عالمانہ،فقیہانہ تحریری بحث کے بنیادی اور مرکزی نکات یہ تھے۔

۱-سلطنت ترکی کا بادشاہ خلیفۃ المسلمین ہے یا نہیں؟

۲-شریف حسین مکہ بوجہ خروج علی الامام باغی ہے اور واجب القتل ہے یا نہیں؟

۳-عام مسلمانوں پر اور خصوصا مسلمانان ہند پر خلافت کی اعانت بمقابلہ باغی کے واجب بالکفایہ ہے یا واجب عین ہے؟

حضرت مولانا مہاجر مدنی نے ان سوالات کے جوابات دیتے ہوئے اپنے مکتوب کا آغاز جس مؤدبانہ انداز اور جس مہذب لب ولہجہ میں کیا ہے اس سے یقیناً طرفین کے درمیان پائی جانے والی بے تکلفانہ حلاوت اور تعلقات کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔چنانچہ اس جوابی مکتوب کی تمہید اس طرح باندھی گئی ہے۔

''مکرم محترم دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

''والا نامہ عزت افزا ہوا، اس کے محبت آمیز الفاظ نے مشام جان کو معطر فرمایا۔کل حضرت کے لطف آمیز خطاب نے اس پر برانگیختہ کیا کہ مرسلہ فتویٰ کو اگر بغور نہیں دیکھ سکتا تو بنظر سرسری بطور استفادہ دیکھوں۔ چنانچہ متفرق اوقات میں سرسری طور پر اس کی زیارت سے مشرف ہوا۔ چونکہ مجھ کو بالکل اطمینان ہے کہ حضرت میری تحریر کو کسی مخالفت پر محمول نہیں فرمائیں گے۔اس لئے اس کے متعلق جو بعض خلجان ہیں وہ خدمت میں پیش کرتا ہوں''۔

حضرت مہاجر مدنی نے اپنے مکتوب کا اختتام اس خواہش کے ساتھ فرمایا ہے کہ میں نے یہ عریضہ حضرت کی اطلاع کے لئے نیک نیتی سے لکھا ہے اور اشاعت کی غرض سے نہیں لکھا۔

حضرت مولانا عبدالباری نے اس مکتوب خلیلی کو ملاحظہ فرما کر بڑی کشادہ قلبی اور بھرپور احترام وآداب کا لحاظ کرتے ہوئے اپنا جو جواب بھیجا اس کی ابتدائی سطور اس طرح سے ہیں:

''جناب نے جس خلوص ومحبت کے ساتھ اصلاح فتوئی فرمائی ہے اس کا دل سے شکرگزار ہوں اور میری خواہش بھی یہی ہے کہ حضرات کبار علماء کے مفید مشورے سے استفادہ کروں۔ اور ایسے مشوروں کی اشاعت فقیر کا کام نہیں ہے''۔

اس علمی وفقہی بحث کا اختتام ۲۱/ جمادی الاولی ۱۳۳۷ھ/ ۱۸فروری ۱۹۱۹ء میں ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل یہ فقہی شاہکار ''فتاویٰ خلیلیہ'' جلد اول (شائع کردہ شعبۂ نشر واشاعت جامعہ مظاہر علوم) میں پڑھا جا سکتا ہے۔

مولانا عبدالباری موصوف کو علماء ومشائخ کی مجلس میں علمی فقہی لحاظ سے اور ملکی وملی معاملات ومسائل میں سیاسی اعتبار سے تمام طبقات اور تحریکوں کے ذمہ دار اصحاب کے درمیان بڑا اعتماد واعتبار حاصل تھا وہ خود بھی مسائل فقہیہ اور معاملات سیاسیہ میں علماء ومشائخ سے مسلسل رابطہ میں رہتے تھے، خصوصیت کے ساتھ حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی سے زیادہ قرب وتعلق کی وجہ سے بکثرت خط وکتابت فرماتے تھے اور جو زیادہ تر مسائل شرعیہ اور ملکی وملی معاملات پر ہوتی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ تحریک آزادی اور اس سے وابستہ معاملات میں طرفین کے فتاویٰ اور تحریریں آج بھی بڑی تعداد میں مختلف کتب ورسائل میں موجود ہیں۔ یہاں ان میں سے چند تحریروں کا مختصر تذکرہ بطور حوالہ کیا جاتا ہے۔

۱- ۱۴/ رجمادی الاولی ۱۳۳۷ھ/ ۱۶/ فروری ۱۹۱۹ء میں مولانا فرنگی محلی کا ایک مکتوب انگریزی مظالم سے مجبور ہو کر ہندوستان سے ہجرت کئے جانے کے تعلق سے مولانا مہاجر مدنی کو جب جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں موصول ہوا تو مولانا مہاجر مدنی نے اپنی تمام مشغولیتوں ومصروفیتوں کے باوجود ایک ہی ہفتہ میں ۲۱/ جمادی الاولی/ ۲۳فروری میں اس کا جواب مرتب

فرما کر لکھنؤ ارسال کر دیا۔

۲- ایسے ہی رجب ۱۳۳۷ھ/ اپریل ۱۹۱۹ء میں ہندوستان کے دارالاسلام یا دارالحرب ہونے کے متعلق ایک مفصل استدلالی تحریر روزنامہ قوم (مؤرخہ ۷/رجب / ۱۹/اپریل) میں پڑھی جا سکتی ہے۔ اور جو اسی اخبار کے حوالہ سے ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری (کراچی) کے قلم سے مرتب شدہ کتاب ''تحریکات ملی'' میں شائع ہو چکی ہے (بحوالہ تحریکات ملی صفحہ ۲۳۹ ناشر گورنمنٹ کالج کراچی)۔

۳- آخر میں حضرت مولانا عبد الباری مرحوم کا ایک غیر مطبوعہ یادگار خط مولانا مہاجر مدنی کے نام لکھا ہوا پیش کرتا ہوں۔ یہ مکتوب ۲۵ رشوال ۱۳۴۹ھ/ ۱۶/مارچ ۱۹۳۱ء میں فرنگی محل لکھنؤ سے بھیجا گیا اور اس میں جمعیت علماء ہند، مسئلہ امامت اور مسئلہ بیعت سے متعلق تین سوالات درج ہیں۔ یہ مکتوب اس بات کو واضح کرنے کے لئے بہت کافی ہے کہ فقہ وفتاویٰ میں مشہور و مامور یہ دونوں حضرات اپنے شرعی و فقہی اشکال و خلجانات باہمی مکاتبت کے ذریعہ کس خوبصورتی کے ساتھ حل فرماتے رہتے تھے۔

اس مکتوب کا مکمل متن یہ ہے۔

بخدمت اقدس حضرت مولانا خلیل احمد صاحب متعنا اللہ بطول بقاءہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چند امور متعلقہ امامت استرشاد التماس کئے جاتے ہیں ان کے جواب سے سرفراز کیا جاؤں۔

مقصد صرف اصلاح ہے نہ فساد، نہ کسی منصب کی طلب، نہ کسی شخصیت سے عناد۔ اس واسطے جواب صاف اطمینان بخش ہونا چاہئے۔

میں اس جگہ ان خطرات وشبہات کو بھی ذکر نہیں کرتا ہوں جو حالت مجبوری کے باعث پیش آنے والے ہیں، نہ ان افعال کی حقیقت کھولنا چاہتا ہوں جو بعض اکابر سے اس قسم کے سرزد ہوئے، نہ ان تجربات کو ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اس تحریک میں غدر کے وقت حاصل ہوئے۔ اور جن پر نظر کر کے یہ تحریک ہمیشہ دبی رہی اور علماء نے اس کے اجراء پر جرأت نہیں کی، (بلکہ)

میں صرف تین سوال کرنا چاہتا ہوں جو اپنے نزدیک فیصلہ کن سمجھتا ہوں۔

سوال اول: مسلمانانِ ہند میں جس قدر مذہبی سیاسی انتشار ہے اس کے دفع کرنے کے لئے کیا جمعیۃ علماء ہند کافی نہیں ہے اور اس کی اصلاح واستحکام سے کیا یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ عقائد وعبادات میں کسی مرکز کا قائم ہوجانا غیر متوقع ہے اور سیاست مذہبی میں بیعت کی کیا ضرورت ہے۔

سوال دوم: بیعت، امامت جب کبھی کسی غیر متسلط نے کی ہے اگر کامیاب ہوئے تو فتنہ برپا ہوا۔ اگر نا کامیاب ہوئے تو ایک جدید فرقہ مسلمانوں میں پیدا ہوا ہے جس کے نمونے ہندوستان میں بھی ہیں اس لحاظ سے بلاضرورت اقدام اس بیعت پر کیا بے موقعہ نہیں ہے۔

سوال سوم: مجھے جہاں تک علم ہے استیلاء کفار کی صورت میں اس قسم کی بیعت خلاف سنت ہے بلکہ دارالحرب میں بھی ایسی بیعت لینا اہل دار سے ثابت نہیں ہے اگر جناب کو ثبوت ملا ہو تو اس سے ضرور ایما فرمادیں۔ بیعت ہجرۃ اور جہاد کے ثبوت پر بھی اکتفا کرلوں گا اس واسطے کہ مقصد ان بیوع (بیعتوں) کا مشترک ہے اگر اس قسم کی بیعت ثابت ہوگئی تو بلاتوقف قبول کرلوں گا ورنہ خطرات وشبہات کے ہوتے ہوئے اور تجربات اکابر پر جو رائے مبنی ہے اس کے خلاف کرنا میرے نزدیک دانشمندی نہیں ہے اور باوجود اس کے (میرا) جمہور کی اتباع سے گریز کرنے کا قصد نہیں ہے۔ فقط

فقیر محمد قیام الدین عبد الباری عفا اللہ عنہ فرنگی محل لکھنؤ (یوپی)

ناچیز مقالہ نگار کو معلوم نہیں ہوسکا کہ مولانا مہاجر مدنی نے اس مکتوب کا کیا جواب مولانا فرنگی محلی کی خدمت میں بھیجا تاہم اس مکتوب سے یہ ضرور آشکارا ہے کہ ان دونوں حضرات کے درمیان ماضی میں پیدا شدہ کیسے حساس ونازک مسائل پر تبادلۂ خیالات ہوکر ایک دوسرے کی رائے اور موقف معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

حالانکہ انگریز اور اس کی حکومتی مشینری ان معاملات ومسائل پر ان کی حساسیت کی وجہ

سے خود بھی گہری نگاہ رکھتی اور ہر طرح سے ان کا تجزیہ کرتی رہتی تھی۔

مسک الختام کے طور پر اس مقالہ کی اختتامی سطور میں یہ اضافہ بھی کیا جاتا ہے کہ مولانا مہاجر مدنی کو بحر العلوم امام الفقہ حضرت مولانا ابو الحسنات عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مخلصانہ اور عقیدت مندانہ تعلق تھا۔ اور اسی بنیاد پر آپ گاہ بگاہ فقہی اور مذہبی معاملات میں علامہ لکھنوی سے مراجعت بھی فرماتے رہتے تھے۔

یہاں فتاویٰ عبدالحی کے حوالہ سے مولانا مہاجر مدنی کے ایک استفتاء اور علامہ لکھنوی کی جانب سے اس کے جواب کی ابتدائی سطور بطور نمونہ نقل کی جاتی ہیں۔ ذہن میں محفوظ رہے کہ یہ سوال مولانا مہاجر مدنی کی جانب سے یکم رجب ۱۲۹۷ھ/ ۱۰ر جون ۱۸۸۰ء میں لکھنؤ بھیجا گیا تھا۔

مولانا مہاجر مدنی ان القاب وآداب کے ساتھ اپنے سوال کا آغاز فرماتے ہیں!

''بخدمت ذو الفضل والکرم مصدر الفضائل ومنبع الفواضل
جناب مولانا مولوی محمد عبدالحی صاحب لا زالت شموس فیوضکم بازغکم ترین
نیازمندان خلیل احمد بعد تبلیغ تسلیمات وتحیات مسنونہ کے ملتمس ہے کہ
...........''۔

علامہ لکھنوی اپنے جواب کے آغاز میں لکھتے ہیں!

از: محمد عبدالحی عفا عنہ

''بخدمت مولوی صاحب مجمع علوم ومنبع فہوم جناب مولوی خلیل احمد صاحب دامت مکارمہ بعد ہدیہ سلام مسنون مع ضمیمہ شوق مشحون اہ از مضمون یہ ہے کہ عنایت نامہ پہنچا بسبب قلت فرصت کے تحریر جواب میں تاخیر ہوئی۔ معاف فرمائیے گا۔

☆☆☆

ملا نظام الدین محمد ''بانی درس نظامی''
عہد زوال وانحطاط میں علم وفن کا نیر تاباں

ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی ☆

یہ اٹھارہویں صدی کا نصف اول تھا جب کہ ہندوستان کے عظیم المرتبت حکمراں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد مسلمانوں کے ۵ سو سالہ پُرشوکت وجلال عہد حکمرانی کا چراغ ٹمٹمانے لگا۔ زوال وانحطاط کی سیاہیاں پھیلنے لگیں، مغلیہ سلطنت کے کمزور حکمرانوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ شمالی ہند کے اودھ اور آس پاس کے خطہ کی صوبیداری ایران کے صفوی خاندان کے ایک باہمت شخص سعادت خاں برہان الملک کو حکومت دہلی کی جانب سے ۱۷۱۹ء میں سونپی گئی اور انھوں نے لکھنؤ کے شیخ زادوں کو شکست دے کر لکھنؤ پھر فیض آباد میں اقتدار کی بساط بچھائی، اسی عہد میں شہر لکھنؤ میں ایک دوسرا انقلاب آیا اور ملا قطب الدین شہید کا لٹا پٹا خاندان سہالی سے لکھنؤ وارد ہوا جسے اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے فرمان کے ذریعہ وسط شہر میں واقع ایک کشادہ عمارت فرنگی محل عنایت کی تھی۔ اس خاندان میں ملا قطب الدین شہید کا بیٹا نظام الدین بھی تھا جسے مشیت نے فرنگی محل کا ایک روشن ستارہ بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ جس وقت سہالی سے ۱۵ سالہ نظام الدین خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ لکھنؤ وارد ہوئے ان کی تعلیم کا ابتدائی مرحلہ تھا اور وہ لکھنؤ سے حصول تعلیم کے لیے نکل پڑے۔ اس وقت دیوہ اور جائس جیسے قصبات میں اصحاب علم کے حلقے موجود تھے جن سے طلباء استفادہ کرتے تھے۔ ملا علی قلی جائسی اور

☆ ایڈیٹر ماہنامہ ''ملی اتحاد'' نئی دہلی

ملا امان اللہ بنارسی سے علم الکلام کی اعلیٰ کتب پڑھیں پھر لکھنؤ آ کر ملا غلام نقشبندی سے استفادہ کیا اور فن ہیئت کی آخری کتاب رسالۂ توشجید پڑھی۔ پھر اپنے مرکز ومحور فرنگی محل میں اٹھارہویں صدی کے ابتدائی عشرہ میں بساط درس وتدریس بچھائی اور خدا نے اس مرکز علم وحکمت کو اس طرح نوازا کہ یہ شمالی ہند ہی نہیں پورے ملک میں ایک عظیم الشان ادارۂ درس وتدریس بن گیا، اور اسے زوال وانتشار کی اٹھارہویں صدی میں جب کہ انگریزوں کی طاقت کے سامنے ایک ایک کر کے ہندوستانی ریاستیں سرنگوں ہوتی جارہی تھیں مسلمانوں کا ایک بڑا علمی وثقافتی مرکز کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ مولانا سید سلیمان ندوی کے الفاظ میں: ''عجیب حسن اتفاق ہے ہندوستان کا سب سے بڑا دارالعلوم لکھنؤ کا فرنگی محل تھا جو درس نظامی کا بانی ہے اور جس کے دامن فیض سے مولانا بحر العلوم، ملا احمد اللہ، ملا حسن وغیرہ تعلیم پا کر نکلے'' (حیات شبلی: ۴۸۴)۔

اس مرکز علم وفن کی خشت اول رکھنے والے نوجوان کی لگن ایسی تھی کہ اس نے ماحول کو علم کی خوشبو سے بسادیا۔ ملا نظام الدین نے ۴۰ سال تک مسلسل انتھک جدوجہد کی کہ نئی نسل کو فلسفے ومنطق اور علوم متداولہ میں ماہر بنا کر اس عہد کے قضا کے عہدے کے لائق بنادیں اور شریعت حقہ اور مذہب اہل سنت پر اعتراضات کرنے والوں کو مسکت جواب دینے کے لائق بنادیں۔ اس مسند درس کا اٹھارہویں صدی میں جو مقام ومرتبہ تھا اس پر روشنی ڈالتے ہوئے عبد الحلیم شرر اپنی مشہور تصنیف ''گذشتہ لکھنؤ'' میں رقم طراز ہیں: ''چند ہی روز میں فرنگی محل کو ہندوستان کی ایسی اعلیٰ یونیورسٹی بنادیا کہ سارے ہندوستان کے علماء اور فضلاء کا مرکز لکھنؤ کا یہی چھوٹا سا محلہ قرار پایا۔ ان دنوں لکھنؤ ایک گمنام شہر تھا مگر ایسے ایک گمنام مقام کا اتنی بڑی یونیورسٹی بن جانا کہ ہندوستان تو در کنار بخارا، خوارزم اور ہرات وکابل اس کے آگے سر جھکائیں بہت ہی حیرت کے قابل ہے۔ ساری اسلامی دنیا یہیں کی شاگردی پر فخر کر رہی تھی''۔

میر شیر علی افسوس نے ''آرائش محفل'' میں فرنگی محل کا ذکر کیا ہے اور اس وقت ۱۸۰۵ء میں فرنگی محل کے قیام کو ایک سو سال ہو چکے تھے، لکھتے ہیں: ''مکان مذکور قدیم مدرسہ ہے۔ بڑے

بڑے فاضل مدرس وہاں گزرے ہیں اور اب تلک سررشتہ درس وتدریس جاری ہے۔سوائے شہر کے طلبہ اطراف واکناف سے وہاں تحصیل کے واسطے آتے ہیں اور فیض اٹھاتے ہیں''۔

ملا نظام الدین کی شہرت ایک عظیم استاد ومرشد کے اٹھارہویں صدی میں پھیل چکی تھی۔ان کے عہد کے ممتاز مورخ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی ان سے اپنی ملاقات کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''میں ۱۹/ذی الحجہ ۱۱۴۸ھ میں لکھنؤ گیا اور ملا نظام الدین سے ملاقات کی۔میں نے ان کو سلف صالحین کے طریقہ پر پایا۔ان کی پیشانی پر بزرگی کا نور تاباں تھا'' (سبحۃ المرجان)۔

اپنی دوسری کتاب ''مآثر الکرام'' میں ملا نظام الدین کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''لکھنؤ ہی میں قیام اختیار کرلیا اور تمام عمر درس وتدریس،تصنیف وتالیف میں گزاردی اور عظیم شہرت کے مالک ہوئے۔آج کل ہندوستان کے اکثر اطراف کے علماء ملا نظام الدین سے شاگردی کی نسبت رکھتے تھے اور تاج فخر ومباہات زیب سر کرتے تھے،جو شخص ملا نظام الدین سے شاگردی کا تعلق رکھتا ہے وہ فضلائے عہد کے درمیان امتیاز وخصوصیت کا پرچم بلند کرتا ہے۔بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ دوسری جگہوں میں تحصیل علم کی لیکن اپنا اعتبار بڑھانے کے لئے فاتحہ فراغ آکر ملا نظام الدین ہی سے پڑھا'' (علامہ آزاد بلگرامی ۱۹/ذی الحجہ ۱۱۴۸ھ)۔

اسی طرح اس دور کے ممتاز سیاح اور واقعہ نگار مرزا قتیل اپنی مشہور کتاب ہفت تماشا میں ملا نظام الدین کو سرآمد علما قرار دیتے ہیں۔اور لکھتے ہیں: ''ملا نظام الدین محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں سرآمد علماء تھے چنانچہ آج بھی (یعنی ان کی وفات کے ستر بہتر سال بعد بھی) ہندوستان میں فاضلوں اور عالموں کا سلسلہ ان ہی پر منتہی ہوتا ہے۔ان کے شاگرد ملا کمال الدین سہالوی نے ایک کتاب ''عروۃ الوثقی'' لکھی تھی جس کے دقائق وغوامض حل کرنے سے بڑے بڑے علماء عاجز ہیں...... ہندوستان میں علم معقول جابجا ان ہی حضرات سے پھیلا،کوئی طالب علم اور کوئی فاضل ایسا نہیں جو ان کی شاگردی کے حلقہ سے باہر ہو'' (ہفت تماشا:۱۴۶)۔جناب رضا انصاری

ملا نظام الدین کے احوال میں ان کے انداز درس وتدریس کی شہرت کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فارغ التحصیل ملا نظام الدین کی مسند درس بچھنے کے بعد ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طلبہ علوم کی توجہ کب اور کیسے مبذول ہوئی۔ ایک پچیس سالہ فارغ التحصیل استاذ کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کرنے کی بات اور ہے لیکن اس استاد کی اہمیت محسوس کرنے کی وجہ کیا ہو سکتی تھی جب کہ اس نوجوان کی علمی اور تدریسی استعداد کا اظہار ابھی صفر کے درجہ سے آگے نہیں بڑھ پایا تھا''۔(بانی درس نظامی: ۷۶، مجلس نشریات ندوہ)۔علامہ رضا انصاری کی رائے میں یہ درس نظامی اور اس کے نصاب تعلیم کی کشش تھی جس پر ملا محمد ولی اللہ فرنگی محلی نے اشارہ کیا ہے یعنی بہت کم مدت میں طلبہ کو فارغ التحصیل کر دیا جاتا تھا، دوسرے یہ کہ اس عہد کی ضروریات کے مطابق تھا یعنی فقہ ومنطق کی تدریس نوجوان طلبہ کو اس لائق بنادیتی تھی کہ وہ فتوی نویسی اور محکمہ قضا میں ملازمت کر سکیں اور ملک کے مختلف تعلیمی اداروں میں تدریس کے فرائض انجام دے سکیں۔ یہ مدت تعلیم ۵ یا ۶/سال سے زائد نہ تھی۔ ملا نظام الدین کی درسگاہ حویلی فرنگی محل کی اصل عمارت تھی اور ابتداءً صرف دو مدرس تھے، ایک خود ملا صاحب دوسرے ان کے بھائی ملا محمد رضا۔ ملا صاحب مسجد فرنگی محل یا حویلی کے جنوب میں اپنے تعمیر کردہ مکان میں درس دیتے تھے۔ طلبہ کی تعداد دس پانچ سے زیادہ نہ تھی۔ پھر جب اس درسگاہ کی شہرت ہوئی تو جویان علم جوق در جوق آنے لگے اور ان کے قیام کا انتظام فرنگی محل سے تقریباً ایک میل دور واقع مزار شاہ پیر محمدؒ کی عمارت میں ہوا۔

ملا نظام الدین کی عظمت وحکمت پر اگر ان کے عہد کے احوال کے تناظر میں غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ عالی مرتبت شخصیت فسق وفجور اور زوال وضلال کے عہد میں کس وقار و دلجمعی سے اسلامی شریعت اور قدیم علوم کا چراغ روشن کرتا ہے اور کس پامردی کے ساتھ باد مخالفت کے تھپیڑوں سے اسے محفوظ رکھتا ہے۔ یہ زمانہ سعادت خاں برہان الملک کی صوبیداری اور پھر ان کے داماد صفدر جنگ کے اقتدار کا تھا جس کے فیض آباد میں شجاع الدولہ جانشین ہوئے

اور پھر ان کے صاحبزادے آصف الدولہ نے ۱۷۷۵ء میں فیض آباد کے بجائے لکھنؤ کو اپنا مستقر بنایا۔ ملا نظام الدین کے عہد میں لکھنؤ میں ایرانی اثرات اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ رہے تھے اور علماء کے مدارس اور صوفیا کی خانقاہیں آزمائش سے گزر رہی تھیں اس لئے عہد قدیم سے چلی آرہی معافیاں اور اوقاف ضبط کئے جارہے تھے اور تشیع کی تبلیغ وترغیب کے مختلف ذرائع برسر اقتدار گروہ اختیار کررہا تھا۔ میر آزاد بلگرامی مآثر الکرام میں رقمطراز ہیں: ''تا آنکہ برہان الملک در آغاز جلوس محمد شاہ حاکم اودھ شد وظائف وسیور غالات خانوادہ ہائے قدیم وجدید یک قلم ضبط شد وکار شرفاء وخبا بہ پریشانی کشید، اضطرار معاش مردم آنجا را از کسب علم بار داشتہ سپاہ گری انداخت ومدارس کہ از عہد قدیم معدن علم وفضل بود یک قلم خراب افتاد و انجمن فضل وکمال بیشتر برہم خورد انا للہ وانا الیہ راجعون'' (بحوالہ حیات شبلی، سلیمان ندوی، معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۷۰ء)۔

نور الحسن ہاشمی اس وقت دہلی سے لکھنؤ تک جو تہذیبی انداز تھا اس پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''یہ تہذیب سراسر آئینہ تھی ایران کی تہذیب کا، ولایتی کلام، بیان، زبان، وضع قطع، طرز گفتگو، تہذیب وتمدن غرض ہر چیز کی نقل اتارنے کی کوشش کی جاتی تھی''۔ اس طور پر تمدن کے وہ تمام سانچے مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں برتے اور مانے جاتے تھے جو اصلاً ومعناً ایرانی تھے لیکن اودھ جہاں برہان الملک کے خاندان نے نئی بساط ثقافت بچھائی تھی لوح سادہ کی مانند نہ تھا جس پر پہلے سے کوئی نقش ونگاری نہ رہے ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے دامن میں ایک ترقی یافتہ ثقافت واقدار کا ایک سرمایہ اور علمی وروحانی روایت کا ایک ذخیرہ تھا۔ یہاں کے قصبات سے وہ اہل نظر اٹھے تھے جنہوں نے دلی دربار میں علم وفضل کا چراغ روشن کیا تھا۔ یہاں کے قریہ قریہ میں روحانیت وتصوف کے نغمات گونجتے تھے۔ یہاں پر بڑی بڑی درسگاہیں اور تعلیمی وتہذیبی مراکز تھے، یہاں تک کہ شاہجہاں کو اس کے اعتراف میں کہنا پڑا کہ پورب شیراز مملکت ماست۔ برہان الملک کو جن شیوخ سے پہلی ٹکر لینی پڑی ان کے کردار واطوار کے اودھ کی ثقافت پر گہرے نقوش تھے۔ ان کی خودداری وخود اعتمادی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے کسی کے آگے اپنی گردن کج

نہیں کی تھی اور نوابین کے عہد میں انھوں نے ثقافتی اعتبار سے ہتھیار نہیں ڈالے تھے لیکن شجاع الدولہ نے بکسر کی شکست کے بعد جب فیض آباد کو مرکز بنایا تو بہت جلد یہاں ثقافت کی ایک نئی انجمن سج گئی۔ اس نئی بزم طرب کے رنگ ونور سے اودھ کی فضا بھی رنگین ہونے لگی۔ اودھ نے پہلی بار شہری تمدن کی جلوہ طرازیوں کا مشاہدہ کیا۔ اس عہد میں ایران علمی وادبی وتہذیبی اعتبار سے ہندوستانی معاشرہ کے اعلیٰ طبقات کے لئے مقتدا تھا۔ بقول مرزا قتیل: ''جو شخص ایران سے ہندوستان وارد ہوتا ہے اسے عام طور پر آقا کہا جاتا ہے چاہے وہ شریف ہو یا نوکری پیشہ ہو یا سپاہی ہو یا رذیل وبازاری ہو'' (ہفت تماشا: مکتبہ برہان دہلی: ۱۹۶۰ء، ص ۱۲۹)۔

عبدالحلیم شرر لکھنؤ میں ایرانی تمدن اور تشیع کے فروغ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''اودھ کا دربار شیعہ تھا اور یہاں کا خاندان حکمرانی خاص خراسان سے آیا تھا اس لئے یہاں ایرانی بالکل کھل گئے اور اپنے اصلی رنگ میں نمایاں ہونے کی وجہ سے وہ جس قدر شگفتہ ہوئے اسی قدر زیادہ ہم مذہبی کے باعث یہاں کے اہل دربار نے ان کے اوضاع واطوار کو حاصل کرنا شروع کیا اور ایرانیت جو دراصل ساسانی وعباسی شان وشوکت کے آغوش میں پلی تھی چند ہی روز کے اندر لکھنؤ کی معاشرت میں سرایت کر گئی'' (گذشتہ لکھنؤ، نسیم بک ڈپو لکھنؤ: ۱۱۰)۔

اس وقت دینی ومذہبی تعلیم کے لئے کس قدر آزمائش کا مرحلہ تھا جب کہ ڈاکٹر محمد عمر کے الفاظ میں برہان الملک نے قدیم خاندانوں کے وظائف بند کر دیئے۔ نجیب وشریف معاشی واقتصادی افلاس کے شکار ہو گئے۔ تحصیل علم کے بجائے لوگ سپہ گری کے پیشے کی طرف جانے پر مجبور ہوئے۔ مرزا قتیل حسرت کے ساتھ لکھتا ہے:

''چونکہ امراء کی طرف سے ہر عالم کے لئے ایک دو گاؤں مقرر تھے، علماء میں سے ہر ایک اپنے شاگردوں کو کھانا کھلاتا تھا اور رات کے وقت مطالعہ کے لئے چراغ کا تیل بھی استاد کی طرف سے ملتا ہے۔ اب عالم مر گئے اور سخاوت نے ایران سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ طلبہ حیران وسرگرداں اور زار زار نالاں تھے۔ بعض بیچاروں کو بے حد پاپڑ بیلنے کے بعد آدھا سیر آٹا میسر آتا ہے اور بعض جو

فارسی کی لیاقت رکھتے ہیں کسی ہندو کے گھر بچوں کو پڑھانے کے لئے نوکری کر لیتے ہیں"۔

اس پُرآزمائش عہد میں ملا نظام الدین کی بساط درس تدریس بچھی رہی اور نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہوئے اپنے سارے وسائل کو اپنے طلبہ کے لئے وقف کرتے رہے اور ہر سال اہل علم کی ایک جماعت پیدا کرتے رہے۔ عالم یہ تھا کہ فرنگی محل کی مسجد کے ایک گوشے میں چٹائی پر بیٹھ کر اسلامی علوم وفنون کا یہ پہاڑ اپنے شاگردوں کو درس دیا کرتا تھا۔ ملا ولی اللہ فرنگی محلی اپنی تصنیف عمدۃ الوسائل للنجاۃ میں لکھتے ہیں: "ملا صاحب جیسی محبت مجھ سے فرمایا کرتے تھے اس کی بنا پر ہمیشہ میرے لئے حصول علم کی دعا فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ملا صاحب مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے مجھے پڑھا رہے تھے ناگاہ دو خوبصورت جوان مسجد میں داخل ہوئے اور ملا صاحب کو سلام کیا، ان میں سے ایک ملا صاحب کی داہنی طرف اور دوسرا بائیں طرف بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ان نوواردوں نے میری طرف اشارہ کر کے پوچھا: یہ کون صاحبزادے ہیں؟ ملا صاحب نے فرمایا: میرا بیٹا ہے۔ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ اسے علم نافع اور فہم کامل عطا فرمائے۔ نوواردوں نے کہا: آپ کو یہ خود قدرت حاصل ہے کہ اگر چاہیں تو تمام علوم بفضل الٰہی صاحبزادے کو حاصل ہو جائیں۔ ملا صاحب نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے بے شک یہ بھی ہوسکتا ہے لیکن میرا مطلب اس طرح حصول علم سے نہیں ہے، یہ چاہتا ہوں کہ میرے نور نظر کو پڑھ کر اور کسب کے ذریعہ علم نصیب ہو۔ اتنا فرمانے کے بعد ملا صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسب کے لئے ہاتھ پیر چلانے اور علم کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے کے وہ قائل تھے اور کسی کشف وکرامات کے ذریعہ علم کا خزانہ ملنے سے بہتر سعی وجہد سے اس کے حصول کے وہ قائل تھے۔

ملا نظام الدین کے مزاج میں بے حد نرمی وملائمت تھی، مفتی رضا انصاری کے الفاظ میں ملا صاحب نے پوری زندگی فروتنی وغم خواری میں گزاردی اور اس قدر بردباری اور حلم ان کے مزاج میں تھا کہ متعلقات فرنگی محل میں آباد کرایہ داروں تک سے حق واستحقاق کے معاملے میں سختی

کا رویہ برتنے سے انکار کرتے رہے یہاں تک کہ برادر زادہ ملا عبدالحق نے رعایا کے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر ان کی سرکشی کا انسداد کیا۔ملا صاحب اپنے ہم چشموں اور معاصروں کے علمی اعتراضات تک پر سکوت اختیار کرتے تھے خواہ اس میں خود ملا صاحب کی کتنی ہی سبکی کیوں نہ ہو جائے۔عمدۃ الوسائل میں ملا صاحب کے یہ الفاظ درج ہیں: ''اگر اعتبار ورشد کسے درالزام من باشد مارا قبول است''یعنی مجھے غلطی پر قرار دے کر اگر کسی کا اعتبار اور مرتبہ علمی بڑھتا ہے تو میں غلطی قبول کرنے پر تیار ہوں''۔

ملا نظام الدین کا مزاج درویشانہ تھا، نہایت معمولی لباس زیب تن کرتے مگر افکار وخیالات آسمان کی رفعتوں کو چھونے والے تھے۔ایک مرتبہ اس عہد کا ممتاز رئیس وشیعہ عالم ابو المعالی خاں ملا صاحب سے ملاقات کے لئے آئے، لوگوں سے پوچھا کہ ملا نظام الدین کہاں ہیں، لوگوں نے وہ جگہ بتا دی جہاں ملا صاحب بیٹھا کرتے تھے۔ابو المعالی وہاں گئے۔اس وقت ملا صاحب زمین پر بچھے ہوئے ایک پھٹے پرانے کپڑے پر بیٹھے ہوئے تھے اور سبق پڑھا رہے تھے'' اٹھارہویں صدی کے نصف اول میں تقریباً ۵۰ سال درس وتدریس کی معرکۃ الاراء خدمات انجام دیئے، انھوں نے مسلمانان ہند کی تاریخ کا ایک روشن باب ایک نہایت آزمائش اور اندوہناک دور میں رقم کی۔

ملا نظام الدین نے ماضی کی روایات کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے درس نظامی کی بنیاد رکھی جو آج تک ہندوستان کی بے شمار درسگاہوں بشمول دارالعلوم دیوبند تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ رائج ہے۔البتہ ملا صاحب نے مدت تدریس کم کرکے یہ چاہا تھا کہ فارغین دیگر علوم کی طرف توجہ کریں اور خود کو علمی اعتبار سے دین کی خدمت کے لئے تیار کریں مگر جس افراتفری کے حالات سے یہ صدی گزر رہی تھی اس میں ملا صاحب کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا، درس نظامی میں فلسفہ، منطق وعلم کلام کی کثرت برقرار رہی اور عصری علوم کی طرف توجہ نہ دی جا سکی خاص طور پر قرآن وحدیث کے لئے جس قدر توجہ کی ضرورت تھی وہ نہ ہو سکی لیکن شاید علم کلام اور منطق وفلسفہ میں مہارت کی اس عہد میں

اسلامی شریعت کا دفاع کرنے کے لئے سخت ضرورت تھی۔ ملا نظام الدین کا اس سلسلہ میں جو موقف تھا اسے ملا ولی اللہ نے بیان کیا ہے کہ مولانا محمد واضح ان سے ملنے آئے اور کچھ سوالات کئے جن میں ایک سوال منطق اور علوم عقلیہ کی تدریس سے متعلق تھا اس پر ملا نظام الدین نے وضاحت کی:

''رہا منطق کا معاملہ تو وہ قوت عقلیہ میں اضافہ کرتی ہے اور صحیح وغلط نتیجے کے درمیان اس کے ذریعہ فرق کیا جا سکتا ہے۔ منطق کے قواعد کو پیش نظر رکھنے سے غور وفکر میں غلطی سے حفاظت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے بقدر ضرورت منطق کا جاننا واجب ہے اس لئے کہ وہ علم اصول فقہ کے مبادیات میں سے ہے۔ ممنوع اگر ہے تو وہ فلسفہ کے ان قواعد واصول میں مشغولیت ہے جو قرآن واحادیث کے خلاف ہیں''۔ علامہ شبلی نعمانی کے الفاظ میں اس نصاب کی وجہ سے علماء میں وہ سختی کم ہوگئی جو فقہاء میں عموماً ہوتی ہے۔ شبلی درس نظامیہ کو خاص ہندوستان کا کارنامہ فخر قرار دیتے ہیں۔ اس کا رشتہ بغداد کے مدرسۂ اعظم نظامیہ سے قائم کرنا غیر ضروری ہے۔ اس نصاب تعلیم کی عظمت وشہرت کا سہرا ملا نظام الدین کے سر پر ہے اور شاید دو سو سال پہلے یہ امت کی ضرورت بھی تھی۔ بقول رضا انصاری ہندوستان کے مسلم معاشرہ کا جب تک قاضیوں اور شرعی عدالتوں کا چلن رہا عام درسی تقاضا یہی تھا کہ مسائل شرعیہ سے کما حقہ واقفیت اور نوازل وحوادث کے سلسلہ میں صحیح استنباط کا ملکہ پیدا ہو۔ ملکہ پیدا کیا جانا جب مقصود ٹھہرا تو تدریس وتعلیم کے زاویے کو درست رکھنے کا دارومدار کسی خاص فن اور خاص علم کی مخصوص کتابوں پر نہیں۔ درس نظامی پر یہ اعتراض ہے کہ اس میں حدیث کو اہمیت کے ساتھ شامل نصاب نہیں کیا گیا۔ لیکن رضا انصاری صاحب نے اس کی تردید کی ہے۔ علامہ شبلی نے اس نصاب کو طلبہ میں استعداد پیدا کرنے کا ایک ترقی پسندانہ قدم قرار دیا ہے اس لئے کہ اس میں اختصار ملحوظ ہے اور ہر فن کی ایک دو مختصر کتابیں لی گئی ہیں بلکہ کچھ کتابوں کا اسی قدر حصہ لیا گیا ہے جو ضروری خیال کیا گیا اور ہر فن کی مشکل ترین کتاب کو شامل نصاب کیا گیا ہے تا کہ غور وفکر کی قوت پیدا ہو جائے، اس طرح مسلمانان ہند کی تاریخ میں یہ پہلا منظم نصاب تھا جو اٹھارہویں صدی میں پورے ملک میں رائج ہوا۔

لیکن اٹھارہویں صدی کے آغاز میں جس طرح کے نصاب اور جس طرح کی تدریس وتفکر کی ضرورت تھی اس کو یہ کہاں تک پورا کر سکا جب ہم اس پہلو سے غور کرتے ہیں تو ملا نظام الدین اور فرنگی محل کی تاریخی اہمیت کو تسلیم کرنے کے باوجود یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت کاش یہ ملت کے سیاسی اخلاقی اور تمدنی انحطاط کو روکنے والے افراد تیار کر سکتا، حالانکہ صفدر جنگ اور شجاع الدولہ کے عہد میں لکھنؤ میں اس سے زیادہ کی توقع کسی ادارے سے رکھنا فضول ہے۔ کاش یہ ادارہ لہو کو گرم رکھنے اور فکر کو مستنیر بنانے کا ذریعہ بنتا اور اس مصنوعی تمدن اور انگریزوں کے قہر وجلال سے نبرد آزما ہونے والے افراد تیار کر سکتا۔ مولانا مودودی کے الفاظ میں ''اللہ تعالیٰ نے تفقہ فی الدین کو تعلیم کا مقصود بتایا ہے یعنی اس نظام کی بصیرت حاصل کرنا اور اس کی روح سے آشنا ہونا اور اس قابل ہو جانا کہ فکر وعمل کے ہر گوشے اور زندگی کے ہر شعبے میں انسان یہ جان سکے کہ کون سا طریقہ فکر اور کون سا طرز عمل روح دین کے مطابق ہے۔ لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ قانونی علم جو فقہ کے نام سے موسوم ہے اس کا علم حاصل کرنا حکم الٰہی کے بموجب منتہائے مقصود ہے حالانکہ وہ محض جز ومقصود ہے۔ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کو جس چیز نے روح دین سے خالی کر کے محض جسم دین اور شکل دین کی تشریح پر مرتکز کر دیا اور بالآخر جس چیز کی بدولت مسلمانوں کی زندگی میں ایک نری بیجان ظاہر داری دین داری کی آخری منزل بن کر رہ گئی وہ بڑی حد تک یہی غلط فہمی ہے''۔ یہ سچ ہے کہ ہمارا دینی طبقہ اگر فقہ کے دائرہ کو وسیع کرتا تو اس میں پوری انسانی زندگی آجاتی۔ افسوس کہ منطق وفلسفہ کی دقیق موشگافیوں میں ہمارے علماء اس قدر گم ہو گئے کہ معنی وبلاغت اور صرف ونحو جیسے خالص ادبی ولسانی علوم میں بھی بغیر منطق کی ژولیدہ اصطلاحوں کے ایک قدم آگے نہیں اٹھاتے تھے۔ بقول مولانا سلیمان ندوی: متاخرین کے حواشی پر حواشی اور شرح کی شرح لکھنا مدرسین وعلماء کا دلچسپ مشغلہ بن گیا۔ ملا محبّ اللہ بہاری کی سلم العلوم چند صفحات کی کتاب ہے مگر حاشیہ در حاشیہ ایک ضخیم کتاب بن کر مدارس میں عقیدت سے آج بھی پڑھائی جاتی ہے۔ ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کے اقتدار کی شکست وریخت کی شکل میں جو قیامت صغریٰ آئی اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ ہمارا علم دین مفلوج اور علم دنیا مسلوب ہو کر

رہ گیا تھا۔ علماء معقولات میں، عوام توہمات میں اور امراء تعیشات کے غبار میں کھو گئے تھے۔ نصاب تعلیم اور طریقہ تدریس میں انقلاب آفریں تبدیلیوں کی ضرورت تھی مگر شیخ عبدہٗ، جمال الدین افغانی، شیخ عبدالرحمٰن الکواکبی اور شیخ صدر الدین کی فکر انگیز تحریروں کے باوجود ابھی نصاب تعلیم وہ انداز نہیں اختیار کر سکا جس نے ۷۵۰ء سے ۱۲۵۰ء تک رازی، غزالی، عطار، مسعودی، البیرونی، بوعلی سینا، ابن ہیثم، ابن رشد، طوسی جیسے مفکر فلسفی اور سائنسدان پیدا کیے تھے۔ اقبال کے الفاظ میں:

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند　　اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی
شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تہی　　رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی
عشق کی تیغ جگردار اڑالی کس نے　　علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

☆☆☆

درس نظامی کی معنویت-عصر حاضر کے تناظر میں

مولانا محمد نصر اللہ ندوی☆

علامہ نظام الدین کا جاری کردہ درس نظامی

علامہ شبلی رقم طراز ہیں:

''درس نظامی اگر چہ علامہ نظام الدین کی طرف منسوب ہے، لیکن درحقیقت اس کی تاریخ ایک پشت اوپر سے شروع ہوئی ہے۔یعنی علامہ نظام الدین کے والد سے جن کا نام ملا قطب الدین شہید تھا۔تمام ہندوستان میں بلکہ انصاف یہ ہے کہ تمام دنیائے اسلام میں یہ بات صرف اسی مقدس ذات کو حاصل ہے کہ پورے دوسو برس تک متواتر اور بلافصل ان کی نسل سے علماء ہوتے چلے آئے۔

یہ اگر چہ خاص ہندوستان کا کارنامہ فخر ہے لیکن نظام الملک کے بغداد میں جو مدرسہ اعظم نظامیہ کے نام سے قائم ہو چکا تھا اس کی عالم گیر شہرت نے اس قدر دست درازی کی کہ اس سلسلہ کو بھی اپنی فہرست اعمال میں داخل کرنا چاہا، چناں چہ اکثر ناواقفوں کو دھوکہ ہوگیا، یہاں تک ایک اردو تصنیف میں صراحۃً یہ دعوی کیا گیا'' (مقالات شبلی ۳؍۱۰۵)۔

انگریز مؤرخ کی شہادت

مشہور محقق مسٹر ڈبلو ویل اسمتھ اپنے مضمون علماء ان انڈین پالیٹکس میں لکھتا ہے:

'' آخر الذکر کے ارتقاء بطور ہمیں دو ایک چیز ملتی ہیں، مثال کے طور پر فرنگی محل لکھنؤ کی بڑھتی اہمیت

☆ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو

ہے، جس کی خصوصیت یہ تھی ۱۷۹۸ء میں صرف ایک شخص نے تن تنہا اسے قائم کیا تھا، لیکن جو اٹھارویں صدی عیسوی میں ایک ایسا ادارہ بن گیا جو قومی پیانے پر ہندوستان کا قریب قریب اولیں سنی مدرسہ تھا۔ اور اس کا نصاب ایک ایسے معیاری درس نظامی کی شکل میں رائج ہوگیا جو مذہبی علماء کی معتبر تعلیم کا ایک اہم اور ہمہ گیر طریق کار بن گیا (پالیٹکس اینڈ ہسٹری ان انڈیا، ۷۔۴، بحوالہ بانی درس نظامی ۲۶۶)۔

درس نظامی ایک خاص طریقہ درس کا نام ہے، نہ کہ مخصوص کتابوں کا، اس درس کے تحت شروع سے متعدد ایسی کتابیں پڑھائی جانے لگیں تھیں جو بانی درس نظامی کے تلامذہ کی تصانیف تھیں، اور ان کے سامنے یا ان کے بعد تصنیف ہوئی تھیں۔ اور پیشتر کتابیں تو وہ تھیں جو بہت پیشتر سے پڑھائی جاری تھیں۔

درس نظامی کا مقصد اصلی

اس درس گاہ کا مقصد طالب علم میں ایسا ملکہ پیدا کرنا تھا کہ اسے پڑھ کر پھر وہ کچھ سمجھ لے یا پڑھ پڑھا سکے۔ بعض حضرات نے ملکہ کی تعریف یوں کی ہے کہ ملکہ اس صلاحیت واستعداد کا نام ہے جو اگر حاصل ہوجائے تو جو کچھ پڑھا ہے اور جو نہیں پڑھا ہے وہ دونوں یکساں (یعنی پڑھا) ہوجاتے ہیں اور اگر حاصل نہ ہو تو پڑھا اور ان پڑھ دونوں یکساں رہتے ہیں (بانی درس نظامی ۲۶۱)۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ نصاب درس کا مقصد محض چند مخصوص اور منتخب کتابوں کو پڑھا دینا نہیں بلکہ طلبہ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو مہمیز لگانا ہے۔ مشہور صاحب قلم مولانا مناظر حسین گیلانی تعلیم کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تعلیم وتربیت کا حقیقی مقصد یہی ہے کہ علم الانسان مالم یعلم یعنی انسان جو نہیں جانتا ہے جاننے کی انسانی فطرت میں جو قدرتی صلاحیت ہے، اس کو جہاں تک ممکن ہو بروئے کار لانے کے لیے چمکایا جائے، مانجھا جائے، دھویا جائے، صاف کیا جائے (ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت ۱/۱۷۳)۔

افسوس کہ آج مدارس میں نصاب تعلیم کے نام پر بہت سی کتابیں داخل ہیں تاہم عموی طور پر استعداد کا فقدان ہے۔ درس نظامی کا اصل مقصد طلبہ کے اندر ایسی استعداد پیدا کرنا تھا کہ وہ اس کو پڑھنے کے بعد کچھ بھی سمجھنے کے قابل ہو سکے۔

اسی ملکہ کو پیدا کرنے کے لیے بانی درس نظامی اور ان کے جانشین (بحر العلوم) اور پھر ان کے جانشینوں نے درسی کتابوں میں کمی اور بیشی کو ہمیشہ روا رکھا۔ اگر علامہ شبلی کا یہ خیال درست ہے کہ ''درس نظامی اگرچہ علامہ نظام الدین کی طرف منسوب ہے، لیکن درحقیقت اس کی تاریخ ایک پشت اوپر سے شروع ہوتی ہے یعنی علامہ نظام الدین کے والد سے جن کا نام ملا قطب الدین شہید تھا۔ ملا قطب الدین کے زمانے میں اس طریقہ درس میں ہر فن کی ایک کتاب جو اپنے موضوع پر سب سے بہتر ہوا کرتی تھی، داخل درس ہوتی۔ علامہ نظام الدین اپنے دور میں ہر فن کی دو کتابیں اور بعض ذہین طلبہ کو صرف ایک ایک کتاب پڑھاتے تھے اور بحر العلوم ملا عبد العلی بعض طلبہ کو ایک ایک، بعض کو دو، دو اور بعض کو تین تین کتابیں استعداد کے مطابق پڑھایا کرتے تھے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی متعین نصاب نہیں ہوتا تھا بلکہ ہر استاد طلبہ کے مناسب حال اور انفرادی استعداد کے مطابق کتابوں کا انتخاب کرتا تھا اور اسی کو پڑھاتا تھا۔ جدید تعلیمی نظریات میں طلبہ کے انفرادی رجحانات کی رعایت پر جو زور دیا جاتا ہے اس کی دھمک تین سو سال قبل علامہ نظام الدین اور ان کے والد بزرگوار کے تجویز کردہ نصاب درس اور طریقہ درس میں صاف سنائی دیتی ہے (بانی درس نظامی ۲۶۲)۔

درس نظامی کی انہیں خصوصیات کو علامہ شبلی یوں بیان فرماتے ہیں:

۱- اختصار، یعنی ہر فن کی ایک دو مختصر کتابیں لے لی گئیں۔

۲- اختصار کے اصول پر اکثر کتابیں ناتمام درس میں رکھی گئیں یعنی صرف اس قدر حصہ لیا گیا جو ضروری خیال کیا گیا۔

۳- ہر فن میں وہی کتاب رکھی گئی جو اس فن کی سب سے مشکل کتاب ہے۔ اس سے

مقصد یہ تھا غور وفکر کی قوت پیدا ہو جائے۔ پھر جس کتاب کو چاہے دیکھ کر سمجھ لے۔

یعنی درس کا نظام ایسا بنایا گیا کہ مقصود بالذات علوم وفنون پر گرفت کرنے کے لیے جن علوم آلیہ جتنی ضرورت ہو، اس قدر اس پر وقت صرف کیا جائے (مقالات شبلی ۳/ ۱۲۴)۔

دین ودنیا کی جامعیت

نصاب تعلیم کے لیے ضروری ہے کہ وہ دین ودنیا کا جامع ہو، اس کے اندر توازن اور اعتدال ہو۔ اگر ایک طرف اس میں دینیات کا غالب حصہ ہو تو دوسری طرف عصری علوم کا بھی ضروری حصہ ہو۔ یہ تمام صفات اور خوبیاں درس نظامی کے اندر گزشتہ زمانہ میں موجود تھیں۔

مشہور محقق ومصنف مولانا مناظر حسن گیلانی لکھتے ہیں:

حکومت متسلطہ سے قبل ہندوستان میں تعلیم کا جو نظام قائم تھا اور عام طور سے جسے درس نظامی کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ اس کے متعلق لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کی صرف دینی تعلیم کا نظام تھا۔ درحقیقت اس نصاب میں اس عہد کی دفتری زبان، فارسی کی نظم ونثر اور انشاء وغیرہ کی بیسیوں کتابوں کے ساتھ ساتھ حساب، خطاطی وغیرہ کی مشق کرانے کے بعد اعلیٰ تعلیم عربی زبان کی کتابوں کے ذریعہ دی جاتی تھی (ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت بحوالہ ہمارا نصاب تعلیم کیا ہو؟ ۷۹)۔

درس نظامی کا طالب علم آکسفورڈ کے طالب علم سے کم نہیں تھا

انگریز جنرل مسٹر سالون نے مسلمانوں کا تعلیمی جائزہ لینے کے بعد لکھا تھا کہ درس نظامی کا طالب علم آکسفورڈ کے کامیاب طالب علم سے کم نہیں تھا۔ وہ لکھتا ہے:

''سالہا سال کے درس کے بعد ایک ہندوستانی طالب علم اپنے سر پر جو آکسفورڈ کے فارغ التحصیل طالب علم کی طرح علم سے بھرا ہوتا ہے، دستار فضیلت باندھتا ہے اور اسی طرح روانی سے سقراط، ارسطو، بقراط، جالینوس اور بوعلی سینا پر گفتگو کر سکتا ہے جس طرح آکسفورڈ کا

کامیاب طالب علم (ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت ۲/۴ ۳ بحوالہ دیباچہ غالب ۱۴)۔

آج ملک کے گوشے گوشے میں مدارس پھیلے ہوئے ہیں اور ان میں مختلف قسم کے نصاب رائج ہیں۔ تاہم عمومی طور پر ان میں جامعیت اور توازن کا فقدان ہے، جو یقیناً ارباب حل وعقد کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے!

فنون دانش مندی

آج مدارس کے فضلا کے بارے میں عام تصور یہ ہے کہ وہ مساجد اور مدارس کے چہار دیواری سے آگے قدم بڑھانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں کچھ نہ کچھ صداقت بھی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مدارس میں فنون دانش مندی کی تعلیم نہ کے برابر ہے۔ یہی سبب ہے کہ سماج میں علماء کا اثر دن بہ دن کم ہوتا جا رہا ہے اور زندگی کی بھیڑ میں وہ گم ہوتے جا رہے ہیں۔

اس پس منظر میں درس نظامی کی افادیت موجودہ زمانہ میں مزید بڑھ جاتی ہے، کیونکہ درس نظامی جب وجود میں آیا تو اس وقت اس کے اندر دینی علوم کے ساتھ فنون دانش مندی کو بھی ملحوظ رکھا گیا تھا۔ افسوس کا مقام ہے کہ آج جو لوگ درس نظامی کے علم بردار ہیں وہ اس نظام تعلیم کی جامعیت اور تنوع کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔

مشہور ماہر تعلیم مولانا سید سلمان حسینی ندوی اپنی کتاب ہمارا نصاب تعلیم کیا ہو؟ میں رقم طراز ہیں:

’’درس نظامی سے فارغ شدہ عالم فلکیات کا ماہر بھی ہوسکتا تھا، طب کا بھی، فلسفہ کا رازداں بھی ہوسکتا تھا۔ منطق کا بھی، ریاضی داں بھی ہوسکتا تھا اور فقیہ بھی، مفسر بھی ہوسکتا تھا اور محدث بھی۔ لیکن درس نظامی کی موجودہ شکل سے جو لوگ چمٹے ہوئے ہیں وہ اس تنوع کو فراموش کر چکے ہیں۔ درس نظامی کا فارغ التحصیل جن علوم میں مہارت رکھتا وہ اس وقت کی جدید دنیا کے خاص عصری اور اپ ٹو ڈیٹ (Up to Date) مضامین تھے۔ اب جن مضامین نے ان کی جگہ

لے لی ہے ضرورت ہے کہ ان کو صحیح تناسب کے ساتھ پڑھایا جائے تو وہ مقصد عزیز پھر حاصل ہوسکتا ہے اور اس خلیج کو پاٹا جا سکتا ہے جو علم کی دوشاخوں میں پیدا ہو چکی ہے۔ ایسے موقع پر یہ کہنے لگنا کہ یہ دخل در معقولات ہے جب ہم یہ نہیں کہتے کہ ڈاکٹر کو انجینئر بھی ہونا چاہیے تو آپ یہ کیوں کہتے ہیں کہ عالم کو جدید علوم بھی سیکھنا چاہیے۔ یہ ایک مغالطہ ہے یا غلط فہمی۔

مروجہ زبان سے چارۂ کار نہیں

ہم جس طرح ہر ڈاکٹر، انجینئر، سائنس داں اور ریاضی داں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اسے فرض عین کی حد تک دینی تعلیم کی تحصیل ضروری ہے، اسی طرح وہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ علماء کو اپنا کردار ادا کرنے کے لیے اور اقامت حجت کے لیے جدید علم اور زبانوں کا اتنا حصہ حاصل کرنا ضروری ہے جس کے ذریعہ وہ دین کی تفہیم و مؤثر اور بلیغ انداز میں سوسائٹی کے ہر طبقہ کے لیے کرسکیں۔ یہ ان پر فرض عین نہیں تو فرض کفایہ ضرور ہے۔ یہ بات عصری علوم کی ایک مناسب مقدار کی تعلیم سے حاصل ہوسکتی ہے۔ ایک کام علوم شرعیہ کی تحصیل اور فہم کا ہے، یقیناً اس کے لیے عصری علوم کی چنداں ضرورت نہیں، لیکن دوسرا کام ان علوم کی تفہیم وتشریح کا ہے۔ اس کے لیے ان علوم اور وقت کی رائج زبانوں کی تحصیل سے چارہ کار نہیں (ہمارا نصاب تعلیم کیا ہو؟ ۱۰۷)۔

افراط وتفریط

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ آج ہمارے مدارس افراط وتفریط کا شکار ہیں، کہیں قدامت پر اتنا زور ہے کہ اکیسویں صدی کی ترقی یافتہ دنیا میں بھی وہی زبان، اصطلاحات اور تعبیرات استعمال کی جاتی ہیں جو آج سے پانچ سو سال پہلے رائج تھیں، اور جن کا سمجھنا آج نہایت مشکل ہے، اور کہیں جدت پسندی کا اتنا زور ہے کہ اس کے نتیجہ میں قدیم صالح سے بھی محرومی ہاتھ آتی ہے۔ جدت پسندی کے شوق میں ان کے فضلاء علماء کی وضع قطع بھی ترک کردیتے ہیں۔ پھر وہ نہ مولوی بن پاتے ہیں نہ مسٹر، بلکہ وہ اپنی شناخت بھی کھو بیٹھتے ہیں۔

ایک اہم ہدایت نبویؐ

یہ صورت حال افسوس ناک شکل اختیار کرچکی ہے، اس کے تدارک کے لیے جیسی کوشش ہونی چاہیے اس کا فقدان ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ حقائق کا منصفانہ اور بے لاگ جائزہ لیا جائے اور موجودہ نصاب تعلیم کا عصر حاضر کی روشنی میں معروضی مطالعہ کیا جائے۔ نئے تجربات سے پورا فائدہ اٹھایا جائے اور ہدایت نبویؐ الحکمۃ ضالۃ المؤمن حیث وجدھا فھو احق بھا (حکمت ودانش مندی مومن کا گم شدہ مال ہے جہاں کہیں اسے ملے، وہ سب سے زیادہ اس کا حق دار ہے) کوکسی بھی حال میں فراموش نہ کیا جائے۔ اللہ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

تیسرا باب

الف: علامہ محمد عبدالحی فرنگی محلی - زندگی کے چند گوشے

فرنگی محل کا دُرِ شاہوار مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی
ایک نامور عالم، ایک بے مثال محقق

بدرالحسن القاسمی (کویت) ☆

''فرنگی محل'' کی شہرت وعظمت وہاں اُبھرنے والی نامور علمی شخصیتوں کی وجہ سے ہے، فقہ وافتاء، درس وتدریس کے علاوہ تصیف وتالیف کے میدان میں بھی علمائے فرنگی محل کا خاص امتیاز رہا ہے، اور درسی کتابوں کے شروح وحواشی کے علاوہ مختلف عقلی ونقلی علوم میں مستقل کتابوں کی تصنیف میں فرنگی محل کے علماء کافی مشہور رہے ہیں، اور عالمی طور پر ان کا فیض جاری رہا ہے۔

علامہ عبدالعلیٰ بحرالعلوم کی ''فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت'' عالم عرب میں امام غزالی کی شہرۂ آفاق کتاب ''المستصفی'' کے حاشیہ پر چھپتی رہی ہے اور تمام محققین وباحثین فقہ واُصول کے موضوع پر اپنی تحقیقات میں اس کتاب کے خوشہ چیں رہے ہیں۔

بحرالعلوم کی ''رسائل الأرکان'' بھی بڑی اہمیت کی حامل کتاب ہے، کاش کہ وہ بھی تحقیق وتعلیق کے ساتھ نئے انداز پر شائع ہوجاتی تو علمی حلقہ میں نمونہ کی کتاب سمجھی جاتی اور بہت سے شرعی کالجوں میں کورس کی کتاب کے طور پر پڑھایا جاتا۔

مولانا عبدالحلیم صاحب فرنگی محلی کی حیثیت بھی محض مولانا عبدالحیؒ کے والد کی نہیں ہے بلکہ ایک محقق عالم کی حیثیت سے بعض کتابوں پر انکے حواشی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

جہاں تک مولانا ابوالحسنات عبدالحیؒ فرنگی محلی کا تعلق ہے تو انکی حیثیت خانوادۂ فرنگی محل کے

☆ نائب صدر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

ورثا ہوا رکی ہے۔ وہ بہ ایک وقت ایک نامور فقیہ، عظیم محدث، بے مثال قوت حافظہ کے مالک عالم دین اور غیر معمولی عبقریت کے حامل مصنف سبھی کچھ تھے۔

۱۲۶۴ھ میں پیدائش اور ۱۳۰۴ھ میں وفات پانے والے اس باتوفیق عالم نے اتنا بڑا علمی ذخیرہ چھوڑا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ صرف ۳۹ ؍سال کی عمر میں اتنا بڑا کارنامہ محض اللہ کی خاص توفیق سے ممکن ہوسکا، اور ایسے باتوفیق لوگ پوری اسلامی تاریخ میں چند ہی گزرے ہیں۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے ۱۰۴ کتابیں یادگار چھوڑی ہیں جنمیں ۶۴ ؍کتابیں عربی زبان میں ہیں، پھر انمیں متعدد کتابیں ایسی ہیں جنکی مثال پوری اسلامی تاریخ میں پیش نہیں کی جاسکتی، اوراللہ تعالیٰ نے انکی کتابوں کو عالمی سطح پر مقبولیت سے نوازا ہے۔

شام کے نامور عالم دین وعظیم فقیہ ومحدث شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے تو اپنی زندگی کا ایک مشن ہی یہ بنالیا تھا کہ مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی کتابیں اپنی تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع کریں، اور عالم عرب کے علمی حلقوں کو انکی نادر تحقیقات سے روشناس کرائیں۔ چنانچہ نہ صرف متعدد کتابیں انہوں نے ایڈٹ کرکے شائع کیں بلکہ بنفس نفیس فرنگی محل آکر مولانا کے آثار ونوادر سے بھی آگاہی حاصل کی۔

اہم ترین تصنیفات میں ''الرفع والتکمیل'' أو الأجوبة الفاضلة عن الأسئلة العشرة الكاملة'' ایسی نادر کتابیں ہیں جنکی نظیر سے عرب دنیا کے مکتبات بھی یکسر خالی ہیں اور اس کا اعتراف متعدد نامور اہل علم نے برملا کیا ہے۔ ابوعبدالرحمٰن بن عقیل الظاہری جیسے علامہ ابن حزم ظاہری کی محبت میں غلو رکھنے والے عالم نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ ''الرفع والتکمیل'' ایک بے مثال کتاب ہے جسکی نظیر پیش کرنے سے اسلامی مکتبے عاجز ہیں۔

''الرفع والتکمیل'' کے بارے میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ بھی فرماتے ہیں کہ:

هو أول كتاب ألف في الموضوع ولم يسبق إليه على تمادي العصور ووفرة الحفاظ النقاد المؤلفين في علوم الحديث۔ (مقدمہ سباحۃ الفکر ص۵)

میرے دارالعلوم دیوبند کے قیام کے زمانہ میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ کا جب دوسرا سفر ہوا اور دارالعلوم کے دارالحدیث میں تعارف کراتے ہوئے میں نے شیخ ابوغدہ کے کارناموں میں خاص طور پر مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی اور علامہ انورشاہ کشمیریؒ کی بعض تصنیفات کی تحقیق اوران سے عرب دنیا کو متعارف کرانے کا ذکر کیا اورکہا کہ انکو انکے علمی کارناموں کی وجہ سے کوئی نہیں جانتا؟

البيت يعرفه والحلّ والحرم

تو شیخ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے جن سے انکے تواضع کے ساتھ ان شخصیتوں سے انکی غیرمعمولی محبت اوروابستگی عیاں تھی۔

شیخ نے ''ظفر الامانی'' کوبھی بڑے اہتمام سے شائع کیااورکتاب کی تحقیق وتعلیق میں اپنے کمالات کے بھرپورجوہر دکھلائے ہیں۔

مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کے نام اورکام سے تو طالب علمی کے زمانہ میں ہی آگاہی ہوگئی تھی۔ آخرشرح وقایہ کا حاشیہ عمدۃ الرعایۃ ،شرح وقایہ کی نامکمل لیکن بے مثال شرح ''السعایۃ''، ہدایہ کا حاشیہ پھر موطأ امام مالکؒ کی شرح ''التعليق الممجد'' اور''الجامع الصغیر'' کا مقدمہ ''النافع الکبیر'' سےکون مستغنی ہوسکتا ہے؟

مولانا کےفتاوی کا مجموعہ ''جامع الفتاوی'' انکی لیلی کتاب ''نفع المفتي و السائل''، تراجم احناف کی بےمثال کتاب ''الفوائد البهية'' اوراس کےحواشی ''التعليقات السنية'' نہ صرف عام طالب علموں کے لئے زادراہ کی حیثیت رکھتی ہیں بلکہ عالم اسلام کے نامور محققین بھی مراجع کی کتابوں کےطور پر ان سے استفادہ کرتے ہیں۔ بلکہ بعض بڑی جامعات کے پروفیسروں کیلئے ''فقہ حنفی'' کی قدروقیمت جاننے اوراحناف کی کتابوں کی درجہ بندی اورفقہائے احناف کے طبقہ اوررتبہ کی تعیین کیلئے سب سے آسان تر اور قابل اعتماد مأخذ کی حیثیت ''**عمدة الرعاية**'' کےمقدمہ اور''**الجامع الصغیر** '' کےمقدمہ''**النافع الكبير** '' کوحاصل رہی ہے جن پر انہوں نے اپنے تحقیقی کاموں کی بنیاد کھڑی کی ہے۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی محض عام معنوں میں حدیث کے عالم ہی نہیں تھے بلکہ علم اسماء الرجال اور فن الجرح والتعدیل پر انکی گہری نظر تھی جس کا ثبوت انکی کتابیں ''الرفع والتکمیل'' ''الأجوبة الفاضلة'' اور ''ظفر الأماني'' وغیرہ ہیں۔

اسی طرح وہ ایک نامور فقیہ ہی نہیں تھے بلکہ انکے ذہن ودماغ میں فقہ واُصول کے سیکڑوں مراجع اس طرح تھے کہ انکو بجاطور پر ایک چلتا پھرتا کتبخانہ کہا جاسکتا تھا۔

وہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مذہب کے پابند ضرور تھے لیکن انکی نظر کی وسعت اور مذاہب اربعہ سے گہری واقفیت انکو کبھی کبھی بعض جزئی مسائل میں الگ رائے اپنانے پر مجبور کردیا کرتی تھی۔

جہاں تک ''التعليق الممجد على موطأ الإمام محمد'' کا تعلق ہے تو اس سے بھی مولانا کی عبقریت واضح ہے۔

امام محمدؒ کی موطأ ایک بے مثال کتاب ہے اور عام طور پر خود حنفی مدارس میں بھی اس کو زیادہ توجہ سے پڑھایا نہیں جاتا، لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ مقارنہ بین المذاہب یا مذاہب فقہیہ کے موازناتی مطالعہ کیلئے اس سے بہتر کتاب کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے موطا امام مالک بروایۃ یحیی المصمودی کے بجائے موطا امام مالک بروایۃ محمد بن الحسن الشیبانی کا شرح کیلئے جو انتخاب کیا ہے اس میں موطا امام محمد کی وہ خصوصیات ملحوظ رہی ہیں جو موطا کی دوسری روایتوں میں نہیں پائی جاتی ہیں۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کی تصنیفات کا جو امتیازی وصف ہے اس کے بارے میں نامور عالم ومحقق شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ فرماتے ہیں:

> يقر كل من نظر في تآليف الشيخ عبد الحي أنها تستوفي التحقيق العلمي الناصع، وتحوي النقول النادرة الفاضلة، والإستيعاب لكل ما في المسألة أو الباب حتى كأنه تخصص طوال عمره في الموضوع الذي يبحثه لا غير.

ولا تجده في شيء من كتبه هذه الكثيرة يجتر العلم اجترارا أويقول فيها معادا مكررا حتى في كتبه التي تبلغ مجلدات ضخمة كحاشيته على الهداية للإمام المرغيناني وكتابه السعاية في كشف ما في شرح الوقاية۔ (مقدمۃ لاجوبۃ الفاضلۃ،ص ۱۴)

(ہر وہ شخص جس نے شیخ عبدالحیؒ کی کتابیں پڑھی ہیں وہ اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ ان کتابوں میں واضح علمی تحقیق کا پورا حق ادا کیا گیا ہے اور وہ بڑی نادر اور فیصلہ کن منقولہ عبارتوں پر مشتمل ہیں اور ان میں ہر مسئلہ یا اس سے متعلقہ باب کا پورے طور پر احاطہ کیا گیا ہے جس سے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا مؤلف نے ساری زندگی اسی ایک مسئلہ کی تحقیق کرتے رہے ہیں۔

انکی ان بہت ساری تصنیفات میں یہ بات ہرگز محسوس نہیں ہوتی کہ انہوں نے علمی حقائق میں خواہ مخواہ کی کھینچ تان کی ہے یا اس میں ایک ہی بات کا بار بار اعادہ کیا ہے۔

انکی کتابوں کی یہ خصوصیات ان بڑی کتابوں میں بھی پائی جاتی ہیں جو کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں امام مرغینانی کی ''ہدایہ'' کا حاشیہ اور ''شرح وقایہ'' کی شرح ''السعایہ'' وغیرہ)

مولانا کی ایک اہم ترین اور مکمل تصنیف موطا امام محمدؒ کی شرح ''التعلیق الممجد'' بھی ہے۔

اس کے بارے میں خود ہی فرماتے ہیں کہ ایک عرصہ سے دل میں یہ بات آرہی تھی کہ حدیث کی کسی کتاب کی شرح لکھوں اور اس کے اسرار ورموز پر روشنی ڈالوں تاکہ گنہگاروں کی شفاعت کرنے والے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور رب کائنات کی خوشنودی حاصل کرسکوں، اور اس کتاب کی برکت سے اللہ تعالیٰ میرا شمار صالحین میں کرلے، اور میرا حشر محدثین کرام کے زمرہ میں انبیاء وصدیقین کے ساتھ ہو۔ پھر ۱۲۸۸ھ کا اپنا وہ خواب مجھے یاد آیا جسمیں میں نے

دیکھا تھا کہ گویا میں مدینہ طیبہ میں ہوں اور مسجد نبویؐ میں داخل ہو رہا ہوں اور وہاں امام مالکؒ تشریف فرما ہیں، میں خدمت میں حاضر ہو کر ان سے مصافحہ کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ آپ کی کتاب موطا کے بارے میں میرے دل میں کئی طرح کے شکوک وشبہات ہیں میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے اسے پڑھوں تا کہ آپ ان شکوک وشبہات کو دور فرما دیں۔ انہوں نے فرمایا: خوشی وسرور کے ساتھ آؤ اور کتاب لا کر مجھ سے پڑھو، چنانچہ میں وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر سے کتاب لانے کیلئے جاتا ہوں کہ آنکھ کھل جاتی ہے۔

میں نے اس مبارک خواب پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور یہ محسوس کیا کہ گویا امام مالکؒ کی طرف سے مجھے یہ اشارہ ہے کہ انکی کتاب موطا کی شرح وتدریس میں خود کو مشغول رکھوں۔

جب مجھے یہ خواب یاد آیا تو پھر میں نے تعلیق لکھنے کا پختہ عزم کرلیا۔ (مقدمہ التعلیق الممجد)

اس کتاب کی اہمیت جاننے کیلئے خود موطا الامام مالک بروایۃ الامام محمد بن الحسن الشیبانی کی اہمیت ذہن نشیں کر لینی چاہئے۔

امام محمدؒ نہ صرف امام ابوحنیفہؒ کے نامور شاگرد، انکی فقہ بلکہ پوری فقہ اسلامی کے اولین مدون ہیں بلکہ خود بلند پایہ محدث بھی ہیں۔

امام دار الھجرت مالک بن انسؒ کی خدمت میں تین سال رہ کر تقریباً ۷۰۰ حدیثیں انہوں نے اس شان سے جمع کی ہیں کہ انکی کتاب مقارنۃ بین المذاھب الفقہیۃ یا مختلف فقہی مذاہب کے موازناتی مطالعہ کا بہترین نمونہ بن گئی ہے۔ ایک بلند پایہ محدث وفقیہ دوسرے بلند پایہ محدث وفقیہ سے روایت کے ساتھ اپنے دیگر اساتذہ کی روایتیں بھی بسا اوقات نقل کرتا ہے اور پھر انہیں باہم فقہی حیثیت سے ترجیح دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پورے اسلامی کتبخانہ میں اس پایہ کی کوئی دوسری کتاب نہیں ہے جسکی خصوصیات کے ذکر کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ امام طحاویؒ کی ''شرح معانی لآ ثار'' بھی اس لحاظ سے اہمیت رکھتی ہے اور حدیث کے ساتھ الفقہ المقارن کی ایک بہترین مثال ہے۔

حضرت مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی نے نہ صرف اس کی شرح فرمائی ہے بلکہ صحابہ وتابعین اور فقہاء کے مذاہب بھی ذکر کئے ہیں، مرسل اور موقوف روایتوں کے موصول کرنے کا بھی اہتمام کیا ہے اور راویوں کی توثیق وتضعیف کے بارے میں بھی ماہرانہ کلام کیا ہے، کتاب کے مختلف قلمی نسخوں کا مقابلہ کر کے عبارتوں کی تصحیح بھی کی ہے اور پھر ملاعلی قاریؒ کی شرح میں واقع ہونے والی فنی غلطیوں کی نشاندہی بھی کی ہے تاکہ ان سے بچا جاسکے۔

غرض یہ کہ یہ اپنے انداز کی ایک مستقل کتاب ہے اور مولانا عبدالحیؒ صاحب کے فقہ وحدیث میں کمال پر شاہد عدل کی حیثیت رکھتی ہے۔

علمائے فرنگی محل کے فقہی کارناموں کا ذکر ہو یا حدیث کی خدمات کا تنہا مولانا عبدالحیؒ صاحب کے کارنامے اتنے ہیں جو پورے عالم کو سیراب کئے ہوئے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے ایک ایسی اکیڈمی کی بنیاد ڈالی جائے جس کا کام علمائے فرنگی محل کے علمی کارناموں کو اُجاگر کرنا اور خاص طور پر مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلیؒ کی تصنیفات اور انکے چھوٹے بڑے تمام علمی رسائل کو جدید معیار پر تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع کرنا ہو، تاکہ بہت سے فقہی مسائل میں انکی محققانہ آراء کو جدید مسائل کے حل کرنے کا ذریعہ بنایا جاسکے۔ **واللہ ولی التوفیق**

☆☆☆

علامہ محمد عبدالحی فرنگی محلی اور ان کی زندگی کے نمایاں پہلو

مولانا عمیر الصدیق ندوی دریابادی☆

کیسی عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کی زندگی میں جب سیاسی زوال اور معاشی ادبار کی گھٹائیں چھائیں تو ان کی علمی زندگی پر غیب سے ایسے سورج روشن ہوئے جن سے سیاسی ومعاشی احساس زیاں میں قدرت کی جانب سے کمی ہی نہیں ہوئی تلافی کی بھی ایک صورت سامنے آگئی، کم ازکم ہندوستان میں شاہ ولی اللہ دہلوی اور مولانا ابو الحسنات عبدالحی فرنگی محلی اس کی زندہ جاوید مثال ہیں۔ ۱۸۴۷ء یعنی ہندوستان کی پہلی تحریک آزادی سے ٹھیک دس سال پہلے جب ہندوستان اور خاص طور پر اودھ کا خطہ انگریز استعمار کے قبضہ وتسلط اور جبر واستبداد کا بری طرح شکار تھا اور ۱۸۸۶ء تک جب ہر ہندوستانی ۱۸۵۷ء کے ہولناک واقعات بلکہ خوف اور آگ کے دریا سے نکل کر اپنے وجود کی جنگ میں جی رہا تھا، اسی انتالیس سال کا عرصہ ایک نوجوان عالم کی ایسی علمی فتوحات کا دور بن گیا جس کے ذکر سے آج قریب ڈیڑھ سو سال بعد یہ مجلس آباد وپرشور ہے۔

انتالیس سال میں یہ ایسے کمالات کا حصول کہ تذکرہ نگاروں اور وہ بھی معاصر تذکرہ نگاروں نے شاید ہی کبھی کسی کو ایسے القاب اور ایسی تعبیرات سے یاد کیا ہو، شہسوار میدان علم وعمل، جامع علوم معقول ومنقول، ایسا فقیہ ومنطقی ومحدث وواعظ اپنے اکابر تو کیا ابن ہمام، عینی، صدر الشریعہ اور تاج الشریعہ سے بازی لے جانے والا، شمس سمائے تحقیق در فلک تحقیق، افق عالم پر ضیا بخش عالم، کہنے کو تو یہ شیخ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی کے الفاظ ہیں، لیکن ان کی معنویت میں اللہ کی

☆ دارالمصنفین، اعظم گڑھ یوپی

عنایت پوشیدہ بھی ہے ظاہر بھی، جس کی ولادت کی تاریخ مہر افلاک مشیت و اقبال جیسے مصرعہ سے نکلے، اس کی واقعیت میں شبہ بھی جائز نہیں، یہ محض خانہ زاد عبارت آرائی نہیں کہی جاسکتی، خصوصاً جب دور متاخر کے ابن خلکان مولانا سید عبدالحی جیسے الفاظ و القاب شناس بھی ایک اکتالیس سالہ جوان کے متعلق الشیخ، العالم الکبیر اور العلامہ لکھ کر بھی سیر نہ ہوا اور ایسا شعر مزید پیش کردیں کہ عالم و فاضل ایسے کہ علوم کی اشاعت میں سب سے بڑھ کر اور ہر تشنہ لب کی سیرابی میں سب سے برتر۔ مولانا حکیم سید عبدالحی کا وفور شوق دیکھیے کہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی مجلسوں کا ذکر کرتے ہیں، اپنی عادت کے برخلاف وہ ان کا مرقع آراستہ کرتے ہیں، صبیح چہرے والے، سیاہ آنکھوں والے، زیادہ پرگوشت نہیں، لمبے بال اور اچانک لہجہ یوں بدلتا ہے نہایت تیز ذہن، پاک نفس، رقیق القلب، مدہوش کن خطیب، معقول و منقول میں نہایت متبحر، شریعت کے دقائق و غوامض سے آگاہ، احکام کے نقل میں دراک، علم فتوی میں ہندوستان میں منفرد، علم کے قافلے والوں کی زبان ان کے ذکر سے تر حد یہ کہ ہر خطے کے علماء ان کی جلالت علمی کے قصیدہ گو۔

شاید ہی ہندوستان کے کسی اہل علم کے لیے محتاط ترین تذکرہ نگاروں نے الفاظ کی دولت کا ایسا خراج پیش کیا ہو، مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی کتابوں اور ان کے علوم کا ذکر بار بار یہ رہا ہے، اس طرح گویا کسی معجزہ کے اسباب اعجاز بیان کیے جارہے ہوں۔ ہم کو حکم ملا کہ صرف ان کی شخصیت کو مرکز مطالعہ بنایا جائے۔ سب جانتے ہیں کہ شخصیت سازی میں خاندانی وراثت، ماحول، تربیت کے ساتھ انسان کی اپنی طبیعت، مزاج، ذوق اور محنت کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے، مولانا ابوالحسنات کے حسنات میں خاندانی وراثت کی نعمت ظاہر ہے، وقت کے سب سے بڑے مورخ بلکہ ایک عقیدت مند کے الفاظ میں جدید تاریخ کے معلم اول علامہ شبلی نے لکھا کہ ہندوستان میں جس قدر اور جہاں جہاں بڑے سلسلۂ درس قائم ہوئے وہ اسی خاندان ایوبی و نظامی کا فیض ہے، یہی نہیں علامہ شبلی کے پاس یہ دلائل بھی ہیں کہ عجیب اتفاق ہے کہ ہندوستان میں اور جو علمی خاندان تھے مثلاً دلی میں شاہ ولی اللہ، الہ آباد میں شاہ محمد افضل کا دائرہ، بہار میں ملا محبّ اللہ، جونپور میں ملا محمود جون پوری بلگرام میں عبدالجلیل بلگرامی، غلام علی آزاد یہ سب

خاندان دو دو تین تین پشت سے زیادہ نہ چلے، یعنی وہ علمی حیثیت قائم نہ رہی لیکن فرنگی محلی کا خاندان دو سو برس تک ایک حیثیت سے قائم رہا اور سینکڑوں علماء فضلاء پیدا ہوئے، یہی وجہ تھی کہ مولانا فاروق چریا کوٹی اور مولانا یوسف انصاری فرنگی محلی کے سلسلے سے علامہ شبلی نے لکھا کہ خاکسار کو بھی اس خاندان کے سلسلہ شاگردی کا فخر حاصل ہے، یہ تو شخصیت کی تعمیر میں خشت اول خاندان کی بات ہے، ماحول ایسا کہ والد ماجد خود عمر بھر درس و تدریس کے پیشے سے وابستہ، اور خود صاحب تصانیف کثیرہ اپنے والد سے ہی ساری کتب درسیہ پڑھ ڈالیں، باندہ میں پیدا ہوئے تو حافظ قرآن آنکھ کا تارا بنے، چار سال میں لکھنؤ گھر آئے تو سورۂ فاتحہ سے علمی زندگی کا سفر شروع ہوا، حافظہ ایسا کہ تین چار سال کی عمر کے واقعات ایسے یاد جیسے وہ آنکھوں کے سامنے ہوں، اسی حافظہ کی نعمت تھی کہ جونپور میں دس سال کے ہوئے تو مکمل حافظ بن کر تراویح میں پورا قرآن مجید سنادیا، سترہ سال میں تحصیل علوم سے فارغ ہوئے اور جب بیس اکیس سال کے ہوئے تو باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، شخصیت کی تعمیر میں یہ یتیمی بھی کیا چیز ہے، فارغ البالی کا سایہ سر سے اٹھتا ہے تو آسمان پر صرف سورج رہتا ہے، زندگی کی تپش میں کندن بنانے کے لیے باپ کی جگہ حیدرآباد میں تقرر کی بات آئی تو سخت سے سخت وقت کے باوجود صرف اس لیے انکار کردیا کہ اس پیشے کی وجہ سے علمی مشاغل میں خلل واقع ہوگا، وظیفہ مقرر ہوا، قلیل تھا لیکن خودداری کے بعد قناعت کا جوہر کھلا کہ بس اب نہ ملازمت نہ کاروبار، وطن میں رہ کر تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہنا ہے۔ عملاً یہ کر کے انہوں نے پیغام دیا کہ خودداری ہو قناعت ہو اور مقصد واضح ہو تو اللہ تعالیٰ ایک خاندان میں دوسرا بحر العلوم بھی پیدا کرسکتا ہے، شخصیت سازی میں سب سے طاقت ور موثر عنصر محنت ہے، ۳۹ سال کی عمر میں ایسی محنت کہ تذکرہ نگار نے لکھا کہ اسی سے صحت خراب ہوئی، صرع کے دورے پڑنے لگے، علاج سے کچھ افاقہ ہوتا تو پھر وہی محنت اور پھر وہی مرض۔ کتاب الرفع والتکمیل میں ایک جگہ لکھ ہی دیا فکروں کی کثرت، الگ الگ دکھوں اور مختلف جھمیلوں کی وجہ سے بہت عجلت میں یہ کتاب لکھی **کتبنا علی سبیل الاستعجال مع کثرۃ الھموم ولحوق اصناف الملال والاشتغال بانواع الاشغال**۔ بالآخر یہ روشن

شمع بجھ گئی، نوجوانی کی عمر میں اس طرح کا ماتم یوں کیا گیا کہ ذرا اور جیتے تو علامہ بحر العلوم سے آگے جاتے، لیکن حقیقت یہی ہے کہ اس چھوٹی سی عمر میں انہوں نے صدیوں کا کام کرلیا، سو سے زیادہ تالیفات اور سب ایک سے بڑھ کر ایک، کسی نے کہا کہ صرف چار کتابیں یعنی مصباح الدجی، سعایہ التعلیق الممجد اور ظفر الامانی ہی ہوتیں تو بقائے دوام کے لیے کافی ہوتیں، صحیح ہے میں تو کہتا ہوں کہ صرف ان کے فتاوی ہی ان کو زندہ جاوید بنانے کے لیے کافی ہیں، جلال تعلم کا یہ عالم ہے کہ جس کتاب کو دیکھیے، حیران رہ جایئے، بقول صاحب نزہتہ الخواطر، جب نطق جاری ہوتا ہے تو سوائے سماعت اور قبولیت کے دوسروں کے پاس کوئی اور چارہ نہ ہوتا لیکن خاکساری کا یہ عالم کہ ہر مضمون میں اپنے لیے یہی دعا کہ **تجاوز الله عن ذنبه الجلي والخفي** اپنے پوشیدہ وعلانیہ لغزشوں کا یہ استحضار شاید ہی اس دوام کے ساتھ کہیں اور ملے، کہیں علم کا پندار نہیں، تفوق کا شائبہ تک نہیں، حاسد اور کینہ پرور کہاں نہیں ہوتے اور جب کوئی شخصیت چھوٹی سی عمر میں مرجع خلائق بن جائے تو حسد اور کینہ خدا جانے کس کس کے سینہ میں گھر بنالے اور محسود کو طیش دلادے لیکن صاحب نزہتہ الخواطر کہتے ہیں کہ **لا یعتریه الطیش والخفه فی شیٔ کائنا ما کان** کچھ بھی ہوجائے طیش تو آتا ہی نہیں تھا اور جب طیش قابو میں ہو تو خفت کہاں سے ہوسکتی ہے۔

مولوی بشیر سہسوانی نے زیارۃ قبر النبیؐ کے مسئلہ پر اختلاف کیا، کتاب لکھی اور ٹائٹل پر نام دیا تدمیر شبہات مولوی عبدالحی، اندازِ تحریر کا انداز یہ تھا کہ مولوی عبدالحی صاحب نے رسالہ کلام مبرور میں رذیلات اختیار کی اور جب ان کو بذریعہ خط متنبہ کیا گیا تو نادم وشرمسار نہ ہوئے بلکہ من غیرہ مبالاۃ فرمایا کہ اصول مطالب وامور ضروریہ کے جواب پر اکتفا کی گئی ہے اور امور زائدہ سے اعراض کیا گیا **وهل هذا الا هو کذب عظیم**۔ جملہ سخت تھا لیکن مولانا عبدالحی نے کیا جواب دیا، ملاحظہ ہو" اس زمانے میں اکثر علماء نے بحث اور متنازع فیہما میں طریقہ مناظرہ واحقاق حق کو مطلقاً چھوڑ دیا اور راہ مکابرہ ومجادلہ کو اختیار کیا، جس امر کی طرف ان کی رائے مائل ہوتی ہے۔ ہزار طرح سے کوئی ان کو سمجھانے اور دلائل شافیہ پیش کرے ہرگز طبیعت ان کی رائے سے نہیں پھرتی ہے بلکہ جو عبارات علماء ومحدثین ان کے خلاف ہوتی ہیں اس میں طرح طرح کی تاویلات

کرتے ہیں اور نقاد، علماء پر افترا کرنے پر تیار ہوتے ہیں اور جو احادیث ان کے مخالف ملتے ہیں ان کے رواۃ پر کتب رجال سے جرأت کرکے جرح کردیتے ہیں باوجودیکہ اصطلاحات واصول ارباب جرح وتعدیل سے مطلقاً واقف نہیں ہوتے ہیں۔ زیادہ بریں جو علمائے سلف ان کے موافق ملتے ہیں ان کی ایسی ثنا وصفت کرتے ہیں کہ مدار تحقیق کا انہی پر کرتے ہیں اور جو علماء ان کے مخالف نکلتے ہیں ان کی مذمت وتفضیح شان میں صرف اوقات کرتے ہیں **نعوذ باللہ من امثال هذه الخرافات ونجانا من اشباه هذا الهفوات**۔ اب اس جواب کے بعد مولوی بشیر کے پاس کیا تھا۔ یہ انداز گفتگو آج کے علماء کے لیے بھی روشن ہدایت ہے، اصل بات یہ ہے کہ علمی اعتدال وتوازن کا یہ وصف ان کا ذاتی بھی تھا اور خاندانی بھی، ان کے حنفی ہونے اور غالی حنفی ہونے کا ذکر ہوتا ہے اور یہ بالکل درست بھی ہے لیکن ان کے فتاوی کو دیکھیے تو انہوں نے غیر حنفیوں کے لیے کبھی سخت انداز اختیار نہیں کیا، ایک استفتا آیا کہ ایک مسجد میں مقلدین وغیر مقلدین نماز ساتھ پڑھتے تھے چند لوگوں کے مسلک میں شدت آئی تو دونوں فریقوں میں فتنہ وفساد ہونے لگا، مقلدین، آمین بالجہر وغیرہ سے منع کرتے ہیں اس لیے رفع فساد کے لیے غیر مقلدین نے دوسری مسجد بنانا شروع کردیا ہے تو کیا اسے مسجد ضرار سمجھ کر توڑ دینا چاہیے، مولانا نے جواب دیا مسجد مذکور کو توڑنا اور اس کے بانیوں کو بنانے سے منع کرنا درست نہیں اور یہ صورت مسجد ضرار کی نہیں ہے کیونکہ مقصود تو رفع فساد ہے اگر مقصود تفریق اور فساد ہو تو وہ ضرار ہوتی ہے۔ یہی اعتدال یہی توازن تھا جس کی وجہ سے ان کے نقطۂ نظر سے اختلاف کرنے والے علماء بھی ان کی رحلت پر روئے اور غائبانہ نماز جنازہ ادا کی، اور جو ان کے شہر لکھنؤ میں تھے ان کے بارے میں صاحب نزہۃ الخواطر نے لکھا ہی ہے کہ ان کی تدفین میں ہر طائفہ اور ہر فرقہ کے لوگ اتنے تھے کہ شمار نہیں کیے جاسکتے، تین تین بار نماز جنازہ ہوئی اور ماحول ایسا تھا کہ مولانا سید حکیم عبدالحی حسنیؒ کے قلم نے یہ تک لکھ دیا کہ **وکان ذلک الیوم من انحس الایام** وہ دن سب سے زیادہ منحوس دن تھا، قلم کو ایسے میں کون سمجھائے جب جانے والا وہ ہو جس کو بڑے یقین کے ساتھ عجائب الزمن اور من محاسن الہند کہا جاتا ہو۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی اور معاصر علماء سے اختلاف

پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی

ابو الحسنات مولانا عبدالحی بن عبدالحلیم فرنگی محلی ولادت ۱۸۴۷ء وفات ۱۸۸۶ء، برصغیر کے ان علماء میں تھے جو اپنے علمی مقام اور تصنیفی کام کی بدولت ہندوستان ہی نہیں ممالک عرب وافریقہ میں بھی معروف تھے وہ ہندوستانی علماء میں صاحب امتیاز اور حنفی علماء میں صاحب تاج تھے۔ وہ کثیر المطالعہ ہونے کے ساتھ کثیر التصانیف بھی تھے۔ اللہ نے ان کے علمی کاموں میں برکت عطا کی تھی، ان کی کتابوں اور رسالوں کی تعداد سوا سو کے قریب ہے۔ اس میں ضخیم جلدیں بھی شامل ہیں اور چند صفحات پر مشتمل رسالے بھی۔ انہوں نے متداول درسی کتابوں پر حواشی اور شروح بھی لکھے اور طبع زاد تصانیف بھی رقم کیں۔ ان کے مطالعہ میں وسعت، تحقیق وتنقید میں بصیرت اور تصنیف وتالیف میں جدت تھی۔ وہ علمی کاموں میں دن رات مشغول رہتے تھے، اور اس میں ان کو لذت وسرور ملتا تھا۔ وہ اکثر تاج الدین سبکی کے یہ اشعار پڑھتے:

سهری لتنقيح العلوم الذلی　من وصل غانية وطيب اعناق
ومما يلی طربا لحل عويصة　فی الذهن ابلغ من مدامة ساق

علم کی تحقیق کے لیے راتوں کو جاگنا مجھے حسین عورت کی ملاقات اور شیریں معانقہ سے زیادہ لذیذ ہے، کسی مشکل مسئلہ کے حل کے لیے وجد وطرب کے ساتھ میرا جھومنا ساقی کی شراب سے زیادہ مسرور انگیز ہے۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے علم وفن کی اتنی خدمت انجام دی جو آج کل اکیڈمیاں کرتی

☆ سابق ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

ہیں، معروف تذکرہ نگار مولانا عبدالحی لکھنوی نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

’’وہ عقلی اور نقلی علوم کے متبحر عالم تھے، شریعت کی باریکیوں اور گہرائیوں سے واقف تھے۔ علوم میں مہارت حاصل تھی، احکام کے نقل کرنے میں دقت نظر سے کام لیتے تھے۔ انہوں نے بہت سے مسائل اور فتاوی لکھے وہ اس میدان میں منفرد ہندوستانی عالم تھے۔ ان کا شہرہ دور دور تک تھا۔ ہر ملک کے علماء ان کی عظمت کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ اصول فروع میں ان کو کامل قوت اور جامع قدرت حاصل تھی .... مختصر یہ ہے کہ وہ عجائبات زمانہ اور محاسن ہندوستان میں سے تھے، سب لوگ ان کی تعریف کرتے اور ان کے فضل وکمال کا اعتراف کرتے تھے‘‘ (عبدالحی لکھنوی، نزہۃ الخواطر ۸/ ۲۳۴، ۲۳۵، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن)

مولانا عبدالحی کی کتب مطالعہ اور ماخذ ومصادر میں وسعت اور تنوع ہے، یہ مختلف علوم وفنون کے ہزاروں مخطوطہ اور مطبوعہ نسخوں پر پھیلا ہوا ہے۔ ان کی کتابوں تک رسائی حاصل کرنا اور پھر ان سے اپنے مقصد کا مواد حاصل کرنا بلکہ اس کی تنقیح وتصحیح بھی کرنا مولانا کا خاص فن ہے، ان کی اس خصوصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے مشہور شامی عالم شیخ عبدالفتاح ابوغدہ لکھتے ہیں:

’’مولانا کی تصانیف میں معروف اور غیرمعروف مصادر کی کثرت ہے، جن کو وہ بلا تکلف اس طرح پیش کرتے ہیں جیسے کہ وہ ان کے ہاتھ کی انگوٹھی ہوں۔ یا ان کی آنکھوں کے سامنے کی تحریر۔ وہ ان میں سے جو چاہتے ہیں اپنے بیان کے ثبوت میں پوری امانت اور باریکی کے ساتھ نقل کرتے ہیں، وہ جن مصادر سے استفادہ کرتے ہیں ان میں بہت سی کتابوں کا نام جلیل القدر علماء نے سنا تک نہیں ہے۔ چہ جائیکہ ان سے واقف ہوں اور ان کو پڑھا ہو، اسی لیے مولانا کی تحریر میں جدید اور مفید معلومات کی کثرت ہے (التعلیق الممجد علی موطا امام محمد، بتعلیق تقی الدین الندوی، ۱/ ۴۴، متحدہ عرب امارات)۔

دینی کتب کے ذخائر پر مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی وسیع وعمیق نظر کا اندازہ ان کی کتاب ’’نزھۃ المدرسین بذکر المولفات والمولفین‘‘ سے لگایا جاسکتا ہے، جس میں انہوں نے تفسیر وحدیث، فقہ وعقائد، منطق وحکمت اور تاریخ وسیر کی ۲۲۱ کتابوں کا اور ان کے مولفین کا تعارف

کرلیا ہے، ان میں سے بیشتر کتابیں ان کے مطالعہ کی زینت رہی ہیں ان کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے عموماً وہ لکھتے ہیں ''طالعته کثیرا'' میں نے اس کتاب کا بہت زیادہ مطالعہ کیا ہے'' (فرحۃ المدرسین بذکر المولفات والمولفین (قلمی) بتذکرۃ اطلوع فرنگی محل مکلکشی آراء)۔

یاد رہے کہ مولانا عبدالحی نے چالیس سال سے بھی کم عمر پائی تھی، جس کا ایک حصہ طالب علمی میں گزرا باقی حصہ علمی کاموں میں وقف کردیا اور اس شان کے ساتھ کیا کہ وہ معاصرین کے لیے قابل رشک اور متاخرین کے قابل تقلید بن گیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس کم مدت میں کتنا وسیع تحقیقی کام انہوں نے انجام دیا" وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون''۔

مولانا عبدالحی نے یوں تو علوم دینیہ کے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا مگر خاص طور پر فقہ حنفی کے اصول فروع پر اور اعلام و رجال پر کتابیں لکھیں، ان کی کتابوں اور ان کے اس کے مقام و مراتب اور راجح کی معرفت کو اجاگر کیا۔ اپنے قلم وقدم سے فقہ حنفی کو تقویت پہونچائی اس کے باوجود وہ فقہ حنفی میں متصلب اور متشدد نہ تھے بلکہ وسعت ذہن اور وسعت نظر کے حامل تھے۔ اسی لیے ان کی کتابوں اور رسالوں میں یک گونہ اعتدال پایا جاتا ہے۔ ان کے دلائل کی رعایت کے ساتھ دوسرے مسالک اور ان کے اساطین سے ہمدردی اور ان کی قدر دانی کا جذبہ ملتا ہے وہ اپنے فقہی اعتدال کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

''اللہ تعالٰی کے احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے مجھے افراط وتفریط کے درمیان چلنے والا بنایا، میرے سامنے جب کوئی معرکہ آرا مسئلہ آیا، میں نے اس میں اعتدال کا راستہ اپنایا میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو فقہا پر طعن کرتے ہیں۔ اور فقہ کو بالکلیہ ترک کردیتے ہیں، اور نہ ان لوگوں میں سے ہوں جو تقلید جامد اختیار کرتے ہیں اور فقہاء کے قول کو نہیں چھوڑتے اگر شرعی دلائل اس کے خلاف ہوں۔ میں کسی مسئلہ میں اس وقت تک اعتماد نہیں کرتا جب تک قرآن وحدیث میں اس کی اصل نہ پائی جائے'' (النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر ۱۳۸، مطبع یوسفی، لکھنؤ)۔

مولانا عبدالحی اس مسلکی اعتدال کے سلسلہ میں مشہور فقیہ علامہ سعد الدین مسعود بن

عمر التفتازانی صاحب ’’التلویح‘‘ کے پیرو تھے، اس کا اعتراف کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں: ’’میں سمجھتا ہوں کہ علامہ تفتازانی مقلد شافعیوں کی طرح شافعی اور مقلد حنفیوں کی طرح حنفی نہ تھے، وہ تحقیق پر کاربند تھے، تقلید محض کی حد بندیوں سے بلند تحقیق کی چوٹی پر تھے جیسا کہ ان کی تصانیف بالخصوص ’’التلویح‘‘ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ راستہ تمام راستوں میں معتدل اور محفوظ ہے، اور میں نے اپنی تصانیف میں اسی راستہ کو اختیار کیا ہے‘‘ (فرحۃ المدرسین بذکر المولفات والمولفین (تذکرہ التلویح) قلمی فرنگی محل کلکشن مولانا آزاد لائبریری، اے ایم یو علی گڑھ)۔

مولانا عبدالحی نے ایک طرف الفوائد البہیہ لکھ کر تقریباً چھ سو حنفی علماء اور فقہا کے حالات قلم بند کیے، ان کے فتاوی اور مصنفات کا تعارف کرایا تو دوسری طرف طرب الاماثل بتراجم الافاضل‘‘ لکھ کر دیگر مسالک کے علماء وفضلا کی خدمات سے روشناش کرایا۔ یہ ان کے ذہنی توسع اور فکری اعتدال کا ثبوت ہے۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی کو شرح نویسی اور حاشیہ نگاری میں مہارت حاصل تھی، چنانچہ التعلیق الممجد علی موطا امام محمد، حاشیہ الجامع الصغیر، حاشیہ الحصن الحصین، حاشیہ علی التوضیح والتلویح، حاشیہ علی الشریفۃ شرح السراجیۃ، حاشیہ الہدایۃ، السعایۃ فی کشف ما فی شرح الوقایۃ، ظفر الامانی فی شرح مختصر الجرجانی، عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ وغیرہ مولانا کے معروف اور متداول شروح وحواشی ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ مولانا نے خود اپنی بعض کتابوں پر بھی حاشیے لکھے ہیں مثلاً التعلیق علی القول الجامع اور القول المحور علی القول المنشور وغیرہ۔

مولانا عبدالحی کا امتیازی وصف یہ ہے کہ مفید کتابوں کے حواشی لکھنے کے ساتھ اس کتاب کے فن، مصنف اور مالہ وما علیہ پر مبسوط مقدمے بھی لکھے ہیں، حواشی کے ساتھ مقدمہ نگاری کا فن گذشتہ عہد میں معروف نہ تھا، مولانا نے اسے رواج دیا، علامہ سید سلیمان ندوی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

’’کتابوں کے تحشیہ اور اشاعت میں مولانا کو جو اہتمام تھا اس میں دو باتیں خاص طور سے قابل ذکر ہیں: سب سے پہلی بات مقدمہ نگاری کی ایجاد ہے، مولانا سے پہلے کسی شارح یا

محشی نے اس کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی، یورپ میں قلمی کتابوں کے ایڈٹ کرنے کی جو اہمیت حاصل ہے اور جس طرح وہ مختلف نسخوں کی فراہمی، مقابلہ اور تصحیح اور ساتھ ہی مصنف اور تصنیف کے متعلق ہر قسم کی معلومات مقدمہ میں فراہم کرتے ہیں، مولانا نے یورپ کے طریقہ کار کے علم سے پہلے ہی اس اہم کام کی طرف توجہ کی اور بالکل اسی طریقہ پر بلکہ اس سے بھی بہتر طریقہ پر اس کام کو انجام دیا، جس کتاب کو شائع کیا اس کے مختلف نسخوں کو فراہم اور ان کا مقابلہ کر کے ایک صحیح نسخہ ترتیب دیا پھر اس پر حواشی لکھے، شروع میں ایک مقدمہ لکھا جس میں ماتن، شارح اور اس کے دیگر شارحین کے حالات لکھے۔ اس کتاب اور اس فن کی دوسری کتابوں کے حالات ذکر کیے، نفس اس فن کی جس کی یہ کتاب تھی تاریخ لکھی۔

دوسری قابل ذکر بات کتابوں کی صحت ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ عربی کی ضخیم کتابیں اور ان پر باریک حاشیے اور ان کی تصحیح اس طرح کی جاتی تھی کہ اگر یہ دعوی کیا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ ان کی خاص شائع کردہ کتابوں میں ایک نقطہ کی بھی غلطی نہیں ہے'' (سید سلیمان ندوی، مقالات سلیمان، ۲/ ۶۲، ۶۳، دار المصنفین، اعظم گڑھ)۔

مولانا عبدالحی کے مطالعہ کا طریق کار یہ تھا کہ وہ جس کتاب کو پڑھتے غور وانہماک سے پڑھتے، اس کی مفید باتوں کو ذہن نشین کرتے، اس کی غلطیوں اور تسامحات کو نشان زد کرتے، اگر کسی کتاب کی شرح یا اس پر حاشیہ لکھتے تو اس کا بھی تذکرہ کرتے۔ اس سلسلہ میں وہ کسی تحفظ یا تعصب سے کام نہ لیتے، انہوں نے متقدمین کی تسامحات پر بھی اسی طرح گرفت کی ہے جس طرح معاصرین کی اغلاط پر تنقید کی ہے۔ مثلاً فقہ کے مشہور عالم ابو البرکات حافظ الدین نسفی کی کتاب کنز الدقائق فقہ حنفی میں کلیدی حیثیت کی حامل ہے اور دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔ اسی مصنف کی دوسری کتاب اصول فقہ میں ''المنار'' ہے جس کی شرح ملا جیون نے نور الانوار کے نام سے لکھی ہے اور معروف ہے۔ مولانا عبدالحی نے اپنے والد مولانا عبدالحلیم سے ''المنار'' پڑھی تھی، مگر وہ اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ لطیف کتاب اور شریف تالیف ہے، مگر یہ بہت سی تسامحات پر مشتمل ہے۔ اور یہ

صرف فخر الاسلام (بزدوی) کے افتراء کی وجہ سے ہے جیسا کہ ملا جیون نے اس کی شرح میں متنبہ کیا ہے، حالانکہ محققوں کے نزدیک یہ مقبول کتاب ہے اور لوگوں نے اس کی شروح وحواشی لکھے ہیں'' (فرحۃ المدرسین بذکر المولفات والمولفین (قلمی) تذکرہ المنار)۔

مولانا عبدالحی متقدمین کے علاوہ معاصر علماء کی کتب ورسائل کا بھی مطالعہ کرتے تھے اور ان سے اخذ واستفادہ کرتے تھے۔ وہ معاصرت کی وجہ سے ہم عصر علماء کی کتابوں سے گریز کرنے والوں کو جاہل اور متکبر سمجھتے تھے، اس سلسلہ میں وہ فرماتے تھے:

''علماء پر واجب ہے کہ اپنے معاصرین کی کتابوں کے مطالعہ سے گریز نہ کریں اور ان کے معانی سے استکبار نہ کریں، اور ان کی تعریف کرنے کے سلسلہ میں بہرے اور اندھے نہ ہوجائیں'' (تذکرۃ الراشد، قلمی ص: ۴۰ فرنگی محل کلکشن ۶۹ / ۶۱ ۳ مولانا آزاد لائبریری اے ایم یو)۔

مولانا عبدالحی نے قدیم ومعاصر علماء وفقہا کی تحریروں سے استفادہ کرنے کے ساتھ ان کے تسامحات، شاذ خیالات اور مرجوح تاویلات پر گرفت بھی کی ہے، خاص طور پر معاصر علماء سے ان کے اختلافات بھی رہے ہیں اور قلمی مباحثے اور مناظرے بھی ہوئے ہیں۔ علمی نقد واستدراک کے معاملہ میں وہ کسی قسم کی مداہنت اور رعایت کے قائل نظر نہیں آتے البتہ وہ ایسے معاملوں میں سنجیدہ علمی استدلال کرتے ہیں اور متانت وشرافت کے ساتھ ردوقدح کرتے ہیں، کسی تعلی اور تکبر سے کام نہیں لیتے اور مخاطب کی علمی شخصیت اور عرفی حیثیت کا بھی لحاظ کرتے ہیں۔

مشہور عالم شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے لکھا ہے:

''مولانا عبدالحی اگرچہ ولادت، سکونت اور زبان کے اعتبار سے ہندوستانی تھے مگر ان کی تحریر میں عجمیت کا کوئی شائبہ نہیں ملتا، وہ جو کچھ لکھتے یا نقل کرتے ہیں یا بحث کرتے ہیں اس میں کہیں بھی ان کا ذوق مشکوک نظر نہیں آتا، یہاں تک کہ جب وہ اپنے مخالفین پر اعتراض کرتے ہیں تو اس وقت بھی ان کے اسلوب میں ادب کا التزام اور میدان مباحثہ میں علم کی تمکین جلوہ گر ہوتی ہے اور کہیں پر کوئی غلط استدلال اور فحش بیانی نہیں ملتی'' (الاجوبۃ الفاضلۃ، الاسئلۃ العاشرۃ، تحقیق

عبدالفتاح ابوغدہ، حلب ۱۳۸۴ھ مقدمہ ص ۱۴)۔

مولانا عبدالحی کی اس خصوصیت کا اعتراف ان کے مخالفین بھی کرتے تھے اور ان کی علمی دیانت کو محسوس کرتے تھے، مشہور عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے ان کی وفات پر کیا تھا۔

''آج علم کا آفتاب غروب ہوگیا، ہمارے اور ان کے اختلاف بعض مسائل پر مبنی تھے'' (نزہۃ الخواطر، ۸/۱۹۳)۔

جس اختلاف کی طرف نواب صدیق حسن صاحب نے اشارہ کیا ہے وہ نواب کی تصانیف بالخصوص اتحاف النبلاء میں اغلاط وتسامحات پر مولانا عبدالحی کی گرفت پر مبنی ہے، مولانا عبدالحی صاحب نے نواب صاحب کی تحریروں پر تنقید تو کی ہے مگر نواب صاحب کا تذکرہ عزت واحترام کے ساتھ کیا ہے مثلاً: ''**هو العالم، الجليل و الفاضل النبيل، مجمع الكمالات الانسية منبع الفضائل الحميدة نواب صديق حسن خان بهادر دام اقباله**'' (ابرار الغی الواقع فی شفاء العی عما اوردہ الشیخ عبدالحی، قلمی فرنگی محل کلکشن ۶۸ / ۳۶۰، مولانا آزاد لائبریری، اے ایم یو علی گڑھ)۔

نواب صاحب نے اپنی کسی معتمد خاص کے ذریعہ جن کا نام ابو الفتح عبدالنصیر ظاہر کیا گیا تھا ایک کتاب شائع کی جس کا نام رکھا ''شفاء العی عما اوردہ الشیخ عبدالحی'' مولانا عبدالحی کا خیال تھا مصنف کا یہ نام فرضی ہے۔ اصل شخص مولوی بشیر سہسوانی ہے جن سے زیارت قبر نبوی پر ان کا مباحثہ ہوا تھا۔ اس کتاب میں نواب صاحب کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ نواب صاحب کی کتاب میں مقامات، تاریخ اور شخصیات کی ولادت ووفات سے متعلق جن غلطیوں کی نشاندہی مولانا عبدالحی نے کی ہے وہ متقدمین کی کتابوں میں ہیں اور نواب صاحب صرف ناقل ہیں، مولانا عبدالحی نے اس کتاب کے جواب میں دوسرا رسالہ ابرار الغی الواقع فی شفاء العی کے نام سے لکھا اور اس میں نواب صاحب کی مزید کتابوں، اتحاف النبلاء، حل سوالات المشکلۃ الحطۃ فی ذکر صحاح الستۃ اور الاکسیر فی اصول التفسیر کے مندرجات کا تنقیدی جائزہ لیا اور ان میں واقع مزید غلطیوں کی نشاندہی کی۔ مولانا عبدالحی نے صرف تاریخ موالید وجنات پر گرفت نہیں کی بلکہ نواب صاحب کی فقہی اور اصولی غلطیوں پر بھی گرفت کی اور ان کے مسلکی

طریق کار پر سوالیہ نشان لگایا۔مثلاً نواب صاحب کے مسلک کے بارے میں لکھا:

''اتحاف النبلاء کے مصنف نے اپنی تصانیف میں جو عادتیں اور طریقے اختیار کیے ہیں ان سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگردوں اور شوکانی جیسے عالموں کی تقلید جامد کرتے ہیں حالانکہ وہ مقلدین پر شدید نکیر کرتے ہیں۔اس قسم کے فعل سے اللہ کے حضور شکایت ہے۔کس چیز نے ائمہ مجتہدین ومتبوعین کی تقلید کو حرام قرار دیا اور ان نئے لوگوں کی تقلید کو جائز قرار دیا جبکہ یہ لوگ ائمہ مجتہدین کے سامنے کچھ مقام نہیں رکھتے'' (ایضاً ورق: ۵)۔

مولانا عبدالحی نے نواب صاحب کی کتابوں کے فقہی مسائل کا بھی تعاقب کیا ہے اور ان کے دلائل کی کمزوری کو واضح کیا ہے،مثلاً نواب صاحب نے حل السوالات المشکلۃ میں جان بوجھ کر نماز ترک کرنے والے کی قضا کو غیر واجب قرار دیا ہے جو بعض ظاہریہ کا مسلک ہے،ان کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں جس نماز کی قضا کا ذکر ہے وہ بھول جانے یا سوجانے کی وجہ سے فوت شدہ نماز ہے۔جہاں تک عمداً ترک صلوٰۃ کا معاملہ ہے تو اس سلسلہ میں کوئی صریح دلیل قرآن وسنت میں موجود نہیں ہے کہ اس پر قضا واجب ہے۔مولانا عبدالحی نے نواب صاحب کے اس بیان اور دلیل سے اختلاف کیا ہے اور وضاحت سے لکھا ہے کہ: ''ھذا مذھب شاذ مردود، مخالف لجمھور العلماء الملة وجملة الشريعة .... نالعا مد والناسی فی القضاء للصلوٰة سواء و ان اختلفا فی الاثم'' (ایضاً ورق ۳)۔

یہ مذہب شاذ اور مردود ہے، حاملین شریعت اور جمہور علماء ملت کے مخالف ہے، کیونکہ عمداً نماز ترک کرنے والا یا بھول جانے والا قضا کے سلسلہ میں برابر ہے اگرچہ دونوں کے گناہ میں فرق ہے۔

اس طرح نواب صاحب نے اموال تجارت میں زکوٰۃ کے عدم وجوب کا مسئلہ بیان کیا ہے،مولانا عبدالحی کہتے ہیں کہ انہوں نے تاجروں پر بڑا احسان کیا ہے اور یہی رائے شوکانی کی

بھی ہے۔مگر یہ قول جمہور علماء وسلف وخلف کے مخالف ہے۔کیونکہ تمام علماء امت سامان تجارت میں زکوٰۃ کو واجب قرار دیتے ہیں۔سوائے داؤد ظاہری کے۔کیونکہ وہی اس کے مخالف ہیں۔ جیسا کہ امام نووی نے مسلم کی شرح میں لکھا ہے۔مولانا عبدالحی اموال تجارت میں زکوٰۃ کے عدم وجوب کو ضعیف اور شاذ قرار دیتے ہوئے اسے قرآن وسنت کے خلاف قرار دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''یا ایھا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض'' (البقرہ)۔

(اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور جو کچھ ہم نے ہمارے لئے زمین میں اگایا ہے اس میں سے خرچ کرو)۔

آخر میں نواب صاحب کے فتویٰ پر حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:

''فالحذر الحذر مثل ھذہ الفتیا المخالفۃ لظاھر القرین واخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' (ایضاً ورق:۴)۔

(اس طرح کے قرآن وسنت کے مخالف فتویٰ سے پرہیز کرنا چاہیے)۔

مولانا عبدالحی نے نواب صاحب کی تصنیفی کمزوری پر گرفت کرتے ہوئے خاص طور پر لکھا ہے کہ نواب صاحب کی عادت ہے کہ اپنی تصانیف میں وہ ایسی تمام چیزیں نقل کر دیتے ہیں جو ان کو دیگر کتب میں ملتی ہیں، اور وہ سب کچھ اخذ کر لیتے ہیں جو وہاں پاتے ہیں اگر چہ وہ صریحا غلط ہی کیوں نہ ہوں'' (ایضاً مقدمہ)۔

مولانا عبدالحی کی اس کتاب پر نواب صاحب کی طرف سے ایک دوسری کتاب جواب میں شائع ہوئی جس کا نام تھا ''تبصرۃ الناقد برد کید الحاسد''۔لکھنے والے نے نواب صاحب کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے مولانا عبدالحی کی تنقید کو حسد پر محمول کیا تھا۔جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کتاب کا لب ولہجہ مناظرانہ اور جارحانہ تھا۔مولانا عبدالحی کی سنجیدہ گرفت کا جواب مجادلانہ

انداز میں دیا گیا تھا اور نواب صاحب کی طرف سے پھر یہ بات کہی گئی تھی کہ ان کی کتابوں میں سیرت وتاریخ وغیرہ کے جو اقتباسات ہیں نواب صاحب نے ان کو نقل کر دیا ان کی تحقیق نہیں کی ہے۔ اس میں کتب محولہ کی غلطی ہے، کچھ کاتب کی۔ اس لیے نواب صاحب پر مولانا کا الزام درست نہیں (تذکرۃ الراشد برد تبصرہ الناقد، قلمی ۵۷ فرنگی محل کلکشن ۶۹ / ۳۶۱ مولانا آزاد لائبریری اے ایم یو)۔

مولانا عبدالحی نے اس کتاب کے جواب میں تیسری مفصل کتاب ''تذکرۃ الراشد برد تبصرۃ الناقد'' کے نام سے ۱۸۸۳ء میں لکھی۔ اس میں نواب صاحب کی متعدد کتابوں میں موجود تسامحات اور اغلاط کی نشاندہی کرتے ہوئے نواب صاحب کی تصانیف غیر علمی وغیر تحقیقی قرار دیا۔ اور نواب صاحب کی طرف سے اس کتاب کو غیر مفید قرار دیا۔ ''اہل عقل پر مخفی نہیں کہ یہ ایسی مدد ہے جس سے اہل دلائل مطمئن نہیں ہوتے بلکہ جس کی مدد کی جارہی ہے وہ بھی خوش نہیں ہوتے، کیونکہ نقل کرنے میں صحت کا التزام نہ کرنا اور اقتباس کے ثقہ ہونے کا اہتمام نہ کرنا عقل مندوں کی شان نہیں ہے'' (ایضاً: ۷)۔

مولانا عبدالحی نے نواب صاحب کو حاطب اللیل، جامع رطب ویابس اور غیر ملتزم الصحۃ قرار دیا اور اس کتاب کے بارے میں ان کا لہجہ قدرے سخت ہوگیا۔ حالانکہ یہ کتاب جہاں مولانا عبدالحی کی تاریخی تحقیقی اور فقہی بصیرت کا پتہ دیتی ہے وہاں عربی زبان وادب پر ان کی مہارت کا ثبوت بھی فراہم کرتی ہے۔ اس کتاب میں مولانا نے جو زبان استعمال کی ہے اس کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

''ھذہ نصرۃ عاطلہ باطلۃ فاسلۃ، کاسدۃ خامدۃ جاملۃ زائغۃ ضائعۃ خافضۃ خارفۃ، حالکۃ ھالکۃ، قاسیۃ عاصیۃ، طاغیۃ باغیۃ واھیۃ لاھیۃ ساھیۃ اسیۃ، کارھۃ فاسقۃ کافرۃ فاجرۃ، خائبۃ خاسرۃ وما ادراک ماھیۃ، ناقضۃ عاویۃ ناھقۃ عادیۃ حامضۃ راسبۃ، جابرۃ دائمۃ'' (ایضاً: ۸)۔

مولانا عبدالحی مذکورہ کتابوں کے علاوہ نواب صاحب کی کتاب الحطۃ فی ذکر صحاح الستۃ

کی اغلاط کی نشاندہی کے لیے ایک خاص رسالہ بھی رقم کیا تھا جس کا نام تھا ''تنبیہ ارباب الخیرۃ علی مسامحات مولف الحطۃ'' مگر یہ دستیاب نہیں ہوا۔

بھوپال ہی میں مقیم اور منصب تدریس پر فائز مشہور عالم مولانا محمد بشیر سہسوانی م ۱۹۰۵ء نے ایک کتاب القول المحقق المحکم فی زیارۃ قبر الحبیب الاکرمؐ'' کے نام سے لکھی تھی، اس کتاب میں انہوں نے ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی زیارت مستحب ہے واجب نہیں۔ اور جمہور احناف کے اس استحباب کے قائل ہیں۔ اس کتاب کو لکھنے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ مولانا موصوف ۱۸۷۱ء میں حج بیت اللہ کے لیے مکہ مکرمہ گئے اور حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ منورہ نہیں گئے۔ بعض حضرات نے ان کو زیارت حرم نبویؐ کی طرف متوجہ کیا تو یہ کہکر ٹال دیا کہ زیارت روضہ نبوی محض مستحب ہے ضروری نہیں۔ اور بغیر زیارت مدینہ کے ہندوستان واپس آ گئے۔ یہاں لوگوں کو معلوم ہوا تو مولانا صاحب پر تنقیدیں ہوئیں اور ان کو ملامتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا، اس موقع پر انہوں نے مذکورہ رسالہ رقم کیا جس میں اپنے عمل کو درست ٹھہرانے کے لیے دلائل جمع کیے۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی نظر سے جب یہ رسالہ گزرا تو انہوں نے اس کی تردید میں ایک رسالہ'' الکلام المبرم فی نقض القول المحقق المحکم '' لکھا اور اسے اپنے شاگرد مولانا عبدالجبار خاں کے نام شائع کیا، اس رسالہ میں مولانا سہسوان کے دلائل کا ابطال کرتے ہوئے احادیث وآثار اور اقوال فقہا سے روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا وجوب ثابت کیا۔

بعد میں مولانا بشیر سہسوانی نے اس رسالہ کا جواب'' القول المنصور فی زیارۃ سید القبور'' کے نام سے لکھا، جس میں زیارت روضۃ نبویؐ کے وجوب کے بجائے استحباب پر فقہا کا اجماع نقل کیا، انہوں نے زیارت قبر النبیؐ کی روایات کو ضعیف ثابت کیا۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے اس کے جواب میں ایک دوسرا رسالہ الکلام المبرور فی رد القول المنصور'' لکھا اور اسے اپنے دوسرے شاگرد مولانا عبدالعزیز قنوجی کے نام سے شائع کیا۔

بہت دنوں کے بعد مولانا سہسوانی نے تیسرا رسالہ المذہب الماثور فی زیارۃ سید القبور لکھا۔ اور اس کے سرورق پر یہ عنوان بھی لگایا "اتمام الحجۃ علی من اوجب الزیارۃ مثل الحجۃ" اس کتاب میں انہوں نے اپنے بیان کی تائید میں ابن تیمیہ اور ان کے شاگردوں کے اقوال سے استدلال کیا۔ مولانا عبدالحی نے اس کے جواب میں تیسرا رسالہ "السعی المشکور فی رد المذہب الماثر" لکھا اور اس کے سرورق پر "واضح الحجۃ فی ابطال اتمام الحجۃ" لکھدیا (یہ تینوں رسالے مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل کلکشن میں موجود ہیں)۔ اور یہ سلسلہ بحث تمام ہوا۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی ایک اور کتاب تحفۃ الاخیار فی احیاء سنۃ سید الابرار ہے۔ یہ کتاب بھی مولانا بشیر سہسوانی اور کے ان ہم مسلک حضرات کی تردید میں لکھی گئی ہے جو صرف آٹھ رکعت تراویح کو سنت موکدہ مانتے ہیں، مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے اس کتاب میں ان احادیث وآثار سے استفادہ واستنباط کیا ہے جو حضرات خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام کے اتباع سے متعلق ہیں، سنت کی تعریف وتشریح کی گئی ہے اور صلوۃ اللیل کے مسئلہ پر بحث کی گئی ہے، اس کتاب کی وجہ تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

"مجھے اس کتاب کی تالیف پر اس بات نے آمادہ کیا کہ لوگ احناف کے متعلق ایسی بات کہتے ہیں جس کے قائل احناف نہیں ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ احناف کے نزدیک سنت موکدہ صرف وہ عمل ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہے، لیکن جس عمل پر خلفاء راشدین نے مداومت فرمائی ہے وہ احناف کے نزدیک سنت نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ تراویح آٹھ رکعتوں سے جو زائد ہیں وہ مستحب ہیں کیونکہ رسول اللہؐ نے اس پر مواظبت نہیں فرمائی ہے۔

احناف کے بارے میں یہ بہتان تراشی ان کی تصریحات سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اگر ہم مان بھی لیں کہ احناف نے اس بارے میں کوئی تصریح نہیں کی تو بھی صحیح احادیث خلفاء کی

سنت کے لزوم اور اس کے اقتدا کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں‘‘ (تحفۃ الاخیار، تمہید، مطبع یوسفی، لکھنؤ ۱۳۲۵ھ)۔

منطق کی ایک کتاب رسالہ قطبیہ ہے اور اس پر میر زاہد ہروی کی مشہور شرح ہے جو رسالہ میر زاہدی کے نام سے معروف ہے، اس رسالہ پر مولانا غلام یحیٰ بہاری کا حاشیہ ہے جس کا نام ’’لواء الہدیٰ فی اللیل الدجیٰ‘‘ ہے مولانا عبدالحی جب یہ حاشیہ اپنے والد سے پڑھ رہے تھے تو انہوں نے اس پر اپنا ایک حاشیہ لکھا اور اس کا نام ہدایۃ الوریٰ الیٰ لواء الہدیٰ رکھا۔ اس حاشیہ میں انہوں نے متقدمین اور معاصرین علماء کی تسامحات کی نشاندہی کی۔ جن لوگوں کی اغلاط پر نقد کیا گیا تھا، ان میں نحو ولغت اور منطق وفلسفہ کے مشہور ہندوستانی عالم مولانا عبدالحق بن فضل حق خیر آبادی رح (۱۹۰۰ء) بھی تھے، یہ حاشیہ مجمل تھا بعد میں مولانا عبدالحی نے مصباح الہدیٰ فی لواء الہدیٰ کے نام سے ایک دوسرا مفصل اور مدلل رسالہ لکھا اور اس میں وہ مذکورہ بزرگوں کی تسامحات پر روشنی ڈالی۔

مولانا عبدالحق خیر آبادی نے مولانا عبدالحی کے اعتراضات کا جواب لکھا اور اپنے شاگرد کے نام سے اس رسالہ کو شائع کیا۔ مولانا عبدالحی نے تیسرا رسالہ نور الہدیٰ لحملۃ لواء الہدیٰ کے نام سے لکھا اور اس میں مولانا عبدالحق کے جوابات پر نقد وجرح کیا۔ اس کے جواب میں مولانا عبدالحق نے دس سالوں کے بعد ایک رسالہ لکھا جس میں مصباح الہدیٰ اور نور الہدیٰ دونوں کے اعتراضات کا جواب تحریر کیا۔ مولانا عبدالحی نے پھر اس کے رد میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام تھا علم الہدیٰ علی حواشی نور الہدیٰ۔ اس طرح مولانا عبدالحی اور مولانا عبدالحق کے درمیان تحریری مناظرہ ومباحثہ کا جو سلسلہ ۱۸۶۳ء میں شروع ہوا تھا ۱۸۸۴ء میں اختتام پذیر ہوا۔ دونوں بزرگوں کا مباحثہ تفسیر وحدیث اور فقہ کے سلسلہ میں نہیں تھا بلکہ منطق وفلسفہ سے متعلق تھا جو اس زمانہ میں مدارس میں خاص اہمیت کا حامل تھا۔ مولانا عبدالحق نہیں چاہتے تھے یہ مباحثہ عام ہو (غلام مرسلین، مولانا عبدالحی فرنگی محلی حیات وخدمات، ص: ۱۲۶، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ۱۹۸۵ء)۔

مولانا عبدالحی فرنگی کا ایک رسالہ الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ ہے، یہ رسالہ ان سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے جو اہل حدیث عالم مولانا محمد حسین لاہوری م ۱۸۶۸ء نے

مولانا کو بھیجے تھے۔ مولانا محمد حسین لاہوری، اشاعۃ السنۃ کے نام سے ایک مجلّہ نکالتے تھے اور اس میں مقلدین بالخصوص احناف کے خلاف مضامین شائع کرتے تھے، مولانا محمد حسین لاہوری پرجوش اہل حدیث تھے اور اپنے تحریروں سے احناف اور اہل حدیث کے مابین مناظرہ کا ماحول پیدا کردیا تھا۔ اسی تناظر میں انہوں نے اسناد حدیث، حدیث کی صحت وضعف، تعارض، نسخ وجمع ترجیح اور ترک ظاہر الروایۃ سے متعلق دس مسائل مولانا عبدالحی کو جواب دینے کے لیے ارسال کیے تھے۔

مولانا عبدالحی حنفی عالم تھے اور مسلک حنفی کا دفاع کیا کرتے تھے۔ مولانا نے اس چیلنج کو قبول کیا اور ان سوالوں کا مکمل ومدلل جواب تحریر کیا۔ کتب آثار اقوال محدثین واصولین سے استنباط کرتے ہوئے احناف کا موقف واضح کیا۔ مولانا عبدالحی نے خاص طور پر حافظ ابن حجر، امام نووی، ابن صلاح، خطیب بغدادی علامہ سیوطی کی کتب اصول حدیث کو مدار استدلال بنایا۔ مولانا نے خاص طور پر اس میں ضعیف احادیث کا حکم احکام ومسائل میں اور فضائل میں کیا ہے اور کس حد تک اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے مفصل بحث کی ہے۔

اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری اے ایم یو کے شعبہ مخطوطات میں محفوظ ہے(الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ فرنگی محل کلکشن ۶۷ /۵۹ ۳، شعبہ مخطوطات مولانا آزاد لائبریری اے ایم یو علی گڑھ) مشہور شامی عالم شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے اپنی تحقیق وتعلیق اور مقدمہ کے ساتھ اسے حلب سے شائع کیا ہے۔

اس کے علاوہ بھی مولانا عبدالحی کے رسالے میں جو دیگر علماء سے علمی وفقہی اختلاف پر مبنی ہیں مگر آج کے عہد میں ان کی معنویت کم ہوچکی ہے کیونکہ آج کے مسائل اور ہیں۔

☆☆☆

مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ ۔افکار ونظریات

مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی ☆

تمہید :

فرنگی محل لکھنؤ تحقیق وتدریس، تصنیف وتالیف اورشریعت وطریقت کی اسلامی وروحانی دنیا میں اپنی منفرد شناخت رکھتا ہے اس تاریخی محلّہ کے اکابر علماء وفقہاء نے علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت میں جلیل القدر خدمات انجام دیکر فرنگی محل کوشہرت وعزت کی بلندی پر پہونچایا یہاں تک کہ ان کی تحقیقات وتالیفات کوقدر واعتماد کی نظر سے دیکھا گیا، انھیں نوابغ زمانہ شخصیات کے سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی ابو الحسنات علامہ عبدالحیؒ فرنگی محلیؒ کی نادرۂ روزگار ذات ہے۔

ابو الحسنات علامہ عبدالحیؒ اپنے علمی تحقیقی کارناموں اورتصنیف وتالیف کے میدان میں ہمہ جہت خدمات کے باعث فرنگی محل کے علماء کی صف میں نمایاں حیثیت کے حامل مانے جاتے ہیں اللہ رب العزت نے بہت کم مدت حیات میں جس قدر اہم علمی وتحقیقی خدمات انجام دینے کی ان کوتوفیق ارزانی بخشی ایسی سعادت کم لوگوں کونصیب ہوئی ہے۔ ان کے افکار ونظریات پرنظر ڈالنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے علامہ فرنگی محلی کی مثالی شخصیت پر ایک نظر ڈالی جائے اس لئے کہ کسی بھی فرد فرید عالم کی شخصیت سازی میں سب سے زیادہ اس کے والدین اوراساتذہ پھر خاندان ومعاشرہ کا ہاتھ ہوتا ہے جبکہ افکار ونظریات کی تشکیل وتوجیہہ اورتوسیع وتوثیق میں اس کے اپنے مطالعہ وتجربہ، فہم وشعور صلاحیت ولیاقت کے ساتھ ساتھ اساتذہ وشیوخ اورمعاصرین اکابر کے افکار ونظریات کے اثرات کا بھی عمل دخل ہوتا ہے۔

☆ منبع العلوم خیرآباد، مئو، یوپی

ابو الحسنات مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کے حالات، ولادت، نشو ونما، تعلیم وتربیت، حسب ونسب، خاندانی پس منظر وغیرہ کے بارے میں معلومات کا سب سے مستند ذریعہ ہمارے لئے خود مولانا کے تحریر کردہ اپنے سوانحی مضامین ہیں انھوں نے علماء متقدین کی پیروی کرتے ہوئے اپنے حالاتِ زندگی کو بہت تفصیل کے ساتھ رقم فرما کر تذکرہ نگاروں کے لئے آسانیاں فراہم کر رہی ہیں۔

التعلیق المجمد علی موطا الامام محمد "السعایه فی کشف مافی شرح الوقایه، ''عمدة الرعایة فی حل شرح الوقایه" اور "النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر'' وغیرہ کے مقدموں میں انھوں نے اپنے حالاتِ زندگی لکھے ہیں اور اس کی علت بھی بیان کی ہے۔

ترجمة العبد الضعیف جامع هذه الأوراق اوردها لیکون مُذکرا و مُعرفا عن احوالی لمن غاب عنی اویاتی بعدی(مقدمہ التعلیق المجد ص ۲۷)۔

ان اوراق کے جامع ناتواں بندہ نے اپنے احوال کو اس لئے ذکر کردیا ہے کہ جو مجھ سے دور ہیں یا بعد میں آئیں گے ان کے لئے میرے احوال کی معلومات اور تعارف کا سبب بنیں۔

مختصر حالاتِ زندگی:

انھیں ماٰخذ ومراجع کی روشنی میں مولانا فرنگی محلیؒ کی زندگی کے ابتدائی حالات اور فراغت کے بعد کی علمی و تصنیفی سرگرمیوں نیز ان کی خداداد صلاحیتوں مو ہوبی صفات کو مختصر طور پر ملخصاً بیان کرنا ہمارے لئے آسان ہوگیا۔

ولادت:

آپ بروز سہ شنبہ ۲۶/ذی قعدہ ۱۲۶۴ھ میں باندہ میں پیدا ہوئے عبدالحیٔ نام رکھا گیا۔ ابو الحسنات کنیت قرار پائی، سلسلۂ نسب: عبدالحیٔ بن مولانا عبدالحلیم بن مولانا امین اللہ بن مولانا محمد اکبر بن مفتی احمد ابی رحم بن مفتی محمد یعقوب بن مولانا عبدالعزیز بن مولانا محمد سعید بن ملا

قطب الدین شہید سہالوی رحمہم اللہ اسطرح شجرۂ نسب سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے ان کے آباء و اجداد مدینہ منورہ سے ہجرت کر کے ہرات آئے پھر وہاں سے لاہور (پاکستان) میں آکر آباد ہوئے اس کے بعد دہلی پھر وہاں سے لکھنؤ کے مضافاتی قصبہ سہالہ میں آباد ہوگئے ملاقطب الدین شہیدؒ کی زندگی تک یہ خاندان سہالہ میں ہی فروکش رہا جب عالم گیر اورنگ زیبؒ نے لکھنؤ کے فرنگی محل علاقہ کو ان کی جاگیر میں دیدیا تو یہ خاندان فرنگی محل منتقل ہوگیا تب سے آج تک اسی محلّہ میں سکونت پذیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس انصاری خاندان کو دین حنیف کی نصرت وحمایت اورعلوم نبویہ کی ترویج و اشاعت کے لئے منتخب کرلیا ہے علامہ فرنگی محل تحریر کرتے ہیں لم تزل هذه المحلة معمورة بالعلماء والاولياء والصلحاء الى هذا الاوان وكلهم من اولادالابناء الاربعة للقطب الشهيد (مقدمہ الھدایۃ، ص:۴۱)۔

تربیت وتعلیم:

علامہ فرنگی محلی کے پدربزرگوارمولانا عبدالحلیم صاحب فرنگی محلی صاحب تصانیف شہیرہ جہد عالم تھے مولانا اپنے والدمحترم کا تذکرہ اس شان سے کرتے ہیں:

ووالدى مولانا محمد عبدالحليم صاحب التصانيف الشهيرة والفيوض الكثيره الذى كاف يفتخر بوجوده افاضل الهند والعرب والعجب ويستندبه اماثل العالم (مدمۃ الندایہ ص ۴۱)(بحواله الرفع والتكميل فى الجرح والتعديل)۔

اورمیرے والدمحترم مولانا محمد عبدالحلیم صاحب مشہور مصنف اور فیوض کثیرہ کے حامل تھے ان کے وجود پر علماء ہندوعرب اورفضلاء عجم کوفخر تھا دنیا کے قابل فخر علماء وفضلاء ان پر مکمل اعتماد کرتے تھے اوران کی طرف رجوع ہوتے تھے۔

مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی نے پانچ سال کی عمر میں حفظ قرآن شروع کیا اوردس سال کی عمر میں حفظ مکمل کر کے مروجہ دینی علوم کی طرف متوجہ ہوئے اورصرف ونحو، ادب و بلاغت، فقہ و حدیث، اصول حدیث، تفسیر و اصول تفسیر، حکمت وفلسفہ، منطق وطب کی تمام کتابیں اپنے باکمال

پدر بزرگوار سے پڑھیں۔صرف ریاضی مولانا نعمت اللہ فرنگی محلی سے اور حساب مولانا محمد خادم حسین مظفرپوری ثم عظیم آبادی سے پڑھیں دومرتبہ حرمین شریفین کی زیارت کی پہلی دفعہ اپنے والد محترم کے ساتھ ۱۲۷۹ھ میں دوسری دفعہ ۱۲۹۲ھ میں۔

خداداد ذہانت وقوت حافظہ:

مولانا فرنگی محلی میں صغرسنی ہی سے حیرت انگیز حافظہ اور طبیعت میں ذکاوت کے آثار نمایاں تھے فہم وفراست میں اپنے ہم عمروں پر فائق تھے جو دن بدن نکھرتا ہی گیا انھوں نے حفظ قرآن سے لیکر جن علوم وفنون کو پڑھا ان میں رسوخ ومہارت کاملہ پیدا کی فرماتے ہیں:

''ورُزقت قوة الحفظ من زمن الصبا''.....وقد القىٰ الله فى قلبى من عنفوان الشباب بل من زمن الصبامحبة التدريس والتاليف فلم اقرأ كتابا الادرسته بعد فحصل لى الاستعداد التام فى جميع العلوم بعون الحى القيوم و لميبق على تعسر اى كتاب كان، من اى فن كان (مذکورہ حوالہ)

بچپن ہی سے مجھ کو قوت حفظ کی نعمت عطا ہوئی تھی۔'' اور اللہ نے عنفوان شباب بلکہ بچپن کے زمانہ ہی سے تدریس وتالیف کی محبت سے دل کو نوازا تھا میں نے جس کتاب کو پڑھا اس کو بعد میں پڑھایا بھی جس کی وجہ سے اللہ حی قیوم کی مدد سے تمام علوم میں کامل استعداد اور رسوخ پیدا ہوگیا اب مجھ پر کسی بھی فن کی کوئی بھی کتاب مشکل نہیں رہ گئی ہے۔

سند تدریس پر جلوہ گری:

سترہ سال کی عمر میں جملہ مروجہ علوم شرعیۃ وفنون عقلیۃ میں کمال وتفوق حاصل کر چکے تھے لہذا طلبہ کو فائدہ پہونچانے میں مشغول ہوگئے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف سے طبعی لگاؤ تھا اور ذہانت وفطانت میں منفرد وممتاز تھے طلبہ بھی محنتی اور شوقین ملے تو ان کے علوم وفنون کا سرچشمہ ابلنے لگا۔رموز ونکات کی گتھیاں سلجھنے لگیں بہت ہی کم مدت میں مشتاقان علوم نبویہ کا ہجوم

ہوگیا انداز تدریس کی ندرت اور بے پناہ علمی صلاحیت کا شہرہ قریب وبعید کے علاقوں تک پھیل گیا فرماتے ہیں و رضیت منی طلبة العلوم (مقدمہ الہدایہ والسعایہ) بقول رحمٰن علیؒ ایک جہاں آپ کے درس وتعلیم سے فیضیاب ہوا اور بہت سے فاضلان روزگار آپ کے دامن تربیت سے باکمال بن کر نکلے کیونکہ آپ بہت زیادہ تدریس وتصنیف میں مشغول رہتے تھے اور آپ کے علمی مرتبہ کا شہرہ آپ کی زندگی میں اطراف عالم پر چھا گیا تھا بلکہ آپ علوم میں مجددیت کے قریب پہونچ گئے تھے (تذکرہ علماء ہند از رحمٰن علی اردو ترجمہ مولانا زین العابدین اعظمی ص ۱۸۵)۔

علامہ فرنگی محلیؒ کو مبدأ فیاض نے خیرات وبرکات کا چشمۂ صافی بنا کر پیدا کیا تھا انھوں نے تقدیری طور پر عمر عزیز کے بہت کم ماہ وسال پائے ابھی کمال عقل کی مشہور روایت وکہاوت کہ چالیس میں آدمی کی عقل میں پختگی آتی ہے اور جوانی اپنے عروج پر ہوتی ہے ان کو حاصل نہیں ہوئے تھے کہ ۳۹ سال کی عمر میں حیات مستعار واپس لے لی گئی مگر اس کم عمری میں بھی ان کے تلامذہ کی ایک فوج تیار ہوچکی تھی جن میں اکثر نے تدریس وتالیف اور تحریر وتقریر میں اپنی عظمت شان کے پھریرے اڑائے اور امتیازی مقام حاصل کیا اور تزکیہ قلوب ونفوس میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ان کے نامور باکمال شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے اہم فضلاء ناموں کو تذکرہ علماء ہند کے مولف رحمٰن علی نے ترتیب وار ذکر کیا ہے ان میں سے چند ایک نام یہ ہیں مولانا عبدالعزیز بھروی (موجودہ ضلع مئو کا ایک قدیم قصبہ)، مولانا بدیع الزماں لکھنوی، مولانا عین القضاة حیدرآبادی، مولانا نظام الدین فرنگی محلی، مولانا عبدالقادر ولایتی، مولانا سید امین نصیرآبادی، مولانا لطیف الرحمٰن عظیم آبادی، مولانا عبدالماجد بھاگلپوری۔

کثیر التصانیف تھے:

ابوالحسنات مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلیؒ کو جس طرح درس وتدریس سے قلبی تعلق اور اس کی جانب طبعی میلان تھا، اسی طرح تصنیف وتالیف سے فطری لگاؤ اور انس تھا فرماتے ہیں والقی الله فی روعی من بدء التحصیل لذة التدریس و التصنیف فصنفت الدفاتر الکثیرہ فی

الفنون العديدة (مقدمة السعايه و مقدمه الهدايه بحواله الرفع والتكميل ص ۲۷)
پڑھنے کے آغاز ہی سے اللہ تعالیٰ نے میرے قلب وجگر میں تدریس وتصنیف کی لذت ڈالدی تھی لہذا متعدد فنون میں بہت زیادہ کتابیں لکھیں۔ انھوں نے اپنے ترجمہ (حالات زندگی) میں اپنی تصنیف کردہ کتابوں کا ذکر بھی کیا ہے فنون کی بھی وضاحت کی ہے، علامہ کی سب سے پہلی تصنیف فن صرف میں "امتحان الطلبة فی الصیغ المشکلة" ہے جس کے بارے میں کہتے ہیں وھواول تصانیفی دوسری التبیان فی شرح المیزان ہے یہ دونوں بچپن ہی میں لکھی گئی "صُفانی ایام الصبا" فن منطق و حکمت، فن تاریخ اور فن مناظرہ میں تعلیق وتصنیف کے علاوہ زیادہ تر کتابیں حدیث وفقہ اور سیرت کے موضوعات پر ہیں، علامہ فرنگی محلیؒ نے اپنی تصانیف کی تعداد ایک سوسات ذکر کرکے یہ عبارت نقل کی ہے اما تعليقاتي على الكتب الدرسية فهي كثيرة وهذا كله من منح ربي تعالى علي (حوالہ سابق ماخوذ از الرفع والتکمیل ص ۲۷)۔

اللہ تعالیٰ نے علامہ عبدالحیٔ فرنگی محلی کے ذریعہ امت اسلامیہ خاص کر اساتذہ اور طلبۂ مدارس اسلامیہ پر جو عظیم علمی احسان وانعام فرمایا ہے اس میں علامہ کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے عمدۃ الرعایہ فی حل شرح وقایہ اور سعایۃ نے فقہ کے طلبہ واساتذہ کو بہت سی شروحات سے مستغنی کردیا ہے۔ ان کی تصنیف کردہ کتابوں اور رسائل کے عناوین ہی سے ان کی انفرادیت واہمیت کا احساس ہوتا ہے علامہ نے جس موضوع پر قلم اٹھایا تو اس کا حق ادا کرکے ہی قلم کو رکھا اخلاص وللّٰہیت اور خداداد علمی صلاحیت اس پر طبعی رجحان کا ثمرہ ہے کہ اللہ نے ان کی تصانیف کو قبول عام وخاص بخشا اور مصدر وماخذ کی حیثیت حاصل ہوئی اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے علامہ فرنگی محلی رقم طراز ہیں وانی أشكر الله متوالياً على ان رزق لتصانيفي قبولا عاليا و جعلها محمودة بألسنة الطلبة والكملة ورزقها شيوعاً و اشتهار اعاما حتى توجهت اليها الافاضل من الديار البعيدة الامصار الشاسعة (حوالہ سابق)۔

میں برابر اللہ کا اس بات پر شکر ادا کرتا رہتا ہوں کہ اس نے میری تصانیف کو بڑی قبولیت

سے نوازا، طلبہ اور ماہرین فن نے ان کی مدح وتعریف کی اور اللہ نے ان کتابوں کو عام شہرت سے سرفراز کیا یہاں تک کہ دور دراز ملکوں اور شہروں کے فضلا بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

مولانا فرنگی محلی اپنی کتاب السعایۃ الحاشیۃ الکبریٰ لشرح الوقایہ کو فقہ میں اپنی سب سے اہم اور بڑی کتاب مانتے ہیں، ان کی بعض اہم کتابوں میں سے الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل، النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر، التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد، عمدۃ الرعایہ حاشیۃ شرح الوقایہ، السعی المشکور فی رد المذہب الماثور، رسائل اللکھنوی ۷ جلدوں میں، الفوائد البہیۃ ہیں (سب کا ذکر مقصود نہیں ہے)

مفکر اسلام علی میاں ندوی نے ''المسلمون فی الہند ص ۴۰'' میں ان کی تصانیف کی تعداد ایک سو دس بتائی ہے ۸۶ عربی زبان میں اور باقی اردو میں۔

وفات:

۲۹ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ بوقت شب لکھنؤ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے تاریخ وفات سید علی اشرفی نے کہی ہے، وائے استاذ زمان ماہر وقت (۱۳۰۴ھ)۔

مثالی شخصیت:

ابو الحسنات علامہ عبدالحیٔ فرنگی محلیؒ (۱۲۶۴ھ۔۱۳۰۴ھ) کے حالات زندگی ان کی بے مثال شخصیت کی طرف صریح اشارہ کر رہے ہیں کہ وہ فضل وکمال اور علم وفن میں فرد فرید تھے رب العزت کے خاص فضل کے محور تھے کہ ان کو نادر الوجود خوبیوں سے نوازا تھا فہم فراست اور قوت حفظ کی ان بلندیوں پر فروکش تھے جہاں تک بہت کم لوگ پہونچتے ہیں علوم وفنون میں درک ورسوخ کا جو مقام ان کو حاصل تھا اس کے تحت ''الراسخین فی العلم'' کے زمرہ میں شمار ہوتے تھے، جملہ فنون میں کامل مہارت، علوم اسلامیہ میں گہرائی وژرف نگاہی نے ان کو مجتہدانہ شان بخشی تھی ان سب کے باوجود وہ حنفی المسلک اسلاف کی راہ پر گامزن تھے انھوں نے اپنے خاندان کے بزرگوں کے عقیدہ و

مسلک سے وابستگی کو اپنے لئے سرمایہ افتخار تصور کیا جب کہ ان کو خود اپنی خداداد صلاحیتوں اور موہوبی امتیازات کا احساس تھا اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے تھے صاحب نزہۃ الخواطر علامہ عبدالحیٔ حسنی رحمۃ اللہ علیہ ابو الحسنات مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کے ہمنام بھی ہیں اور ہم عصر بھی بارہا ان کی مجلس میں شریک بھی ہوئے وہ اپنے اس شعر میں موصوف کے فضل وکمال کو بیان کرتے ہیں۔

العالم الفاضل النحریر افضل من

بث العلوم فاروی کل ظمآن

تبحرفی العلوم وتحریٰ فی نقل الاحکام و حررالمسائل وانفردفی الھند بعلم الفتویٰ فسارت بذکرہ الرکبان بحیثیت ان علماء کل اقلیم یشیرون الی جلالتہ ولہ فی الاصول والفروع قوۃ کاملۃ، قدرۃ شاملۃ، فضیلۃ تامۃ واحاطۃ عامۃ، والحاصل انہ کان من عجائب الزمن ومن محاسن الھند وکان الثناء علیہ کلمۃ اجماع والاعتراف بفضلہ لیس فیہ نزاع۔ (نزھۃ الخواطر ج۸)۔

علوم میں عمق ووسعت پیدا کی اور احکام نقل کرنے میں اپنی راہ نکالی اور مسائل کو تحریر کیا اور علم فتوئی میں وہ پورے ہندوستان میں منفرد تھے لہذا ان کا شہرہ ہر جگہ پہونچ گیا اس طور پر کہ ہر ملک کے علماء وفضلاء ان کی جلالت شان کی طرف اشارہ کرنے لگے علامہ فرنگی محلی کو جملہ اصول و فروع میں قوت کاملہ اور قدرت شاملہ حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں کامل فضیلت، ان پر مکمل قابو اور احاطہ تھا، خلاصہ کلام یہ ہے وہ عجوبۂ زمانہ اور فخر ہندوستان تھے ان کی تعریف تمام اہل علم نے متفقہ طور پر کی ہے اور ان کے فضل کو تسلیم کرنے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

فقہی دینی مسلک اور نظریہ:

فضل وکمال کی بلندیوں پر فائز ہونے کے باوجود مولانا فرنگی محلی نے اپنا کوئی الگ نظریہ اور خاص فکر نہیں بنائی وہ خالص دینی وعلمی دنیا کے انسان تھے اسلاف کے نقش قدم پر چلنا اور اپنے خاندان کے اکابر علماء کے مسلک کی پیروی کرنا ان کو عزیز تھا ائمہ اربعہ کے مسالک پر ان

کی بہت گہری نظر تھی اور فقہ حنفی کی جامعیت پر کامل اعتماد تھا ان کو اپنی حنفیت پر ناز تھا انھوں نے اپنی اکثر تصانیف میں اپنے نام کے ساتھ حنفی لکھا ہے حدائق الحنفیہ کے مولف، مولانا کے والد محترم کا تذکرہ کرتے ہوئے اخیر میں مولانا عبدالحیٔ صاحب کے بارے میں رقمطراز ہیں ''ہندوستان کے حنفیوں میں اس اخیر زمانہ میں اس جامعیت ولیاقت کا کوئی اور عالم و فاضل دکھائی نہیں دیتا'' (حدائق الحنفیہ ص ۴۸۶)۔

حنفی لکھنے کے بارے میں مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلیؒ نے اپنا نظریہ اس طرح پیش کیا ہے بعض حضرات (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی لکھنا) ان القاب ونسبت کو پسند نہیں کرتے اور اس سے بھی تعجب خیز بات یہ ہے کہ وہ ان کے استعمال کو ممنوع اور شرک کہتے ہیں اس فکر کے بعض لوگوں سے میں نے کہا کہ اگر یہ ممنوع اور شرک ہے تو پھر شہروں کی طرف انتساب مثلاً مدراسی، دہلوی اور لکھنوی وغیرہ لکھنا بھی ممنوع اور شرک ہونا چاہئے پس جب شہروں کی طرف انتساب جائز ہے تو ان مذاہب کی طرف بھی انتساب جائز ہے (حاشیہ امام الکلام ص ۳۔ مقدمۃ الفوائد البہیۃ ص ۱۰)۔

امام ابوحنیفہؒ کی عقیدت حمایت:

مولانا عبدالحیٔ فرنگی محل اپنی تصنیفات وتالیفات میں جابجا امام اعظم ابوحنیفہؒ کی مدح و ستائش اوران سے اظہار عقیدت کرتے نظر آتے ہیں اثنائے کلام میں جہاں کہیں امام اعظم کا ذکر آجاتا ہے تو مولانا ان کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہوجاتے ہیں اور مخالفین کے اعتراضات کا ان کی طرف سے مدلل ومفصل جواب دیتے ہیں امام ابوحنیفہ پر ان کے مخالفین کی طرف سے ایک بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انھوں نے فقہی مسائل میں احادیث وآثار کے مقابلہ قیاس کو ترجیح دی ہے مولانا نے النافع الکبیر میں اس اعتراض کا بہت تفصیل سے جواب دیا ہے۔(ملاحظہ کیا جاسکتا ہے)

راہ اعتدال پر گامزن:

ایک جانب مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کا پایہ فقہ وحدیث اور جملہ اسلامی علوم وفنون میں اتنا

بلند ہے کہ وہ ایک مجتہد کی شان رکھتے ہیں دوسری جانب امام ابوحنیفہ کے مسلک پر اتنا پختہ یقین ہے اس سے انحراف گوارہ نہیں کرتے مگر وہ تقلید آمی کے بھی قائل نہیں تھے مسائل کو اپنے علم وفہم کی کسوٹی پر کستے تھے اور راہ اعتدال اختیار کرتے تھے، النافع الکبیر میں رقمطراز ہیں ومن منحہ "تعالیٰ" انه جعلنی سالکاً بین الافراط والتفریط لاتاتی مسالۃٌ معرکة الآراء بین یدی الا الهت الطریق الوسط فیها ولست ممن یختار التقلید البحت بحیث لایترک قول الفقهاء ان خالفته الادلة الشرعیه ولا ممن یطعن علیهم ویهجر الفقه بالکلیة (مجموعہ رسائل لکھنوی ج ۱ ص ۱۶، والنافع الکبیر)۔

اللہ تعالیٰ کا مجھ پر ایک بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے مجھ کو افراط وتفریط کے درمیان چلنے والا بنایا جب بھی کوئی اہم مسئلہ میرے سامنے آتا ہے تو مجھے اس کے بارے میں درمیانی راستہ کا الہام ہوجاتا ہے ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو تقلید جامد کو اختیار کرلیتے ہیں یہاں تک کہ فقہاء کے قول کو کسی بھی حال میں ترک نہیں کرتے اگرچہ ادلہ شرعیہ اسکے مخالف ہی کیوں نہ ہو اور نہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو فقہاء پر لعن طعن کرتے ہیں اور فقہ کو بالکل ہی چھوڑ دیتے ہیں۔

صاحب نزہۃ الخواطر علامہ عبدالحئی حسنیؒ مولانا فرنگی محلی کے نظریہ اعتدال کے بارے میں لکھتے ہیں وکان علی مذهب ابی حنیفة فی الفروع والاصول ولکنه کان غیر متعصب فی المذهب ویتبع الدلیل ویترک التقلید اذ اوجدفی مسالۃٍ نصاًصریحا مخالفاللمذهب (نزہۃ الخواطر ج ۸ بحوالہ رسائل لکھنوی ج ۱)۔

وہ فروع واصول میں حنفی مذہب پر تھے لیکن مذہب ومسلک میں متعصب نہیں تھے دلیل کا اتباع کرتے تھے اور تقلید کو ترک کردیتے تھے جب کسی مسائلہ میں مذہب کے مخالف کوئی صریح نص پاتے تھے۔

مولانا فرنگی محلیؒ عدم تقلید کو تفردات میں شامل کرتے ہیں کسی خاص مسئلہ میں امام کے مسلک سے انحراف کرنے والے کو تقلید کے دائرہ سے خارج نہیں مانتے اس لئے بعض

مسلک میں اپنے الگ نظریہ کے باوجود خود کو حنفی لکھنا اور کہلانا پسند کرتے تھے اور امام اعظم کی تقلید پر فخر کرتے تھے۔

مسئلہ تقلید میں ان کا نظریہ:

تقلید ائمہ کے سلسلہ میں مولانا فرنگی محلی ہند وعرب کے عام علماء وفقہاء اور محدثین کے نظریہ کے قائل ومؤید ہیں خود بھی اگر اپنی علمی جلالت وتفوق کے باعث دو چار فقہی مسائل میں انھوں نے ادلہ شرعیہ کی روشنی میں اپنی الگ رائے قائم کی ہے تو یہ ان کا تفرد ہے مگر ہمارے ہندوستان میں عدم تقلید کے پر زور حامی بلکہ انتہا پسندی کی حد تک تقلید ائمہ کا مخالف طبقہ انھیں تفردات کی وجہ سے علامہ عبدالحیٔ فرنگی محلی کو غیر مقلدین علماء میں شمار کرتا ہے حالانکہ خود مولانا نے ہمیشہ اپنے آپ کو حنفی المسلک قرار دیا ہے نیز گذر چکا ہے کہ علامہ عبدالحیٔ حسنی لکھنوی والد محترم مفکر اسلام علی میاں ندویؒ نے نزھۃ الخواطر میں مولانا کو اصول وفروع میں حنفی المذہب بتایا ہے، مولانا فرنگی محلی ''الفوائد البہیہ''میں عصام بن یوسف کے تذکرہ وترجمہ کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں۔

ویعلمُ ایضاً ان الحنفی لوترک فی مسالۃٍ مذھب امامہٖ لقوۃ دلیل خلافتہ لایخرج عن ربقۃ التقلید بل ھوعین التقلید فی صورۃ ترک التقلید، الاتری ان (عصام بن یوسف) ترک مذھب ابی حنیفۃ فی عدم الرفع۔ ای رفع الیدین فی تکبیرات الانتقال۔ مع ذلک فھو معدود فی الحنفیۃ (الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیہ ص ۱۵۱)۔

ترجمہ: نیز یہ بات بھی جان لی جائے کہ اگر حنفی کسی مسئلہ میں کسی قوی دلیل کی بنا پر اپنے امام کے مذہب کو ترک کردے تو اس وجہ سے وہ تقلید کی قید سے آزاد نہیں ہو جاتا بلکہ ترک تقلید کی صورت میں یہ عین تقلید ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ عصام بن یوسف نے رفع یدین کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے مسلک کو ترک کردیا اس کے باوجود ان کا شمار احناف ہی میں ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ولی محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ عصام بن یوسف سے کہا گیا کہ آپ ابو حنیفہؒ کے خلاف بہت سا کام کرتے ہیں تو ان کا جواب تھا کہ امام صاحب کو جوفراست حاصل تھی ہم

اس سے محروم ہیں وہ اپنی فراست سے وہ باتیں سمجھ لیتے تھے جن کو ہم نہیں سمجھ پاتے لہذا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے کہ ان کی جوبات سمجھ میں نہ آئے اس کے مطابق فتویٰ دیں" حجۃ اللہ البالغۃ ج ص ۱۲۶ "

تقلید کے جواز پر امت کے اجماع کو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے اس قول سے مستحکم کرتے ہیں **هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة اومن يعتدعلى جواز تقليدها يومنا هذا وفى ذلک من المصالح مالايخفىٰ، لاسيمافى هذه الايام التى قصرت فيها الهمم جداواشربت النفوس الهوىٰ واعجب كل ذى رامى برايه** (غیث العمام حاشیہ امام الکلام)۔

ترجمہ: ان مدون اور منظم مذاہب اربعہ کی تقلید کے جواز پر آج تک پوری امت یا امت کے قابل ذکر علماء کا اجماع رہا ہے اور اس میں ایسے مصالح ہیں جو مخفی نہیں ہیں خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ ہمتیں پست ہوگئی ہیں اور طبیعتوں پر ہوس کا غلبہ ہے ہر صاحب رائے اپنی رائے کو سب سے بہتر سمجھتا ہے۔

مولانا عبدالحئی فرنگی محلیؒ کے زمانہ میں مقلدین وغیر مقلدین حضرات کے درمیان متعدد فقہی مسائل پر مباحثہ ومناظرہ کا زور تھا دونوں طرف کے لوگ اس معاملہ میں حد سے تجاوز کر گئے بالخصوص قرأت خلف الامام، آمین بالجہر، رفع یدین اور رکعات تراویح وغیرہ جیسے مسائل، خود مولانا فرنگی محل اور نواب صدیق حسن خاں قنوجیؒ کے درمیان بعض مسئلوں میں تلخی کی حد تک مناظرہ ومباحثہ جاری رہا مگر مولانا کی وفات پر نواب صدیق حسن خاںؒ نے بہت رنج وغم کا اظہار کیا یہاں تک کہ اس رات کھانا بھی نہیں کھایا اور غائبانہ نماز جنازہ ادا کی (نزہۃ الخواطر ج ۸)۔

تقلید وعدم تقلید کے سلسلہ میں شدت اختلاف اور علماء کے مشاجرات ومناظرات کو علامہ فرنگی محلی ناپسند کرتے تھے ان کے افکار ونظریات کا اعتدال یہاں بھی نظر آتا ہے۔ان کا کہنا تھا کہ علماء اپنے مسلکی اختلافات کو صرف اپنے درمیان محدود رکھیں اور جزئی اختلافات کو عوام کے درمیان بیان کر کے ان کو تشویش میں مبتلا نہ کریں نیز اختلافی مسائل میں ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ

پر طعن وتشنیع کی روش نہیں اختیار کرنی چاہئے نہ کسی کی تغلیط کرنی چاہئے علماء کرام قرآن وسنت کی روشنی میں اپنے اپنے مسلک کی دوسرے کے مقابلہ میں ترجیح وفوقیت کو ثابت کرسکتے ہیں اس سے زیادہ کچھ کہنا اور دریدہ دہنی پر اتر آنا علماء کے شایان شان نہیں۔ مولانا فرنگی محلی نے باہمی مزاح وجدال سے پناہ مانگی ہے اور جانبین کے لئے رشدوہدایت کی دعا کی ہے۔ تفصیل کے لئے امام الکلام فیما یتعلق بالقراۃ خلف الامام اور النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر'' کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ اجتہاد میں ان کا نظریہ:

مولانا عبدالحئی فرنگی محلیؒ اپنی جلالت شان اور علم وتحقیق میں منفرد مجتہدانہ مقام رکھنے کے باوجود وسیع الظرف، کشادہ قلب تھے جمود وتقشف کا ان کے یہاں کوئی گذر نہیں تھا ان کے نزدیک اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے وہ کبھی بند نہیں ہوا اور نہ آئندہ قیامت تک بند ہوگا۔ مولانا نے مجتہد کی تین قسم بیان کی ہے (۱) مجتہد مطلق مستقل (۲) مجتہد مطلق منتسب (۳) مجتہد فی المذہب۔ پھر ہر ایک کی شرطیں بیان کرنے کے بعد حافظ ابن حجر (متوفی ۸۵۲ھ) کے حوالے سے علامہ ابن صلاح (متوفی ۶۴۳ھ) کا یہ قول درج کیا ہے۔

قال ابن الصلاح: ان هذه المرتبة (مرتبة المجتهد المطلق المستقل) قدانقطعت من نحو ثلثمأة سنة وقال ایضالم یوجد بعد عصر الشافعی مجتهد مستقل (مقدمه النافع الکبیر ص ۱۴) یعنی مجتہد مطلق مستقل کا مرتبہ تقریباً تین سو سال سے منقطع ہوچکا ہے، نیز یہ بھی کہا کہ امام شافعی کے زمانہ کے بعد کوئی مجتہد مستقل پیدا ہی نہیں ہوا۔

اس بحث کے بعد مولانا فرنگی محلی اپنا نظریہ فکر مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

والحاصل ان من ادعیٰ بأنه قد انقطعت مرتبة الاجتهاد المستقل بالأئمة الأربعة انقطاعاً لایمکن عوده۔ فقد غلط و خبط فان الاجتهاد رحمة من سبحانه تعالیٰ ورحمة الله لاتقتصر علی زمان دون زمان، ولاعلیٰ بشردون بشر، ومن ادعیٰ انقطاعها فی نفس الأمر مع امکان وجودها فی کل زمان۔ فان

ارادانّه لم یوجد بعدالاربعة مجتهد اتفق الجمهور علی اجتهاده وسلموا استقلاله کا تفافهم علی اجتهادهم، فهو مسلّم، والافقد وجد بعدهم ایضا ارباب الاجتهادالمستقل۔ (النافع الکبیر ص ۱۴۔۱۶)

ترجمہ: خلاصہ یہ ہے کہ جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اجتہاد مطلق مستقل کا مرتبہ ائمہ اربعہ پر ایسا منقطع ہوا کہ اسکی واپسی ممکن نہیں تو غلطی اور خبط الحواسی کا ثبوت دیا ہے اس لئے کہ اجتہاد رحمت خداوندی ہے اور اللہ کی رحمت کسی زمانہ یا کسی انسان کے ساتھ خاص نہیں ہوتی اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کا سلسلہ باقی تو ہے مگر عملاً منقطع ہو چکا ہے اگر چہ ہر زمانہ میں اسکا وجود ممکن ہے اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی ایسا مجتہد نہیں پیدا ہوا جس کے اجتہاد پر جمہور کا اتفاق ہوا ہو اور انھوں نے اسکی مستقل اجتہادی حیثیت اسی طرح تسلیم کی ہو جس طرح ائمہ اربعہ کے اجتہاد پر ان کا اتفاق ہے تو یہ دعویٰ تسلیم ہے ورنہ ائمہ اربعہ کے بعد بھی ارباب اجتہاد مستقل پیدا ہوئے ہیں۔

مولانا نے امام شعرانی کی المیز ان الکبریٰ کے حوالے سے ان کا نظر یہ نقل کیا ہے فان قلت هل یصح لاحد الآن الوصول الی مقام احدمن الائمة المجتهدین فالجواب نعم، لأن الله تعالیٰ علی کل شی قدیر ولم یرد لنا دلیل علی منعه (مقدمہ النافع الکبیر ص ۱۴)۔

اگر تم کہو کہ کیا اس وقت ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کے مقام تک پہونچنا صحیح ہے تو اسکا جواب ہے، ہاں، اس لئے کہ اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے اور ہمارے پاس اس سے ممانعت کی کوئی دلیل نہیں (کہ ہم انکار میں جواب دیں)۔

خلاصہ تحریر:

ابو الحسنات مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کی اپنی تحریر کردہ روداد زندگی سے کہیں بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اپنے اسلاف واکابر سے الگ کسی فکر ونظر یہ کے بانی یا حامل تھے مسلکی اعتبار سے بھی وہ تقلید ائمہ کے زبر دست موید اور تقلید سے انحراف کو ضلالت کا سبب جانتے تھے ان کو اپنے

حنفی المسلک ہونے پر فخر و ناز تھا اگر چہ بے پناہ علمی صلاحیت، حدیث وفقہ اور احکام شریعت میں کامل دسترس کے باعث وہ تقلید جامد کے قائل نہیں تھے یہی وجہ ہے کہ ان کو اپنے علم وتحقیق کی روشنی میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا جو مسئلہ اور دلیل سمجھ میں نہیں آئی اس مسئلہ میں انہوں نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا جو ان کی شان علم کے عین مطابق تھا۔

ان کے ہم عصر وہم نام علامہ عبدالحیٔ حسنی لکھنوی صاحب نزھۃ الخواطر نے علامہ فرنگی محلیؒ کے بارے میں بڑے عمدہ کلمات کہے ہیں ان کو عجائب الزمن ومحاسن الہند کے خطاب سے نوازا ہے انھوں نے بھی کسی جگہ علامہ فرنگی محلی کے افکار ونظریات پر کلام نہیں کیا اسی طرح عالم اسلام کے مشہور حنفی عالم ومحقق علامہ عبدالفتاح ابوغدہؒ جنہوں نے علامہ فرنگی محلی کی کئی کتابوں کی تحقیق وتعلیق کی ہے خاص کر الرفع والتكميل في الجرح والتعديل اور الاجوبة الفاضله للأمسئلة العشرة الكامله کی تحقیق وتحشیہ میں انھوں نے بہت محنت کی ہے اور ان کے شروح میں مقدمے بھی لکھے ہیں اور علامہ فرنگی محلی کی شخصیت کا جامع تعارف بھی کرایا ہے مگر انھوں نے بھی کسی مقام پر مولانا فرنگی محلیؒ کے افکار ونظریات پر بحث نہیں کی ہے۔

میں نے بعض موجودہ اکابر ملت اور حدیث وفقہ کے ماہر اساتذہ کرام سے علامہ عبدالحیٔ فرنگی محلی کے افکار ونظریات کے بارے میں معلوم کرنا چاہا تو یہی جواب ملا کہ وہ اہل سنت والجماعت کے مسلک پر قائم حنفی المسلک عالم تھے ان کا کوئی اپنا الگ نظریہ اور فکر نہیں تھی، نہ کسی تحریک اصلاح کے بانی تھے نہ سیاست وریاست سے تعلق تھا خالص علمی شخصیت تھے تدریس و تالیف ہی ان کا مشغلہ تھا انھوں نے یکسو ہو کر ہی مختصر مدت میں حدیث وفقہ کے موضوعات پر اتنی زیادہ اہم کتابیں تصنیف کی ہیں اگر ان کی کوئی الگ فکر ونظریہ ہوتا تو اپنی روداد زندگی میں صراحت کے ساتھ ضرور بیان کرتے۔

☆☆☆

مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ - علمائے عرب وعجم کی نظر میں

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی☆

مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی بن محمد عبدالحلیم فرنگی محلی (۱۲۶۴ھ- ۱۸۴۷ء تا ۱۳۰۴ھ -۱۸۸۶ء) کا شمار انیسویں صدی عیسوی رتیرہویں صدی ہجری میں برصغیر ہند کے ان عظیم علماء میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی تحقیقات وتصنیفات کے ذریعے اسلامی علوم کو خوب مالا مال کیا ہے۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر سو سے زائد کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ان میں سے کچھ مختصر ہیں تو کچھ ضخیم اور مفصل۔ حدیث وفقہ کے موضوعات پر ان کی تصانیف کی تعداد ساٹھ سے متجاوز ہے۔ اس کے بعد ان کے ذوق اور دل چسپی کا موضوع تاریخ وتذکرہ تھا۔ اس میں ان کی تقریباً بیس کتابیں ہیں، اس کے علاوہ نحو وصرف، منطق وفلسفہ اور دیگر موضوعات پر بھی ان کے رسائل ہیں۔ انھوں نے ۳۹ سال عمر پائی تھی لیکن یہ دیکھ کر انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ اس مختصر سی عمر میں انھوں نے اتنی بڑی تعداد میں اعلیٰ درجے کی تصانیف پیش کی ہیں۔

مولانا فرنگی محلی کی بیش تر تصانیف ان کی زندگی ہی میں طبع ہوکر مقبولیت حاصل کر چکی تھیں، بعض کتابیں متعدد بار شائع ہوئی ہیں، بعض تصانیف عرب ممالک کے مکتبات سے بھی طبع ہوئی ہیں اور وہاں کے علمی حلقوں میں مقبول رہی ہیں۔ ان کتابوں کی بدولت ان کا تعارف ملک وبیرون ملک دونوں جگہ یکساں ہوا ہے، وہ شہرت وعظمت کی بلندیوں کو پہنچے ہیں۔ عالم عرب کے علماء نے ان کے علم وفضل کا اعتراف کیا ہے اور ان کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ہندوستان کے بھی تمام علمی حلقوں میں ان کی قدر ومنزلت مسلم ہے، یورپ کے دانشوروں نے بھی

☆ ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

ان کی علمی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ اس مقالہ میں مولانا فرنگی محلی کے علم و فضل اور خدمات کے تعلق سے چند مشہور علمائے عرب و عجم کے اعترافات پیش کیے جا رہے ہیں:

علمائے حجاز کی اسناد:

مولانا عبدالحی کی عبقریت اور ان کے علم و فضل کا کچھ اندازہ ان اسناد سے لگایا جا سکتا ہے جو انہیں بعض علمائے حجاز سے حاصل ہوئی تھیں۔ اس زمانے میں علمائے حجاز کی اسناد کو باعثِ فضیلت سمجھا جاتا تھا، چنانچہ جب ہندوستان کے علماء حج کے لیے تشریف لے جاتے تو وہاں کے علماء و فضلاء کی صحبت میں کچھ وقت گزارتے، ان کے حلقہ ہائے درس میں شامل ہو کر ان سے فیض اٹھاتے، پھر ان سے اسناد حاصل کر لیتے تھے۔ مولانا عبدالحی دو مرتبہ زیارتِ حرمین شریفین کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ پہلی مرتبہ انھوں نے اپنے والد محترم کے ساتھ ۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۲ء میں حج کیا۔ اس موقع پر تقریباً تین ماہ مکہ مکرمہ میں قیام کیا۔ دوسری مرتبہ اپنے والد کی وفات کے بعد ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں حج و زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اس موقع پر انھوں نے تقریباً دو ماہ مکہ مکرمہ میں قیام کیا۔ دونوں مواقع پر انھوں نے وہاں کے علماء سے ملاقاتیں کیں اور ان سے علم حدیث حاصل کیا۔

حجاز کے جن علماء نے مولانا عبدالحی کو اپنی اسناد سے نوازا ان میں مفتی شافعیہ شیخ احمد بن زین دحلان (۱۲۳۲ھ-۱۸۱۶ء تا ۱۳۰۴ھ ۱۸۸۶ء) شیخ علی الحریری المدنی، شیخ عبدالغنی بن شاہ ابو سعید (۱۲۳۵ھ-۱۸۱۹ء تا ۱۲۹۶ھ ۱۸۷۸ء) اور مفتی حنابلہ شیخ سید محمد بن عبداللہ بن حمید (۱۲۳۶ھ-۱۸۲۰ء تا ۱۲۹۵ھ-۱۸۷۸ء) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان علماء نے اپنی اسناد میں مولانا عبدالحی کی ذکاوت و فطانت کا تذکرہ کیا ہے اور علمی صلاحیت کی ستائش کرتے ہوئے ان کی خوب تعریف کی ہے۔ (علمائے حجاز کی اسناد اور اجازت ناموں کے لیے ملاحظہ کیجیے: محمد عبدالباقی، حسرۃ الفحول بوفاۃ نائب الرسول، مطبع انوار محمد لکھنؤ ۱۳۰۵ھ۔ مزید ملاحظہ کیجیے: غلام مرسلین، مولانا عبدالحی فرنگی محلی، حیات اور خدمات، مرکز دراسات الشیائے غربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۸۵ء ص ۲۲-۲۳، ۳۸-۴۸)۔

شیخ ابن حمید نے مولانا کو جو سند عطا کی تھی، اس کا ابتدائی حصہ یہاں نقل کیا جارہا ہے، اس سے بہ خوبی واضح ہوجائے گا کہ ان کی نظر میں مولانا کا کیا مقام تھا۔حمد وصلاۃ کے بعد انھوں نے لکھا ہے:

وبعده، فانه ورد علي كتاب كريم من المحب المخلص الرحيم، حسن الخلق وشرف الخيم، ذى الذهن الوقاد والطبع السليم والسلوک الحسن والمنهج القويم، والمشتغل بالتحصيل دائماً والتعليم، والتاليف التى هي كا لدرر النظم، حتى اشتهرت لحسن نيته وصفاء طويته في سائر الأقاليم، العلامة الفهامة المولوى عبد الحى الفهيم، نجل الامام الكبير المشهور المولوى عبد الحليم، حفظه الله وأبقاه، ومن كل سوء وكدر وقاه، والى أعلىٰ مراتب الكمال رقاه، فإنه آية في هذا الزمان ونعمة من الله على نوع الانسان.

قد اجتمعت به في العام الماضى حين قدومه لحج بيت الله الحرام وزيارة نبيه سيد الأنام، عليه وآله الصلاة وأكمل السلام، فرأيت منه ما يملأ العين قرة ويطعم القلب مسرة، من استحضاره للأحاديث النبوية، وتصوره للنصوص الفقهيه، وتحقيقاته في أنواع العلوم، وتدقيقاته في المنطوق والمفهوم، إلى خلق ألطف من النسيم، وأعطر من الروض الوسيم، ذلک فضل الله يؤتيه من يشاء وهو ذو الفضل العظيم. (حسرت الفحول، ص ۷، محمد حفیظ اللہ، کنز البرکات فی سیرۃ أبی الحسنات، مطبع علوی لکھنؤ ۱۳۰۵ھ ص ۱۴، مولانا عبدالحی فرنگی محلی، حیات اور خدمات، ص ۴۴-۴۸)۔

(بعد حمد وصلاۃ، مجھے ایک کرم نامہ محبِّ مخلص کا موصول ہوا ہے، جو بڑے مہربان، خوش خلق اور شریف الطبع ہیں۔ ذہن روشن، طبع سلیم، حسن سلوک اور مضبوط و متوازن کردار کے مالک ہیں۔ ہمیشہ تحصیل و تعلیم میں منہمک اور ایسی تالیفات میں مشغول رہنے والے ہیں جو منظوم موتی کے مانند ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے حسن نیت اور صفائے باطن کی وجہ سے ان کی تالیفات تمام

اقالیم میں مشہور ہوگئیں۔ وہ علامہ فہامہ مولوی عبدالحی فہیم ہیں، جو امام کبیر مشہور و معروف مولوی عبدالحلیم کے شریف صاحب زادے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو تحفظ اور بقاعطا فرمائے اور ہر برائی اور تکدر سے ان کو بچائے، کیوں کہ ان کی ذات اس زمانہ کی ایک آیت اور بنی نوع انسان پر اللہ کی ایک نعمت ہے۔

سال گذشتہ میری اس وقت ان سے ملاقات ہوئی، جب کہ وہ حج بیت اللہ شریف اور زیارت رسول سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تشریف لائے تھے۔ پس میں نے ان کے اندر وہ چیز دیکھی جو آنکھ کو ٹھنڈک سے مملو اور دل کو مسرت سے معمور کر دیتی ہے احادیث نبویہ ان کو مستحضر اور نصوص فقہیہ ان کے سامنے متصور ہیں۔ گویا کوں علوم میں حقیقت شناسی اور لفظ ومعنی دونوں میں دقیق النظری ان کو حاصل ہے۔ اسی کے ساتھ ان کے اخلاق بادِ نسیم سے زیادہ لطیف اور باغ حسین سے زیادہ معطر ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور وہ بڑا فضل والا ہے۔

مولانا عبدالحی اور علمائے عرب:

مولانا عبدالحی کی تصانیف عالم عرب پہنچیں تو وہاں کے علماء نے انہیں قدر کی نظر سے دیکھا اور ان کے مصنف کی عظمت ان کے دلوں میں گھر کر گئی۔ اس کا اندازہ ان تاثرات سے ہوتا ہے جو انہوں نے ظاہر کیے ہیں۔ ذیل میں چند مشہور علمائے عرب کے تاثرات درج کیے جا رہے ہیں:

شیخ زاہد الکوثری:

شیخ زاہد الکوثری (۱۲۹۶ھ-۱۸۷۹ء تا ۱۳۷۱ھ-۱۹۵۲ء) گذشتہ صدی میں عالم اسلام کے مشہور علماء میں سے ہیں، خلافتِ عثمانیہ میں وہ 'امین الْمشیخہ' کے منصب پر فائز تھے۔ سقوطِ خلافت کے بعد کمال اتاترک کے مظالم سے بچنے کے لیے مصر آ گئے اور وہاں سادگی کے ساتھ رہائش اختیار کر کے علوم دینیہ کی اشاعت میں منہمک ہوگئے۔ شیخ کوثری کو علوم الحدیث اور

فقہ میں مہارت حاصل تھی۔ وہ فقہ حنفی کے ممتاز عالم تھے اور انہیں دیگر مکاتب فقہ کے بارے میں بھی وسیع معلومات تھیں۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے علم وفضل کے شیخ کوثری بڑے معترف تھے۔ وہ ان کی تصانیف کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کے بارے میں ان کے شاگرد شیخ عبدالفتاح ابو غدہ کا بیان ہے کہ: ”ان کے استاد شیخ محمد زاہد الکوثری اپنے طلبہ کو مولانا عبدالحی کی کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب دیا کرتے تھے“۔ (عبدالحی اللکنوی، الرفع والتکمیل فی الجرح والتکمیل، تحقیق عبدالفتاح ابوغدہ، طبع حلب ۱۳۸۸ھ، ص۱۱)۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ:

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ (۱۳۳۵ھ-۱۹۱۷ء تا ۱۴۱۷ھ ۱۹۹۷ء) شیخ زاہد الکوثری کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں۔ حلب (شام) میں ان کی ولادت ہوئی۔ جامعہ ازہر مصر کے کلیۃ الشریعۃ میں تعلیم (۱۹۴۴-۱۹۴۸ء) حاصل کی۔ اس کے بعد کلیۃ الشریعۃ دمشق میں تدریس فقہ کی خدمت انجام دی۔ ۱۹۶۵ء میں سعودی عرب آ گئے، جہاں ۱۹۸۸ء تک جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ حدیث میں ان کی نمایاں خدمات کے اعتراف میں آکسفورڈ سینٹر آف اسلامک اسٹڈیز کی جانب سے انہیں پہلا سلطان برونائی ایوارڈ تفویض کیا گیا تھا۔ انہوں نے ۳۴ رکتابوں کی تحقیق کی ہے ان کے علاوہ ان کی ۱۷ تصانیف شائع شدہ ہیں۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی کو عالم عرب میں متعارف کرانے میں شیخ ابوغدہ کا نمایاں کردار ہے۔ انھوں نے ان کی چھ اہم تصانیف کی تحقیق کی ہے اور انہیں عالم عرب کے مشہور اشاعتی اداروں سے شائع کروایا ہے۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱-الرفع و التکمیل فی الجرح و التعدیل۔ اس کی اولین اشاعت ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء میں حلب سے ہوئی۔ بعد میں دو ایڈیشن اور شائع ہوئے۔

۲-الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشر الكاملة۔ یہ سب سے پہلے ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۴ء میں حلب سے شائع ہوئی۔ اس کی تحقیق کے ساتھ شیخ ابوغدہ نے اس پر مبسوط تعلیقات لکھیں جو کتاب کے ساتھ التعلیقات الحافلة علی الأجوبة الفاضلة کے نام سے شائع ہوئیں۔ بعد میں یہ کتاب دو مرتبہ اور طبع ہوئی۔

۳-اقامة الحجة علی ان الاکثار من التعبد لیس ببدعة۔ یہ حلب سے ۱۳۸۶/ ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی۔

۴-سباحة الفکر بالجهر بالذکر۔ اس کے بھی تین ایڈیشن منظر عام پر آئے۔ پہلی مرتبہ یہ بیروت سے ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی تھی۔

۵-تحفة الأخیار باحیاء سنة سید الأبرار۔ اس کے ساتھ اس کا حاشیہ نخبة الانظار علی تحفة الأخیار بھی شائع ہوا۔

اس کی طباعت بیروت سے ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء میں ہوئی۔

۶-ظفر الأمانی فی شرح مختصر الجرجانی۔ یہ بیروت سے ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء میں طبع ہوئی۔

الاجوبة الفاضلة پر شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے ایک مبسوط مقدمہ لکھا ہے جس میں انھوں نے مولانا فرنگی محلی کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔

آغاز میں انھوں نے مولانا عبدالحی کے لیے یہ القاب استعمال کیے ہیں:

”فخر المتاخرین، ونادرة المحققین المصنفین، المحدث، الفقیه، الأصولی، المنطقی، المتکلم، المؤرخ، النظار، البحاثه، النقادة، الامام الشیخ“۔

(محمد عبدالحی، الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشر الکاملة، تحقیق عبدالفتاح ابوغدہ، طبع حلب ۱۳۸۴ھ ص ۱۲، مقدمہ محقق)۔

آگے لکھا ہے:

”حدیث شریف، فقہ الحدیث اور اس سے متعلق دیگر نقلی علوم ان کے پسندیدہ علوم

تھے، ساتھ ہی انہیں علوم عقلیہ میں بھی تفوق حاصل تھا ..... مشکل مسائل اور دقیق وغامض مباحث کو توفیق الٰہی سے حل کرنے میں انہیں بڑی مہارت تھی'' (حوالہ سابق، ص ۱۳)۔

ان کی کثرت تصانیف کے حوالہ سے شیخ ابوغدہ فرماتے ہیں:

''جب کبھی کثیر التصانیف مؤلفین (جن کی کتابیں پچاس یا سو سے زائد ہیں) کا ذکر کیا جائے گا تو امام عبد الحی لکھنوی ان میں سرفہرست ہیں۔ ان کا نام بغیر کسی تردد کے سب سے پہلے آئے گا۔ اس لیے کہ ان کی تصانیف کی تعداد ایک سو دس ہے۔ اور اگر ان کی کثرت کا اندازہ ان کی مختصر عمر (۳۹/سال) کے مقابلے میں کیا جائے تو وہ بہت زیادہ معلوم ہوں گی ..... میرا گمان ہے کہ اگر ان کی تصانیف کے صفحات کو ان کی عمر کے ایام پر تقسیم کیا جائے تو ان کو امام ابن جریر، ابن الجوزی اور فخر الدین الرازی جیسے طویل الاعمار اور کثیر التصانیف علماء پر بھی فوقیت حاصل ہوگی'' (حوالہ سابق، ص ۱۳-۱۴)۔

مولانا عبد الحی کی تصنیفات کی علمی قدر وقیمت اور ان کے معیار تحقیق پر روشنی ڈالتے ہوئے شیخ ابوغدہ نے لکھا ہے:

''جو شخص بھی شیخ عبد الحی کی تصنیفات پر نظر ڈالے گا وہ اس بات کا اعتراف کرے گا کہ ان میں خالص علمی تحقیق کو پوری طرح پیش نظر رکھا گیا ہے، نادر اقوال کو جمع کیا گیا ہے اور مسئلہ زیر بحث سے متعلق تمام پہلوؤں کا اس طرح احاطہ کیا گیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے ساری زندگی اسی موضوع پر کام کیا ہے۔ ان کی تصانیف کی کثرت کے باوجود کسی کتاب میں یہ محسوس نہیں ہوگا کہ اسمیں محض خانہ پُری کی گئی ہے یا اس میں تکرار پائی جاتی ہے، حتی کہ ان کتابوں میں بھی نہیں، جو ضخیم مجلدات پر مشتمل ہیں، مثلاً ہدایہ پر ان کا حاشیہ ان کی کتاب السعایۃ فی کشف ما فی شرح الوقایۃ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو دقیق ذوق، پاکیزہ علمی حس، نادر دقت فہم، بلیغ قوتِ حافظہ اور قلیل ترین وقت میں بہترین اسلوب میں تالیف کی عجیب وغریب قدرت عطا کی تھی۔ وہ اگر چہ

ولادت، سکونت اور زبان کے اعتبار سے ہندوستانی تھے، لیکن ان کی تحریر میں عجمیت کا کوئی شائبہ نہیں ملتا۔ وہ جو کچھ لکھتے یا نقل کرتے یا مباحثہ کرتے ہیں اس میں کہیں بھی ان کا ذوق مشکوک نظر نہیں آتا یہاں تک کہ جب وہ اپنے مخالفین پر اعتراض کرتے ہیں تو اس وقت بھی ان کے اسلوب میں ادب کا التزام اور مباحثہ کے میدان میں علم کی تمکین جلوہ فرو ز ہوتی ہے اور کہیں بھی کوئی غلط استدلال اور فحش بیانی نہیں ملتی'' (حوالہ سابق، ص ۱۴)۔

مولانا عبدالحی اپنی کتابوں میں قدماء کے کثرت سے حوالے دیتے ہیں، اس پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے شیخ عبدالفتاح نے لکھا ہے:

''ان کے پاس ایک بڑی ذاتی لائبریری تھی، جس میں ہر علم وفن کی کتابیں موجود تھیں۔ اس کا اندازہ ان کی تصنیفات سے ہوتا ہے، جن میں کثرت سے ان کتابوں سے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں، جو ابھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی ہیں، اور جن کے بارے میں بہت کم سنا گیا ہے اور لوگوں کو بہت کم ان سے واقفیت ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ 'الرفع والتکمیل' ان کی ایک مختصر سی تصنیف ہے، لیکن اپنے فوائد و مشتملات کے اعتبار سے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس میں انھوں نے تقریباً ۱۵۰؍ کتابوں سے اقتباسات نقل کیے ہیں۔ جب میں نے ان کی اس کتاب (الرفع والتکمیل) اور دوسری کتاب (الاجوبۃ الفاضلۃ) کی تخریج کی تو مجھے تعجب ہوتا تھا کہ انہیں ان کتابوں میں سے، جب کہ ان میں سے اکثر مخطوطہ کی شکل میں تھیں، پوشیدہ متون کو اخذ کر لینے کی کتنی زبردست قدرت حاصل تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے ہاتھ نارچ ہے، جس کی تیز کرنیں تاریک خزانوں میں رکھی ہوئی کتابوں کے اندروں تک پہنچ کر ان کی عبارتوں کو روشن کر دیتی ہیں اور ان کے مخفی اسرار کو باہر نکال لاتی ہیں'' (حوالہ سابق: ص ۱۵)۔

شیخ ابوغدہ نے مولانا عبدالحی کے حسنِ اخلاق کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''امام لکھنوی کی کتابوں کو پڑھنے والا واضح طور پر محسوس کرے گا کہ ان کے اندر علمی ترفع و تعلی یا کبر وغرور کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا، بلکہ وہ ان کے اندر ایک صاف وشفاف تصوف اور پاکیزہ اور مکمل

تواضع کا اثر پائے گا، جو خالص شرعی علم وادب کے ساتھ مخلوط ہے" (حوالہ سابق، ص ۱۵)۔

دیگر عرب مورخین واصحاب تراجم:

بعض دیگر عرب مورخین اور اصحاب تراجم نے بھی مولانا عبدالحی کا ذکر خیر کیا ہے اور ان کی تصانیف کے حوالے سے ان کی علمی خدمات کو سراہا ہے۔

موجودہ دور میں تذکرہ وسوانح کے میدان میں خیر الدین الزرکلی (م ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء) کی الأعلام کو شہرت حاصل ہے۔ اس میں عرب وعجم کی مشہور شخصیات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ فاضل مصنف نے مولانا فرنگی محل کا نام، ولدیت، نسبت اور کنیت ذکر کرنے کے بعد ان کا اجمالی تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے: **عالم بالحديث والتراجم من فقهاء الحنفية**۔ پھر ان کی ۱۳/ اہم تصانیف کے نام درج کیے ہیں (خیر الدین الزرکلی، الاعلام دار العلم للملایین، بیروت، ۱۹۹۷ء، ۱۸۷/۸)۔

عربی زبان کی اہم کتب اور ان کے مصنفین کے تعارف پر موجودہ دور میں ایک متداول کتاب معجم المطبوعات العربیۃ والمعربۃ ہے۔ اس کے مصنف یوسف الیان سرکیس ہیں۔ اس کتاب میں ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۱۹ء تک مشرق ومغرب میں طبع ہونے والی اہم عربی کتب کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان کے مؤلفین کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے۔ مصنف نے مولانا عبدالحی کا تذکرہ ان کی کتاب الفوائد البہیۃ میں ان کی خودنوشت سے ایک اقتباس لے کر کیا ہے، جس میں انھوں نے اُس وقت تک ۴۴/ کتب تصنیف کرنے کا تذکرہ کیا تھا۔ اس کے بعد ان کی ۲۳/ کتب کی فہرست درج کی ہے (یوسف الیان سرکیس، معجم المطبوعات العربیۃ والمعربۃ، طبع مصر، ۱۹۲۸ / ۱۳۴۶ھ، ۱۵۹۵/۲-۱۵۹۷)۔

مولانا عبدالحی ہندوستانی علماء کی نظر میں:

ہندوستان میں جو علماء مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے ثنا خواں ہیں ان میں ان کے

شاگردانِ رشید اور اہل خاندان بھی ہیں، ان کے معاصرین بھی اور خاص طور سے وہ معاصرین، جن سے علمی مسائل ومباحث میں ان کی معاصرانہ چشمک رہتی تھی، اوران کے عہد کے بعد کے ممتاز علماء ومورخین بھی۔ ذیل میں ان کے تاثرات واعترافات کے چند اقتباسات نقل کیے جارہے ہیں۔

(الف) شاگردان واہلِ خاندان:

مولانا عبدالباقی فرنگی محلی:

آپ کے نمایاں تلامذہ میں سے ایک مولانا محمد عبدالباقی فرنگی محلی (۱۲۸۶ھ-۱۸۶۹ تا ۱۳۶۴ھ-۱۹۴۴ء) ہیں۔ تحصیل علم کے بعد آپ عرصہ تک لکھنؤ ہی میں درس وتدریس میں مشغول رہے۔ تین بار حرمین شریفین کی زیارت کی۔ تیسری بار مدینہ منورہ میں ہی مستقل سکونت اختیار کرلی اور وہیں درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہوگئے۔ انھوں نے مولانا عبد الحی کے حالات میں ایک کتاب حسرۃ الفحول بوفاۃ نائب الرسول تصنیف کی ہے۔ اس میں انھوں نے مولانا کے علم وفضل تبحر، تحقیق وتدقیق اور فیض رسانی کی زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ یہاں ان کی کتاب سے ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے:

''فانعطف الجم الغفير اليه لتحصيل العلوم والفنون، وحضر الجمع الكثير لديه لكشف الظنون، فاشتهر فی الأنظار والأمصار كالذكاء ضحو النهار، بتبحره فی العلوم العقلية والنقلية وانغماسه فی بحار العلوم العربية، واصافه بالصفات العلية، وتفضله على أمثاله من العلماء العجمية، كيف لا وهو الذی فی ميزان التحقيق متوزن الفهوم وفارس نجباء السابقة فی بيداء العلوم، وتقريراته فرائد ضيائيه، وتحريراته متفردات إلهامية، وإشاراته فی الدقائق الفلسفية، هداية الی الحكمة البهية، وكناياتها فی الحقائق الكلامية محللات

لمعاقد المباحث الاعتقادية، ومرموزاته فی علم الفقه والحديث والاصول المفتقر إليها الفحول، مقاصد حسنة وآثار مرفوعة نافعة للكبير والصغير جامعة لرموز الهداية بفتح الفاتح القدير ...... فلذلک لم تَرَ عين العلماء نظيره ولم يجد سعی الطلباء عديله ومثيله“ (محمد عبدالباقی، حسرۃ الفحول بوفاۃ نائب الرسول، مطبع انوار محمدی لکھنؤ، ۱۳۰۵ھ، ص۵، بہ حوالہ غلام محمد سلطان، مولانا عبدالحی فرنگی محلی، طبع علی گڑھ ۱۹۸۵ء، ص۱۱۶)۔

(پھر علوم وفنون کی تحصیل کے لیے جم غفیر آپ کی طرف مائل ہوگیا اور شبہات کو رفع کرنے کے لیے ایک بڑی جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ پس اقطار وامصار میں چاشت کے آفتاب کی مانند آپ کی شہرت پھیل گئی۔ اس لئے کہ آپ علوم عقلیہ ونقلیہ میں متبحر، علوم عربیہ کے سمندر کے غواص، صفات عالیہ سے متصف اور علمائے عجم میں اپنے امثال واقران سے فائق ہیں۔ یہ کیسے نہ ہوتا جب کہ آپ میزانِ تحقیق وعقل کو تولنے والے اور علوم کے میدان میں سبقت لے جانے والے ہیں۔ آپ کے بیانات روشن جواہرات اور آپ کی تحریری الہامی تفردات ہیں۔ فلسفیانہ دقائق میں آپ کے اشارات حکمت جمیلہ کی طرف ہدایت کرنے والے اور حقائق کلامیہ میں آپ کے کنایات اعتقادی مباحث کی گرہوں کو کھولنے والے ہیں اور علم حدیث وفقہ واصول میں آپ کے رمزیات، جن کے علمائے کبار محتاج ہیں، حسین مقاصد، بلند آثار، صغیر وکبیر سب کے لیے نافع اور فاتح تدبیر کی فتح ونصرت سے رموز ہدایت کے جامع ہیں ...... اسی لیے علماء نے آپ کی نظیر نہیں دیکھی اور طلباء نے کوشش کے باوجود آپ کا ہم سر اور مثل نہیں پایا)۔

مولانا حفیظ اللہ بندوی:

اعظم گڑھ کے ایک قصبہ بندی خورد سے تعلق رکھنے والے مولانا حفیظ اللہ (م ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء) بھی مولانا عبدالحی کے تلامذہ میں سے ہیں۔ غازی پور میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ آئے اور وہاں مولانا کے حلقۂ درس میں شامل ہوکر علم حدیث اخذ کیا۔ انھوں نے

مختلف اوقات میں انگلش اسکول کا کورس، مدرسہ عالیہ رام پور، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مدرسہ عالیہ ڈھاکہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ تقریباً دس سال (۱۹۲۰ -۱۹۲۹ء) دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم رہے۔

انھوں نے مولانا عبدالحی کی سوانح پر 'کنز البرکات فی سیرۃ مولانا أبي الحسنات' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ہے۔

مولانا عبدالعلی آسی مدراسی:

مولانا فرنگی محلی کے ایک شاگرد مولانا عبدالعلی آسی (۱۳۲۷ھ/۱۹۰۸ء) ہیں۔ آپ کا وطن مدراس تھا، وہیں نشو ونما پائی، جوانی میں لکھنؤ آ گئے تھے۔ یہاں مولانا الٰہی بخش فیض آبادی اور مولانا عبدالحی سے کسب فیض کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ مطبع نظامی میں تصحیح کتب کی خدمت انجام دی، پھر اپنا ذاتی مطبع قائم کرلیا تھا۔ انشا نگاری، حاشیہ نویسی اور شعر گوئی میں ملکہ حاصل تھا۔ متعدد تصانیف ہیں۔ مولانا عبدالحی کی وفات پر انھوں نے عربی اور فارسی میں متعدد قطعات لکھے ہیں۔ چند اشعار درج ذیل ہیں:

مات عبد الحی لکن لم یمت فیضانه   انما مات المسمی و اسمه مالا یموت
انه أحیا علوم الدین فی الدنیا لنا   ان فی العقبی له جنات عدن لاتفوت
صنف الأسفار تنقیحا علی وجه الکمال   درس الطلاب توضیحا علی وجه الثبوت
لم یزل فی طول عمر خادماً فن الحدیث   بل له یوماً و لیلاً من کتاب الله قوت
أنشد الآسی له مصراع تاریخ الوفاة   فات عبد الحی و القیوم حی لایموت

۱۳۰۴ھ

(عبدالحی، الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ، مطبع علوی لکھنؤ، ۱۳۰۴ھ، ص ۳۷۹-۳۸۰)۔

(☆ عبدالحی کی موت واقع ہوگئی، لیکن اس کا فیضان مردہ نہیں ہوا، عرف مسمی کی موت ہوئی ہے اور اس کا اسم نہیں مرا۔

☆ انھوں نے دنیا میں ہمارے لیے دین سے علوم کو زندہ کیا۔ ان کے لیے عقبیٰ میں ہمیشہ رہنے کو نہ فوت ہونے والے باغات ہیں۔

☆ انھوں نے مکمل تنقیح کے ساتھ کتابیں تصنیف کیں اور مدلل طور پر توضیح کے ساتھ طلبہ کو درس دیا۔

☆ وہ زندگی بھر فنِ حدیث کے خادم رہے، لیکن ان کو دن رات کتاب اللہ ہی سے غذا ملتی تھی۔

☆ آسی نے ان کی وفات پر یہ تاریخی مصرع کہا: عبدالحی کی وفات ہوگئی اور قیوم زندہ ہے، جس کے لیے کبھی موت نہیں ہے)۔

مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی:

فرنگی محل سے تعلق رکھنے والے عالم و مصنف مولانا محمد عنایت اللہ نے علمائے فرنگی محل کے احوال وآثار اور خدمات پر ایک کتاب 'تذکرہ علمائے فرنگی محل' کے نام سے لکھی ہے۔ اس میں مولانا عبدالحی کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے۔ انھوں نے آپ کو آیۃ اللہ فی العالمین، وارث علوم سید المرسلین، فخر خلف، یادگار سلف اور مجدد المائۃ الرابع عشر جیسے القاب سے یاد کیا ہے۔ پھر لکھا ہے:

''حق یہ ہے کہ ہمارے محلّہ میں اس ذاتِ گرامی کی کوئی نظیر سابق میں سوائے بحر العلوم کے دوسری نہیں ہوئی ہے۔ اور اگر مولانا کو وہی عمر اور سن خوش قسمتی سے مل جاتا جو بحر العلوم کو مل گیا تو یقیناً یہ شہ سوارِ میدانِ علم و عمل، یہ جامعِ علوم معقول و منقول، یہ فقیہ و منطقی و محدث و واعظ اپنے اکابر تو کیا، سچ تو یہ ہے کہ ابن ہمام اور عینی تو ایک طرف صدرالشریعۃ اور تاج الشریعۃ سے بازی لے جاتا، مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا اور افسوس صد افسوس کہ یہ شمس سماء تحقیق یہ بدر تلک تدقیق صرف ۳۹ سال اُفق عالم پر ضیا بخش عالم رہا اور اس کے بعد غروب ہوگیا، مگر غروب کے بعد بھی جو شفق اپنی یادگار کے طور پر چھوڑ گیا، جب تک علوم اسلامیہ کا بازار مسلمانوں میں گرم ہے، وہ ہمیشہ روشنائی

بخش عالم رہے گی اور اہل علم اس کے احسان گراں بار سے اپنے سروں کو اٹھا نہیں سکیں گے''۔ (محمد عنایت اللہ، تذکرہ علمائے فرنگی محل، برقی پریس فرنگی محل لکھنؤ، ۱۳۴۹ھ، ص ۱۳۱)۔

(ب) معاصرین:

رحمٰن علی:

ہندوستان میں تذکرہ نویسی کے میدان میں رحمٰن علی کو شہرت حاصل ہے۔ انھوں نے تذکرہ علمائے ہند کے نام سے فارسی زبان میں ایک مبسوط کتاب تالیف کی ہے (اس کا اردو ترجمہ بھی متداول ہے) اس میں انھوں نے مختلف علوم وفنون میں شہرت رکھنے والے ماہرین کے حالات جمع کر دیئے ہیں۔ مولانا عبدالحی کے تذکرہ میں انھوں نے مختصر حالاتِ زندگی بیان کرنے کے بعد ان کی تصانیف کی فہرست درج کر دی ہے۔ آخر میں ان کے مشہور تلامذہ کے نام بھی تحریر کر دیے ہیں۔

ایک جگہ صاحب تذکرہ نے مولانا عبدالحی سے اپنی ملاقات کا حال ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''جس وقت وہ اپنے والد ماجد کے ہم راہ حیدرآباد جا رہے تھے، مؤلف اوراق کو مقام دیوان میں ان کے دیدار سے مسرت حاصل ہوئی تھی۔ اس وقت، جب کہ ابھی وہ کم سن تھے، طبیعت کی ذکاوت اور حافظہ کی جودت ان کی پیشانی سے درخشاں تھی''۔ (مولوی رحمٰن علی، تذکرہ علمائے ہند، ترجمہ محمد ایوب قادری، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی، ۱۹۶۱ء طبع اول، ص ۲۸۸)۔

ایک جگہ مولانا فرنگی محل کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے:

''ایک عالم ان کے درس اور تعلیم سے فیضیاب ہوا اور بہت سے مشہور فاضل ان کے دامنِ فیضان سے مستفیض ہوئے۔ غرض صاحب ترجمہ (مولوی عبدالحی) اس قدر کثیر الدرس والتصنیف تھے کہ ان کے علوم کی اشاعت اور فیض کی شہرت ان کی زندگی ہی میں تمام دنیا میں پھیل گئی اور قریب مجددیت کے پہنچ گئے'' (حوالہ سابق، ص ۲۸۸)۔

اردو دائرۂ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار نے رحمٰن علی کو مولانا عبدالحی کا شاگرد لکھا ہے (۸۵۸/۱۲) کسی دوسرے ذریعہ سے اس کی تحقیق نہیں ہوسکی۔

مولانا عبدالحی حسنی:

مولانا عبدالحی حسنی (م ۱۲۸۶ھ-۱۸۶۹ء-۱۳۴۱ھ-۱۹۲۳ء) اپنی مایہ ناز تصنیف نزہۃ الخواطر کی وجہ سے عالمی شہرت رکھتے ہیں۔اس کتاب میں انھوں نے ہندوستان میں اسلام کی آمد سے اپنے عہد تک کے مختلف میدانوں کے مشاہیر کا تذکرہ جمع کردیا ہے۔مولانا عبدالحی کا تذکرہ انھوں نے تفصیل سے کیا ہے اور مختلف علوم وفنون میں ان کی مہارت بیان کرنے کے بعد تین ذیلی عناوین (منطق وحکمت،نسب واخبار اورفقہ وحدیث) کے تحت ان کی تصانیف کی فہرست درج کردی ہے۔

مولانا عبدالحی کے تذکرہ کا آغاز انھوں نے الشیخ العالم الکبیر العلامۃ جیسے الفاظ استعمال کرنے کے بعد اس شعر سے کیا ہے:

العالم الفاضل النحریر أفضل من بث العلوم فأروی کل ظمآن

آگے لکھا ہے:

’’میں نے انہیں ذہین وفطین، تیز دماغ، پاک طینت، نرم مزاج، زبردست خطیب، معقولات ومنقولات میں تبحر اور شریعت کے دقائق وغوامض سے آگاہ پایا۔انہیں مختلف علوم میں دست گاہ حاصل تھی، احکام کو نقل کرنے میں بہت غور وخوض سے کام لیتے تھے۔انہوں نے مسائل میں خامہ فرسائی کی ہے اور انہیں ہندوستان میں فتویٰ نویسی کے میدان میں انفرادی مقام حاصل ہے۔ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ہر علاقہ کے علماء ان کی عظمت وجلالت کے معترف ہیں‘‘۔ (عبدالحی الحسنی،نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدرآباد ۱۹۸۱ء ۸/۲۳۴) ان کی علمی مجلسوں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

’’اصول وفروع پر انہیں کامل قوت اور جامع قدرت حاصل ہے، وہ ان میں فضیلت

تامہ رکھتے ہیں اور ان کا پورا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ فنِ تعلیم وتدریس میں انہیں ایسا ملکہ حاصل ہے جیسا ان کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں۔ جب وہ اہل علم کے درمیان ہوتے ہیں اور علوم وفنون کی کسی شاخ میں بحث ومباحثہ ہونے لگتا ہے تو وہ ابتدا میں کچھ نہیں بولتے، بلکہ خاموشی کے ساتھ دوسروں کو دیکھتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ لوگ اپنے مباحثہ کے بعد ان کی طرف رجوع کرتے ہیں تو وہ اس موضوع پر ایسی فیصلہ کن بات کہتے ہیں جسے تمام لوگ قبول کر لیتے ہیں اور ہر سننے والے کو اطمینان ہو جاتا ہے۔عرصہ سے ان کا یہی انداز اور وتیرہ ہے۔کچھ بھی ہو وہ کبھی طیش میں نہیں آتے اور غصہ کا اظہار نہیں کرتے۔خلاصہ یہ کہ ان کی ذاتِ گرامی زمانہ کے عجائبات اور ہندوستان کے محاسن ومفاخر میں سے ہے۔ان کی مدح وستائش پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے اور ان کے علم وفضل کا اعتراف کرنے سے کسی کو اختلاف نہیں'' (حوالہ سابق، ص ۲۳۵)۔

صاحب نزہۃ الخواطر نے مولانا عبدالحی کی فقہی مہارت کے حوالے سے لکھا ہے:

''فروع واصول میں وہ ابوحنیفہؒ کے مسلک پر تھے،لیکن ان میں تعصب بالکل نہ تھا،وہ دلیل کا تتبع کرتے تھے۔اگر کسی مسئلہ میں انہیں حنفی مسلک کے خلاف کوئی صریح نص مل جاتی تو تقلید ترک کر دیتے تھے۔(آگے بطور ثبوت انہوں نے مولانا کی تصانیف: النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر اور الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ کے چند اقتباسات نقل کیے ہیں۔پھر لکھا ہے) علم حدیث میں مہارت اور فقہ میں بصیرت کے ساتھ انہیں علم الانساب والاخبار اور فنونِ حکمت میں بھی یدطولی حاصل تھا۔ساتھ ہی وہ مناظرہ سے بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے۔انھوں نے اپنی تصنیفات میں بہت سے مقامات پر علماء کی غلطیوں کی نشان دہی کی ہے'' (حوالہ سابق، ص ۲۳۶)۔

صاحب نزہۃ نے لکھا ہے کہ انھوں نے بارہا مولانا عبدالحی کی علمی مجلسوں میں شرکت کی ہے۔وہ ان کے جنازہ میں شریک تھے (حوالہ سابق، ص ۲۳۴، ۲۳۸)۔

مولانا فقیر محمد جہلمی:

مولانا فقیر محمد جہلمی (۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء) کی شہرت اس اعتبار سے ہے کہ انہوں نے

'حدائق الحنفیہ' کے نام سے اردو زبان میں ایک ہزار سے زائد فقہائے احناف کا تذکرہ جمع کیا ہے۔ اس کتاب میں ۱۳۰۰ھ تک وفات پانے والی شخصیات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مولانا فرنگی محلی کی وفات ۱۳۰۴ھ میں ہوئی، دوسرے وہ مذکورہ کتاب کی تالیف کے وقت حیات تھے، اس لیے ان کا مستقل تذکرہ تو اس کتاب میں نہیں ہے، لیکن مصنف نے ان کے والد مولانا حافظ عبدالحلیم لکھنوی (م ۱۲۸۵ھ) کے تذکرہ میں ضمناً ان کا بھی ذکر خیر کیا ہے اور ان کی علمی خدمات پر انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

"آپ کے خلف الصدق فقیہ، محدث، عالم بے عدیل، فاضل بے تمثیل، جامع معقول ومنقول، حاوی فروع واصول، قدوۃ المحققین، زبدۃ المدققین، مصنف کتب کثیرہ، مولانا ابوالحسنات حافظ محمد عبدالحی لکھنوی زندہ موجود ہیں، جو بدء تحصیل علوم سے تصنیف کتب اور تنشیر علوم میں یہاں تک مصروف ہیں کہ باوجود یہ کہ آپ کی عمر ابھی پوری چالیس برس کی نہیں ہوئی، مگر چشم بددور آپ ستر کتب ورسالہ جات سے زیادہ تصنیف کر چکے ہیں، جن میں سے اکثر معرض طبع میں آکر شہرت پا چکی ہیں اور ان کے سوا بڑی بڑی علمی اور فضیلت کی کتابوں پر آپ کے حواشی وتعلیقات موجود ہیں اور ان میں الٰہی تحقیقات وتدقیقات کو کام فرمایا ہے کہ طالب علموں کے آگے ایک منجھا ہوا آئینہ رکھ دیا ہے۔ غرض کہ کثرتِ تصنیفات اور تنشیر علوم کے سبب ہندوستان کے حنفیوں میں اس آخر زمانے میں اس جمعیت ولیاقت کا اور کوئی عالم وفاضل دکھائی نہیں دیتا، جس سے ان کو اگر چودھویں صدی کا مجدد امتِ محمدیہ قرار دیا جائے تو کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ ان کا فیض مدت تک جاری رکھے"۔ (فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنفیہ، ادبی دنیا دہلی، ۲۰۰۶ء ص ۵۰۳)۔

نواب صدیق حسن خاں:

مولانا فرنگی محلی کے نمایاں اور ممتاز معاصرین میں سے ایک مشہور اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خاں (۱۲۴۸ھ-۱۸۳۲ء-۱۳۰۷ھ-۱۸۹۰ء) ہیں۔ دونوں کے درمیان مختلف علمی موضوعات پر تحریری مناظرے ہوا کرتے تھے۔ مولانا کے انتقال پر نواب صاحب نے

بہت افسوس کا اظہار کیا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ”عبد الحی فرنگی محلی کے بعد اب کس سے علمی مذاکرات ہوسکتے ہیں“۔ (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ۱۲/ ۸۵۸، مقالہ عبدالحی فرنگی محلی)۔

مولانا عبد الحی حسنی نے لکھا ہے کہ جب نواب صدیق حسن خاں کو مولانا عبد الحی کی وفات کی خبر ملی تو انھوں نے مارے افسوس کے اس رات کھانا ہی نہیں کھایا، اور ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی (نزہۃ الخواطر ۸/ ۲۳۶)۔

(ج) ممتاز علماء و مورخین:

علامہ سید سلیمان ندوی:

علامہ سید سلیمان ندوی (۱۳۰۲ھ - ۱۸۸۴ء - ۱۳۷۳ - ۱۹۵۳ء) کی شخصیت اور ان کی علمی خدمات محتاج تعارف نہیں ہے۔ انہوں نے تیس سال تک برصغیر کے انتہائی موقر مجلّہ اور دار المصنفین شبلی اکیڈمی کے ترجمان ماہ نامہ معارف اعظم گڑھ کی ادارت کی ہے۔ سیرت نبوی، سوانح، تاریخ اور دیگر اسلامی علوم میں اہم اور وقیع تصانیف کے علاوہ ان کے سیکڑوں قیمتی مقالات ماہ نامہ معارف میں شائع ہوتے ہیں۔ چند منتخب مقالات کا مجموعہ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی نے مقالات سلیمان کے نام سے تین جلدوں میں مرتب کیا ہے، ان کا ایک مقالہ ”ہندوستان میں علم حدیث“ کے عنوان سے ہے۔

اس مقالہ میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی خدمات حدیث کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ سید صاحب نے لکھا ہے:

”فرنگی محل میں علم حدیث کی معراجِ کمال مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں ہوئی۔ تعلیم اپنے والد مولانا عبدالحلیم سے پائی، ساتھ ہی دو مرتبہ حجاز جا کر وہاں سے علماء اور شیوخ سے سندیں حاصل کیں۔ مرحوم نے گو عمر بہت کم پائی، مگر اس مختصر زمانہ میں مرحوم کے درس وتدریس، تالیف وتصنیف اور تحقیق وتدقیق کے آوازہ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیائے

اسلام گونج اٹھی، اطراف وویار سے علم کے طالب آپ کے آستانہ پر جمع ہوئے، معقول ومنقول کا یہ مجمع البحرین زندگی کے آخری لمحے تک موجیں مارتا رہا، دوسرے علوم وفنون کے ساتھ تمام کتب حدیث کا درس بہ کمال تحقیق آپ کی درس گاہ میں ہوتا تھا۔ پورب اور بہار کے طلبہ زیادہ تر اس فیض سے سیراب ہوئے۔ حدیث اور متعلقاتِ حدیث کی متعدد نادر کتابیں اپنے مقدمہ اور تحشیہ کے ساتھ شائع کیں۔ حدیث اور فقہ حنفی کی جامعیت کے ساتھ بیسویں رسالے لکھے'' (شاہ معین الدین ندوی (مرتب) مقالات سلیمان، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ ۲۰۰۶ء طبع دوم، ۲/ ۵۴)۔

مولانا فرنگی محلی نے جن کتابوں پر حواشی لکھے ہیں ان پر مبسوط مقدمے بھی تحریر کیے ہیں، جو ان کتابوں، ان کے مصنفین اور ان موضوعات کی دیگر کتابوں کے تفصیلی تعارف پر مشتمل ہیں۔ سید سلیمان ندوی نے ان کی تحشیہ اور تقدیم کی خوبیوں پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

''کتابوں سے تحشیہ اور اشاعت میں **مولانا** کو جو اہتمام تھا، اس میں دو باتیں خاص طور سے **قابل** ذکر ہیں: سب سے پہلی بات مقدمہ نگاری کی ایجاد ہے۔ **مولانا** سے پہلے کسی شارح یا محشی نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ یورپ میں قلمی کتابوں کو ایڈٹ کرنے کی جو اہمیت حاصل ہے اور جس طرح وہ مختلف نسخوں کی فراہمی، مقابلہ اور تصحیح اور ساتھ ہی مصنف اور تصنیف کے متعلق ہر قسم کے معلومات مقدمہ میں فراہم کرتے ہیں، **مولانا** نے علمائے یورپ کے طریق کار کے علم سے پہلے ہی اس اہم کام کی طرف توجہ کی، اور بالکل اسی طریق پر بلکہ اس سے بہتر طریقہ پر اس کام کو انجام دیا۔ جس کتاب کو شائع کیا اس کے مختلف نسخوں کو فراہم اور ان کا مقابلہ کر کے ایک صحیح نسخہ ترتیب دیا، پھر اس پر حواشی لکھے، شروع میں ایک مقدمہ لکھا، جس میں ماتن، شارح اور اس کے دیگر شارحین کے حالات لکھے، اس کی کتاب اور اس فن کی دوسری کتابوں کے حالات ذکر کیے، اس فن کی، جس میں یہ کتاب تھی، تاریخ لکھی، دسری **قابل** ذکر بات کتابوں کی صحت ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ عربی کی ضخیم کتابیں اور ان پر باریک حاشیے اور ان کی تصحیح اس طرح کی جاتی تھی کہ اگر یہ دعویٰ کیا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ ان کی خاص شائع کردہ کتابوں میں ایک

نقطہ کی بھی غلطی نہیں ہے۔ آج جب کہ مطابع اور کتابوں کی چھپائی اور اشاعت کا یہ عالم اور اس قدر اہتمام ہے، تاہم وہ صحت اردو کی کتابوں میں بھی نہیں ہوتی'' (حوالہ بالا، ص ۵۵)۔

مولانا مناظر احسن گیلانی:

مولانا مناظر احسن گیلانی (۱۸۹۲ء-۱۳۰۹ھ-۱۹۵۶ء-۱۳۷۵ھ) دارالعلوم دیوبند کے مشہور فضلاء میں سے ہیں۔ ابتدائی تعلیم ٹونک میں حاصل کی۔ کچھ وقت دیوبند میں گزارا۔ ۱۹۲۰ء میں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں دینیات کے استاذ مقرر ہوئے۔ اخیر میں صدر شعبہ بھی ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں وہاں سے وظیفہ یاب ہوکر اپنے وطن گیلان ضلع پٹنہ (بہار) واپس ہوئے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ان کی ایک اہم اور مشہور تصنیف ہے، جو ندوۃ المصنفین دہلی سے دو جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔ اس میں انھوں نے تاریخی اعتبار سے مسلمانوں کے نظام تعلیم کا جائزہ لیا ہے۔ ایک جگہ انھوں نے مولانا عبدالحی کا ایک اقتباس نقل کیا ہے جس میں ان کے سترہ سال میں حفظ قرآن کے ساتھ تمام علوم نقلیہ وعقلیہ کی تحصیل کا تذکرہ ہے، پھر لکھا ہے:

''سترہ سال کی عمر اور اس میں علوم وفنون کے ان ہفت خوانوں کو طے کرنا اور اس طرح طے کرنا کہ ان ہی علوم کو پڑھانے بیٹھے تو ملک کے کناروں تک اپنے جلیل تلامذہ کی ایک فوج پھیلا دی۔ خود مولانا مرحوم کی پوری عمر ہی کیا ہوئی، چالیس کے قریب میں انتقال ہوگیا، لیکن اس عرصہ میں ستر سے اوپر چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں، جن میں بعض کافی ضخیم ہیں، بعض ہندوستان کے سوا مصر میں بھی طبع ہوئیں۔ اس وقت تک بیسوں کتابیں نظامی نصاب میں آپ ہی کی تحشیہ کی داخل ہیں۔ اسی کے ساتھ فتاویٰ کے مجلدات ہیں۔ علم میں یہ پختگی اور اس کے حصول میں وقت کی یہ نوعیت، کیسی عجیب بات ہے'' (مولانا سید مناظر احسن گیلانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ندوۃ المصنفین دہلی، سنہ طبع درج نہیں، ۲/ ۳۵)۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی:

عصر حاضر کے نامور علماء میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی (۱۳۳۲ھ-۱۹۱۴ء-۱۴۲۰ھ-۱۹۹۹ء) کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ ان کا خصوصی میدان تاریخ وتذکرہ ہے۔ انھوں نے اپنی تصنیف 'ہندوستانی مسلمان - ایک جائزہ'' میں مولانا عبد الحیؒ کا تذکرہ ہندوستان کے کثیر التصانیف مصنفین کے ذیل میں کرایا ہے۔ لکھا ہے:

''فخر المتاخرین مولانا عبد الحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۴ھ) کی تصانیف ایک سو دس ہیں، جن میں سے چھیاسی کتابیں عربی میں ہیں۔ ان میں السعایۃ فی شرح شرح الوقایۃ، مصباح الدجی، التعلیق المجد اور ظفر الامانی اہم علمی کارنامہ ہیں۔ علمائے احناف کے تذکرہ میں ان کی کتاب الفوائد البہیۃ سب سے زیادہ مشہور ومقبول اور حنفی علماء کے حالات کے لیے زیادہ تر اسی سے نقل واقتباس کیا جاتا ہے'' (سید ابوالحسن علی ندوی، ہندوستانی مسلمان -ایک تاریخی جائزہ' مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ ۱۹۹۴ء طبع سوم، ص ۴۱-۴۲)۔

چند دیگر مورخین واصحاب تذکرہ:

ہندوستان کی علمی وثقافتی تاریخ پر جن حضرات نے بھی قلم اٹھایا ہے انھوں نے مولانا عبد الحی فرنگی محلی کا تذکرہ ضرور کیا ہے۔ ذیل میں بعض مورخین کے بیانات درج کیے جارہے ہیں:

شیخ محمد اکرام کی کوثریات، (آب کوثر، موج کوثر، رودِ کوثر) کو ہندوستان کی علمی وادبی تاریخ کے موضوع پر قبول واعتبار حاصل ہے۔ انھوں نے فرنگی محل کے ذیل میں لکھا ہے:

گذشتہ صدی میں یہاں کے سربرآوردہ عالم مولانا عبدالحی تھے، جنھوں نے عربی میں متعدد کتابیں لکھیں اور جن کے کئی شاگرد نامور عالم ہوئے''۔ (شیخ محمد اکرام، رودِ کوثر، ادبی دنیا، دہلی، سنہ اشاعت درج نہیں، ص ۶۱۰-۶۱۱)۔

عبدالمجید سالک کی ایک تصنیف ''مسلم ثقافت ہندوستان میں'' کے نام سے ہے۔ اس

میں انھوں نے ہندوستان میں علوم وفنون کے ارتقاء کا جائزہ لیا ہے۔فرنگی محل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ملا بحر العلوم (م ۱۸۱۹ء) تو فرنگی محل چھوڑ کر مدراس چلے گئے تھے،لیکن فرنگی محل بہ دستور علوم دینی کا مرکز رہا۔ایک بڑے مشہور عالم مولانا عبدالحی فرنگی محلی بہت سی کتابوں کے مصنف گزرے ہیں''۔(عبدالمجید سالک،مسلم ثقافت ہندوستان میں،ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور،سنہ طبع درج نہیں،ص ۲۶۸)۔

پنجاب یونیورسٹی لاہور سے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا اردو ترجمہ دائرۂ معارف اسلامیہ کے نام سے شائع ہوا ہے۔اس میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی حیات وخدمات پر ایک مقالہ کا اضافہ کیا گیا ہے، جو جناب زبید احمد کے قلم سے ہے۔مقالہ نگار نے مولانا کی مختصر سوانح بیان کرنے کے بعد مختلف علوم وفنون میں ان کی ۵۶/ کتابوں کی فہرست پیش کی ہے۔ایک جگہ انہیں ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

''وہ بڑے سلیم الطبع کریم النفس،طلیق اللسان،فصیح البیان،کثیر التصانیف اور متبع سنت تھے۔ان کی تعلیم اور درس سے کثیر التعداد لوگوں نے فیض حاصل کیا اور کئی نامور فاضل ان کے حلقے سے اٹھے......زیادہ تر انھوں نے کتب درسیہ کی شروح اور حواشی لکھے ہیں، جو اساتذہ اور تلامذہ کے ہاں بہت متداول ہیں۔ان کی الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ سیر ورجال پر ایک مفید ماخذ ہے۔(اردو دائرۂ معارف اسلامیہ،زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب لاہور جلد ۱۲،ص ۸۵۸)۔

مولانا عبدالحی کا ذکرِ جمیل یورپ میں:

مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے علم وفضل کا اعتراف دانش ورانِ یورپ نے بھی کیا ہے۔ یہاں ایک ممتاز مغربی دانش ور کا حوالہ دیا جاتا ہے اور وہ ہیں:

فرانسس رابنسن (Francis Christopher Rowland Robinson)

(فاضل موصوف نے ۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۶ء (رائل ہالووے یونیورسٹی آف لندن میں شعبۂ تاریخ کے صدر اور ۱۹۹۷ء تا ۲۰۰۴ء تک کالج کے وائس پرنسپل رہے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے ۱۹۹۷ء تا ۲۰۰۰ء اور ۲۰۰۳ء تا ۲۰۰۶ء رائل ایشیا ٹک سوسائٹی کے صدر کی حیثیت سے بھی خدمت انجام دی ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے میدان میں ان کی نمایاں خدمات اور اسلامی تاریخ میں ان کی تحقیقات کے اعتراف میں انہیں ۲۰۰۶ء میں CBE ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔ ان کی تحقیقات کا مرکزی موضوع مسلم دنیا اور خاص طور پر جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے احوال وافکار ہیں۔ Islam and (1982) Attar of the Islamic world since 1500, The Mughal Empororr (2000) Muslim History in South Asia (2007) اور Islam, South Asia and west (۲۰۰۷ء) ان کی اہم تصانیف ہیں۔ انہوں نے علمائے فرنگی کی علمی وثقافتی خدمات پر ایک اہم کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام The Ulama of Farangi Mahal and Islamic Culture South Asia ہے یہ کتاب ۲۰۰۱ء میں لندن سے شائع ہوئی ہے۔

فرانسس رونسن نے اپنی کتاب میں علمائے فرنگی محل کی علمی، دینی، ثقافتی اور سیاسی خدمات کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

''علمائے فرنگی محل میں سے ایک عالم، جنھوں نے زیادہ تر عربی زبان میں لکھا ہے، ان کا کام امتیازی شان رکھتا ہے۔ مولانا عبدالحی (۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) کی تصانیف السعایۃ فی کشف ما فی شرح الوقایۃ، التعلیق الممجد اورظفر الامانی نے ان کا تعارف موجودہ دور کے ایک عظیم عالم کی حیثیت سے کرایا ہے۔ ان کے علاوہ ان کے فتاویٰ کا بھی ایک مجموعہ ہے، جو جنوبی ایشیا اور اس کے باہر کے مسلمانوں کے درمیان اب بھی متداول ہے۔ ان کتابوں کی وجہ سے لکھنؤ کو عبدالحی کے شہر (City of A'bd al-Hayy) کے نام سے جانا جاتا ہے''۔

(Franscis Robin son, the Ulema of Farangi Mahal

and Islami Culture in South Asia, Hurt & Company London, 2001, P. 72, See also pp (108-09).

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''خلاصہ یہ کہ ایک شخص علم کی اشاعت میں کس قدر حصہ لے سکتا ہے، اس کی ایک مکمل تصویر ہمیں مولانا عبدالحی کی شکل ہی میں ملتی ہے، ان کی تصانیف کی مکمل فہرست موجود ہے، اس بناپر ہم جانتے ہیں کہ انھوں نے ۱۰۹ /کتابیں تالیف کی ہیں''۔(I bid, p. 80)۔

فرانسس روبنسن نے اپنی کتاب میں ایک جگہ سوویت یونین کے مفتی اعظم باباضیاء الدین خانو کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ۱۹۶۵ء میں لکھنؤ آئے تو انھوں نے خاص طور سے فرنگی محل جانے اور مولانا عبدالحی کا گھر دیکھنے کی خواہش کی، جن کی کتابوں سے انھوں نے تاشقند میں استفادہ کیا تھا(I bid, p 116)۔

خاتمہ:

مولانا عبدالحی فرنگی محل نے مختصر سی زندگی میں جو غیر معمولی علمی خدمات پیش کی ہیں اور جو زبردست کارنامہ انجام دیا ہے، اس کی بناپر انہیں مشرق ومغرب میں یکساں مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی ہے۔عرب وعجم کے علماء نے ان کی تصانیف کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

☆☆☆

مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی -مغربی مفکرین کی نظر میں

محمد ضیاء اللہ ندوی ☆

خانوادۂ فرنگی محل: ایک مختصر جائزہ

فرنگی محل تاریخ ہند کا ایسا لازوال باب بن چکا ہے کہ ہندوستان میں مغلیہ حکومت کی تاریخ تقریباً نامکمل رہے گی اگر اس عظیم ''کیمبرج ہند'' کا ذکر نہ کیا جائے جیسا کہ علامہ شبلی نعمانی نے اس نام سے اسے موسوم کیا تھا۔ جنوبی ایشیا کی تاریخ میں بھی یہ خانوادہ اپنے علم وفضل، زہد وتقویٰ، تصنیف وتالیف اور وسعت ذہنی کی وجہ سے ممتاز ہے۔ اور بقول مغربی مفکر فرانسس روبنسن جنہوں نے جنوبی ایشیا میں علماءِ فرنگی محل کی خدمات پر اپنی ایک کتاب بھی لکھی ہے، ''ایسا خانوادہ کسی بھی معاشرے کے لئے باعث افتخار ہوسکتا ہے۔''

فرنگی محل کے علماء کا سلسلہ نسب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، ان کے آباء اجداء ۱۱رویں صدی عیسوی کے ابتدائی دور، سلاطین دہلی کے زمانہ میں ہندوستان تشریف لائے، علاء الدین نامی ایک بزرگ اس خاندان کو لیکر مشرقی تہذیب کا آخری گہوارہ ''اودھ'' آئے۔ اور ''سہالی'' میں قیام پذیر ہوئے۔ یہ چودھویں عیسوی کا زمانہ ہے۔ ۱۵۵۹ عیسوی میں مغلیہ حکومت کے عظیم فرماں روا اکبر کا فرمان بطور ثبوت موجود ہے، جس سے اس خانوادہ کو حکومت مغلیہ کی جانب سے عطا کردہ جاگیر کا پتہ چلتا ہے، لیکن فرنگی محل کو لازوال تاریخی حیثیت دلانے میں سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا کردار ہے، جنہوں

☆ ریسرچ اسکالر جواہر لعل نہرو یونیورسٹی۔

نے اس خانوادہ کو ۱۶۹۵ عیسوی میں اس گھر میں بسایا جو پہلے ایک فرانسیسی تاجر کے قبضے میں تھا اور ان کے کوچ کرجانے کے بعد یہ خانوادہ یہاں آباد ہوااور دنیا جسے فرنگی محل کے نام سے یاد کرنے لگی۔

مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی مغربی مفکرین کی نظر میں:

ذیل کے سطور میں علماءِ فرنگی محل کے ایک نہایت ممتاز مصنف، فقیہ اور محدث **مولانا** عبدالحیؒ فرنگی محلی کے سلسلہ میں مغربی مفکرین کے آراء کو مختصراً ذکر کیا جائے گا اور ان کی زندگی کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ اور یہی اس مقالہ کا موضوع بھی ہے۔

مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کا دور تاریخ ہند کے نازک موقع پر شروع ہوتا ہے۔ اس سے قبل ہندوستان کا نظام مسلم حکمرانوں کے ہاتھ میں تھا جو تمام نظام ہائے حیات میں علماء کرام کو خاص اہمیت دیتے تھے اور ان سے مشورہ طلب کرتے تھے۔ لیکن جب مسلم دورحکومت کا خاتمہ ہوگیا اور اس کی جگہ دھیرے دھیرے سامراجی طرز نظام نے لے لیا تو علوم وصلاحیت میں بھی زبردست تبدیلیاں پیدا ہوئیں جو تبدیلیٔ نظام حکومت کا فطری تقاضہ تھا۔ مغل عہد حکومت میں ملکی انتظام وانصرام اور مختلف شعبہ ہائے حیات کو چلانے کی ذمہ داری علماء ومسلم مفکرین اور صاحب علم وفن کی تھی، گویا بیوروکریسی کے تمام شعبہ جات میں صرف انہی کا طوطی بولتا تھا، لیکن اب حالات نے کروٹ لے کر نوعیت عمل وانتظام کو بدل دیا تھا۔ اب انگریزی حکومت میں ایسے انگریزی تعلیم یافتہ افراد کی ضرورت تھی جو ہندوستانی مزاج کو سامراجی طبیعت سے ہم آہنگ کرے تاکہ کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہوسکے۔

مغربی مفکر فرانسس روبنسن (FrancisRobenson) اس عہد زوالِ حکومتِ مغلیہ اور استعماری قوت کا ہندوستانی حکومت پر قابض ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرنگی محل کے علماء کی خصوصی اہمیت کا تذکرہ کرتا ہے اور **مولانا** عبدالحیؒ فرنگی محلی کو اس **سلسلۃ الذہب** کی آخری لیکن اہم کڑی قرار دیتا ہے۔ مفکر موصوف لکھتا ہے:

جب مسلم درباروں کا خاتمہ ہوگیا اور انگریزی نظام حکومت کے تحت دھیرے دھیرے مغربی علوم کی ضرورت بڑھتی گئی تاکہ سرکاری دفتروں میں نوکری حاصل کی جاسکے تو ان علماء کی اہمیت بھی حکومت کے گلیاروں میں گھٹنے لگی جنہوں نے اب تک مغلیہ حکومت کا نظام چلایا تھا۔ علوم عقلیہ کو جہاں سے پشت پناہی حاصل تھی اب وہ خود اپنی زندگی کے آخری دن گن رہے تھے اور ان علوم کی روشنی اب ماند پڑنے لگی تھی، لیکن بجھی نہیں تھی۔ اور اس میدان کا سب سے اہم اور آخری صاحب کمال اور یکتائے روزگار ماہر فن مولانا عبدالحئ فرنگی محلی کی ذات تھی جن کا انتقال ۱۸۸۶ء میں ہوا۔

مولانا عبدالحئ اور ان کی علمی خدمات:

علما فرنگی محل کی بہت سی نمایاں خصوصیات میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ مغلیہ حکومت کے زوال کے بعد ان پر افسردگی طاری نہیں ہوئی بلکہ علوم اسلامیہ کی حفاظت کے لئے ان مفکرین نے اپنی توجہ تصنیف وتالیف کی طرف مرکوز کی اور اس میدان میں بلند مقام حاصل کیا۔ ان کے علمی تبحر، فکری پختگی، تصنیفی امتیاز کا ذکر صرف علماء اسلام نے ہی نہیں کیا بلکہ مستشرقین ومغربی مفکرین نے بھی انہیں داد تحسین پیش کی ہیں۔ ایک مغربی مفکر اپنی کتاب ''علما فرنگی محل اور جنوب ایشیا میں اسلامی تہذیب'' کے اندر مختلف علما فرنگی محل مثلاً ملا مبین (۱۱۲۵ھ/۱۸۱۰-۱۱م) شیخ عبدالباری (المتوفی ۱۳۴۴ھ/۶/۱۹۲۵م) سید عبدالرزاق (المتوفی ۱۱۳۶/۱۷۲۳-۴م) کی علمی وتصنیفی خدمات کا ذکر کرتا ہے، لیکن بطور خاص جس مصنف وصاحب کمال عالم کا ذکر کرتے ہیں وہ مولانا عبدالحئ فرنگی محلی کی ذات گرامی ہے۔ مستشرق موصوف لکھتا ہے:

''مذکورہ بالا تمام علماء ومصنفین میں ایک اسکالر جو بطور خاص قابل ذکر ہے اور جن کی تقریباً تمام تصنیفات عربی زبان میں ہیں اور اپنے بلند پایہ علم کی وجہ سے نمایاں اور ممتاز ہیں وہ مولانا عبدالحئ فرنگی محلی (المتوفی ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶-۷) ہیں۔ ان کی جن تصنیفات نے علمی حلقوں میں انہیں ایک عظیم مصنف کا درجہ دلایا وہ ''السعایہ فی کشف مافی شرح الوقایہ''، ''التعلیق

المجد'' اور''ظفر الامانی'' ہیں۔مولانا کی ان تصنیفات کے علاوہ فتاوی کا مجموعہ بھی جنوب ایشیا کے مسلمانوں اور دیگر حصۂ کرہ ارضی کے مسلمانوں کے لئے مراجع کی حیثیت رکھتی ہیں''۔آگے مزید علامہ ابو الحسن علی الندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف''المسلمون فی الہند'' اور مولانا عنایت اللہ کی ''تذکرہ علما فرنگی محلی'' کے حوالے سے موصوف ذکر کرتے ہیں کہ''مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کی تصنیفات نے بعض علمی حلقوں میں لکھنؤ کو'شہر عبدالحئی'' کے نام سے متعارف کرایا۔فقہ وفتاوی اور علوم منطق وفلسفہ کے علاوہ علوم حدیث کی خدمات میں جن علماء ومفکرین کا ذکر Barbara Metcalf نے اپنی کتاب''برطانوی ہندوستان میں اسلامی احیاء'' میں کیا ہے، ان میں مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کی خدمات کو انیسویں صدی کے اجلہ علماء حدیث کے زمرہ میں جگہ دی ہے۔مغربی مصنفہ مٹکاف نے اسلامی احیاء میں مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کے کردار کونہایت اہم قرار دیا ہے۔ اور مسلم معاشرہ کو سامراجیت کے شدید حملے سے محفوظ رکھنے نیز اسلامی عقیدہ وتہذیب پر ایمان بحال کرنے میں ان کی خدمات کوضمناً لیکن اہمیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

تذکیۂ نفس اور مولانا عبدالحئی:

فرنگی محل کو اگر چہ منقولات کے بجائے معقولات میں شہرت کا شرف حاصل ہوا اور اس علم وفن کے تمام دریچوں کو روشن کرنے میں علماءفرنگی محل نے اپنا امتیاز قائم کیا۔حتی کہ ان کی علمی بالا دستی حکومت مغلیہ کی قدر آور شخصیات نے بھی قبول کیں بلکہ مغلیہ بیوروکریسی کی رگوں میں خون اسی نہر صافی سے پہنچتا تھا،لیکن ان تمام علمی کمالات کے باوجود روحانیت کا پہلو کہیں نظر انداز نہیں ہوا۔ بلکہ تزکیۂ نفس کے سلسلہ میں خاص اہتمام کا التزام رکھا گیا۔روحانی پیشواؤں اور برگزیدہ اولیاء سے ربط ایک خاص عنصر کے طور پر استعمال کیا گیا۔فرانسس رابنسن (Francis Robinson)مولانا عبدالحئی فرنگی محلی جن کے علمی اوصاف اور تصنیف وتالیف کی بلند پائیگی کا تہہ دل سے قائل ہے، ان کے روحانی پہلو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''(مولانا) عبدالحئی فرنگی محلی جیسا شخص بھی، جن کی قبر کھلے آسمان میں ہے

اور کچی مٹی کی بنی ہے وہ بھی اولیا عبانسہ کے مزاروں کی زیارت کے فوائد پر
بہت زیادہ زور دیا کرتے تھے۔

چونکہ علماءفرنگی محل کی زندگی علمی تحقیق اور صوفیت دونوں کا مجموعہ تھی اس لئے ان کے ادب اور رشحات قلم پر بھی ان امور کا خاصا اثر ہوا، اور ان کے ادب کے اجزاء ترکیبی قرار پائے، یہی وجہ ہے کہ تقریباً وہ تمام مصنفین جنہوں نے علماءفرنگی محل کے حالات قلمبند کئے ہیں اس سلسلہ کی معمولی سی معمولی تفصیل بھی بیان کرنے میں ادنیٰ کوتاہی نہیں کی ہے۔ بقول (Francis Robinson) جنہوں نے علماءفرنگی محل پر سب سے زیادہ تحقیق وتدقیق سے کام لیا ہے، علماء فرنگی محل کے سوانح نگار الطاف الرحمن قدوائی اور مولانا عنایت اللہ کے حوالہ سے اس سلسلہ میں خصوصی اہتمام کا ذکر کیا ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ علماءفرنگی محل اپنے فرزندوں اور فارغین درس نظامی کی علمی، فکری اور تدریسی خدمات پر بہت توجہ دیتے تھے اور ہر فرد کی علمی مدارج میں ترقی کو بہت سراہتے تھے۔ اور انکی علمی تربیت میں ہر مرحلہ پر ایک مکمل شخصیت کی تشکیل کا خیال رکھا جاتا تھا۔ علم ریاضی، منطق وفلسفہ اور قانون کے ماہرین تیار کئے جاتے تھے، لیکن بطور خاص مولانا عبدالحیٔ فرنگی محل کے تذکرہ میں ان کی علمی بلندی اور تصنیفی کمالات کے پہلو کو بڑے اہتمام سے اجاگر کیا ہے۔

مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کی شخصیت اپنے علمی تفوق، بلند پایہ تصنیف اور روحانی کمال کے علاوہ کسر نفسی، قناعت واستغناء اور حکومتِ وقت کی اعلیٰ ملازمت کے مقابلہ میں علم کی خدمت کو سرمایہ افتخار گردانے میں ممتاز رہی ہے، گویا اس سلسلہ میں ان کا طرز عمل اپنے ان اسلاف کی نمائندگی کرتا ہے جنہوں نے ہمیشہ علمی خدمت کے مقابلہ میں جاہ وثروت اور حکومت کی ملازمت کو لائق التفات نہیں سمجھا، یہی وجہ ہے کہ جب ۱۸۹۶ء میں علامہ شبلی نعمانی فرنگی محل تشریف لے گئے اور وہاں کے مکان ومکین کی بدحالی کو محسوس کیا تو مولانا عبدالوہاب نے وضاحت کی کہ علماء فرنگی محل کا طرز عمل ہمیشہ یہی رہا ہے اور بطور مثال ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا نام پیش کیا۔

فرانسس روبنسن نے مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کی اس شان استغنا کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے نظام حیدرآباد کی ملازمت کو ٹھکرا کر لکھنؤ میں علم وتحقیق کے لئے خود کو وقف کر دیا۔

عوامی زندگی کے مسائل سے گہرا ربط اور عالم اسلام میں ان کی اہمیت

علماء فرنگی محل نے کبھی اپنا میدانِ عمل صرف زاویہ تک محدود نہیں رکھا اور نہ ہی حالات سے نبرد آزمائی کے وقت عمل کے بجائے قول کے غازی رہے، بلکہ امت مسلمہ ہندیہ کو خصوصاً اور امت مسلمہ کو عموماً جن ناگفتہ حالات سے روبرو ہونا پڑا ان کے مقابلہ کیلئے حکمت عملی طے کرنے اور طریقۂ کار اپنانے میں صف اول کے باہوش رہنما ثابت ہوئے، اور عوامی زندگی کو بھی اسلام کے رنگ میں رنگنے کی ہر طرح کوشش کی۔ ملکی اور بین الاقوامی عوامی وسیاسی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے مغربی مفکرین مثلاً آر۔ ایم۔ ایٹن، باربارا مٹکاف اور فرانسس رابنسن نے علماء فرنگی محل کی مختلف خدمات کا ذکر کیا ہے، ہم یہاں پر Robinson کا قول نقل کرتے ہیں، جس میں انہوں نے شیخ عبدالرزاق اور مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کی عوامی زندگی میں شرکت کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''جب ہنومان گڑھی مسجد کے باقیات کو بعض شرپسندوں نے ۱۸۵۵ء میں ڈھا دیا تو مولانا عبدالرزاق نے اودھ کے علماء سنہ کے ساتھ جہاد میں شرکت کی، اور روسی زار کے مقابلہ میں جب اسلامی خلافت کو ۱۸۷۸ء میں مشکلات پیش آئیں تو مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کے ساتھ خلافت اسلامی کے تعاون کے لئے ''مجلس مؤید الاسلام'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔''

ان علماء فرنگی محل کی اسلامی غیرت وحمیت کا یہ جذبہ تھا جس کی بناء پر بعض مغربی مفکرین اپنی نفرت کو دبا نہیں سکے، اور انہیں ''دیوانہ ملا'' کے توہین آمیز لقب دینے سے گریز نہیں کر سکے، جیسا کہ ''ہرکورٹ بٹلر Harcourt Baxlet نے مولانا عبدالباری کے جذبہ دفاع اسلام کے سلسلہ میں کیا تھا۔

علماء فرنگی محل کی بے لوث خدمت، جذبہ اسلامی، علمی تفوق و بے نفسی اور فکری بلندی کا

غلغلہ اسلامی ممالک کے اکثر حصوں میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ ایک اور مغربی مفکر پیٹر گران Peter Garan اپنی تصنیف Islamic roots of Capitalism میں لکھتا ہے کہ ''ان علماء کی تصنیفات پر جامعہ الازہر مصر کے شیخ نے ۱۹؍ ویں صدی کے اوائل میں حاشیہ لکھے ہیں اور آج بھی فرنگی محل کی تصانیف بیروت و مصر سے شائع ہوتی ہیں۔''

روبنسن جو مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کی علمی خدمات کا دلدادہ نظر آتا ہے، لکھتا ہے کہ ''مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب ۱۹۶۵ء میں مفتی اعظم سویت یونین باباضیاء الدین خانوف لکھنؤ تشریف لائے تو انہوں نے فرنگی محل جانے کی خصوصی فرمائش کی تاکہ مولانا عبدالحیٔؒ کے گھر کی زیارت ہوسکے، جن کی تصانیف تاشقند میں بکثرت متداول ہیں''۔

استعماری جدیدیت اور مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی

گزشتہ سطور میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا تھا کہ عہد مغلیہ کے زوال کے ساتھ ہی علماء اسلام کو نئے مسائل اور جدید چیلنجز کا سامنا کرنا پڑا تھا، عموماً علماء، ملک وملت اور حکومت کے انتظامی امور میں گہرا اثر و رسوخ رکھتے تھے لیکن بدلے ہوئے حالات نے اچانک جماعت علماء کو عموماً اور علماء فرنگی محل کو خصوصاً شدید اور ناگفتہ بہ حالات سے دوچار کردیا۔ اب علماء کو ایک اسلام مخالف حکومت کی زد سے اسلامی تہذیب و شریعت کی حفاظت کی ذمہ داری بھی نبھانی تھی نیز نئے درپیش تحدیات کے لئے لائحہ عمل بھی تیار کرنا تھا۔ مختلف جماعت علماء نے ہندوستان میں اسلام کے بقاء کے لئے انتھک کوششیں کیں جن کے نتیجہ میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فکر کا ترجمان دارالعلوم دیوبند قائم ہوا، اور ''قدیم صالح وجدید نافع'' کی بنیاد پر شبلی کا گہوارہ ندوۃ العلماء قائم ہوا، لیکن علماء فرنگی محل نے بھی حالات کے مطابق کامیاب کوششیں کیں اور اس میدان میں بھی مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی خاص طور پر ممتاز رہے۔ نتیجتاً ان کے افکار نے اس خانوادہ کے طرز عمل وفکر پر گہرا اثر ڈالا۔

''علماءِ فرنگی محل اور جنوب ایشیا میں اسلام'' کا مغربی مصنف استعماری جدیدیت کے مقابلہ میں علماءِ فرنگی محل کی تفصیل بتاتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''یہ بات بجا طور پر کہی جاسکتی ہے کہ خانوادۂ فرنگی محل جو خالص علماء و محققین اساتذہ اور پروفیشنل افراد پر مشتمل جماعت ہے، اپنی روایت غیر معمولی طور پر برقرار رکھے ہوئے ہے اور مغربی تہذیب سے متاثر معاشرے میں بھی انہوں نے بڑی سرعت اور مہارت کے ساتھ خود کو ڈھالا ہے۔ اکثر افراد خاندان مختلف یونیورسٹیوں کے فارغین ہیں اور اپنی خدمات مختلف شعبوں میں پیش کررہے ہیں۔'' بالخصوص خواتین کی علمی کاوش کا ذکر کرتے ہوئے مولانا عبدالحئی فرنگی محل اور مولانا عبدالباری کے افکار کا اثر اور نئے ماحول میں اپنی روایت برقرار رکھتے ہوئے فکر و عمل میں مثبت لچک کے تئیں ان کے نظریہ کو بطور خاص ذکر کیا ہے۔

اس مقالے کو فرانسس رونبسن ہی کے اس قول سے ختم کیا جانا مناسب ہوگا کہ فرنگی محل کی تاریخ میں جہاں ایک طرف ان کی بیش بہا علمی خدمات کا بحر بیکراں رواں ہے وہیں دوسری طرف بڑے مسائل اور چیلنجز بھی پیش آئے ہیں جن پر تحقیق ہونی چاہیے۔ اور مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کی شخصیت کی ہمہ گیریت کا اعتراف کرتے ہوئے مفکر موصوف کا مشورہ ہے کہ ''مولانا کی علمی و فکری خدمات پر ایک زبردست مونوگراف کی ضرورت ہے جو ان کا حق ہے اور یہ موضوع ابھی تشنۂ تحقیق ہے۔''

☆☆☆

تیسرا باب

ب: علامہ محمد عبدالحی فرنگی محلی - فنی خدمات

علامہ عبدالحی فرنگی محلی اور علم حدیث کی خدمت

اُ-د-تقی الدین ندوی مظاہری ☆

بانی وسرپرست جامعہ اسلامیہ ورئیس مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی، مظفر پوری اعظم گڑھ
ومستشار مشکل رئیس دولۃ الامارات العربیۃ المتحدۃ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وآلہ واصحابہ أجمعین، اما بعد!

ہندوستان کو یہ شرف حاصل رہا ہے کہ اخیر کی صدیوں میں اس ملک میں علماء، محدثین، فقہاء، فلاسفہ اور متکلمین کی ایک بڑی جماعت پائی جاتی رہی ہے، ان میں سے بعض شخصیتوں کا مثیل عالم اسلامی میں بھی نہیں پایا جاتا۔ ان ممتاز علماء میں جن کو علمی میدان میں انفرادی حیثیت حاصل ہے جو جامع منقول ومعقول ہیں ان میں حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی انصاری متوفی ۱۳۰۴ھ کی ذات گرامی ہے، وہ اپنے علمی کمالات کے ساتھ زہد وتقوی، عبادت وریاضت اور حسن اخلاق کا بہترین نمونہ تھے جس کی مثال مشکل سے پائی جائے گی۔

حضرت مولانا کی ذات گرامی کو اللہ تعالی نے تصنیف وتالیف کا ایسا شوق وعشق عطا فرمایا تھا کہ انھوں نے زندگی کا کوئی لمحہ بچپن سے لے کر زندگی کے اخیر تک ضائع نہیں کیا، ان کی پوری زندگی قابل رشک ہے، ان کی تصنیفات سے علماء امت کے ہر طبقہ کے لوگوں نے استفادہ کیا اور کر رہے ہیں گویا ایک طرح سے ان کا امت اسلامیہ پر بہت بڑا احسان عظیم ہے، ان کی کتابوں کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ مشرق سے مغرب تک اسلامی کتب خانوں کی زینت ہیں،

☆ سابق پروفیسر العین یونیورسٹی، یواے ای

انھوں نے بعض کتابوں پر جو مقدمات تحریر فرمائے ہیں خاص طور سے "التعلیق الممجد علی موطا محمد"، ہدایہ کی شرح اور شرح وقایہ پر حاشیہ سعایہ کا مقدمہ، اور ان کے علاوہ دوسری کتابوں پر جو مقدمات ہیں وہ اپنی جامعیت اور شمول کے لحاظ سے اسلامی مکتبات میں ایک نیا راستہ کھول دیتے ہیں، یورپ کے مستشرقین جن کے یہاں اسطرح کے مقدمات کی بڑی اہمیت ہے ان کے مقابلہ میں حضرت مولانا نے جس طرح اپنی کتابوں پر مقدمات تحریر فرمائے ہیں ان کی نظیر پیش کرنے سے بڑے بڑے اہل علم اور صاحب تالیف عاجز ہیں، ان میں سے بہت سی کتابیں حضرت مولانا نے اپنی کم سنی کے زمانہ میں تالیف کی ہیں۔

ابوظبی میں مؤتمر امام مالک نے حضرت مولانا کی کتاب التعلیق الممجد کی تحقیق وتعلیق کا کام اس ناچیز کے سپرد کیا جب اس ناچیز نے اس کتاب پر کام کا آغاز کیا تو معلوم ہوا کہ اس پر دوسرے علماء بھی کام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن فارسی رسم خط اور کثرت ہوامش جو بین السطور نقل کئے گئے ہیں ان کو نسخ کرکے ان کے مقام پر لانا ایک دوئے شیر سے کم نہیں تھا اس لئے ان کو اس میدان میں ناکامی ہوئی باوجودیکہ اس سخت گزار راستہ کو طے کرنے میں اس ناچیز کو بے حد دشواریاں پیش آئیں مگر اللہ کا فضل اور حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی رہنمائی نے اس کام کو سہل بنادیا، یہ کتاب حضرت مولانا کی مشہور ترین کتابوں میں ہے، مسلسل تین سال کی محنت کے بعد بیروت سے یہ کتاب طبع ہوکر پورے عالم اسلام میں پھیل رہی ہے۔ شروع میں طباعت کے وسائل اس ناچیز کے پاس بالکل نہیں تھے لیکن اللہ کی غیبی مدد سے اس وقت یہ کتاب آٹھویں مرتبہ طبع ہوکر منظر عام پر آچکی ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ ترکی کے بعض معاہد میں یہ کتاب داخل نصاب ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ چونکہ ناچیز کا لگاؤ علم حدیث سے بھی رہا ہے اسی لئے حضرت مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ظفر الامانی فی شرح مختصر الجرجانی کی تحقیق وتعلیق کا کام شروع کیا اگرچہ اس کام کے لئے مجھے سخت محنت کرنی پڑی اور مشکل مراحل پیش آئے لیکن حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حوصلہ افزائی فرمائی اور یہ کام بحسن وخوبی تمام ہوا اللہ کے فضل

اوراس کی مدد سے یہ کتاب چوتھی مرتبہ لبنان سے شائع ہوکر پورے عالم میں پھیل رہی ہے۔

حضرت مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے علمی تعلق کی بنیاد پر بہت سے اہل علم کے اصرار نے مجبور کیا کہ میرے صاحبزادے ڈاکٹر ولی الدین ندوی کے لئے قاہرہ سے پی، ایچ، ڈی کے رسالہ کا موضوع امام عبدالحی اللکنوی وجہودہ فی علم الحدیث تجویز کیا جائے چنانچہ یہی موضوع اختیار کیا گیا اور اس موضوع پر پی، ایچ، ڈی کی منظوری بھی آئی اور ان کو ۱۴۱۳ھ میں پی، ایچ، ڈی، کی امتیازی ڈگری تفویض کی گئی۔ انھوں نے مولانا کی مؤلفات تلاش کرنے میں بہت جدوجہد کی، ہندوستان کے مختلف کتب خانوں کا بار بار دورہ کیا اور ان کی ۱۲۰ مؤلفات میں اکثر کو حاصل کرلیا۔ اس رسالہ کے جزء اول کو بیروت سے دارالقلم نے الامام عبدالحی اللکنوی علامۃ الہند وامام المحدثین والفقہاء کے عنوان سے شائع کیا ہے جس کا الحمدللہ اردو ترجمہ تیار ہے جو مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی مظفرپور اعظم گڑھ سے شائع کیا جارہا ہے ان شاء اللہ اسی مجلس میں اس کا اجراءعمل میں آئے گا۔

یہ سمینار جو مجمع الفقہی الاسلامی (بالہند) اور مرکز الاسلامی (بالہند) فرنگی محل کے تعاون سے منعقد ہورہا ہے اس پر یہ ناچیز ان کے ذمہ داروں کو مبارکباد پیش کرتا ہے اس کے ساتھ دو اقتراح بھی پیش کررہا ہے امید ہے کہ اس پر توجہ دی جائے گی:

۱-حضرت مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جو کتابیں اس وقت نادرالوجود ہیں اور شائع نہیں ہوسکی ہیں ان کی طباعت واشاعت کا انتظام کیا جائے۔

۲-ان کی مؤلفات میں ''السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ'' جو ''فصل فی القراءۃ'' کے "باب فروع مهمة متعلقة بالقراء في الصلاة" تک پہونچ سکی تھی کہ حضرت مولانا اس دار فانی سے رخصت ہوگئے اس کے مقدمہ میں مولانا نے تحریر فرمایا ہے:"ارجو من فضل ربي الذي وفقني لبدئه ان يوفقني لختمه ان يجعله مع سائر تصانيفي خالصا لوجه ونافعا لخلقه" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا کی بے حد تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی عمر طویل عطا

فرمائے کہ اس کتاب کی تکمیل ہوجائے۔ بلاشبہ ان کی سب سے بڑی اور اجمع تصنیف یہی ہے، اگر یہ پوری ہوگئی ہوتی تو ان کتابوں میں جگہ پاتی جو ائمہ کے مذاہب اور ان کے دلائل کے بیان میں انفرادی شان رکھتی ہیں، جیسے ''الاستذکار'' اور'' التمہید'' یہ دونوں کتابیں حافظ مغرب ابوعمر ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ کی تصنیف ہیں، اسی طرح ''المغنی'' حافظ ابن قدامہ حنبلی کی، اور'' البنایہ شرح الہدایۃ'' حافظ بدرالدین عینی حنفی کی کتابیں ہیں، اس کتاب کا تکملہ علماء ہند پر قرض ہے خاصۃً اس سمینار پر اور اس کے قائم کرنے والوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس کی تکمیل کا اہتمام کریں، جس طرح مولانا محمد تقی عثمانی نے'' فتح الملہم شرح صحیح مسلم'' کا تکملہ تحریر فرمایا ہے، گرچہ اصل اور تکملہ میں فرق بین ہے لیکن پوری کتاب سے استفادہ کی راہ ہموار ہوگئی ہے۔ حضرت مولانا نے سعایہ کے مقدمہ میں اپنی تالیف کا منہج پوری تفصیل سے بیان کردیا ہے اگر اس منہج کو سامنے رکھ کر علماء وفقہاء کی ایک کمیٹی تشکیل دیدی جائے جو اس کام کو حسن وخوبی انجام تک پہونچادے تو امت اسلامیہ پر بہت بڑا کرم ہوگا اور حضرت مولانا کی روح مبارک خوش ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس عظیم الشان خدمت انجام دینے والوں کو اجر عظیم کا حقدار بنائے گا اور ان کی یہ یادگار تا قیامت باقی رہے گی۔

اخیر میں اس سمینار کے قائم کرنے والے مولانا خالد رشید فرنگی محلی سلمہ اللہ تعالیٰ ،مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حفظہ الباری اور ان کے رفقاء کو مبارکباد پیش کرتا ہوں، اور مکرر یہ عرض کررہا ہوں کہ جو اقتراح اس ناچیز نے پیش کیا ہے اس پر یہ اصرار ہے کہ یہ عظیم الشان کام انجام دینے کے لئے اس موقر سمینار میں کوئی فیصلہ کیا جانا چاہئے۔

☆☆☆

علامہ عبدالحی فرنگی محلی لکھنویؒ کی اصول حدیث پر تالیفات

مولانا بدر احمد مجیبی ندوی ☆

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى آله بدور سماء الدين وأصحابه نجوم الهداية واليقين، اما بعد

اس امت مسلمہ کو اللہ تعالی نے دوسری امتوں کے مقابلہ میں بہت ساری خصوصیتوں سے نوازا ہے اور بہت سارے امتیازات عطا فرمائے ہیں۔ اس کو آخری اور مکمل شریعت عطا کی جس کو قیامت تک کوئی دوسری شریعت نسخ نہیں کرسکتی۔ اس کو اپنے محبوب اور سب سے برگزیدہ رسول رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے نوازا۔ اس امت کی ہدایت ورہنمائی کے لئے اپنی نازل کردہ کتاب قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی۔ اس طرح قیامت تک شریعت کی حفاظت کا انتظام فرمادیا۔ اسی طرح اللہ تعالی کا اس امت مسلمہ پر ایک خصوصی احسان یہ بھی ہے کہ ہر دور میں اور ہر علاقہ میں ایسے صالح، متدین علماء، فقہاء اور محدثین پیدا ہوتے رہے جنہوں نے شریعت کی حفاظت اور امت اصلاح ورہنمائی میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

حضرت علامہ عبدالحئ فرنگی محلی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) بھی ان ہی نابغۂ روزگار شخصیات میں شمار کئے جاتے ہیں جنہوں اپنے علمی فیض سے پوری قوم کو مستفید کیا اور متعدد علوم و

☆ المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پھلواری شریف، پٹنہ

فنون میں اپنی بیش بہا خدمات پیش کیں۔صرف ونحو،منطق وفلسفہ، تاریخ وسیر،فقہ واصول،حدیث وتفسیر ان سب فنون میں آپ کوتبحر حاصل تھا۔آپ کی تقریباً سواسوتصنیفات اس پرشاہدعدل ہیں۔

علامہ لکھنوی کا خانوادہ جوبانی درس نظامی حضرت ملا نظام الدین فرنگی محلیؒ (م۱۱۶۰ھ) اور ان کے برادران ذی شان کی اولاد امجاد پر مشتمل ہے اور خانوادۂ فرنگی محل کہلاتا ہے اپنے خالص علمی ذوق، درس وتدریس اورعلوم وفنون میں مہارت کی وجہ سے پورے ملک میں ممتاز تھا۔دوردراز علاقوں کے بلکہ غیرممالک کےطلبہ بھی یہاں تحصیل علم کے لئے پہنچتے تھےاور یہاں جاری علوم وفنون کی نہروں سے سیراب ہوتے تھے۔

علامہ لکھنوی کی ولادت ۱۲۶۴ھ میں ہوئی۔آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی (م ۱۲۸۵ھ) بڑے فاضل،محقق اوراہم علمی کتابوں کےمصنف تھے۔انہوں نے اپنی زیرنگرانی علامہ لکھنوی کوخصوصی تعلیم وتربیت دی۔علامہ لکھنوی نے تمام درسی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔صرف ریاضی ایک دوسرے استاذ سے پڑھی۔والد ماجد مولانا عبدالحلیم جیسے محقق فاضل کی خصوصی نگرانی وتربیت میں تحصیل علم کی وجہ سےعلمی تحقیق وجستجو اورتصنیف وتالیف کا ذوق آپ کوزمانہ طالب علمی سے ہی ہوگیا تھا۔چنانچہ صرف ونحو سے متعلق بعض کتابیں آپ کے زمانہ طالب علمی کی یادگار رہیں۔

علامہ لکھنوی نےصرف ونحو،منطق وفلسفہ سے لےکرتاریخ وسیر،مناظرہ،فقہ وحدیث اور اصول حدیث ان سب موضوعات پر تحقیقی کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔اصول حدیث پر علامہ کی تین کتابیں ہیں جو اپنے موضوع اورمقصد کےلحاظ سے اہم ترین ہیں۔ان میں سے تالیف کے اعتبار سے مقدم کتاب ’’الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة‘‘ ہے۔اس کے بعد دوسری اہم کتاب ’’الرفع والتكميل في الجرح والتعديل ‘‘ ہے۔سب سے آخری کتاب جو سب سے مفصل، پورے موضوع پرحاوی اور اس فن کی جامع ترین کتاب ہے وہ ’’ظَفَر الأماني

شرح مختصر الجُرجانی'' ہے جس کو علامہ لکھنوی نے اپنی وفات سے ڈیڑھ ماہ قبل مکمل فرمایا تھا۔ علامہ کی تالیفات کی فہرست میں اصول حدیث پر مجھے یہی تین کتابیں ملی ہیں۔ ان کتابوں پر تبصرہ سے پہلے ہم اصول حدیث سے متعلق کچھ باتیں عرض کریں گے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اصول حدیث کس کو کہتے ہیں؟ اس سے کیا مراد ہے؟ تو اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ علم اصول حدیث ایسے علم کا نام ہے جس کے ذریعہ صحت وضعف، اتصال وانقطاع اور تواتر وشہرت وانفراد کی حیثیت سے کسی حدیث کا مقام ومرتبہ معلوم کیا جاسکے۔ اسی طرح جرح وتعدیل اور تحمل واداء کے تعلق سے راوی کے احوال سے واقفیت ہوسکے۔ چنانچہ اصول حدیث کی تعریف علم الاسناد کے نام سے حافظ ابن حجر عسقلانی اس طرح فرماتے ہیں۔

علم بالإسناد يبحث فيه عن صحة الحديث أوضعفه ليعمل به أويترك من حيث صفات الرجال وصيغ الأداء۔ (شرح نخبة الفكر لابن حجر)

ملاعلی قاری یہ نقل کرتے ہیں۔

في الجواهر: أصول الحديث علم بأصول تعرف بها أحوال حديث الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم من حيث صحة النقل عنه وضعفه والتحمل والأداء۔ (شرح شرح نخبة الفكر للملا علي قاري ص ۲۹)۔

علامہ لکھنوی نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے۔

وهو علم يعرف به أحوالُ السند إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم من حيث الصحة والضعف وأوصافُ إسناده من الاتصال والانقطاع والإرسال والرفع والوقف وغير ذلك، وأحوالُ رجاله من الجرح والتعديل۔ (ظفر الأماني ص ۲۲)۔

اصول حدیث ان فنون میں سے ایک ہے جن پر شروع عہد اسلامی سے ہی کام ہوتا رہا ہے۔ چناچہ محدثین اور اس فن کے ماہرین نے اس فن میں بے شمار کتابیں تالیف کی ہیں۔ ابتدائی

کتابوں میں قاضی ابومحمد رامہرمزی (م ۳۶۰ھ) کی کتاب ''المحدث الفاصل'' اور امام حاکم نیساپوری (م ۴۰۵ھ) کی کتاب ''معرفة علوم الحدیث '' ہیں۔ اس کے بعد خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) کی کتابیں ''الکفایة '' اور ''الجامع لآداب الشیخ والسامع''، امام قاضی عیاض (م ۵۴۴ھ) کی کتاب ''الإلماع إلى أصول الرواية والسماع'، امام ابن الصلاح (م ۶۴۳ھ) کی کتاب '' علوم الحدیث'' جو ''مقدمه ابن الصلاح '' کے نام سے معروف ہے اور امام نووی (م ۶۷۶ھ) کی کتاب '' تقریب '' ہے۔ اسی طرح علامہ بدرالدین بن جماعۃ (م ۷۳۳ھ) کی کتاب ''المنهل الرَوِیّ فی مختصر علوم الحدیث النبوی''، علامہ حسین بن محمد الطیبی (م ۷۴۳ھ) کی کتاب ''الخلاصة فی اصول الحدیث'' ، علامہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) کی کتاب ''الباعث الحثیث فی اختصار علوم الحدیث ''، علامہ زین الدین عراقی (م ۸۰۶ھ) کی کتاب '' ألفية الحدیث'' اور ''التقييد والإيضاح شرح مقدمه ابن الصلاح '' ، علامہ سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ) کی تالیف ''مختصرالجرجانی'' ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) کی کتاب ''نخبة الفكر فی مصطلح أهل الأثر '' اور اس کی شرح '' نزهة النظر''، علامہ سخاوی (م ۹۰۲ھ) کی کتاب ''فتح المغیث شرح ألفية الحدیث '، علامہ سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی کتاب '' تدریب الراوی شرح تقریب النواوی''، علامہ زکریا انصاری (م ۹۲۶ھ) کی کتاب ''فتح الباقی شرح ألفية العراقی'' اور علامہ رضی الدین الحلبی ابن الحنبلی (م ۹۷۱ھ) کی کتاب ''قفو الأثر فی صفو علوم الأثر'' ہے۔ آخر دور میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) کا رسالہ '' مقدمه فی اصول الحدیث'' اور علامہ عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) کی کتاب ''ظفر الأمانی '' ہے۔

علم اصول حدیث سے متعلق محدثین کی تالیفات کا یہ ایک مختصر سا تعارف ہے۔ اس موضوع پر تالیف شدہ کتابوں کا تفصیلی جائزہ ایک ضخیم کتاب کا متقاضی ہے جو اس وقت ہمارے

موضوع سے خارج ہے۔

ظفر الأماني: اصول حدیث پر علامہ لکھنوی کی جن تین کتابوں کا ذکر اوپر آیا ہے۔ ان میں سے ایک اہم کتاب ''ظفر الأماني'' ہے۔ یہ اصول حدیث پر علامہ سید شریف جرجانی (م۸۱٦ھ) کی تالیف ''مختصر'' کی تفصیلی شرح ہے۔ یہ فہرست کے ساتھ تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ مشہور شامی محدث ومحقق شیخ عبدالفتاح ابو غدہ جنہوں نے اس کی تحقیق کی ہے اور اس پر حواشی تحریر کئے ہیں وہ اس کتاب کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

فهذا كتاب حفيل العلم، جليل القدر، عِلْق نفيس، جم الفوائد، رفيع الذكر.

اس کتاب کے بنظر غائر مطالعہ سے اس کی درج ذیل خصوصیات سامنے آتی ہیں۔

(۱) مصنف کا زمانہ اگر چہ دیگر مصنفین کے بعد کا زمانہ ہے۔ لیکن انہوں نے جس تحقیق وتدقیق سے اس میں کام لیا ہے اور اس کے خاص خاص مباحث پر گہرائی کے ساتھ جیسی تفصیلی بحث کی ہے اور مسلکی تعصب سے ہٹ کر انصاف سے جو موازنہ پیش کیا ہے اس سے اس کتاب کی اہمیت بہت زیادہ ہو جاتی ہے اور اس موضوع پر تالیف شدہ دیگر کتابوں میں اس کتاب کو امتیازی شان حاصل ہو جاتی ہے۔ مصنف نے اس میں دوسروں کی آراء کے احترام کے ساتھ اپنے نزدیک راجح قول کو وضاحت سے دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔

(۲) اصول کے بعض ایسے مسائل جو پہلے سے دشوار گذار اور پیچیدہ مانے جاتے تھے۔ جن میں علماء کی آراء مختلف اور متعارض تھیں اور وہ اب تک تشنہ اور حل طلب تھے ان کو اپنی ذہانت وفطانت سے مصنف نے اس طرح حل کیا ہے اور مختلف اقوال کو مختلف احوال پر محمول کر کے ایسا صاف اور منقح کر دیا ہے کہ ان مسائل میں کوئی ابہام باقی نہیں رہا۔

(۳) اختلافی مسائل کو حل کرنے میں محدثین کے اقوال کے ساتھ فقہاء واصولیین کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ اس طرح مسئلہ پر حدیث وفقہ دونوں اعتبار سے روشنی پڑ جاتی ہے اور اس کے تمام گوشے نمایاں اور واضح ہو جاتے ہیں۔

(۴) اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مصنف علامہ لکھنوی اپنی وسعت علم کی وجہ سے علل احادیث سے واقف تھے اس لئے احادیث کی قسموں پر کلام کرتے ہوئے احادیث کی قسموں حسن ،ضعیف ،موضوع ،مضطرب ،مدرج وغیرہ ہر ایک کی مثالیں اور شواہد کثرت سے پیش کرتے گئے ہیں۔اس سے اصول وقواعد کو جاننے اور ان کے طریقۂ استعمال کے بارے میں حدیث کے طالب علم کی عملی مشق ہوجاتی ہے۔یہ بہت بڑا فائدہ ہے۔

(۵) اس میں ایسی نادر مخطوطہ کتابوں کے حوالے ہیں جن میں سے بہت سی اب تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوسکی ہیں۔ان کا حصول بھی آسان نہیں ہے۔اس سے مصنف کی محنت وہمت اور ذوق تحقیق کا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اس دور میں جب کہ ان میں سے اکثر کتابیں مخطوطہ تھیں انہیں حاصل کر کے ان کا مطالعہ کیا اور حسب موقع ان کی عبارتیں نقل کیں۔اس طرح مسائل کی تحقیق کی ہے۔

شیخ ابوغدہ تحریر کرتے ہیں:

فرحمة الله على المؤلف الإمام اللكنوى ،ماكان أوعب ذهنه للعلم ولنوادرنصوصه وكتبه وبهذا تحقق الإمامة لمثله من النبلاء والأفذاذ .جزاهم الله عن العلم والملين خيراً. (مقدمة ظفر الأماني ص ۸)

ہم اس کتاب سے تین مثالیں پیش کرتے ہیں:

(۱) تدلیس کی بحث محدثین چندسطروں میں کرتے ہیں۔علامہ نے اس کو بہت تفصیل کے ساتھ مثالیں دے کر پیش کیا ہے۔تدلیس کی سات قسمیں بیان کی ہیں اور ہر ایک کا حکم واضح کیا ہے۔مدلسین کے پانچ طبقات بیان کئے ہیں۔اس طرح یہ پوری بحث تقریباً اٹھارہ صفحات میں آئی ہے۔اس سے قاری کے سامنے یہ بحث پوری وضاحت کے ساتھ آجاتی ہے۔

(۲) حدیث ضعیف پر عمل کے سلسلے میں مصنف نے طویل بحث فرمائی ہے جو کتاب کے تقریباً پندرہ صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں تفصیل کے ساتھ فقہاء ومحدثین کی عبارتیں پیش کی گئی ہیں۔

خلاصہ کے طور پر یہ وضاحت کی ہے کہ فضائل اعمال ،مناقب اورترغیب وترہیب میں ضعیف احادیث قبول کی جائیں گی۔اس کے علاوہ ضعیف حدیث سے کسی عمل کا جواز واستحباب بھی ثابت ہوگا اور اس سلسلے میں چار شرطیں تحریر فرمائی ہیں۔

والذی یظهر بعد التأمل الصادق هو قبول الضعیف فی ثبوت الاستحباب وجوازه، فإذا دل حدیث ضعیف علی استحباب شیئ أوجوازه ولم یدل دلیل آخر صحیح علیه ولیس هنالک ما یعارضه ویرجّح علیه قُبِل ذلک الحدیث وجازالعمل بما أفاده والقولُ باستحباب مادل علیه أوجوازه، غایة ما فی الباب أن یکون مثلُ هذا الاستحباب والجواز أدونَ رتبة من الاستحباب والجواز الثابت بالأحادیث الصحیحة والحسنة ،ویشترط قبوله بشروط: (ظفر الأمانی ص ۱۹۸۔۱۹۹)

ترجمہ: تأمل صادق کے بعد یہ بات ظاہر ہورہی ہے کہ جواز واستحباب کے ثبوت میں ضعیف حدیث کو قبول کیا جائے۔جب کوئی ضعیف حدیث کسی چیز کے جواز واستحباب کو بتارہی ہو، کوئی دوسری صحیح دلیل سے اس کا ثبوت نہ ہو اور کوئی اس کے خلاف راجح دلیل بھی نہ ہو تو اس ضعیف حدیث کو قبول کیا جائے گا۔اس کے مطابق عمل کرنا جائز ہوگا اور اس کے استحباب یا جواز کا قول بھی درست ہوگا۔زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ یہ استحباب وجواز صحیح یا حسن احادیث سے ثابت استحباب وجواز سے کم درجہ کا ہوگا۔اس ضعیف حدیث کو قبول کرنا چند شرائط کے ساتھ ہے۔

اس کے بعد چار شرطیں ذکر فرمائی ہیں: (الف) اس کے معارض کوئی دوسری اس سے قوی دلیل موجود نہ ہو۔لہذا اگر کوئی صحیح یا حسن حدیث کسی عمل کی کراہت یا حرمت کو بتارہی ہو اور ضعیف حدیث اس عمل کے استحباب یا جواز کو بتارہی ہو تو صحیح یا حسن حدیث سے جو ثابت ہے اس پر عمل ہوگا۔(ب) یہ حدیث شدید ضعیف نہ ہو۔یعنی اس کی سند میں کوئی راوی کذاب، فاحش الغلط اور مغفل نہ ہو۔(ج) اس حدیث سے جو ثابت ہورہا ہو وہ شریعت کے اصول میں سے کسی اصل کلی کے تحت داخل ہو تو اعد دینیہ کے خلاف نہ ہو۔(د) اس سے ثابت مسئلہ کے سنت ہونے

کاعقیدہ نہ ہو۔

(۴) صحابی کا قول حجت ہے یا نہیں؟ اس پر بھی کتب اصول حدیث میں مختصر بحث ہوتی ہے۔لیکن علامہ لکھنوی نے اس پر بحث شروع کی اور دوسرے محدثین وفقہاء کے اقوال سے استدلال کے ساتھ اپنی تحقیقات پیش کیں تو بارہ صفحات تک یہ بحث پھیلتی گئی۔شروع میں فرماتے ہیں۔

فاعلم أن قول الصحابي لايخلو إما أن يكون فيما لا يعقل بالرأي أي مالايكون فيه للاجتهاد والاستنباط مدخل ولايدرك بالرأي الاجتهادي، وإما أن يكون فيما يعقل بالرأي. فإن كان الأولَ فاتفق المحدثون وغيرهم على أنه مرفوع حكماً ،وأنه حجة كالمرفوع،وقيده بعضهم بأن يكون قولَ صحابي لايأخذ عن الإسرائيليات، وأطلقه بعضهم. وإن كان الثانيَ فهو الذي وقع الخلاف في كونه حجة،ولنذكر ههنا قدراً من عبارات أجلة الفقهاء والمحدثين تنبيهاً للقاصرين وتنشيطاً للماهرين. (ظفر الأماني ص۳۲۱)

ترجمہ: یہ معلوم ہونا چاہیے کہ صحابی کا قول دو حال سے خالی نہیں ہے۔یا تو وہ ایسے امور میں ہے جو عقل ورائی سے معلوم نہیں ہوسکتے ہیں یعنی اس میں اجتہاد و استنباط کی کوئی گنجائش نہ ہو اور اجتہادی رائی سے ان کو حاصل نہیں کیا جاسکتا ہو، یا قول صحابی ایسے امور میں ہے کہ جن کو عقل ورائی سے معلوم کیا جاسکتا ہو۔اگر پہلی صورت ہے تو مجتہدین اور دیگر حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حکماً مرفوع ہے اور یہ مرفوع کی طرح حجت ہے۔بعض لوگوں نے اس میں یہ قید لگائی ہے کہ ایسے صحابی کا قول ہو جو اسرائیلی روایات نہیں لیتے ہیں اور بعض لوگوں نے اس کو مطلق رکھا ہے۔اگر دوسری صورت ہے (یعنی ایسا قول جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے) تو اس کے حجت ہونے میں اختلاف ہے۔ہم یہاں اکابر فقہاء ومحدثین کی کچھ عبارتیں پیش کررہے ہیں تاکہ قاصرین کو تنبیہ ہو اور ماہرین کی دلچسپی کا سامان ہو۔

اس کے بعد اس سلسلے میں عراقی، حاکم، ابن عبد البر، زکریا انصاری، سخاوی، ابن

العربی، حافظ ابن حجر، سیوطی، طیبی، ابن حجر مکی، ابن ہمام، قاسم بن قطلو بغا، ملاخسرو، عبدالعزیز بخاری، بحرالعلوم وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ اس کے بعد یہ خلاصہ پیش کیا ہے۔

وقد تلخص مما ذكرنا أن قول الصحابي وعمله ليس بحجة على غيره من الصحابة، وأما على غير الصحابة فهو حجة اتفاقاً إذا سلّمه غيرُه من الصحابة لأنه حينئذٍ في حكم الإجماع الصريح أو السكوتي. وما اختلف فيه بينهم فمن قال فيما لايدرك بالقياس قولاً فهو حجة اتفاقاً بين الحنفية والشافعية وغيرهم من سائر أصحاب المذاهب المشهورة وكذا بين المحدثين النقاد، ولاعبرة بمخالفة من شذ كابن حزم وغيره من سفهاء الأمجاد. إلا أن منهم من قيد ذلك بكون الصحابي بحيث لايأخذ عن الإسرائيليات كابن عباس، وابن مسعود، وأبي هريرة، وعمر، وأبي الدرداء وغيرهم، ومنهم من أطلق ذلك بحيث يشمل كلّهم. وقول الصحابي فيما للرأي فيه مدخل اختلفت الحنفية فيما بينهم وكذا الشافعية في حجيته واتفقوا على أنه ليس بحجة إذا نفاه شيئٌ من السنة المرفوعة.

(ظفر الأماني ص ۳۳۱)

ترجمہ: ہم نے جو ذکر کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابی کا قول وعمل دوسرے صحابہ پر حجت نہیں ہے۔ لیکن صحابہ کے علاوہ دوسرے لوگوں پر بالاتفاق حجت ہے جب اس کو دوسرے صحابہ بھی تسلیم کرتے ہوں کیونکہ اس وقت وہ اجماع صریح یا اجماع سکوتی کے حکم میں ہوگا۔ جس قول میں صحابہ کے درمیان آپس میں اختلاف ہو تو جس کا قول ایسے امور میں ہو جو اجتہاد وقیاس سے حاصل نہیں ہوسکتے ہیں تو وہ قول حنفیہ، شافعیہ اور دیگر مسالک مشہورہ کے اصحاب کے نزدیک بالاتفاق حجت ہے۔ اسی طرح اصحاب نقد محدثین کے نزدیک بھی۔ اس میں ابن حزم وغیرہ جیسے شاذ لوگوں کی مخالفت کا اعتبار نہیں ہے البتہ ان میں سے بعض لوگوں نے یہ قید لگائی ہے کہ وہ صحابی اسرائیلی روایات نہیں

لیتے ہوں ۔جیسے حضرت عبد اللہ بن عباس،حضرت عبداللہ بن مسعود،حضرت ابوہریرہ ،حضرت عمر اورحضرت ابوالدرداء وغیرہ رضی اللہ عنہم ۔ بعض لوگوں نے اس کو مطلق رکھا ہے اورسب کو شامل کیا ہے۔صحابی کا وہ قول جس میں اجتہاد ورائی کی گنجائش ہے اس کے حجت ہونے کے بارے میں احناف کے یہاں اختلاف ہے۔اسی طرح شوافع کے یہاں بھی اختلاف ہے۔اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جب کسی مرفوع حدیث سے اس قول صحابی کی تردید ہورہی ہوتو یہ قول حجت نہیں ہوگا۔

آخر میں فرماتے ہیں۔

واعلم أنه على تقدير حجية الموقوف إن وقع التعارض بين الموقوف والمرفوع بعد صحة سندهما وقوة مخرجهما فالتقديم للمرفوع، وإن كان الموقوف مما هو مرفوع حكماً،فإنه لاشبهة في أن المرفوع حكماً أدون رتبة من المرفوع حقيقة، فضلاً عما ليس مرفوعاً حكماً كالموقوف فيما يعقل اجتهاداً، ومن المعلوم أن كل أحد وإن كان صحابياً يوخذ من قوله ويرد إلا قول صاحب الشرع الذي ما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى۔ (ظفر الأماني ص ۳۳۳)

ترجمہ: معلوم ہونا چاہیے کہ حدیث موقوف کے حجت ہونے کو تسلیم کرنے کے بعد اگر موقوف اور مرفوع کے درمیان تعارض ہورہا ہو اور دونوں کی سندیں صحیح ہوں اور مخرج قوی ہوتو مرفوع کو ترجیح دی جائے گی اگر چہ یہ موقوف حکماً مرفوع ہو۔کیونکہ حقیقی مرفوع سے حکمی مرفوع بلاشبہ کم درجہ کا ہے۔چہ جائیکہ وہ موقوف جو حکماً مرفوع نہیں ہے جیسے اجتہادورائی سے معلوم ہونے والے امور میں صحابی کا قول ۔ یہ بات معلوم اور واضح ہے کہ ہر شخص کا قول لیا بھی جاسکتا ہے اور چھوڑا بھی جاسکتا ہے اگر چہ وہ صحابی ہی کیوں نہ ہو، سوائے صاحب شرع صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اپنی ذاتی خواہش سے کلام نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ کا کلام نازل شدہ وحی پر مشتمل ہوتا ہے۔

اس کی وضاحت کردی جائے کہ جناب ڈاکٹر تقی الدین ندوی صاحب (جامعہ اسلامیہ قلندر پور اعظم گڑھ) نے بھی اپنی تحقیق کے ساتھ "ظَفَر الأماني" کے دو ایڈیشن اعظم گڑھ

سے شائع کئے ہیں جو اپنی طباعت کے اعتبار سے سعودی ایڈیشن کے مثل ہی ہیں۔

الرفع و التکمیل: علامہ لکھنوی کی دوسری کتاب ''**الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل**'' ہے۔ یہ کتاب اصول حدیث کے تمام مباحث پر نہیں ہے بلکہ اس میں جرح وتعدیل سے متعلق بعض خاص مباحث تحقیق وتدقیق کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے اس کو بھی تحقیق کر کے طویل اور مفید حواشی کے ساتھ سعودی عربیہ سے شائع کیا ہے۔ مصنف نے اس کتاب کی وجہ تالیف یہ بیان فرمائی ہے۔

اس زمانے کے علماء وفضلاء جرح وتعدیل کے مسائل سے بالکل ناواقف ہیں۔ اس وجہ سے صحیح سندوں پر جرح کر دیتے ہیں اور ضعیف سندوں کی تعدیل کر دیتے ہیں۔ اس طرح ضعیف احادیث کی تصحیح اور صحیح احادیث کی تضعیف کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے سمجھ لیا ہے کہ تہذیب الکمال، میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب، مغنی، کامل ابن عدی وغیرہ جیسی رجال کی کتابوں سے راویوں کے بارے میں ناقدین حدیث کے جرح یا تعدیل کے اقوال نقل کر دینا آسان ہے اور ان اقوال کو نقل کر کے انہوں نے حدیث کی تصحیح وتضعیف کا کام پورا کر لیا اور اس میں کوئی کسر چھوڑی نہیں ہے۔ حالانکہ وہ اس فن کے ائمہ کے اصطلاحات سے ناواقف ہیں۔ جرح مبہم وجرح غیر مبہم کے درمیان اور مقبول اور غیر مقبول کے درمیان فرق سے لاعلم ہیں اور جرح وتعدیل کے ماہر ائمہ فن کے مراتب ومدارج کو نہیں جانتے۔

مصنفؒ نے ان حالات کے پیش نظر جرح وتعدیل کے مسائل پر مشتمل اس کتاب کو تصنیف فرمایا ہے۔ اس میں انہوں نے جرح وتعدیل سے متعلق بہت تفصیلی مباحث پیش کئے ہیں۔ اس میں انہوں نے ایک مقدمہ اور چار مرصد ذکر کئے ہیں۔

مقدمہ میں انہوں نے امام نووی اور امام غزالی کے حوالہ سے ان اسباب کو بیان کیا ہے جن کی وجہ سے غیبت کرنے (یعنی کسی شخص میں پائی جانے والی برائی کو دوسرے کے سامنے بیان کرنے) کی اجازت ہے۔ یہ چھ اسباب ہیں۔ ان میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ راوی میں فسق

یا کوئی ایسی خرابی ہے جس کی وجہ سے اس کی روایت قابل قبول نہ ہوتو اس کو بیان کردیا جائے۔ اسی کو جرح کہتے ہیں۔ انہوں نے جرح جائز کی حدود کو بھی واضح کیا ہے۔ جرح اور تعدیل کرنے والوں کی شرائط بیان کی ہیں۔ پورا مقدمہ ان امور کی تفصیلی بحثوں پر مشتمل ہے۔

مرصد اول میں جرح وتعدیل کی قسمیں مبہم ومفسر کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ جرح وتعدیل میں مبہم وہ ہے جس میں جرح یا تعدیل کا سبب بیان نہیں کیا گیا ہو اور مفسر وہ ہے جس میں جرح یا تعدیل کا سبب بیان کردیا گیا ہو۔ اب ان میں سے کون مقبول ہے اور کون غیر مقبول؟ مصنف نے اس سلسلے میں فقہاء ومحدثین کے چار اقوال ذکر کئے ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ تعدیل میں سبب بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تعدیل مبہم اور مفسر دونوں مقبول ہے۔ جرح میں سبب بیان کرنا ضروری ہے اس لئے جرح صرف مفسر مقبول ہے، جرح مبہم مقبول نہیں ہے۔

دوسرا قول اس کے برعکس ہے کہ جرح مبہم اور مفسر دونوں مقبول ہیں اور تعدیل صرف مفسر مقبول ہے، مبہم نہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ دونوں میں سبب بیان کرنا ضروری ہے یعنی دونوں مفسر مقبول ہوں گے مبہم نہیں۔

چوتھا قول یہ ہے کہ اگر جرح کرنے والا یا تعدیل کرنے والا ان کے اسباب سے واقف ہے تو اسباب بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لہذا جرح وتعدیل مبہم ومفسر دونوں مقبول ہوں گے۔

اس کے بعد مصنف نے اس سے متعلق محدثین وفقہاء کی عبارتیں نقل فرمائی ہیں اور آخر میں یہ خلاصہ پیش کیا ہے۔

ومثل هذه العبارات في كتب أصول الفقه، وأصول الحديث، وكتب الفقه كثيرة، لاتخفى على مهرة الشريعة، وكلها شاهدة على أن عدم قبول الجرح

المبهم هوالصحيح النجيح،وهومذهب الحنفية و اكثرالمحدثين، منهم الشيخان وأصحاب السنن الأربعة، وأنه مذهب الجمهور۔ (الرفع والتکمیل ص ۱۰۵)

ترجمہ: اس جیسی عبارتیں اصول فقہ، اصول حدیث اورفقہ کی کتابوں میں کثرت سے ہیں جوشریعت کے ماہرین سے پوشیدہ نہیں ہیں۔سب اس پرشاہد ہیں کہ جرح مبہم کا قبول نہ کیا جانا ہی صحیح اورراجح قول ہے۔یہی حنفیہ اوراکثرمحدثین کاقول ہے، جن میں امام بخاری، امام مسلم اورسنن اربعہ کے مصنفین ہیں اوریہی جمہورکا مسلک ہے۔

مرصد ثانی اس بحث میں ہے کہ تعدیل پر جرح مقدم ہے یا نہیں؟ اسی طرح اور دوسرے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔طویل بحث وتحقیق کے بعدمصنف نے اس کا خلاصہ یہ پیش کیا ہے۔

فالحاصل الذی دلت علیه کلمات الثقات وشهدت به جمل الأثبا ت هو أنه إن وجد فی شأن راوٍ تعدیل وجرح مبهمان قدم التعدیل، وکذاإن وجد الجرح مبهماوالتعدیل مفسراً قدم التعدیل،وتقدیم الجرح إنما هوإذا کان مفسرا، سواءً کان التعدیل مبهماً أو مفسراً۔ (الرفع والتکمیل ص۱۳۰)

ترجمہ: خلاصۂ کلام جس پر ثقات کے کلمات دلالت کررہے ہیں اور اثبات کے اقوال جس کی گواہی دے رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اگرکسی راوی کے بارے میں تعدیل مبہم اور جرح مبہم دونوں پایا جارہا ہوتو تعدیل کوترجیح ہوگی۔اسی طرح اگر جرح مبہم اورتعدیل مفسر ہوتو بھی تعدیل کو ہی ترجیح ہوگی۔جرح کوترجیح اس وقت ہوگی جب وہ مفسر ہواوراس کے ساتھ تعدیل خواہ مفسر ہو یا مبہم۔

مرصد ثالث میں جرح وتعدیل کے الفاظ ان کے مراتب ودرجات کو بیان کیا گیا ہے۔یہ پوری بحث تقریباً ساٹھ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔اس کے بعد مرصد رابع میں مصنف نے جرح وتعدیل سے متعلق دوسرے مختلف مباحث پیش کئے ہیں۔یہ مرصد تقریباً ڈھائی سو

صفحات پر پھیلا ہوا ہے جو دیکھنے کے لائق ہے۔

اس کتاب کو علامہ لکھنوی نے اپنی وفات سے ڈھائی سال قبل ۳۷ سال کی عمر میں ذی القعدہ ۱۳۰۱ھ میں تالیف کیا ہے۔

الأجوبة الفاضلة: علامہ لکھنوی کی اصول حدیث سے متعلق تیسری اہم کتاب ''الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة '' ہے۔ اس میں اصول حدیث کے بعض اہم مباحث سے متعلق کئے گئے سوالات کے تحقیقی جوابات ہیں۔ اس کی وجہ تالیف یہ ہے کہ لاہور کے ایک اہل حدیث عالم مولانا محمد حسین بٹالوی نے علامہ لکھنوی کے قیام حیدر آباد کے زمانے میں اصول حدیث کے کچھ خاص مباحث کے تعلق سے دس اہم سوالات تحریر کر کے جواب کے لئے آپ کے پاس بھیجے تھے۔ چونکہ سوالات عربی میں ہی آئے تھے، اس لئے آپ نے جواب بھی عربی میں ہی تحریر کیا۔ آپ نے ان سوالات کا بہت تحقیق وتدقیق کے ساتھ تفصیلی جواب دیا ہے۔ جواب انصاف واعتدال کے ساتھ بڑے متوازن اور سنجیدہ اسلوب میں ہے۔

نمونے کے طور پر ہم اس میں سے تین سوالات (پہلے، پانچویں اور ساتویں سوالات) اور ان کے جواب کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ اسناد (حدیث کو سند سے روایت کرنا) دین میں مطلوب ہے یا نہیں؟ اگر دوسرے شق (یعنی مطلوب نہ ہونے) کو اختیار کریں تو حضرت عبداللہ بن مبارک کے اس قول کا کیا مطلب ہوگا کہ الإسناد من الدين ولولا الإسناد لقال من شاء ما شاء، اسناد دین میں سے ہے۔ اگر اسناد کو دین سے نہ مانیں تو جو شخص (دین کے بارے میں) جو چاہے کہتا رہے۔ اگر پہلے شق کو اختیار کریں (یعنی اسناد کو دین میں مطلوب مانیں) تو کیا یہ دین سے متعلق تمام چیزوں میں ضروری ہے یا بعض میں؟ اگر بعض چیزوں میں ضروری ہے اور بعض میں ضروری نہیں ہے تو دلائل کے ساتھ ان امور کی تفصیل کی ضرورت ہے جن میں اسناد ضروری نہیں ہے۔

جواب میں مصنف نے اسناد کو دین میں مطلوب قرار دیا ہے۔

الإسناد مطلوب في الدين قد رغبت إليه أئمة الشرع المتين وجعلوه من خصائص أمة سيد المرسلين وحكموا عليه بكونه سنة من سنن الدين۔

ترجمہ: دین میں اسناد مطلوب ہے۔ائمہ شرع نے اس کی طرف ترغیب دی ہے اور اس کو اس امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے بتایا ہے۔اس کے بارے میں دین کی ایک سنت ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔

اس کے بعد اس سے متعلق تفصیلی حوالے پیش کئے ہیں۔اس کے بعد فرماتے ہیں۔

وليعلم أن الأحكام وغير الأحكام وإن كانت متساوية الأقدام في الاحتياج إلى السند وماخلا عن السند فهو غير معتمدإلا أن بينهما فرقاً من حيث أنه يشدد في أخبارالأحكام من الحلال والحرام وفي غيرها يقبل الإسناد الضعيف بشروط صرح بها الأعلام۔

ترجمہ: معلوم ہونا چاہیے کہ احکام اور غیر احکام اگر چہ دونوں سند کے محتاج ہیں اور جو سند سے خالی ہو وہ قابل اعتبار نہیں ہے۔مگر ان دونوں (احکام اور غیر احکام) میں فرق ہے۔اس اعتبار سے کہ حلال وحرام سے متعلق احکام کی احادیث میں سختی کی جاتی ہے۔احکام کے علاوہ دوسری چیزوں میں ضعیف سند بھی شرطوں کے ساتھ قبول کرلی جاتی ہے۔اس کی صراحت علماء اعلام نے فرمائی ہے۔

اس کے بعد اس سلسلے میں محدثین کے حوالے پیش کئے ہیں۔پھر فرماتے ہیں۔

فالحق في هذاالمقام أنه إذالم يثبت ندب شيئ أو جوازه بخصوصه بحديث صحيح وورد بذلك حديث ضعيف ليس شديد الضعف يثبت استحبابه وجوازه به بشرط أن يكون مندرجاً تحت أصل شرعي ولايكون مناقضاً للأصول الشرعية والأدلة الصحيحة۔

ترجمہ: اس مقام میں حق یہ ہے کہ جب کسی چیز کا مندوب ہونا یا اس کا جواز کسی صحیح

حدیث سے ثابت نہ ہو اور اس کے بارے میں ضعیف حدیث ہو جو شدید ضعف والی نہ ہو تو اس چیز کا استحباب اور جواز اس ضعیف حدیث سے ثابت ہو جاتا ہے۔ اس میں یہ شرط ہے کہ وہ کسی اصل شرعی کے تحت شامل ہو اور اصول شرعیہ اور صحیح دلائل کے خلاف نہ ہو۔

آخر میں فرماتے ہیں۔

بقی هنا أمر آخر وهو أنه وإن كان لابدللإسناد فی كل أمر من أمور المدین لكن قد يقوم مقامه نقل من يعتمد عليه وتصريح من يستند إليه لاسيما فی الأعصار المتأخرة لفوات اهتمام الإسنادفيها بالشروط المقررة فإن شدد فيها بطلب الإسناد فی كل أمر فات المراد فيكتفی بتصريح من عليه الاعتماد۔ولهذا جوزوا العمل والإثبات بالأحاديث المدونة فی الكتب المعتمدة وإن لم يوجد لها عند العامل والمثبت طريق متصل إلی صاحب الحديث أوإلی مؤلف الكتب المدونة وجوزوا أيضاً الاعتماد فی المسائل الفقهية علی نقل معتمدی الملة الحنيفية وإن لم يوجد عند المفتی سند مسلسل إلی حضرات الأئمة العلية۔

ترجمہ: یہاں ایک چیز باقی رہ گئی وہ یہ ہے کہ دین کے تمام امور میں اسناد ضروری ہے، لیکن کسی معتمد کا قول اور کسی مستند کی صراحت بھی اسناد کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ خصوصاً اس آخری زمانے میں جس میں متعین شرائط کے ساتھ اسناد کا اہتمام ختم ہو چکا ہے۔ اگر ہر معاملہ میں اسناد طلب کرنے میں سختی کی جائے گی تو مقصد فوت ہو جائے گا۔ لہذا جن پر اعتماد ہو ان کی صراحت کو کافی سمجھا گیا ہے۔ اس لئے معتمد کتابوں میں مدون احادیث پر عمل اور اس سے احکام کے اثبات کو علماء نے جائز قرار دیا ہے، اگر چہ عمل کرنے والے اور حکم ثابت کرنے والے کے پاس صاحب حدیث یا مصنف کتاب تک متصل سند نہ ہو۔ اسی طرح فقہی مسائل میں بھی ملت حنفیہ کے معتمد حضرات کے نقل پر اعتماد کرنے کو جائز قرار دیا ہے، اگر چہ مفتی کے پاس حضرات

ائمہ تک مسلسل سند نہ ہو۔

آخر میں پوری بحث کا خلاصہ تحریر فرماتے ہیں:

وخلاصة المرام في هذا المقام أن الأمور الدينية بأسرها محتاجة إلى بروز سندها واتصال سندها إلى منبعها أو تصريح من يعتمد عليه بها، ولا يستثنى من ذلك شيئ منها غاية الأمر أن منها ما يشدد ويحتاط في طريق ثبوتها ومنها مايتساهل۔

ترجمہ: اس مقام میں خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تمام دینی امور میں سند کے اظہار اور اس کے اتصال کی ضرورت ہے یا معتمد حضرات کی صراحت کی ضرورت ہے۔اس سے کوئی چیز مستثنیٰ نہیں ہے۔زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ بعض چیزوں میں سختی کی جاتی ہے اور اس کے ثبوت میں احتیاط کیا جاتا ہے۔اور بعض میں کچھ تساہل اختیار کرلیا جاتا ہے۔

پانچواں سوال یہ ہے کہ دو صحیح احادیث متعارض ہوں تو دونوں کے جمع کے امکان کے باوجود کیا تاریخ تلاش کر کے ان میں سے متقدم کو منسوخ اور متاخر کو ناسخ قرار دیا جائے گا جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں یا پہلے دونوں کو جمع کرنے اور ان میں تطبیق دینے کی کوشش کی جائے گی جیسا کہ محدثین اور شافعیہ کہتے ہیں؟

اس کے جواب میں مصنف فرماتے ہیں:

اختار جمع من الحنفية تقديم النسخ على الجمع...وفي مسلم الثبوت:حكمه النسخ إن علم المتقدم والمتأخر وإلا فالترجيح إن امكن وإلا فالجمع بقدر الإمكان وإن لم يمكن تساقطا۔ انتهى۔ لكن فيه خدشة من حيث أن إخراج نص شرعي عن العمل به مع إمكان العمل به غير لائق۔ فالأولى أن يطلب الجمع بين المتعارضين بأي وجه كان بشرط تعمق النظر وغوص الفكرفإن لم يمكن ذلك بوجه من الوجوه أووجد هناك صريحاً ما

يدل على ارتفاع الحكم الأول مطلقاً صير إلى النسخ إذا عرف مايدل عليه۔ وهذا هو الذى صرح به أهل أصول الحديث۔

ترجمہ: حنفیہ کی ایک جماعت جمع پر نسخ کو ترجیح دیتی ہے۔۔۔مسلم الثبوت میں ہے کہ اس کا حکم نسخ ہے اگر متقدم اور متاخر معلوم ہو، ورنہ اگر ممکن ہو تو ترجیح دی جائے گی، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو بقدر امکان جمع کیا جائے گا، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو دونوں ساقط ہو جائیں گے۔(مسلم الثبوت کی عبارت ختم ہوئی) لیکن اس میں خدشہ ہے اس اعتبار سے کہ کسی نص شرعی پر عمل کے امکان کے باوجود اس کو عمل سے خارج کر دینا مناسب نہیں ہے۔لہذا بہتر یہ ہے کہ دو متعارض نصوص کے درمیان گہرے غور وفکر کے ذریعہ تطبیق دینے کی ہر طرح کوشش کی جائے۔اگر یہ کسی طرح ممکن نہ ہو یا وہاں صراحت سے حکم اول کے ختم ہو جانے کی دلیل موجود ہو تو نسخ کی طرف جایا جائے گا جب نسخ کو بتانے والی چیز معلوم ہو جائے۔اسی بات کی اصول حدیث کے علماء نے صراحت کی ہے۔

اس کے بعد اس سے متعلق متعدد محدثین کے عبارتیں تفصیل کے ساتھ پیش کی ہیں اور مسئلہ کی پوری وضاحت کی ہے۔

ساتواں سوال یہ ہے کہ شیخین کی تخریج (یعنی کسی حدیث کا صحیحین میں ہونا) وجوہ ترجیح میں سے ہے یا نہیں؟ اسی طرح بغیر تواتر اور شہرت کے کثرت طرق وجوہ ترجیح میں سے ہے یا نہیں؟ اسی طرح راوی کے تفقہ کی وجہ سے حدیث کو ترجیح ہوگی یا نہیں؟

اس کے جواب میں مصنف فرماتے ہیں۔

لكل منها دخل في الترجيح على الرأى النجيح۔أما تخريج الشيخين فلما صرحوا به أن أعلى أقسام الصحيح مااتفق عليه الشيخان، ثم ماانفرد به البخارى، ثم ماانفرد به مسلم، ثم ما هو صحيح على شرطهماولم يخرج واحد منهما، ثم ما هو على شرط البخارى وحده، ثم ماهو على شرط مسلم، ثم ماهو

صحيح عند غيرهما۔ وهذ االترتيب قد أطبقت عليه كلمات المحدثين بل يكاد أن يكون مجمعاً عليه بين المتبحرين۔ ولم يخالف فيه إلاابن الهمام وابن أمير الحاج العلام ومن تبعهما في هذا المرام۔

ترجمہ: کامیاب رائے میں ان میں سے ہر ایک کو ترجیح میں دخل ہے۔ جہاں تک شیخین کی تخریج کا معاملہ ہے تو اس وجہ سے کہ علماء نے صراحت کی ہے کہ حدیث صحیح کی سب سے اعلیٰ قسم وہ ہے جس کی تخریج پر شیخین متفق ہوں۔ پھر وہ حدیث جس کی تخریج میں امام بخاری منفرد ہوں۔ پھر وہ حدیث جس میں امام مسلم منفرد ہوں۔ پھر وہ حدیث جو ان دونوں کی شرطوں پر ہو لیکن ان دونوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔ پھر وہ حدیث جو امام بخاری کی شرط پر ہو۔ پھر وہ حدیث جو امام مسلم کی شرط پر ہو۔ پھر وہ حدیث جو ان کے علاوہ دوسرے محدثین کے نزدیک صحیح ہو۔ اس ترتیب پر محدثین کا اتفاق ہے بلکہ متبحر علماء کا تقریباً اس پر اجماع ہے۔ اس سے اختلاف صرف علامہ ابن ہمام، ان کے تلمیذ علامہ ابن امیر الحاج اور ان کے متبعین نے کیا ہے۔

اس کے بعد اس سلسلے میں فقہاء اور محدثین کے کچھ حوالے پیش کئے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے مسئلہ کی طرف آتے ہیں۔

وأما كثرة طرق الحديث فاختلفوا فيه على قولين: الأول: أنها ليست من أمارات الترجيح وإليه ذهب عامة الحنفية وبعض أصحاب الشافعي، كذا قال البخاري في التحقيق شرح المنتخب الحسامي، ووجهه بأن كثرة العدد لايكون دليل القوة مالم يخرج الخبر عن حيز الآحاد إلى حيز التواتر أو الشهرة۔

الثاني: أنها من أمارات الترجيح، وهو قول أكثر الشافعية، وبه قال أبوعبد الله الجرجاني من أصحابنا، وأبو الحسن الكرخي في رواية، لأن الترجيح إنما يحصل بقوة لأحد الخبرين لاتوجد في الآخر، ومعلوم أن كثرة الرواة نوع قوة في أحد الخبرين، لأن قول الجماعة أقوى وأبعد من

السهو، وأقرب إلى إفادة العلم عن قول الواحد، فإن خبر كل واحد يفيد ظناً، والظنون المجتمعة كلما كانت أكثر كان الصدق أغلب، حتى ينتهي إلى القطع، كذا ذكر البخاري في التحقيق أيضاً...

والذي يقتضيه رأى المصنف ويرتضيه غير المتعسف هو اختيار ما عليه الأكثر، وأنه بالنسبة إلى الأول أظهر۔ وقد مال إليه صاحب مسلم الثبوت ...واختاره أيضاً الزيلعي حيث قال في نصب الراية لتخريج أحاديث الهداية في بحث جهرالبسملة : مع أن جماعة من الحنفية لايرون الترجيح بكثرة الرواة، وهوقول ضعيف لبعد احتمال الغلط على العدد الأكثر، ولهذا جعلت الشهادة على الزنا أربعة لأنه أكبر الحدود۔

ترجمہ: جہاں تک حدیث کی کثرت طرق کا تعلق ہےتو اس میں دوقول ہے۔ پہلاقول یہ ہے کہ کثرت طرق ترجیح کی وجوہ میں سے نہیں ہے۔اسی کے قائل عام طور سے حنفیہ اور بعض شافعیہ ہیں۔ایسا ہی (عبدالعزیز) بخاری نےمنتخب حسامی کی شرح تحقیق میں کہا ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ تعداد کی کثرت اس وقت تک قوت کی دلیل نہیں ہوگی جب تک کہ وہ حدیث آحاد کے درجہ سے نکل کر تواتر یا شہرت کے درجہ میں نہ پہنچ جائے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ کثرت طرق وجوہ ترجیح میں سے ہے، یہی اکثر شافعیہ کا قول ہے۔احناف میں سے ابوعبداللہ جرجانی اور ایک روایت میں ابوالحسن کرخی اسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ دو احادیث میں سے کسی ایک میں ایسی قوت ہو جو دوسرے میں نہ ہوتو اس قوت سے ترجیح ہوتی ہے۔یہ معلوم ہے کہ کسی ایک حدیث میں راویوں کی کثرت بھی ایک قسم کی قوت ہے، کیونکہ واحد کے قول کی بہ نسبت جماعت کا قول زیادہ قوی، سہو سے زیادہ بعید اور افادۂ علم سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر راوی کی خبر ظن کا فائدہ دیتی ہے۔جب ظن جمع ہوں اور زیادہ ہوں تو صدق غالب ہوتا ہے۔یہاں تک کہ معاملہ قطعیت تک پہنچ جاتا ہے۔ایسا ہی بخاری

نے تحقیق میں بیان کیا ہے۔

مصنف کی رائے اور انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ اکثر لوگ جس پر ہیں (یعنی دوسرا قول) اس کو اختیار کیا جائے۔ وہ پہلے والے قول کی بہ نسبت زیادہ ظاہر ہے۔ صاحب مسلم الثبوت بھی اسی کی طرف مائل ہیں۔۔اسی کو علامہ زیلعی نے بھی اختیار کیا ہے۔ وہ نصب الرأیۃ میں جہر بسم اللہ کی بحث میں فرماتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ حنفیہ کی ایک جماعت راویوں کی کثرت کی بنیاد پر ترجیح کی قائل نہیں ہے۔ یہ قول ضعیف ہے۔ اس لئے کہ بڑی تعداد غلطی کے احتمال سے بعید ہوتی ہے۔ اسی لئے زنا کی شہادت چار متعین کی گئی اس لئے کہ زنا کی حد سب سے بڑی حد ہے۔

اس کے بعد تیسرے مسئلہ کی طرف آتے ہیں اور فقہ راوی کے سلسلے میں محدثین اور فقہاء کی عبارتیں پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

فهذه عبارات العلماء قد دلت على اعتبار الترجيح بالفقه وأن فيه ثلاث مذاهب: عدم اعتباره مطلقاً، واعتباره مطلقاً، واعتباره في ما إذاكان مروياً بالمعنى، دون ما إذا كان مروياً باللفظ، وأن مختار الحنفية وبعض المحدثين هو المذهب الأخير۔

ترجمہ: علماء کی یہ عبارتیں تفقہ کی وجہ سے ترجیح کے اعتبار کو بتارہی ہیں۔ اس میں تین مسلک ہیں۔ (الف) مطلق عدم اعتبار، یعنی تفقہ کی وجہ سے کسی حال میں ترجیح نہیں ہوگی۔ (ب) مطلق اعتبار، یعنی تفقہ کی وجہ سے ہر حال میں ترجیح ہوگی۔ (ج) جب روایت بالمعنی ہو تو تفقہ سے ترجیح ہوگی، جب باللفظ مروی تو ترجیح نہیں ہوگی۔ یہی آخری قول حنفیہ اور بعض محدثین کا پسندیدہ ہے۔

اس کتاب کو مصنف نے ذی الحجہ ۱۲۹۱ھ میں مکمل فرمایا ہے۔ اس وقت مصنف کی عمر ۲۷ سال تھی۔ اس کتاب کو بھی شیخ عبد الفتاح ابو غدہ نے تحقیق کر کے اپنے مفصل حواشی کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اللہ تعالی ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اصول حدیث سے متعلق مذکورہ بالا تینوں کتابیں مصنف کی ان سات اہم ترین کتابوں میں شامل ہیں جن کو اہل علم نے خصوصی اہمیت دی ہے۔ ان کے ساتھ'' **السعایہ شرح شرح الوقایة ، التعلیق الممجد حاشیة علی المؤطا للامام محمد، نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل** اور **الفوائد البهیة فی طبقات الحنفیة** ہیں۔ یہ ساتوں علامہ لکھنوی کی اہم ترین کتابیں شمار کی جاتی ہیں۔ ان سے علماء وفضلاء اور طلبہ علوم دین نے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ اللہ تعالی ہمیں بھی ان سے مکمل استفادہ کی توفیق عطافرمائے اور حضرت مصنف علامؒ کے ثواب میں اور ان کے درجات میں اضافہ فرمائے۔ آمین

☆☆☆

علامہ محمد عبدالحی لکھنویؒ اور علم حدیث

مولانا رحمت اللہ نیپالی ندوی☆

ہندوستان اور علم حدیث

سرزمین ہند میں حدیث کی آمد کے تعلق سے مؤرخ اسلام اور مفسر قرآن علامہ قاضی سید سلیمان ندویؒ رقمطراز ہیں:

''اہل تاریخ پر روشن ہے کہ ہندوستان میں اسلام دو راستوں سے داخل ہوا، خشکی اور تری سے، خشکی کا راستہ درۂ خیبر کا تھا، جہاں سے ترکوں، پٹھانوں اور مغلوں نے چوتھی صدی کے آخر اور پانچویں صدی کے آغاز سے داخل ہونا شروع کیا، لیکن ان سے صدیوں پہلے اہل عرب، تاجر اور سوداگر کی حیثیت میں سندھ اور ملیبار سے لیکر گجرات تک بحر ہند کے پورے سواحل پر پھیل چکے تھے............حضرت عمرؓ کے عہد سے سواحل ہند پر عربوں کی تاخت شروع ہوتی ہے، اور یہ وہ زمانہ تھا، جب ہر کلمہ گو کے لب ودہن ''اخبرنا'' اور ''حدثنا'' کی خوشبو سے معطر تھے، یعنی صحابۂ کرام کا عہد تھا''۔

آگے مزید تحریر فرماتے ہیں:

''ہندوستان بھی ان خوش قسمت ملکوں میں سے ہے، جن کی خاک صحبت یافتگانِ نبوی کے پاؤں سے لگ کر ہماری آنکھوں کا کحل الجواہر بن چکی ہے'' (مقالات سلیمان ۴/ ۳)۔

☆ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فرنگی محل اور علم حدیث

جہاں تک فرنگی محل لکھنؤ میں علم حدیث کا تعلق ہے تو اس کا حال اور کمال علامہ موصوف کے الفاظ میں پڑھئے، وہ لکھتے ہیں:

''لکھنؤ میں فرنگی محل کا علمی مرکز عالمگیر کے عہد میں قائم ہوا، ملا قطب الدین اور ملا نظام الدین کے عہد سے لیکر مولانا عبد الحلیمؒ تک اس خانوادۂ فضل وکمال کی علمی کوششوں کا جولانگاہ منطق اور اصول کی کتابیں رہیں۔ اور تعجب ہے کہ اس قدر طویل زمانہ تک ہندوستان کی یہ مشرقی درسگاہ حدیث کے ترانہ قدس سے ناآشنا رہی، بزرگوں سے جو کچھ سنا ہے وہ یہ ہے کہ درسِ نظامی میں صرف مشکوٰۃ داخل تھی اور وہی پڑھائی جاتی تھی، یہ بھی سنا ہے کہ فرنگی محل میں صحیح بخاری کے پندرہ پارے موجود تھے، مگر وہ صرف تبرکاً رکھے رہتے تھے'' (مقالات سلیمان ۲/۵۵)۔

''فرنگی محل میں علم حدیث کی معراج کمالات مولانا عبد الحی صاحب رحمہ اللہ علیہ کے عہد میں ہوئی'' (ایضاً ۶۱)۔

زہے قسمت! زہے نصیب! اس وقت میرے مقالہ کا موضوع یہی نابغۂ روزگار، یکتائے زمانہ، علامہ، فہامہ، محدث وفقیہ، فاضل ویگانہ، امام مجدد اور عبقری شخصیت ہے، جو جامع الکمالات وکامل الحسنات ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی کنیت بھی ابو الحسنات ہی رکھتی تھی، مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ نے انہیں ان بلند کلمات سے خراج عقیدت پیش کیا ہے:

''آیۃ اللہ فی العالمین، وارث علوم سید المرسلین، فخر خلق، یادگار سلف، مجدد المائۃ الرابع عشرۃ مولانا واُستاذ اُستاذنا مولوی حافظ ابو الحسنات محمد عبد الحی رحمہ اللہ علیہ، حق یہ ہے کہ ہمارے محلّہ میں اس ذات گرامی کا کوئی نظیر سابق میں سوائے بحر العلوم (مولانا عبد العلی محمد انصاری فرنگی محلی مراد ہیں) کے دوسری کوئی نہیں ہوئی، اور اگر مولانا کو وہی عمر اور سن ہمارے محلّہ کی خوش قسمتی سے مل جاتا جو بحر العلوم کو مل گیا ہوتا، تو یقیناً یہ شہسوار میدان علم وعمل، یہ جامع علوم، معقول ومنقول، یہ فقیہ ومنطقی، محدث وواعظ اپنے اکابر تو کیا سچ یہ ہے کہ ابن ہمام اور عینی ایک طرف، صدر الشریعۃ

اورتاج الشریعۃ سے بازی لے جاتا مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا‘‘ (تذکرہ علماے فرنگی محل ۱۳۵)۔

جبکہ ابن خاکان ہند علامہ سید عبد الحی حسنیؒ نے امام لکھنوی کے تذکرہ کا آغاز یوں کیا ہے: ’’الشيخ العالم الكبير العلامة عبد الحي بن عبد الحليم .... العالم الفاضل التحرير أفضل من بث العلوم فأروى كل ظمآن‘‘ (الاعلام ۸/۲۵۱)۔

علامہ لکھنوی کے بھتیجے مولانا محمد یوسف لکھنوی اپنے عم معظم محترم کو ان القاب سے ملقب کرتے ہیں: ’’عمي ومولائي، رئيس المحققين، أفضل المدققين، خاتمة الفقهاء والمحدثين، ورحلة الطالبين والمسترشدين، خير الفائزين بمدار العلوم وافضل الكاملين بالمنطوق والمفهوم، مولانا أبي الحسنات محمد عبد الحي‘‘ (کنز البرکات خاتمۃ الطبع ۳۷)۔

حافظ مولانا عبد الباقی لکھنوی اپنے برادر معظم کو ان القاب سے یاد کرتے ہیں:

’’ذو الفضل والكمال، مهبط رحمة الله المتعال، مرجع الكرامات والبركات، المكنى بأبي الحسنات المدعو بعبد الحي‘‘ (حسرۃ الفحول بوفاۃ نائب الرسول: ۳)۔

ان سب کے بعد راقم سطور کے لئے الفاظ وکلمات ہی کہاں رہ جاتے ہیں جن سے انہیں یاد کیا جائے۔

مختصر حالاتِ زندگی

ولادت باسعادت سہ شنبہ ۲۶/ذی قعدہ ۱۲۶۴ھ کو باندہ شہر میں ہوئی، جہاں ان کے والد محترم مولانا عبد الحلیم صاحب لکھنوی بحیثیت مدرس مقیم تھے، پیدائش کے ساتویں روز والد صاحب نے عبد الحی نام رکھا اور بعد بلوغ آپ کی کنیت ابو الحسنات تجویز کی (ملاحظہ ہو مقدمہ فتاوی عبد الحی ۴)۔

پانچ سال کی عمر میں حفظ قرآن شروع کیا، اور دسویں سال حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ

اردو، فارسی علوم سے فراغت ہوگئی، علوم عربیہ مثلاً علم حدیث وتفسیر، فقہ واصول کی تعلیم اور دیگر علوم کی تکمیل والد بزرگوار سے کی، البتہ علوم ریاضی وہیئت کی تکمیل کیلئے ماہر ریاضیات حضرت مولانا مفتی محمد نعمت اللہ صاحب کی طرف رجوع کیا، اور مولانا موصوف بقول خود مفتی صاحب کے آخری شاگرد بھی ہیں۔

سترہ سال کی عمر میں جملہ علوم حدیث وتفسیر فقہ واصول، ریاضی وفلسفہ وغیرہ سے فراغت حاصل کی۔فراغت کے بعد شہر حیدرآباد میں ایک زمانہ تک درس وتدریس اور افادہ کا سلسلہ جاری رکھا، پھر اپنے شہر لکھنؤ آگئے، اور اپنی عمر کا ایک حصہ یہاں درس وتدریس اور افادہ وتصنیف اور دعوت وتذکیر میں گزارا، اور یہ سلسلہ آخری عمر تک جاری رہا۔

علامہ لکھنویؒ کے درس کی مقبولیت اور شہرت کا جو عالم تھا اسے علامہ سید سلیمان ندویؒ کے الفاظ میں پڑھیے:

''کل عمر چالیس برس کی ملی مگر اسی مختصر زمانہ میں مرحوم کے درس وتدریس، تالیف وتصنیف اور تحقیق وتدقیق کے آوازہ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیائے اسلام گونج اٹھی، اطراف ودیار سے علم کے طالب آپ کے آستانہ پر جمع ہوئے، معقول ومنقول کا مجمع البحرین زندگی کے آخری لمحوں تک موجیں مارتا رہا، دوسرے علم وفنون کے ساتھ تمام کتب حدیث کا درس بکمال تحقیق آپ کی درسگاہ میں ہوتا تھا، پورب اور بہار کے طلبہ زیادہ تر اس فیض سے سیراب ہوئے'' (مقالات سلیمان ۲/۶۱)۔

علوم وفنون میں مہارت

آپ کو مذکورہ بالا علوم وفنون میں مہارت کے ساتھ ساتھ علم الانساب، تاریخ اور فن حکمت پر بھی درک تھا، اور خاصی معلومات تھیں، اچھے مناظر بھی تھے، علامہ عبدالحق بن فضل حق خیرآبادی، نواب صدیق حسن حسینی قنوجی اور علامہ محمد بشیر سہسوانی کے ساتھ آپ کے مناظرے مشہور ہیں، نواب صاحب کے ساتھ تو سخت اور ناخوش گوار مناظرہ بھی ہوا، لیکن اس کے باوجود

دونوں کے صفاء قلب اور آپسی محبت وتعلق کا اندازہ اس سے لگائیں کہ ان دونوں میں سے جب ایک کا انتقال ہوگیا تو دوسرے نے بے ساختہ کہا کہ ہمارا بازو کٹ گیا اب ہم کس سے مناظرہ کریں گے۔ اور مارے صدمہ کے کھانا نہیں کھایا گیا۔

فن حدیث میں مہارت

اگرچہ آپ مسلکاً حنفی تھے لیکن متعصب نہ تھے بلکہ دلیل کے متبع اور پیرو تھے جب کسی مسئلہ میں مذہب کے خلاف نص صریح پاتے تو تقلید بلا تکلف ترک کردیتے اور حدیث پر عمل کرتے۔ وہ فن حدیث سے اپنی مناسبت، اس جانب توجہ اور اس سے اشتغال کے متعلق اپنی کتاب ''النافع الکبیر'' میں لکھتے ہیں:

''ومن منحه (أي منح الله سبحانه) أني رزقت التوجه إلى فن الحديث وفقه الحديث، ولا أعتمد على مسألة مالم يوجد أصلها من حديث أو آية، وماكان خلاف الحديث الصحيح الصريح أتركه وأظن المجتهد فيه معذوراً بل مأجوراً'' (الاعلام ۸/ ۲۵۲ حسرۃ الفحول ۱۸)۔

(اللہ کے فضل وتوفیق کی بات یہ بھی ہے کہ مجھے فن حدیث اور فقہ حدیث کی طرف توجہ کی دولت نصیب ہوئی، میں کسی ایسے مسئلہ پر اعتماد نہیں کرتا جس کی اصل کسی حدیث یا آیت سے ثابت نہ ہو، لہذا جو مسئلہ صحیح صریح حدیث کے خلاف ہوتا ہے، میں اسے ترک کردیتا ہوں اور مجتہد کو معذور بلکہ ماجور سمجھتا ہوں)۔

قدرت کے دستِ فیاض نے آپ کے اندر ذہن اخاذ، فکر دور رس اور دماغ نقاد ودیعت فرمایا تھا، اور قسام ازل کی طرف سے علم کے حظ وافر سے ان کا دامنِ مراد بھر دیا گیا تھا۔

مؤرخ ہند علامہ سید عبد الحی حسنیؒ نے علامہ لکھنویؒ کی مجلسِ علم میں اپنی بار ہا حاضری، انکی ژرف نگاہی، دور اندیشی، ذکاوت وفطانت، علوم میں مہارت وبراعت، شریعت کے اسرار ورموز سے آگہی وواقفیت، کمال خطابت اور سرعتِ فہم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"إني حضرت بمجلسه غير مرة، فألفيته ..... ذكياً فطناً، حاد الذهن، عفيف النفس، رقيق الجانب، خطيبا مصقعا، متجرا في العلوم، معقولا ومنقولا، مطلعا على دقائق الشرع وغوامضه" (ایضاً ۸/۲۵۱)۔

دو امتیازی خصوصیت واولیت

مولانا کی دو امتیازی خصوصیت بطور خاص قابل ذکر ہے، جن میں انہیں اولیت کا درجہ حاصل ہے۔

۱- کتابوں کے تحشیہ اور اشاعت کے وقت مختلف نسخوں کی فراہمی، مقابلہ اور تصحیح اور ساتھ ہی ساتھ مصنف اور تصنیف کے متعلق ہر قسم کے معلومات مقدمہ میں فراہم کردینا، واضح رہے کہ مقدمہ نگاری مولانا کی ایجاد ہے، اس سے قبل اس کا دستور نہ تھا۔

۲- دوسری قابل ذکر بات کتابوں کی صحت ہے، حیرت ہے کہ عربی کی ضخیم کتابوں پر باریک حاشیہ کی تصحیح اس طرح کی جاتی کہ بلا مبالغہ ایک نقطہ کی بھی غلطی نہیں رہ جاتی، جبکہ آجکل مطابع اور چھپائی کی کثرت کے باوجود اردو کتابوں میں بھی صحت کا اتنا اہتمام اور اس قدر التزام نہیں ہے (ملاحظہ ہو مقالات سلیمان ۲/۶۲-۶۳۔حسرۃ الفحول ۵)۔

تعریفی وتوصیفی کلمات کے چند نمونے

شیخ عبدالحی کتانی نے فرمایا ہے:

"خاتمة علماء الهند، وأكثرهم تأليفا، وأتمهم تحريراً واطلاعاً وإنصافاً، كان صاحب همة لاتعرف الملل، واعتناء بالتقييد والجمع والمطالعة، لم يمسه الكلل، مع النباهة وسلامة الإدراك" (الحجج للإمام اللکنوی الکتانی ۳۰)۔

(علماء ہند کا خاتمہ، ان میں سب سے زیادہ صاحب تالیف، نگارش، اطلاع واقفیت اور انصاف کے اعتبار سے زیادہ کامل ہیں، ایسی ہمت وحوصلہ کے مالک تھے جو سستی واکتاہٹ

سے نہ آشنا تحریر، جمع وترتیب اور مطالعہ پر ایسی توجہ تھی جسے تکان چھو کر بھی نہ گزری تھی، اس کے ساتھ ساتھ شرافت و بزرگی اور سلامتیٔ ادراک کے حامل تھے)۔

شیخ عبدالأول کے الفاظ ہیں:

"البحر الغطمطم، البحر المتلاطم، القدوة والفهامة، العمدة العلامة، فريد عصره، وحيد دهره، الجامع لأشتات الفضائل، والبارع في الأقران والأماثل، الذي هو شارق لسماء التحقيق والفائق الحامل للواء التدقيق الخ"۔

(بحر ناپیدکنار، ٹھاٹھیں مارنے والا سمندر، نمونہ، بڑے سمجھدار، قابل اعتماد، علامہ، یگانہ زمانہ، اور بے نظیر و بے مثال، مختلف ومتفرق فضائل ومناقب کے جامع، ہم عصروں اور مشاہیر میں ایسے ماہر، جو آسمانِ تحقیق کا تابندہ ودرخشندہ ستارہ اور تدقیق کی علمبرداری کے لئے فائق ہیں)۔

اس طرح کے الفاظ وکلمات کے ساتھ مکمل دس سطروں میں مدح وتوصیف اور ثناء وتعریف فرمائی ہے۔

مؤرخ ہند علامہ عبدالحی حسنیؒ نے ان کے علوم وفنون میں مہارت، وسعتِ علم، اصول وفروع پر قدرت، فضیلت وفوقیت اور جلالت شان وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد یہاں تک لکھ دیا ہے:

"الحاصل أنه كان من عجائب الزمن ومن محاسن الهند، وكان الثناء عليه كلمة إجماع والاعتراف بفضله ليس فيه نزاع" (الاعلام ۸/۲۵۲-التاریخ الخطی ۲۱)۔

(خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وہ عجوبۂ روزگار اور زینت ہند تھے، ان کی تعریف پر اتفاق تھا اور ان کے فضل وکمال کے اعتراف میں کوئی اختلاف نہ تھا)۔

ماضی قریب کے مشہور محقق ومدقق اور نامور محدث شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ جو علامہ لکھنوی کے دلدادہ اور انکی تحریروں کے عاشق تھے اور انکی بہت سی کتابوں پر تعلیق وتحقیق کا کام بھی کیا ہے، وہ کس نگاہ سے علامہ کو دیکھتے تھے؟ ملاحظہ ہوں انکے کمالات:

"فخر المتأخرين، ونادرة المحققين المصنفين، المحدث، الفقيه،

الأصولی، المنطقی، المتکلم، المؤرخ النظار، النقادة، الإمام الشیخ أبو الحسنات محمد عبد الحی الأنصاری اللکھنوی الھندی ...... الخ" (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو النجح الکثبی ۱۴۱)۔

(فخر متاخرین، محقق مصنفین کے نادر، محدث، فقیہ، اصولی منطقی، متکلم، دور اندیش مؤرخ، بڑے نقاد، امام شیخ ابو الحسنات محمد عبد الحی انصاری لکھنوی ہندوستانی)۔

بلاشبہ انہیں اس صدی کا مجدد اور خاتم المحدثین کہنا بجا ہے، اور اس پر بہت سی شہادتیں قائم کی جاسکتی ہیں، آپ کی شہرت حد کمال کو پہنچ چکی تھی، اور قیل وقال سے خالی تھی، آپ کے فضل وکمال کا اقرار واعتراف ہر خاص وعام نے یکساں طور پر کیا ہے۔

محدث دہلوی مولانا نذیر حسین صاحب نے جو بقول مؤرخ ہند علامہ سید عبد الحی حسنیؒ:

''ہندوستان میں فن حدیث کی ریاست ان پر ختم ہے''(۱) کے مصداق تھے۔

ایک جم غفیر میں برسر انجمن برملا یہ اعتراف فرمایا: **'أنت فرید دھرک، وحید عصرک، ماجاء أحد بما جئت فی ھذہ المائة، فبارک اللہ فی حیاتک وبرکاتک''** (کنز البرکات ۱۰)۔

(آپ یگانۂ زماں، اور یکتائے دوراں ہیں، اس صدی میں آپ جیسا کارنامہ کوئی نہ پیش کرسکا، اللہ آپ کی زندگی میں برکت دے اور آپ کے برکات کو مزید کرے)۔

ان تعریفی وتوصیفی کلمات سے بڑھ کر اور کیا شہادت ہوسکتی ہے ''**وکفی بکم إماما یشھد إماماً**'' آگے اس کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے کہ

ع **فإن القول ماقالت حزام**

کثرت مطالعہ

بڑے کثیر المطالعہ، وسیع العلم، محقق ومدقق تھے، مطالعہ سے خاص دلچسپی تھی، اور اس میں بڑا انہماک تھا، مطالعہ کے وقت دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوکر وقت کی پوری قدر کرتے ہوئے اس

سے بھر پور فائدہ اٹھاتے، اور گھنٹوں مسلسل مطالعہ کے بعد بھی تازہ دم نظر آتے، اسی کثرت مطالعہ نے آپ کو چلتا پھرتا کتب خانہ بنادیا تھا (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سہ ماہی ''فکر اسلامی'' کا (معاصر فقہ اسلامی نمبر ۱۴)۔

دکتور صلاح محمد سالم ابو الحاج ''المنح الشافی للإمام اللکھنوی ۵۱ پر تحریر فرماتے ہیں:

''الإمام اللکھنوی فی مطالعاته لایاً لوجهداً فی تبیین جید الکتب من ردئیها، وبیان الغث من السمین فیها مع حکمه علی المعتبر منها'' (المنح الشافی ۵۱)۔

(امام لکھنوی اپنے مطالعہ میں عمدہ کتب کو غیر معیاری کتابوں سے الگ کرنے اوران میں رطب و یابس کو بیان کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے، ان میں سے معتبر کتب پر اپنا حکم لگانے کے ساتھ ساتھ)۔

اجازت حدیث

علامہ لکھنوی کی سند بڑی عالی تھی، ایک اجازت تو انہیں اپنے والد صاحب سے خود حاصل تھی، اور انہوں نے بدستِ خود اپنی جملہ مرویات کی تحریری اجازت مرحمت فرمائی تھی، اور یہ اجازت نامہ (سند) ۳؍شعبان ۱۲۸۵ھ بروزبدھ دیا تھا (کنز البرکات ۶/۷)۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے حج وزیارت کی دومرتبہ سعادت بخشی، پہلی مرتبہ اپنے والد ماجد کے ساتھ ۱۲۷۹ھ میں اور دوسری مرتبہ والد کی وفات کے بعد ۱۲۹۲ھ میں، موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علامہ لکھنوی نے شیخ سید احمد دحلان شافعی اور مفتی سید محمد بن عبد اللہ بن حمید مدنی حنبلی سے مکہ مکرمہ میں اور شیخ محمد بن محمد غربی شافعی اور شیخ عبد الغنی مجددی دہلوی مہاجر مدنی سے مدینہ منورہ میں اجازتِ حدیث حاصل کی اور ان کے علاوہ دیگر علماء وشیوخ سے بھی سندیں لیں (مقدمہ فتاوی عبد الحی ۴، الاعلام ۸/۲۵۱، مقالات سلیمان ۲/۶۱)۔

مذکورہ بالا علماء ومشائخ اور فن حدیث کی ممتاز ونامور شخصیات نے علامہ لکھنوی کو جن بلند الفاظ اور اعلیٰ کلمات سے اجازت حدیث دی ہے، وہ انکے رتبۂ بلند پر شاہد عدل ہیں اور ان کے

منصب جلیل پر دلیل بھی، نیز جلالتِ شان اور علمی مقام کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ووافی بھی۔

چنانچہ ملاحظہ ہوں شیخ الشافعیہ سید احمد دحلان کی اجازت کے یہ کلمات طیبات:

" ...... فقد أجزت الشاب النجيب اللودعي الأديب الشيخ محمد عبد الحی بن العالم الفاضل الشيخ محمد عبد الحليم ...... بكل مايجوز لی روايته ودرايته من منقول ومعقول بشرط لمعتبر عند أهله"۔

(میں نے نیک وشریف، تیز فہم نوجوان، ادیب شیخ محمد عبدالحی بن عالم فاضل شیخ محمد عبدالحلیم ......کو اپنی جملہ روایت ودرایت، منقول ومعقول کی اجازت اہل فن کے یہاں معتبر شرط کے ساتھ دی)۔

اور اسکے ساتھ مولانا شاہ عبدالغنی مجددیؒ کے الفاظ پڑھئے:

"فقد وفد علينا فی طابية الطيبة الفاضل البارع الألمعی الشيخ عبد الحی ولد مولانا الشيخ عبد الحليم ...... وطلب منی إجازة إشاعة علم الحديث الشريف والتفسير وغيرهما المذكورة أسانيدهما ...... فأجزت له بما أجازنی به مشائخی الكرام ......الخ" (کنز البرکات ۱۳/ ۱۴)۔

(ہمارے پاس مدینہ طیبہ میں ذہین، ماہر، فاضل شیخ عبدالحی بن مولانا عبدالحلیم آئے ......اور مجھ سے علم حدیث اور تفسیر اور ان دونوں کے علاوہ جن کی سندیں مذکور ہیں، کی اشاعت کی اجازت چاہی ......تو میں نے ان کو اس کی اجازت دے دی جس کی ہمارے مشائخ کرام نے مجھے دی ہے ...... الخ) اوراق اور صفحات کی تنگ دامنی کی وجہ سے صرف انہیں دونوں بزرگوں کے کلمات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

علمی آثار ونقوش

کسی بھی عالم کی قدر وقیمت کی شناخت اور اہمیت کی پہچان اس کے علمی آثار ونقوش اور ذخیرہ واندوختہ سے ہوتی ہے، جس طرح درخت کی پہچان اس کے برگ وبار سے ہوتی ہے،

اس کے دو پہلو ہیں:

۱- تلامذہ: جن کی تعلیم وتربیت اس کے ہاتھوں انجام پائی، کیونکہ معلم کی شخصیت کی جھلک اور عکس جمیل تلامذہ ہی ہوتے ہیں۔

۲- تصنیفات وتالیفات: جو وہ اپنے فرزندانِ عصر اور اگلی نسل کیلئے بطور یادگار چھوڑ جاتا ہے، جن سے وہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

یہاں پر دونوں علمی آثار ویادگار کا مختصر تذکرہ برمحل ومناسب ہوگا۔

چند نامور اور ماہرین فن تلامذہ

یوں تو مختلف علاقوں اور خطوں سے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد اور آپ کے چشمۂ علم سے تشنہ لبی دور کرنے والے تشنگانِ علم اور طالبانِ نبوت کا ایک جم غفیر ہے۔

صاحب کنز البرکات نے آپ کے ۵۰/ممتاز ونامور تلامذہ کے نام شماء کئے ہیں (ملاحظہ ہو ۲۸ تا ۳۰)۔

اور مؤلف ''المنہج الفقہی للإمام اللکنوی'' نے نزہۃ الخواطر'' کی مدد سے ان میں سے ۳۵/نامور تلامذہ کا مختصر تذکرہ وتعارف کرایا ہے (ملاحظہ ہو از ۸۵ تا ۹۳)۔

ہم یہاں چند مشہور فضلاء کا صرف نام ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

۱- مولانا ظہیر احسن شوق نیموی م ۱۳۳۵ھ (صاحب آثار السنن)

۲- مولانا فتح محمد تائب لکھنوی م ۱۳۲۷ھ (صاحب خلاصۃ التفاسیر)

۳- مولانا عید القضاۃ حیدرآباد (م ۱۳۴۳)

۴- مولانا عبد الباقی فرنگی محلی (م ۱۳۶۴ھ)

۵- مولانا شاہ سلیمان پھلواروی (م ۱۳۵۴ھ)

۶- مولانا حمید الدین فراہی (م ۱۳۴۹ھ)

۷-مولانا ابو الفضل محمد حفیظ اللہ اعظمی (م ۱۳۶۲ھ) (سابق مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء)۔

۸-مولانا ابو الماجد عبدالعلیم رسولپوری (م ۱۳۴۱ھ)

۹-مولانا انوار اللہ حیدر آبادی (م ۱۳۳۶ھ)

۱۰-مولانا سید ظہور الاسلام فتحپوری

۱۱-حافظ الحدیث مولانا عبدالغفور رمضانپوری بہاری

۱۲-مولانا سید محمد امین نصیر آبادی

۱۳-مولانا عبدالکریم پنجابی

۱۴-مولانا قادر بخش سہسرامی

۱۵-مولانا محمد حسین الہ آبادی

۱۶-مولانا حکیم عبدالباری عظیم آبادی وغیرہ۔

یہ وہ خوش بخت وسعادت مند ہیں جنہوں نے ملک کے ہر گوشہ میں پہونچ کر علم وفن کی خدمت کی، اور اصلاح وتجدید، درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا (مستفاد از مقالات سلیمان ۲/ ۶۳ وسہ ماہی فکر اسلامی ۱۳)۔

تالیفات وتصنیفات

علامہ لکھنویؒ کو دوران تعلیم ہی سے تصنیف وتالیف کا ذوق وشوق تھا اور یہی وجہ ہے کہ قلیل عرصہ میں درسی کتابوں پر شروح وحواشی اور تعلیقات بے شمار تحریر فرمائے، اور یہ کسی ایک علم کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ نحو، صرف، منطق، حکمت وفلسفہ، مناظرہ، تاریخ سے بلند ہوکر خاص طور سے حدیث وفقہ کیلئے اپنا قلم وقف کر دیا تھا بلکہ ان دونوں فنون میں اپنی قلمی وذہنی صلاحیت نچوڑ کر رکھ دی تھی جو اہل علم کے لئے نا قابل فراموش اور ہمیشہ باقی رہنے والی یادگار، اور اہم علمی کارنامے ہیں (مستفاد از مقدمہ فتاوی عبدالحی)۔

فخر المتاخرین علامہ لکھنوی کی تصنیفات کی تعداد مختلف حضرات نے اپنی اپنی معلومات

اور تلاش وجستجو کے اعتبار سے مختلف لکھی ہے، کم سے کم تعداد (۹۰) اور زیادہ سے زیادہ (۱۲۹) بتلائی جاتی ہے۔

چنانچہ فتاوی عبدالحی کے مرتب نے مقدمہ میں کل تعداد ۹۰۔ کنز البرکات کے مؤلف نے ۹۳۔ (ملاحظہ ہو ص: ۲۰-۲۳)۔ ”تذکرہ علمائے فرنگی محل“ کے مؤلف نے ۱۰۹ (ملاحظہ ہو ۱۳۳-۱۳۵) ایک صاحب نے ۱۱۰۔ (کتاب کے ابتدائی اوراق غائب تھے، جس کی وجہ سے کتاب اور مؤلف کا نام معلوم نہ ہوسکا البتہ ص ۷۴ ہے)۔ شیخ عبد الفتاح ابوغدہ نے ۱۱۵۔ (مقدمۃ تحفۃ الأخیار ۵) مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی نے ۱۲۰۔ (ظفر الأمانی ص: ۲۰ کے بحوالہ سہ ماہی فکر اسلامی معاصر فقہ اسلامی نمبر) اور ڈاکٹر صلاح محمد سالم نے ۱۲۹ لکھی ہے (مقدمۃ الجامع الصغیر مع النافع الکبیر للإمام اللکھنوی ص: ۱۰)۔

مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی تمام کتابوں کے نام ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”ان تالیفات کے بارے میں صرف اسقدر لکھنا چاہتا ہوں کہ اگر مولانا کی کوئی اور تصنیف نہ ہوتی اور صرف چار کتابیں آپ کی مؤلفہ ہمارے ہاتھ میں ہوتیں تب بھی مولانا کی عظمت شان اور مرتبہ علمی جاننے کے لئے کافی تھیں، یہ چار کتابیں چار فنون مختلفہ کی ہیں: ایک ”مصباح الدجی“ جو مولانا کی وسعت نظر اور قوت علمی اور منطق میں بے مثل محقق ہونے کا گواہ ناطق ہے۔ دوسرے ”سعایۃ“ یعنی شرح وقایہ کا حامل المتن حاشیہ...... (جس کے بارے میں بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ) اگر اس کتاب کو علامہ صدر الشریعہ دیکھتے تو وہ مولانا کے ہاتھوں کو محبت سے چوم لیتے، اگر یہ کتاب تمام ہوجاتی تو یقینا علمائے زمانہ ”البحر الرائق“ اور ”فتح القدیر“ کو بھول جاتے، تیسرے مؤطا امام محمد کا مبسوط حاشیہ یعنی ”التعلیق الممجد“ اس حاشیہ کی کیا تعریف کی جائے، سوائے اس کے کہ علمائے متاخرین میں اس کی کوئی نظیر ”عمدۃ القاری“ کے بعد نہیں ہوئی۔ (بحث صرف محققانہ تحریر سے ہے) اور بے تعصبی اور الحق احق بالاتباع کے اعتبار سے تو کسی آخری دور کے عالم کا آپ سے مقابلہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ چوتھے ”ظفر الأمانی“ اصول حدیث میں بے مثل رسالہ ہے، جو رسالہ سید شریف کی شرح ہے، مگر حق یہ ہے کہ وہ خود ایک مستقل تالیف ہے، اور اس کے بعد مقدمہ ابن صلاح کی بھی

ضرورت طالبان علوم نبوت کے لئے باقی نہیں رہتی'' (تذکرہ علمائے فرنگی محل ۱۳۵)۔

سیرت نگار نبوی علامہ سید سلیمان ندویؒ کے الفاظ میں آپ کے علمی کارنامے اور خدماتِ حدیث پڑھیے:

''حدیث اور متعلقات حدیث کی متعدد نادر کتابیں، اپنے مقدمہ اور تحشیہ کے ساتھ شائع کیں، حدیث اور فقہ حنفی کی جامعیت کے ساتھ بیسیوں رسالے لکھے''۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:

''متون کتب میں سے مولانا نے مسند امام ابوحنیفہ، مؤطا امام محمد، کتاب الآثار امام محمد پر مقدمہ اور حاشیہ لکھا اور ان کو چھپوا کر شائع کیا، متعلقاتِ حدیث میں سے موضوعاتِ سیوطی، المقاصد الحسنۃ امام سخاوی، اور ''فتح المغیث فی اُصول الحدیث'' اور ''میزان الاعتدال'' وغیرہ کتابیں ان کے اشارہ سے ان کے متوسلین اور تلامذہ نے شائع کیں'' (مقالات سلیمان ۲/۶۱)۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی مؤلفات کو بڑی مقبولیت عطا فرمائی، اس کا نتیجہ تھا کہ وہ مشرق ومغرب میں رائج ہوگئیں اور اطراف واکناف میں پھیل گئیں، لوگوں نے انہیں حاصل کرنے میں شوق ودلچسپی لی، اور ضیاع سے محفوظ رکھا، یہ مقبولیت مؤلف کی زندگی اور وفات کے بعد یکساں حاصل ہوئی، بلکہ بعد از وفات اہل علم وتحقیق کا اعتناء زیادہ ہوگیا، اور وہ بڑا مرجع ومصدر بن گئیں۔

علامہ عبدالفتاح ابوغدہؒ اس سلسلہ میں رقم طراز ہیں:

''هذا الإمام الفذ النادر العجيب الذي أعطى القبول في مؤلفاته في حياته وبعد مماته من كل من قلله شيئاً، من كتبه، أووقف على نقل من كلامه، ذلك لما اتسم به رحمه الله من التحقيق الفريد والإستيفاء البالغ والإنصاف والتواضع'' (التعليق الحفيل للإمام اللکھنوی ۸۳)۔

(یہ عجیب نادر، منفرد امام جس کی مؤلفات کو اس کی زندگی میں اور وفات کے بعد یکساں مقبولیت حاصل ہوئی، ہر اس شخص کی طرف سے جس نے ان کی کسی کتاب کو پڑھایا، اس کے منقول کلام سے واقف ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ مرحوم منفرد تحقیق، بھرپور احاطہ اور انصاف

وتواضع سے متصف ہیں)۔

سچ تو یہ ہے کہ امام لکھنوی پہلے طرز کے علماء میں ہیں جن کے علوم ومعارف میں تنوع ہے، اور ان کی تالیفات مختلف فنون پر مشتمل ہیں، اسی وجہ سے وہ علمائے موسوعین (انسائیکلوپیڈسٹ(Encyclopaedist) میں شمار کئے جانے کے اہل ہیں:

دکتور صلاح محمد سالم ابو الحاج لکھتے ہیں:

"إمامنا الكهنوی كان من الطراز الأول إذ تنوعت علومه ومعارفه فشمل تآليفه كثيرا من العلوم حتى يصح عنه أنه من العلماء الموسوعين" (الممتع الکھی ۹۳)۔

مؤلفات کے چند مجموعی خصائص

(۱) تحقیقات عمدہ اور نفیس (۲) متفرق مباحث کی جمع وتالیف (۳) مسائل کا مع دلائل واختلاف ذکر، اور قول راجح کا بیان (۴) مؤلفات کا نادر اور قیمتی، نفیس ولطیف مباحث ومسائل پر مشتمل وحاوی ہونا (۵) رسائل ومقالات بلکہ عجالات کا کافی وشافی اور مفید وبہتر ہونا (۶) بعض تالیفات کا بے نظیر ولاجواب ہونا جیسے "الرفع والتکمیل" جو بقول مؤلف:

"هی رسالة لم يوجد لها بفضل الملک الجليل عديل ومثيل وغيرها من تاليفاتنا الفقهيه والحديثية"۔

(یہ ایک ایسا رسالہ ہے جس کی بفضلہ تعالیٰ کوئی نظیر اور مثال نہیں، اور اس کے علاوہ ہماری فقہ وحدیث کی مؤلفات اسی طرح ہیں)۔

(۷) تالیفات کا رطب ویابس سے پاک اور مؤلف کا ان میں تقلید سے دور ہونا۔

(۸) مؤلفات کا شہرۂ آفاق ہونا، مقبولیت ومحبوبیت کا حاصل ہونا اور ہاتھوں ہاتھ خوشی ومسرت کے ساتھ لیا جانا (۹) دلائل وزوائد سے استنباطات پر مشتمل ہونا اور مفتی حضرات کے لئے مفید ہونا (۱۰) مطالعہ سے ذہن ودماغ کے دریچے وا ہونا اور مطالعہ کرنے والے کا کیف ونشاط سے جھوم اٹھنا (مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو الممتع الکھی ص ۲۴۰-۲۴۳)۔

علم حدیث میں چند مؤلفات -تذکرہ اور تعارف

مولانا کی اگرچہ شہرت فقیہ کی حیثیت سے زیادہ ہوئی اور فن فقہ میں تالیفات بھی سب سے زیادہ ہیں، لیکن مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ آشکارا ہو چکا ہے کہ علم حدیث سے شغف اور اس میں خدمات وتالیفات کچھ کم نہیں ہیں، بہیناہر لحاظ سے مولانا علمائے حدیث میں شمار کئے جانے کے اہل ہیں۔

دیگر مؤلفات کو قلم انداز کرتے ہوئے ہم یہاں ''المنہج الفقہی'' اور دیگر کتب کی مدد سے علامہ لکھنوی کی صرف علم حدیث پر مؤلفات کا مختصر تعارف وتذکرہ پیش کرتے ہیں جو اس وقت ہمارے موضوع کا اہم حصہ ہیں:

۱-التعلیق الممجد

امام محمدؒ کی مشہور کتاب ''موطا'' کا جامع اور مفصل حاشیہ ہے، صورۃً یہ حاشیہ ہے، مگر حقیقت میں موطا کی بہترین شرح ہے، اس سے پہلے موطا کی جو شرحیں لکھی گئیں ہیں، ان میں یہ ایک مفید اور قابل قدر اضافہ ہے۔ محققین وتدقیق، اثبات حق اور عدم عصبیت کے لحاظ سے کتب حنفیہ میں ممتاز اور منفرد حیثیت کی حامل ہے، دیگر شرحوں میں رہ جانے والی خامیوں کا اس میں ازالہ بھی کیا گیا ہے، بقدر ضرورت راویوں کے حالات بھی درج کئے گئے ہیں، اس کے شروع میں تقریباً سو صفحات کا مبسوط مقدمہ بھی ہے۔

یہ کتاب ہندوستان میں متعدد بار شائع ہو چکی ہے، محترم مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری نے اس کو تعلیق وتحقیق کے ساتھ خوبصورت انداز میں دارالقلم دمشق سے تین جلدوں میں شائع کیا ہے، شروع میں چالیس صفحات پر مشتمل شیخ عبد الفتاح ابوغدہ کا مقدمہ بھی ہے (سہ ماہی فکر اسلامی -معاصر فقہ اسلامی نمبر ۱۷-۱۸)۔

علامہ لکھنوی کے تلمیذ رشید مولانا عبد الباقی لکھنوی اس کتاب کے تعلق سے فرماتے ہیں:

''میری قسم! کسی محدث نے اس طرح کی کتاب نہیں لکھی، نہ ماضی میں اور نہ عصر حاضر میں۔ بڑی قیمتی تعلیق ہے، اس میں مذاہب اور اسکے دلائل ہیں، مسائل اور دلائل کا نقض وابرام اور جرح واحکام کے ساتھ تردید اور حق کا اختیار (حسرۃ الفحول ۳۶)۔

مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی کا ارشاد اس سے قبل گزر چکا ہے کہ:

''اس حاشیہ کی کیا تعریف کی جائے سوائے اس کے کہ علمائے متاخرین میں اس کی کوئی نظیر ''عمدۃ القاری'' کے بعد نہیں ہوئی'' (تذکرہ علمائے فرنگی محل ۱۳۵)۔

مقدمہ التعلیق الممجد - چند خصوصیات

''التعلیق الممجد'' کے مقدمہ کی چند خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱-مبسوط ومفصل، اور فوائد سے پر ہے (۲) ترویج حدیث کی کیفیت، تصنیفات کی ابتداء وآغاز، ان کے مختلف مقاصد، متنوع مسالک کا تذکرہ اور ان کے انواع واقسام اور حالات واطوار کا بیان (۳) امام مالک کا ترجمہ وسوانح (۴) مؤطا کے فضائل، وجہ تسمیہ اور اسکے مشمولات (۵) امام شافعی کے قول ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ الموطا'' اور جمہور محدثین کے قول ''صحیح البخاری اصح کتب الحدیث والسنۃ'' کے مابین رفع تعارض اور جمع وتوافق (۶) مؤطا کے اندر بہت سی ایسی سندوں کا وجود جن پر محدثین نے اصحیت کا فیصلہ کیا ہے (۷) امام مالک کے رواۃ کی کثرت جو کسی بھی امام حدیث کو حاصل نہیں (۸) مؤطا کے مختلف نسخوں کا تذکرہ (۹) مؤطا کی احادیث کی تعداد کا بیان (۱۰) مؤطا امام مالک پر تعلیق لکھنے والوں کے تراجم اور آخر میں خود اپنا ترجمہ (۱۱) مؤطا کی احادیث وآثار کی تعداد باب درباب (۱۲) مؤطا میں امام محمد کے عادات وآداب اور طریقۂ کار کا ذکر وغیرہ (حسرۃ الفحول ۲۶)۔

۲-الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل

اس کتاب میں مؤلف نے جرح وتعدیل کے پرخار، دشوار، چبھتے اور پیچیدہ مسائل

سے بحث کی ہے، اس کے قواعد اور ان کے باریک معیار بیان کئے ہیں۔ اور مفصل کلام کرتے ہوئے اپنا مدعا واضح اور مقصد ظاہر کیا ہے، شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ کے بقول:

''هو أول كتاب ألف في موضوعه ولم يسبق إليه على تمادي العصور، ووفرة الحفاظ والنقاد في علوم الحديث''۔

(اس سے قبل اس فن میں مرور زمانہ، اور علوم حدیث میں حفاظ اور ناقدین کی کثرت کے باوجود ایسی کتاب نہیں لکھی گئی۔ یعنی یہ اپنے موضوع کی پہلی کتاب ہے)۔

خلاصہ یہ کہ ''یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود اپنے موضوع پر منفرد اور بقامت کہتر اور بقیمت بہتر کی صحیح مصداق ہے'' (سہ ماہی فکر اسلامی ر ۱۹ وحسرۃ الحول ر ۳۸)۔ یقیناً بے نظیر ولا جواب کتاب ہے۔

شیخ نے اس کو جدید طریقہ پر ایڈٹ کر کے اپنے تفصیلی حاشیہ کے ساتھ شائع کیا ہے اور اسکے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

۳۔ظفر الامانی بشرح مختصر الجرجانی

اصول حدیث کے مقاصد اور علم حدیث کی معرفت میں ایک مطول اور جامع کتاب ہے، اور علماء کی تحقیق پر حاوی ہے، ایک مقدمہ اور چند مقاصد پر مشتمل و مرتب ہے، اکثر چیزیں ''خلاصۃ حسن الطیبی فی اصول الحدیث'' سے ماخوذ ہیں۔

یہ شرح تاخر زمانی کے باوجود اپنے بہت سے محاسن وخصائص کی وجہ سے ممتاز ہے، اکثر مختلف فیہ مسائل میں محدثین کے ساتھ فقہاء اور اصولیین کی آراء بھی پیش کرتے ہیں۔

اس کتاب کے بارے میں مؤلف کی آرزو اور ان کا ارادہ خود انہیں کے الفاظ میں یہ تھا:

''جب میری کتاب ''ظفر الامانی'' طبع ہوجائے گی تو نزہۃ شرح نخبۃ کی جگہ پر افادہ کے لئے نصاب میں اسی کو رکھیں گے اور پڑھائیں گے'' (حسرۃ الحول ر ۳۸)۔

لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور نہ اس آرزو کی تکمیل ہوسکی۔ اور وہ یہ حسرت لے کر دنیا

سے رخصت ہوگئے، بقول شیخ عبد الفتاح ابوغدہؒ:

''یہ کافی ووافی شرح ہے، غایت ومقصد پر فائق ہے، دلائل وبراہین کے ساتھ حل وتنقیح اور تقیید وتوضیح کی مؤلف نے بھرپور کوشش کی ہے تو کیا ہی خوب کی ہے'' (ملاحظہ ہو المصنوع الحقی ۱۰۸-۱۱۲)۔ا ہوئے ہیں (سہ ماہی فکر اسلامی ۱۵) الغرض حدیث کے متعلم کو اصول وقواعد سکھانے کی یہ اچھی کتاب ہے۔

۴- الآثار المرفوعۃ فی الأخبار الموضوعۃ

کتاب کا موضوع عنوان سے ظاہر ہے، سال کے شب وروز نمازوں کے سلسلہ میں موضوع احادیث پر ایک نہایت جامع اور مکمل کتاب ہے، آغاز کتاب میں مؤلف نے وضع حدیث کرنے والوں کے اقسام، اسباب وضع، موضوع احادیث کی نقل وروایت اور اس پر عمل کا حکم بیان کیا ہے، پہلی تنبیہ میں ہفتہ کے شب وروز کی نمازوں کا ذکر ہے اور دوسری میں سال کے لیل ونہار کی نمازوں سے متعلق احادیث اور ان کے متعلقات کا ذکر ہے، پھر چند مخصوص نمازیں مثلاً صلاۃ التسابیح وغیرہ کا تذکرہ کرکے ان سے متعلق احادیث قابل قبول ہونے کی تحقیق پیش کی ہے۔

۵- الأجوبۃ الفاضلۃ للأسئلۃ العشرۃ الکاملۃ

کتاب کا موضوع عنوان سے ظاہر ہے، مؤلف نے ایک بڑے عالم مولانا محمد حسین لاہوری کی طرف سے دریافت کئے گئے اصول حدیث سے متعلق دس استفسارات کا فاضلانہ جواب دیا ہے، جو بڑا عمدہ، واضح، تحقیقی اور لاجواب ہے (حسرۃ الفحول ۴۰)۔

حتی کہ شیخ عبد الفتاح ابوغدہ جیسے محقق کا اس کتاب کے بارے میں تأثر ہے:

''میری اپنی معلومات کی حد تک آزادمباحث پر مشتمل یہ ایک جامع کتاب ہے۔ اس کمال واتقان کے ساتھ کسی نے نہیں لکھا ہے، مؤلف کی یہ کتاب ان کی نادر اور بے مثال تصنیفات میں سرفہرست رکھے اور ثناء کیے جانے کے لائق ہے، کیونکہ یہ علوم حدیث کا بہت بڑا اخلا

پُر کرتی ہے" (المنہج الاقّی ص ۱۰۸ تا ۱۱۴)۔

۶- حاشیۃ الحصن الحصین

علامہ شیخ جزریؒ کی دعاء واذکار کی مشہورترین کتاب "الحصن الحصین" کی بہت سے علماء نے شرح لکھی ہے، امام لکھنوی نے "الحرز الثمین" کے نام سے ملا علی قاری کی شرح پر اپنا حاشیہ بڑے اہتمام سے لکھا ہے، جس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۷- الآیات البینات علی وجود الأنبیاء فی الطبقات

کتاب اردو زبان میں ہے، مؤلف نے زمین کے طبقات میں وجود انبیاء پر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے اثر کو ثابت مان کر بحث کی ہے، چونکہ دیگر مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی مؤلف کے دور میں علماء کے مابین اختلافی وزاعی بن گیا تھا، اور ان کی آراء کے اختلاف نے تکفیر وتضلیل کا ماحول پیدا کر دیا تھا، جس کی وجہ سے اس کتاب کی تالیف کی ضرورت پیش آئی۔ اور اس کی تالیف کے بعد تعلقات استوار اور ماحول خوشگوار ہو گیا، ماحول کی گرمی سرد اور تکفیر وتضلیل کا کام ٹھپ ہو گیا۔

۸- دافع الوسواس فی أثر ابن عباس

۹- زجر الناس علی إنکار أثر ابن عباس

یہ دونوں کتابیں مذکورہ بالا کتاب "الآیات البینات" کے سلسلہ کی تکمیل ہیں، اور اسی پس منظر میں لکھی گئی ہیں۔ عمدہ انداز میں معاملہ کی تحقیق پیش کی ہے، آخر الذکر رسالہ میں بہت سی ان کتابوں سے اضافہ بھی ہے جو مؤلف کے مطالعہ میں حرمین شریفین کے دورانِ قیام میں آئیں اور نظر سے گزریں۔

۱۰- رسالۃ فی الأحادیث الموضوعۃ المشتہرۃ

رسالہ کا موضوع نام سے ظاہر ہے، مؤلف اس کتاب میں دلائل کے ساتھ ان تمام

موضوع احادیث کو جمع کرنا چاہتے تھے، جن کے موضوع ہونے میں ان سے قبل کے علماء کا اتفاق یا اختلاف رہا ہے، لیکن مشیت ایزدی اس راہ میں حائل ہوئی اور تکمیل کی آرزو لئے ہوئے اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئے۔

۱۱-شرح ثلاثیات البخاری

امام لکھنوی نے اپنی کتاب ''الفوائد البہیۃ'' میں ملا علی قاری کے ترجمہ میں لکھا ہے ''ہو أحد ثلاثیات البخاری وقد شرحتہا بعون الباری'' عبارت واضح نہیں ہے، احتمال یہ ہے کہ ملا علی قاری کی تصنیف ہو، شیخ عبد الفتاح ابوغدہؒ نے اسی کو ترجیح دے کر اسے ملا علی قاری کی تصنیف قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲-خیر الخبر فی أذان خیر البشر

''عربی زبان میں ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ نومولود کے کان میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان ثابت ہے۔ لیکن اقامت کے ثبوت میں توقف کیا ہے'' (اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں ۲۱۰)۔

۱۳-تحفۃ الأخیار علی إحیاء سنۃ سید الأبرار

''مصنف نے اس کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ تراویح کی بیس رکعت سنت مؤکدہ ہے'' (أیضاً)۔

۱۴-إمام الکلام فیما یتعلق بالقراءۃ خلف الإمام

قرأۃ خلف الإمام جیسے اہم، مختلف فیہ اور معرکۃ الآراء موضوع پر ایک جامع کتاب ہے، جس میں انہوں نے اپنے نقطۂ نظر کو مدلل پیش کیا ہے۔

۱۵-غیث الغمام علی حواشی إمام الکلام

۱۶-نزہۃ الفکر فی سبحۃ الذکر

عربی زبان میں ایک رسالہ ہے، نایاب ہونے کی وجہ سے تفصیلات کا علم مشکل ہے، البتہ ۱۵ پر مذکور کتاب ص ۱۴ کا ضمیمہ یا تکملہ معلوم ہوتی ہے۔

۱۷-النفحۃ بتحشیۃ النزہۃ

۱۸-زجر الشبان و الشیبۃ عن ارتکاب الغیبۃ

ان کتابوں کا موضوع نام سے ظاہر ہے، مزید تفصیل کی ضرورت نہیں۔ یہ علامہ لکھنوی کی فن حدیث میں بآسانی میسر آنے والی کتابوں کا صرف سرسری تذکرہ اور جائزہ ہے ورنہ نہ احاطہ مقصود نہیں۔ اور نہ ہی اس مختصر مقالہ میں ایسا ہونا ممکن ہے۔

ولایت و بزرگی

اتباع سنت چونکہ ایمان کی تکمیل ہے اور حیات انسانی کا اصل جوہر، لہٰذا اگر اس پہلو کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ گوشہ تشنہ اور مقالہ ادھورا رہے گا، اس سلسلہ میں اتنا ذکر کر دینا کافی ہے کہ علامہ لکھنویؒ روحانی اعتبار سے بھی بڑے فائق تھے اور اس میں رتبۂ بلند رکھتے تھے، خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی بار زیارت نصیب ہوئی ہے، اسی طرح حضرات صحابہ سیدنا ابوبکر و عمر، ابن عباس، فاطمہ، عائشہ، ام حبیبہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے ہیں۔ امام مالک، شمس الدین سخاوی، جلال الدین سیوطی وغیرہم ائمہ و علماء سے ملاقات ہوئی ہے، اور ان سے استفادہ بھی کیا ہے (ملاحظہ ہو کنز البرکات ۱۹، حسرۃ الفحول ۴)۔ شب بیداری اور تنہا گزاری کا یہ حال تھا کہ فجر سے قبل ہی ایک درس کا معمول تھا اور آخر تک یہی نظامِ حیات رہا، کوئی تخلف و تاخر نہ ہوا۔

وفات حسرت آیات

"کل من علیھا فان" کے ضابطہ الٰہی اور بے لاگ قانون خداوندی کے تحت آسمانِ علم وفن کا یہ آفتاب عالم تاب، سائے تحقیق وتدقیق کا ماہتاب ضیاء بار، اور فکر ونظر کا نیر تاباں، اپنی عمر عزیز کے ۹۳ رشوط پورے کر کے ماہ ربیع الأول کی آخری شب میں ۱۳۰۴ھ کو اپنی بہاروں کا جلوہ دکھلا کر، دنیا کو حسرت ویاس کے عالم اور اندوہ وغم کی حالت میں خزاں رسیدہ چھوڑ کر روپوش ہوگیا، مگر غروب کے بعد بھی افق پر اپنی یادوں کے لازوال نقوش اور علمی آثار وانمول یادگار سے قائم شفق چھوڑ گیا، اہل علم اس کے احسان گرانبار سے کبھی سبکدوش نہ ہوسکیں گے۔

اپنے اسلاف کے قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے، تدفین میں ہر گروہ وفرقہ کے بے شمار لوگوں نے شرکت کی، اور اژدحام کا یہ منظر تھا کہ تین مرتبہ جنازہ کی نماز پڑھی گئی (الإعلام، نزہۃ الخواطر ۸/۵۶ ۲،تذکرہ علمائے فرنگی محل ۱۳۱)۔

یقیناً وہ شاعر مشرق علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے اس شعر کے حقیقی مصداق تھے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدور پیدا

اسی طرح وہ اس کے بھی بجا طور پر مستحق تھے کہ انہیں اس طرح خراج عقیدت پیش کیا جائے۔

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لئے

مراجع ومصادر

۱- الإعلام بمن فی تاریخ الہند من الأعلام (علامہ سید عبد الحی حسنیؒ) دار عرفات رائے بریلی (۱۴۱۳ھ-۱۹۹۳ء)۔

۲- فتاوی عبدالحی (مترجم مولانا خورشید عالم) مکتبہ تھانوی، دیوبند طبع اول (۱۹۸۹ء)۔
۳- تذکرہ علمائے فرنگی محل (مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی) اشاعۃ العلوم برقی پریس فرنگی محل لکھنؤ (۱۳۴۹)۔
۴- المنہج الفقہی للإمام اللکھنوی (د/صلاح محمد سالم ابو الحاج) دار النفائس، اردن (۱۴۲۲ھ-۲۰۰۲ء)۔
۵- حسرۃ الفحول بوفاۃ نائب الرسول مع غایۃ المامول فی تحقیق معنی الحول (حافظ مولانا محمد عبد الباقی لکھنوی) مطبع انوار محمد، باہتمام حاجی محمد تیغ بہادر سن طباعت مذکور نہیں)۔
۶- کنز البرکات لمولانا أبي الحسنات (مولانا ابو الفضل محمد حفیظ اللہ اعظمی) مطبع علوی محمد علی بخش خاں لکھنوی (۱۳۵۰ھ)۔
۷- الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ مع طرب الأماثل بتراجم الأفاضل (امام ابو الحسنات محمد عبدالحی لکھنوی) نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ، کراچی (۱۳۹۳)۔
۸- مقالات سلیمان جلد دوم (مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی) دار المصنفین، معارف، اعظم گڑھ، یوپی (۱۳۸۹ھ-۱۹۶۹ء)۔
۹- اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں (علامہ حکیم سید عبد الحی حسنی) دار المصنفین اعظم گڑھ (۱۳۸۹ھ-۱۹۶۹ء)
الثقافۃ الإسلامیۃ فی الہند (مترجم مولانا ابو العرفان خان ندوی
۱۰- سہ ماہی فکر اسلامی (معاصر فقہ اسلامی نمبر) (ایڈیٹر مولانا اسعد قاسمی) شمارہ جولائی تا جون دار العلوم اسلامیہ ضلع بستی، یوپی)۔

☆☆☆

ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی اور فن حدیث میں ان کی خدمات

مولانا عبدالمتین ندوی☆

الحمد لله الذی جعل العلماء ورثة الأنبیاء والصلوٰة والسلام علی محمد بن عبد الله الذی فضل العالم علی الجاهل. أما بعد

حضرات! ہندوستان جنت نشان جو اپنی زرخیزی، صنعت وحرفت اور خام پیداوار کی وجہ سے ہمیشہ سے ایک خاص شہرت کا مالک رہا ہے۔ وہیں ایسے اہل فضل وکمال کا گہوارہ بھی رہا ہے۔جنہوں نے آسمان علم پر ایسی کمندیں ڈالیں، جنکی وجہ سے نہ صرف یہ کہ ہندوستان میں مشہور ومعروف ہوئے بلکہ پوری دنیا نے ان کے علم وفضل کا لوہا مانا۔

مسلم عہد سلطنت میں تو پورا ہندوستان علم وفضل، تہذیب وتمدن کا منبع ومرجع بنا ہوا تھا۔ اور دوردراز ملکوں سے لوگ اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لئے یہاں آئے، خصوصی طور سے عہد تیموری اور شرقی میں تو یہ ملک شرفاء اور فضلاء کا مرکز ومصدر بن گیا۔ اور آج بھی جگہ جگہ علم وفضل کے جو دیئے جل رہے ہیں اسی عہد کا دین ہے، ان میں بھی ملک کا پوربی حصہ فضل وکمال، علم وفن کے لحاظ سے بام عروج کو پہنچ گیا تھا۔ اور علمائے اسلام کے حسنات وبرکات کا گلشن سدابہار بن گیا۔ اور پورا علاقہ علمی وروحانی قدروں اور خانوادوں سے مشحون ومعمور ہوگیا۔ اسی کو دیکھ کر شاہ جہان کی زبان سے بے ساختہ نکل پڑا ''مملکت پورپ شیراز ماست''۔

☆ استاذ معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

اسی شیراز ہند کا سب سے زرخیز علاقہ لکھنؤ بالخصوص فرنگی محل جس کی سرزمین سے ایسے ارباب علم وفضل ،صلحاء واتقیاء پیدا ہوئے ،جنھوں نے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیائے اسلام میں بلافصل تقریباً ڈھائی سو سال تک علم وفضل کی شمع روشن کی اور ان میں سے ہر ایک نے اپنی زندگیاں محض علم وفضل کی خدمت کے لئے وقف کردیں۔ اور ان کی درس گاہوں سے ہزاروں علماءنکل کر ملک کے ہر گوشہ میں پھیل گئے اور الحمدللہ یہ فیض اب تک جاری وساری ہے۔

علامہ شبلی نعمانی رقم طراز ہیں: لکھنؤ کا فرنگی محل تو علم وفن کا معدن بن گیا، جہاں دوسو سال سے آج تک علمی سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔ اور سیکڑوں اہل کمال پیدا ہوکر پیوند خاک ہو گئے (مقالات شبلی ۳/۹۸)۔

مرزا جعفر حسین لکھتے ہیں: قدیم لکھنؤ کی آخری بہار کے زمانے تک فرنگی محل کی عظمت بڑی حد تک اپنے شباب پر تھی۔ یہاں بڑے بڑے عالم وفاضل موجود تھے، درس دینے والوں میں ثقہ بھی تھے اور فقیہ بھی ،صوفی بھی تھے، ماہر علم وحدیث بھی، مفتی بھی تھے اور مولوی بھی ۔لیکن خصوصیت کے ساتھ فرنگی محل کا وہ ہمہ گیر فکر ونظر کا ماحول قابل ذکر ہے ۔جس نے بدلتے ہوئے حالات میں بھی مسلمانوں کو رہبر اور راہنما فراہم کیا تھا۔جن کی ذہانت وفطانت کی وجہ سے وقت کی الجھنوں اور گتھیوں کو سمجھ لینے اور ان کو سلجھانے کی تدبیریں پیش کرنے میں زحمت نہیں ہیں (قدیم لکھنؤ کی آخری بہار)۔

حضرات! ان تمہیدی کلمات کے بعد آیئے ہم آپ کو اصل موضوع کی طرف لے کر چلتے ہیں۔

سامعین کرام! علمائے فرنگی محل کے بانی ملا قطب الدین سہالوی ہیں۔جن کو سہالی کے عثمان شیوخ اور پیٹھے پور کے خان زادوں نے ایک زمینی جھگڑے میں شہید کردیا۔

ملا قطب الدین کی شہادت کے بعد شہنشاہ ہند عالمگیر نے ان کی اولاد کو ایک بڑا امکان مرحمت فرمایا۔جس میں کبھی ایک فرنگی سوداگر رہا کرتا تھا۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: ملا قطب الدین کی شہادت کے بعد

شاہ عالمگیر نے ان کی اولاد کو لکھنؤ میں شاہی مقبوضات میں سے ایک بڑا امکان مرحمت فرمایا۔ جس میں کبھی ایک فرنگی سوداگر رہا کرتا تھا۔ اسی مناسبت سے وہ فرنگی محل کہلاتا تھا۔ یہی وہ فرنگی محل ہے جو آگے چل کر پورب کا سب سے بڑا دارالعلوم بنا (حیات شبلی صفحہ نمبر: ۴۰)۔

انہی علمائے فرنگی محل میں ایک عظیم نام ابو الحسنات عبدالحی فرنگی محل کا ہے۔ جن کی پیدائش ۲۵/ذی قعدہ بروز منگل ۱۲۶۴ھ بمقام باندہ ہوئی۔ جہاں ان کے والد بزرگوار عبد الحلیم فرنگی محل نواب ذوالفقار بہادر نواب باندہ کے طلب پر گئے ہوئے تھے۔ زیادہ تر علم کی دولت اپنے والد ماجد سے وراثت میں پائی۔ دس برس کی عمر میں حافظ ہو کر سب سے پہلے جون پور کی جامع مسجد میں تراویح پڑھائی۔ سترہ برس کی عمر میں تعلیم سے فراغت حاصل کر لی اور درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع کر دیا۔

بچپن ہی سے بے پناہ حافظہ کے مالک تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ مجھے خوب یاد ہے کہ کس طرح میرے لئے بسم اللہ کی تقریب منعقد کی گئی تھی۔ میں نے حافظ قاسم علی لکھنوی کے پاس حفظ شروع کیا۔ جب میری عمر صرف پانچ سال کی تھی اور میں پارہ علم بھی ختم نہیں کر پایا تھا کہ میرے والد محترم نے والدہ سمیت جون پور کا سفر کیا۔ وہاں میں نے حافظ ابراہیم سے قرآن کا حفظ شروع کیا۔ اسی کے ساتھ والد محترم بھی میری تعلیم پر پوری توجہ دیتے رہے۔ یہاں تک کہ جب میری عمر دس سال کی ہوئی تو میں حافظ قرآن ہو گیا۔ اور جون پور کی جامع مسجد میں سب سے پہلی مرتبہ تراویح کی نماز پڑھائی۔

والد محترم جونپوری امام بخش مرحوم کے مدرسہ میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے، چنانچہ میں نے بھی انکے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ اور نصاب کی تقریباً تمام کتابیں انہیں سے پڑھیں۔ خود رقم طراز ہیں۔

ولم اقرأ شيئا على غيره إلا كتبا عديدة من العلوم الرياضية. قدم قرأتها بعد ما توفى الوالد المحترم على خالد واستاذه مولا! نعمة الله المرحوم

ابن نور الله المرحوم المتوفی فی بنارس فی المحرم الحرام سنة تسعین و مائتین و الف من الهجرة النبویة (الرفع والتکمیل فی علم الجرح والتعدیل:۲۱)۔

پڑھنے لکھنے کا شوق عنفوان شباب بلکہ بچپن ہی سے تھا۔ چنانچہ جو بھی کتاب پڑھتے اس کو دوسروں کو پڑھاتے جس سے ان کو تمام علوم پر مہارت تامہ حاصل ہوگئی۔

مولانا طارق رشید ندوی لکھتے ہیں آپ کو مطالعہ کتب کا بہت شوق تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دنیا میں سب سے زیادہ جو چیز آپ کو محبوب ہے وہ کتابوں کا مطالعہ ہے۔ مطالعہ اس قدر انہماک اور استغراق کے ساتھ کرتے تھے کہ سلف کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ مطالعہ کے دوران ذہن صرف اور صرف کتاب میں ہوتا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک محیر العقول واقعہ پیش آیا جو بعد میں بڑا مشہور ہوا۔ حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محل ایک روز کمرہ میں مطالعہ کر رہے تھے کہ دوران مطالعہ پانی طلب کیا۔ ان کے والد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب تشریف فرما تھے۔ ان کو فکر ہوئی کہ مطالعہ کے درمیان ذہن کسی اور طرف کیسے گیا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ پڑے گا۔ حکم دیا کہ بجائے پانی کے انڈی کا تیل جو وہاں رکھا تھا دے دیا جائے۔ مولانا عبدالحی صاحب نے گلاس منہ میں لگایا اور تیل پی گئے اور یہ احساس نہ ہوا کہ تیل ہے یا پانی، اس کے بعد پھر مطالعہ میں مشغول ہو گئے ان کے والد کی فکر دور ہوئی اور کہا ''امید ہے کہ پڑھ لے گا''۔ والد صاحب چونکہ بہت بڑے طبیب بھی تھے، اس لئے صاحب زادہ کو دوا پلا کر تیل کا اثر زائل کر دیا (مجموعہ فتاوی عبدالحی جلد ۱/ ۲۴-۲۵)۔

مولانا حفیظ اللہ رقم طراز ہیں: میں نے اپنی آنکھوں سے خود دیکھا ہے کہ جب آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا تو لوگ بڑی تعداد میں تعزیت کے لئے حاضر ہوئے لیکن لوگوں کو یہ دیکھ کر حد درجہ استعجاب ہوا کہ آپ تدفین کے بعد مطالعہ کتب میں مشغول ہیں (کنز البرکات صفحہ ۹)۔

یوں تو مولانا کا ذوق مطالعہ سارے علوم وفنون میں بڑھا ہوا تھا۔ لیکن حدیث اور علم حدیث کے مطالعہ سے گویا کہ آپ کی طبیعت کو آسودگی ہی نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ علامہ خود تحریر

فرماتے ہیں: أني رزقت التوجه إلى فن الحديث وفقه الحديث ولا أعتمد على مسألة مالم يوجد أصلها من حديث أو آية وماكان من خلاف الحديث الصحيح الصريح أتركه وأظن المجتهد فيه معذوراً بل مأجوراً. ولكني لست ممن يشوش العوام الذهن هم كالأنعام بل أتكلم بالناس على قدر عقولهم.

ومن منحه تعالىٰ أني رقت الاشتغال بالمنقول أكثر من الاشتغال بالمعقول وما أجد في تدريس المنقول والتصنيف فيه لاسيما في الحديث وفقه الحديث من لذة وسرور لا أجده في غيره (الرفع والتکمیل: ۲۸)۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں، علامہ عبدالحی فرنگی محلی نے ہندوستان میں تحقیق وتعلیق کتب کا ایک نیا اسلوب ایجاد کیا۔ جس میں دو باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اول: کتاب کے شروع میں مقدمہ لکھنا اور عام طور پر اس میں شارح اور ماتن کے سوانح تحریر کرتے اور اس موضوع پر اس وقت تک لکھی گئی کتابوں کا تعارف اس طرح اور چیزیں تحریر فرماتے۔

دوم: ہر کتاب کی تحقیق وتعلیق میں ایک سے زیادہ نسخہ پیش نظر رکھتے اور ان نسخوں میں بہت دقیق موازنہ کرتے۔ یہاں تک کہ ایک نسخہ تیار ہو جاتا جو صحیح اور محقق ہوتا۔ آپ اسی پر اکتفاء نہ فرماتے بلکہ کتاب کے شائع ہونے تک ہر مرحلہ کی ذاتی طور پر خود نگرانی فرماتے تاکہ کسی قسم کی کوئی غلطی چھپائی میں نہ رہ جائے (مقالات سلیمان حصہ دوم صفحہ ۵۴-۵۵)۔

سفر حج واجازت حدیث

آپ نے سب سے پہلا حج اپنے والد محترم حضرت مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی کے ساتھ ۱۲۷۹ھ میں جب کہ آپ کی عمر صرف پندرہ سال تھی اور آپ کے والد محترم مدرسہ نظامیہ حیدرآباد میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے کیا۔ اور مکہ اور مدینہ کے بڑے مشائخ سے اجازت حدیث لی۔ جن میں سرفہرست محدث فقیہ مفسر احمد بن زینی دحلان ہیں۔ اور مدرس مسجد نبوی مولانا محمد بن

محمد العرب الشافی ہیں۔ شیخ محدث عبدالغنی بن ابی سعید مجددی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

دوسرا حج آپ نے ۱۲۹۲ھ میں کیا

محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں: ۱۲۷۰ھ میں مختار الملک نواب تراب علی خان سالار جنگ کی اجازت سے حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے حرمین شریفین کے علماء کرام ان سے نہایت احترام سے پیش آئے۔ ان سے مولانا نے خوب استفادہ کیا۔ مکہ مکرمہ میں مفتی احناف شیخ محمد جمال مکی اور مفتی شافعیہ شیخ سید احمد دحلان تھے، ان سے حدیث کی سند حاصل کی۔ ان کے علاوہ شیخ علی حریری مدنی سے اجازت حدیث سے سرفراز ہوئے۔ مولانا عبدالغنی مجددی دہلوی اور مولانا عبدالرشید مجددی بھی مدینہ شریف میں فروکش تھے۔ ان سے بھی سند و اجازت حدیث کی سعادت حاصل کی (فقہاء پاک وہند ۲/۶۶ بسلسلہ تذکرہ مولانا عبدالحلیم لکھنوی)۔

دنیاوی جاہ و منصب سے اجتناب اور قدر کفاف پر قناعت

علامہ عبدالحی صاحب فرنگی محلی علم وفضل کی اس بلندی پر پہنچ گئے تھے کہ اگر آپ کی طرف سے ارباب حکومت اور امراء ریاست کو ادنی اشارہ بھی مل جاتا تو آپ بڑے سے بڑے منصب پر فائز ہوسکتے تھے لیکن آپ نے ہمیشہ اس سے اجتناب کیا اور قدر یسیر پر قناعت کو ترجیح دی یہی نہیں اگر کسی امیر کی طرف سے اس کی پیشکش بھی ہوئی تو آپ نے اسے پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ رقم طراز ہیں کہ یہ بات خاص لحاظ کے قابل ہے کہ یہ خاندان اگر دنیا کی طرف متوجہ ہوتا تو جاہ و منصب کی کمی نہ تھی۔ چنانچہ بعض بعض نے اتفاقاً ادھر کا رخ کیا تو بڑے بڑے عہدے حاصل کئے۔ مثلاً مولوی غلام مکی اور مولوی غلام محمد صدر الصدور تھے۔ تو ریہ سلسلہ نے حیدرآباد میں نہایت عظمت حاصل کی لیکن من حیث الاغلب اس خاندان نے علم وفن کو مقصد زندگی قرار دیا۔ فقر و فاقہ میں زندگی بسر کی اور اس میں عمریں گزار دیں (مقالات شبلی ۳/۱۲۲)۔

ایک جگہ خود فرماتے ہیں:

من منحة تعالى عليّ أنه ألقى محبة العلم في قلبي وأخرج ألفة أمور الرياسة مني. حتيبان الوالد العلام أدخله الله في دارالسلام لما توفي في حيدرآباد من مملكة دكن. وكان ناظما للعدالة. أحرمني جميع الأحباب إيثار عهدة القضاء، فتنفرت منها ظنا مني أن إيثاره مع مافيه من خطر الحساب يعوقني عن الاشتغال بالتدريس والتصنيف فقنعت باليسر وتركت الكثير. والله على مانقول شهيد (الرفع والتکمیل ۲۷-۲۸)۔

مرض ووفات

مولانا کو تین دفعہ ایسا مرض لاحق ہوا کہ ہر دفعہ انسان ان کے سلسلہ میں مایوس ہوجاتا تھا۔ پہلی مرتبہ ۱۲۹۲ھ میں جب آپ دوسرے سفر حج سے واپس تشریف لائے تو آپ سخت مرض میں مبتلا ہوئے۔ مرض اس قدر شدید تھا کہ زندگی سے مایوس ہوگئے۔ بالآخر شیعہ حکیم محمد باقر کے علاج سے افاقہ ہوا۔ اور بحمد اللہ صحت یاب ہوئے۔ دوسری دفعہ جب آپ اپنے بعض اعزاء کے شدید اصرار پر حیدرآباد تشریف لے گئے۔ حیدرآباد میں قیام کے ابھی چند دن نہیں گزرے کہ سوئے ہضم اور اسہال کا شکار ہوگئے۔ اس دفعہ مرض اس قدر شدید تھا کہ لوگوں کو گمان ہونے لگا کہ شاید مولانا کی قسمت میں حیدرآباد کی خاک لکھی ہوئی ہے۔ لیکن پھر افاقہ ہوا اور دوبارہ مولانا روبصحت ہوگئے۔ تیسری دفعہ ۱۳۰۳ھ کے وسط میں بیمار ہوئے لیکن اس دفعہ تمام کوششوں کے باوجود مرض سے افاقہ نہیں ہوا اور بالآخر ۲۹ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ کو اس دار فانی سے دار ابدی کی طرف منتقل ہوگئے۔ انا للہ وانا إلیه راجعون۔ اور اپنے آبائی قبرستان باغ مولوی انوار میں سپرد خاک ہوئے۔

مولانا کا انتقال ایسے وقت میں اور ایسی عمر میں ہوا جب ساری دنیا آپ کے چشمۂ علم صافی سے سیراب ہورہی تھی۔ اور آپ کے تدریسی اور تصنیفی کمالات سے ایک عالم سرشار ہورہا

تھا۔کاش کہ آپ کوبھی قدرت کی طرف سے وہی عمر ملتی جو بحرالعلوم علامہ عبدالعلی فرنگی کوملی تو یقیناً علم وعمل، علوم معقول ومنقول، فقہ ومنطق میں ابن الہمام اور عینی تو کیا صدر الشریعۃ اور تاج الشریعۃ سے بھی بازی لے جاتے مگرقدرت کو یہ منظور نہ تھا، اور ۳۹؍سال ۴ مہینے کی مختصر مدت میں اس دنیائے فانی سے دیارابدی کی طرف رخصت ہوگئے۔

مولانا عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی ''تذکرۂ علمائے فرنگی محل''میں رقم طراز ہیں: اگر مولانا کووہی عمراورسن خوش قسمتی سے مل جاتا جوبحرالعلوم کومل گیا تویقیناً یہ شہسوارمیدان علم وعمل، یہ جامع علوم معقول ومنقول، یہ فقیہ ومنطقی ومحدث وواعظ اپنے اکابرتو کیا سچ تو یہ ہے کہ ابن الہمام اورعینی ایک طرف صدرالشریعۃ اورتاج الشریعۃ سے بازی لے جاتا مگرقدرت کو یہ منظور نہ تھا اور افسوس صدافسوس کہ یہ شمس سمائے تحقیق، یہ بدرفلک تدقیق صرف ۳۹سال افق عالم پرضیائے بخش عالم رہااورغروب ہوگیا۔مگرغروب کے بعدبھی جوشفق اپنی یادگار کےطورپرچھوڑگیا ہے جب تک علوم اسلامیہ کادربارمسلمانوں میں گرم ہے وہ ہمیشہ روشنائی بخش عالم رہے گا(صفحہ ۱۳۱)۔

علامہ عبدالحی حسنی رقم طراز ہیں:

كانت وفاته ليلة بقيت من ربيع الأول سنة أربع وثلث مائة وألف من الهجرة. وله من العمر تسع وثلاثون سنة ودفن بمقبرة أسلافه وكنت حاضراً في ذلك المشهد وكان ذلك اليوم من أنحس الأيام اجتمع الناس في المدفن من كل طائفة وفرقة أكثر من أن يحصر وقد صلوا عليه ثلاث مرات

(نزہۃ الخواطر المجلد الثامن صفحہ ۲۵۵-۲۵۶)۔

علامہ کےعزیزترین شاگردعبدالعلی مدراسی نے ان کے انتقال پرمرثیہ کہا اس کے چند اشعارعلامہ کےمزارپرمنقش ہیں جودرج ذیل ہیں۔

مات عبد الحی لكن لم يمت فيضانه

إنما مات المسمى واسمه لايموت

إنه أحي علوم الدين في الدنيا لنا
إن في العقبى له جنات عدن لاتفوت
لم يزل في طول عمر خادماً فن الحديث
بل له يوماً وليلا في كتاب الله قوت

علامہ لکھنوی کے انتقال پر ان کے معاصر مشاہیر کے تأثرات

مولانا کے سب سے بڑے حریف جن سے مولانا کی برسہابرس نوک جھوک رہی اور ایک طویل عرصہ تک علمی مسئلہ میں بحث وتکرار ہوتی رہی ہماری مراد نواب صدیق حسن خان صاحب سے ہے۔ جب ان کو علامہ لکھنوی کے انتقال کی خبر پہنچی تو شدت غم سے دونوں ہاتھ سر پر رکھ لئے اور سر جھکا کر دیر تک بیٹھے رہے جب سر اٹھایا تو دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور دیر تک علامہ مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہے اور فرمایا "آج علم کا آفتاب غروب ہوگیا"۔

صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں: کہ جب نواب صدیق حسن خان صاحب کو علامہ لکھنوی کی وفات کی خبر پہنچی تو آپ کو شدید افسوس ہوا آپ نے اس رات کھانا نہیں کھایا اور نماز غائب ادا کی، یہ اس وجہ سے ہے کہ نواب صاحب کو مولانا عبدالحی مرحوم کے علم وفضل کی قدر واعتراف تھا (۸/ ۱۹۳)۔

علامہ یوسف بنوری لکھتے ہیں: وہ علمائے ربانیین جو علوم روایۃ ودرایۃ، معقول اور منقول کے جامع تھے اور ساتھ ہی تقوی وپرہیزگاری، انابت اور اخلاق فاضلہ سے متصف تھے ان میں حضرت مولانا ابو الحسنات محمد عبدالحی لکھنوی تھے (مقدمۃ العنایۃ)۔

علامہ عبدالحی الکتانی لکھتے ہیں: مولانا عبدالحی ہندوستان میں علماء کے خاتم اور ہندوستان میں سب سے زیادہ لکھنے والے تھے۔ تحریر میں وسعت علم کے ساتھ ساتھ انصاف اور میانہ روی رکھتے تھے۔ لیکن تھکتے نہ تھے نہایت ذہین اور زبردست فہم کے مالک تھے، میں دعا کو

ہوں کہ اللہ مجھ کو ان کا صحیح جانشین بنائے (ظہر بن ۱۸ھارس ۲/ ۲۹ ۷- ۰ ۳۰ ۷)۔

حضرات! یہ چند سطور تھے جو میں نے علامہ لکھنوی کے سوانح کے متعلق تحریر کئے۔ اب آیئے ایک نظر علمی میدان میں خصوصاً علم حدیث میں ان کی خدمات اور ان کے مقام و مرتبہ سے متعلق بحث کریں۔

حضرات! ہم سب جانتے ہیں علامہ لکھنوی ہندوستان کی وہ واحد شخصیت ہیں جنہوں نے علوم عقلیہ ونقلیہ ہر میدان میں گھوڑے دوڑائے اور سب میں بام مراد کو پہنچے۔ نحو ہو یا صرف، منطق ہو یا فلسفہ، علم کلام ہو یا بلاغت، فقہ ہو یا حدیث، علم اصول ہو یا فن رجال، ہر میدان میں انہوں نے انمٹ نقوش چھوڑے۔ علم حدیث میں تو گویا کہ وہ اپنے زمانہ میں اپنی مثال آپ تھے، اس پر ان کی کتابیں شاہد بین ہیں کہ کس طرح انہوں نے اتنی قلیل مدت میں اس قدر محقق علمی سرمایہ اس پیاسی دنیا کو فراہم کئے۔

سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں: فرنگی محل میں علم حدیث کی معراج کمال مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ کے عہد میں ہوئی۔ مولانا مرحوم نے تو عمر کم پائی، مگر اسی مختصر زمانے میں مرحوم کے درس و تدریس، تالیف و تصنیف، تحقیق و تدقیق کے آوازہ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیائے اسلام گونج اٹھی۔ اطراف و دیار سے علم کے طالب آپ کے آستانہ پر جمع ہوتے۔ معقول ومنقول کا یہ مجمع البحرین زندگی کے آخری لمحہ تک موجیں مارتا رہا۔ دوسرے علوم وفنون کے ساتھ تمام کتب حدیث بکمال تحقیق آپ کی درس گاہ میں ہوتا تھا (مقالات سلیمان ۲/ ۵۴- ۵۵ بعنوان ہندوستان میں علم حدیث)۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدۃ مرحوم ان کی طرز تحریر اور تحریری خصوصیات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **قد تحقق عندی و استقی فی نفسی من تتبعی لکتب الامام محمد عبد الحی الکھنوی رحمہ اللہ ومؤلفاتہ ورسائل صغیرۃ فی صفحات أو کتبا کبیرۃ فی مجلدات أن تصانیفہ دائما علی اختلاف مواضعھا تتمیز بمزایا لاتجتمع**

عند غیره۔

فمفیها التمییز بالضبط القام الدقیق للألفاظ المقتضیة ذلک والشرح الوافی للمعانی وتبیین الأحکام الفقیة إن کان الموضوع فقها بما یکفی ویشفی۔

وفیها تراجم العلماء الذین یأتی ذکرهم فی سیاق البحث عندهم لزیادة التعریف بهم بإیجاز فی محله وباستیعاب فی محله۔

وفیها الحدیث عن رجال الإسناد أو بیان حاله إذا کان المقام یقتضی ذلک۔ وفیها تنوع معارفه المتوازن المتین فی التفسیر والحدیث وعلومهما والفقه والأصول والفتاوی والکلام والتاریخ والسیر والتراجم والأنساب واللغة والنحو والصرف والمنطق والمناظرة والحکمة وقل أن یجتمع هذا کله فی العلماء۔ وفیها التمکن التاح من الولوج فی کل علم أو فن یؤلف فیهٔ بل فیه التفوق والمهارة البارزة بل إتقان الظاهرة فی کل مایکتبه۔ وفیها من التواضع البالغ عند عرض المسائل والآراء۔ فلا انتفاخ والاصراخ ولا استکبار ولا استعلاء ولا تکلف ولا مغالاة۔

وفیها الصبر والجلد القوی علی مناقشة مایحتاج إلی المناقشة بترو وأناة لیتمیز الصواب من الخطإ فی الموضوع۔

وفیها کثرة المصادر المعروفة وغیر المعروفة یسردها بلا کلل وملل وکأنها کلها کالخاتم فی یده أو المسطور أمام عینیه (التعلیق الممجد المجلد الاول ۴۳ مع تحقیق تقی الدین الندوی)۔

حضرات! یہ چند معروضات تھیں جو ان کے طرز تحریر اور طرز تحقیق پر مشتمل تھیں۔ اب آیئے ایک نظر ان کتابوں پر ڈالیں جو انہوں نے حدیث اور علم حدیث پر تصنیف کیں۔ جس سے

علم حدیث میں ان کے مقام ومرتبہ کا تعین ہو سکے۔

حضرات! یوں تو مولانا کی تصنیفات ایک سو پندرہ پر مشتمل ہیں جن میں ۸۶ کتابیں صرف عربی زبان میں ہیں اور بقیہ اردو یا فارسی میں۔فن حدیث میں ان کی آٹھ کتابیں ہیں۔جن میں چار کتابیں ایسی ہیں جن کی نظیر پیش کرنے سے تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری قاصر ہے۔ان میں سے ہر ایک پر تفصیلی بحث آپ کے پیش خدمت ہے جن سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علم حدیث میں ان کا کیا مقام ومرتبہ تھا۔

۱-الآثار المرفوعۃ فی الأخبار الموضوعۃ

کتاب کے عنوان ہی سے یہ بات مترشح ہوجاتی ہے کہ علامہ موصوف احادیث موضوعہ پر ایک رسالہ لکھنا چاہتے تھے تا کہ احادیث صحیحہ کو موضوعہ سے الگ کیا جاسکے لیکن بعض دیگر کتابوں کی تصنیف میں مشغولیت کے پیش نظر اس کی طرف توجہ نہ کر سکے۔اس کے ایک عرصہ کے بعد ۱۳۰۳ھ میں یوم عاشورہ کے موقع پر بعض دوستوں سے عاشورہ کے دن نماز پڑھنا ثابت ہے کہ نہیں اور اگر ثابت ہے تو کتنی رکعتیں ہیں اور اس پر کیا اجر ہے بڑا لطیف مکالمہ پیش آیا،انہوں نے عرض کیا کہ یوم عاشورہ ہی کیا سال کے کسی دن بھی کوئی خاص نماز صحیح روایتوں میں منقول نہیں ہے اور جو کچھ کتابوں میں منقول ہے وہ سب موضوع ہے،اس پر ہمارے بعض دوست بڑے چیں بہ جبیں ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت نہیں جب کہ یہ روایتیں بڑے بزرگوں کی کتابوں میں موجود ہیں مثلاً امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب احیاء علوم الدین۔عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب غنیۃ الطالبین اور ابو طالب مکی کی کتاب قوۃ القلوب میں موجود ہیں۔میں نے ان سے عرض کیا مجھے اس سے انکار نہیں کہ یہ بڑے بزرگ حضرات ہیں۔ان سے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ کسی مسلمان پر جھوٹ گڑھیں چہ جائیکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹی باتیں گڑھیں گے۔اور جن لوگوں نے بھی ان کی طرف اس طرح کی روایتیں منسوب کی ہیں وہ بڑے بدترین لوگ ہیں اور یقیناً اس میں جاہل صوفیوں اور ملحدوں کا ہاتھ ہے۔

نیز انہوں نے اس میں موضوع روایتوں کو سات قسموں میں اور اسباب وضع کو آٹھ قسموں میں منقسم کیا اور ان سب کا تفصیلی جائزہ لیا۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ مطبعہ علوی لکھنو سے ۱۳۰۴ھ میں شائع ہوئی دوسری مرتبہ گجران والہ پاکستان سے شائع ہوئی۔ تیسری دفعہ شیخ بسیونی زغلول کی تحقیق کے ساتھ ۱۴۰۴ھ میں دار الکتب العلمیۃ بیروت سے شائع ہوئی۔

الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة۔

علامہ لکھنوی جب حیدرآباد میں قیام پذیر تھے تو لاہور کے ایک صاحب علم نے علم حدیث اور اس کے رموز ونکات سے متعلق چند سوالات کئے۔ علامہ لکھنوی نے ان سب کے بڑے وقیع جوابات دیئے چنانچہ یہ کتاب حدیث کے درج ذیل مضامین پر مشتمل ہے۔

۱- اسناد اور دین میں اس کی اہمیت

۲- فضائل اعمال میں حدیث پر عمل

۳- کتب سنن اور دوسری مشہور کتابوں میں وارد احادیث کا درجہ

۴- تعارض احادیث میں علماء کا موقف

۵- جمع اور نسخ میں کس کو مقدم کیا جائے گا

۶- کیا جمع کو ترجیح پر مقدم کیا جائے گا یا ترجیح کو جمع پر مقدم کیا جائے گا؟

۷- ترجیح کی وجوہات کیا ہیں؟

۸- اگر راوی ظاہر روایت پر عمل نہ کرے تو ایسے راوی کی روایت کے سلسلہ میں علماء کا کیا موقف ہے؟

۹- اگر صحابی کا قول یا فعل حدیث صحیح کے خلاف ہے تو کیا ایسی صورت میں حدیث کے قبول کرنے میں توقف سے کام لیا جائے گا؟

علامہ مرحوم نے علم حدیث کے ایسے مضامین اس کتاب میں جمع کر دیئے ہیں جس کی

طرف اب تک کسی کی توجہ نہیں گئی۔شام کے مشہور محقق علامہ عبد الفتاح ابوغدہ رقم طراز ہیں:

تضمن هذا الكتاب أبحاثا جامعة محررة لم ينهض للكتابة فيها على استكمال وإتقان غير الإمام اللكهنوي رحمه الله فيما علمت.

وقال أيضاً: يعد هذا الكتاب في طليعة تآليفه النادرة المثال إذ سد فراغا في علوم الحديث لم يملأه أحد قبله (مقدمۃ الشیخ عبد الفتاح علی الاجوبۃ الفاضلۃ)۔

یہ کتاب سب سے پہلی مرتبہ مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۲۹۹ھ میں چھپی۔ پھر مطبع شوکت اسلام سے ۱۳۱۰ھ میں چھپی۔ پھر مکتب المطبوعۃ الاسلامیہ حلب سے شیخ عبد الفتاح کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ چھپی ان کی تحقیقات وتعلیقات نے کتاب کی شان میں اور اضافہ کردیا۔

التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد

اس کتاب کے لکھنے کی وجہ یہ بنی کہ علامہ لکھنوی نے ۱۲۸۸ھ میں ایک خواب دیکھا کہ وہ مسجد نبوی میں ہیں اور امام مالک تشریف فرما ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور مصافحہ کیا میں نے عرض کیا کہ مجھے آپ کی کتاب موطا کے بارے میں کچھ شکوک وشبہات ہیں۔ میں آپ کے سامنے پڑھ کر وہ شکوک دل سے نکالنا چاہتا ہوں۔امام مالک بہت خوش ہوئے اور فرمایالاؤ پڑھو۔ جب میں اپنے گھر کتاب لینے گیا اتنے میں آنکھ کھل گئی۔ میں اس اچھے خواب پر بہت مسرور ہوا اور اس کو فال نیک سمجھ کر دل میں ایک داعیہ پیدا ہوا کہ حدیث کی کسی کتاب کی شرح لکھوں تاکہ اس کے ذریعہ اپنے محبوب دوجہاں،حبیب کبریاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کروں۔ کیونکہ ان کی خوشنودی گویا کہ رب العالمین کی خوشنودی ہے۔چنانچہ اللہ کا نام لے کر میں نے یہ کام شروع کردیا، ہوسکتا ہے کہ اللہ مجھے بھی اس کی برکت سے نیک بنادے اور محدثین کے زمرے میں انبیاء وصدیقین کے ساتھ قیامت کے دن جمع فرمائے۔موطا امام محمد پر یہ ایک عمدہ تعلیق ہے۔اسمیں علامہ نے مذاہب کے اختلافات اور اس کے دلائل کو واضح طور سے بیان کیا۔ اور جو صحیح مسلک تھا اس کو اختیار کیا اور اس پر واضح اور مضبوط دلائل قائم کئے اور اگر ان

دلائل کی روایتوں کے راویوں کے بارے میں کوئی جرح وتعدیل کے اعتبار سے کوئی کلام تھا تو اس کو بھی بغیر مسلکی تعصب اور جاہلی عصبیت کے بے لاگ واضح کیا۔ اسی طرح ان راویوں کے تضعیف وتوثیق سے متعلق اگر راویوں کے احوال اور سوانح لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کو بھی تحریر فرمادیا۔ اسی طرح علامہ نے اس کے اندر ملا علی قاری سے شرح المقصود میں جو لغزشیں یا ہفوات ہوئیں اس کو اجاگر کیا۔ تاکہ اس علم سے ناواقف لوگ بدگمانی اور غلطی میں مبتلا نہ ہوں لیکن اس کا قطعاً قطعاً یہ مطلب نہیں کہ اس کے ذریعہ ملا علی قاری کی شان میں کوئی گستاخی یا ان کے نسیان کو واضح کریں۔ اس لئے کہ وہ خود اس بات کے معترف ہیں کہ ان کے خرمنِ علم کا میں ادنی خوشہ چیں ہوں۔ التعلیق المجد کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں: **أني نبهت علي السهو والزلات التي صدرت من علي القاري في "شرحه شرح المقصود" أو تنقيد الرواة خوفاً من أن ينظر أحد ممن ليس له حظ في هذه الفنون فيقع في الخطإ وسيئ الظنون۔ لا تحقيراً لشأنه وكشفا لنسيمانه فإني من بحار علمه مغترف وبفضله معترف** (ص:۱۱)۔

مولانا عبدالباقی فرنگی محلی "**حسرة الفحول بوفات نائب الرسول**" میں اس کتاب کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: **والتعليق الممجد علي مؤطا الإمام محمد هو تعليق نفيس بين فيه اختلاف المذاهب وأدلتها فاختار الحق ورصص فيه المسائل والدلائل مع النقص والإبرام والجرح والإحكام ولعمري لم يصنف أحد من المحدثين مثل هذا في الحديث لا في الزمن القديم ولا في الحديث ففي كل لفظ منه روض من المني وفي كل سطر منه عقد من الملور** (۴۱)۔

یہ کتاب سب سے پہلے فارسی رسم الخط میں ۱۲۹۷ھ میں مطبع مصطفائی لکھنو سے چھپی۔ دوسری دفعہ اسی مکتبہ سے ۱۳۰۶ھ میں چھپی۔ تیسری بار ۱۳۴۶ھ مطبع یوسفی سے چھپی اور آخری بار ۱۴۱۲ھ میں ڈاکٹر تقی الدین الندوی کی تحقیق سے دارالقلم دمشق سے چھپی۔

الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل

اس کتاب کے لکھنے کی وجہ علامہ موصوف نے یہ بیان کیا ہے کہ ہمارے زمانے میں بہت سے لوگ جن کو جرح وتعدیل کے فن سے تھوڑی بھی واقفیت نہیں وہ بھی اس میدان میں عقلی گھوڑے دوڑانے لگے۔ جس کے نتیجہ میں بہت سی روایتیں جو ضعیف نہیں تھیں اس کو ضعیف قرار دے دیا اور جو صحیح نہیں تھیں اس کو صحیح قرار دے دیا۔ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ جرح مبہم کیا ہوتا ہے اور جرح غیر مبہم کیا ہوتا ہے۔ نیز حاملین شریعت کی نظر میں کون سی روایت مقبول ہوتی ہے اور کون سی غیر مقبول ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جرح وتعدیل کے معاملہ میں مدہوش ہوں اور بے پر کی باتیں کر رہے ہیں۔ انہی وجوہات کی پیش نظر مجھے یہ کتاب لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ میں نے یہ کتاب لکھ کر فن جرح وتعدیل کی بہت ہی باریک گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ ائمہ جرح وتعدیل کی کتابوں میں غوطہ زنی کر کے اس فن سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بہت قیمتی موتیاں پیش کی ہیں۔ جو یقیناً جرح وتعدیل کے چشمۂ صافی تک پہونچنے میں بہت مفید ثابت ہوگی۔

ولی الدین ندوی لکھتے ہیں: عرف من هذا أن الإمام اللكهنوي ألف هذا الكتاب حين رأى كثيراً من علماء عصره يتكلمون في الجرح والتعديل مع جهلهم بكثير من مصطلحات أئمة هذا الشان وعدم تعمقهم في بحث التعديل والجرح۔ ولهذا فإنهم يصححون بعضاً من الأسانيد الضعيفة ويضعفون أخرى من الأسانيد الصحيحة. فألف الإمام هذا الكتاب ليكون أساسا لهم ومرشداً إلى سواء الطريق (الامام عبدالحی اللکھنوی-امام المتاخرین فخر المحدثین:۱۸۵)۔

نیز رقم طراز ہیں: يعد هذا الكتاب من أهم المراجع الجامعة في علم الجرح والتعديل وهو من درر الإمام اللكهنوي جمع فيه ما تناثر من مباحث الجرح والتعديل في بطون كتب أصول الحديث وكتب الرجال وغيرها۔

ولاتجاوز الحقيقة إذا قلنا إن الإمام اللكهنوي له السبق في جمع وتحرير هذه المباحث الذي ورد في الكتاب فلم أقف على كتاب على مثل شاكلته من الكتب التي سبقته (۱۸۷)۔

یہ کتاب ایک مقدمہ اور چند مراصد پر مشتمل ہے۔مقدمے میں تین ایفاضات ہیں۔ اس کے اندران باتوں پر توجہ دی گئی ہے جوغیبت کے زمرے میں نہیں آتی ہیں۔پھر انہوں نے جرح کی مشروعیت، جرح کی علت بیان کرنے کے ساتھ شروع کیا اور اس کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔نیز یہ بھی بتایا ہے کہ جرح ایک ناگزیر شرعی ضرورت ہے۔اسی کے ساتھ انہوں نے جارح اور معدل کے لئے کیا شرطیں اور آداب ہیں جن کا جارح اور معدل میں ہونا ضروری ہے ذکر کیا۔

مراصد کو چار قسموں میں بانٹ دیا۔ پہلے مرصد میں انہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ کس معاملہ میں جرح وتعدیل قبول کیا جائے گا اور کس معاملہ میں نہیں پھر انہوں نے مفسر اور مبہم کی تفصیل ذکر کی ہے اور جرح قبول کرنے کے بارے میں بہت سے اقوال ذکر کئے ہیں اور اس پر لمبی بحث کی ہے۔

دوسرے مرصد میں جرح وتعدیل مقدم کرنے اور ان میں تعارض کی صورت ذکر کی ہے۔

تیسرے مرصد میں جرح وتعدیل کے الفاظ ذکر کئے ہیں: نقاد ومحدثین کے یہاں اس کے کیا درجات ہیں، پھر کتب رجال اصطلاحات حدیث سے متعلق جو اہم فوائد تھے اس کو ذکر کیا۔ اور اس کو اکیس ایقاض پر منقسم کر دیا اس طرح یہ کتاب حدیث کے ایسے اہم فوائد پر مشتمل ہے۔ جس سے کسی بھی علم حدیث کے لئے بے نیازی ممکن نہیں۔ یہ کتاب علم جرح وتعدیل میں سب سے اہم کتاب مانی جاتی ہے اور سچی بات یہ ہے کہ علامہ لکھنوی سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے ان مباحث کو اس نہج پر سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔اس سے پہلے اس انداز میں اب تک کسی نے کام نہیں کیا۔شیخ عبدالفتاح ابوغدہ تحریر فرماتے ہیں: هو أول كتاب ألف في موضوعه ولم يسبق إليه على تمادى العصور ووفرة الحفاظ النقاد المؤلفين في علوم

الحدیث (مقدمۃ الشیخ عبدالفتاح أبی غدۃ علی ساحۃ الفکر فی الجہر بالذکر:۵)۔

سب سے پہلے یہ کتاب مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے ۱۳۰۱ھ میں چھپی۔ دوسری دفعہ مطبع علوی لکھنؤ سے ۱۳۰۹ھ میں چھپی۔ پھر شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی تحقیق سے ۱۳۸۳ھ میں چھپی۔ پھر اس کے بعد مسلسل چھپ رہی ہے۔

ظفر الأمانی فی مختصر الجرجانی

یہ نام امام لکھنوی نے اس کتاب کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے لیکن عمدۃ الرعایۃ میں اس کا نام ظفر الأمانی بشرح المختصر المنسوب إلی الجرجانی لکھا ہے: یہی نام علامہ عبدالحی حسنی اور علامہ لکھنوی کے شاگرد مولانا عبدالباقی لکھنوی نے حسرۃ الفحول بوفاۃ نائب الرسول میں ذکر کیا ہے۔ علامہ لکھنوی نے اس کتابکو دووجہوں سے لکھا۔ ایک تو یہ کہ امام جرجانی کی کتاب المختصر کو اللہ تعالیٰ نے جومقبولیت اور شہرت عطا کی اس کا تقاضا یہ تھا کہ جہاں طلبہ کواس کے حل وشرح میں دشواری ہواس کی توضیح کی جائے۔

دوسری وجہ یہ ہوئی کہ جب انہوں نے ابن حجر کی نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر کو پڑھا تو ان کومحسوس ہوا کہ یہ کتاب بہت مختصر ہے اور جوچیزیں اس میں تفصیل طلب ہیں اس کی بھی تفصیل اس میں بیان نہیں کی گئی۔ اسی طرح جو باتیں تحقیق طلب تھیں اس کی بھی تحقیق نہیں کی گئی ان دونوں باتوں کے پیش نظر مجھے اس کی شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کی ایسی شرح کی جائے جو ان مطالب کو پورا کرے۔

ولی الدین ندوی لکھتے ہیں: **واتضح لنا مما سبق أنه ألف هذا الكتاب لسببين رئيسين – الأول أن مختصر الجرجاني في حاجة ماسة إلى حل جليه و خفيه۔**

والثاني: أن كتاب نزهة النظر لابن حجر العسقلاني يعتبر من أهم و أشهر الكتب التي ألفت في علم أصول الحديث وتداولته أيدي العلماء قديما وحديثا۔ بالرغم من شهرته لايروي الغليل لسبب اختصاره فأراد أن يشرح متن

الجرجانی لیکون حاویا علی التحقیقات النفیسة وجامعاً لفوائد علم أصول الحدیث من دون تطویل ممل والاختصار مخل لیعم النفع به۔

یہ کتاب سب سے صاحب کتاب کی وفات کے بعد ۱۳۰۴ھ میں مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے چھپی۔ اس کے بعد ۱۴۱۴ھ میں ڈاکٹر تقی الدین ندوی کی تحقیق سے دار القلم دبئ سے چھپی۔

شرح الحصن الحصین

علامہ لکھنوی نے خلاف معمول اس کتاب کی وجہ تصنیف ذکر نہیں کی۔ جیسا کہ ان کا معمول رہا ہے البتہ خاتمہ میں انہوں نے ابن الاثیر الجزری کی مختصر سوانح اور ان تمام شروحات اور مصادر کا تعارف کرایا ہے جس پر امام نے اس کی تشریح کے وقت اعتماد کیا۔ یہ کتاب بڑی تقطیع میں ۲۵۲ صفحہ پر مشتمل ہے۔

امام لکھنوی نے اس کی شرح لکھتے وقت درج ذیل باتوں کا اہتمام کیا۔

۱- الفاظ کی تشریح اور لغوی و شرعی اعتبار سے اس کے معانی کی توضیح

۲- کتاب کے تمام نسخوں کو جمع کرنا اور ان کے مابین موازنہ کرنا

۳- حسب ضرورت روایات کو اس کے اصل مصادر کی طرف نسبت

۴- الفاظ حدیث سے متعلق بعض اشکالات کا ازالہ

۵- اس کتاب کی جن لوگوں نے اس سے پہلے شرح لکھی ان کے اقوال کو نقل کرنا۔

خصوصاً ملا علی قاری کی شرح پر انہوں نے زیادہ اعتماد کیا اور بکثرت ان کے اقوال نقل کئے اور جہاں جہاں نقل کیا اس کی وضاحت کی ہے جو علامہ لکھنوی کے کمال درجہ ایمانداری کا ثبوت ہے۔ اس اعتبار سے امام لکھنوی کی شرح اضافہ تحقیق کے لحاظ سے سابقہ دوسری تمام شروحات میں امتیازی شان رکھتی ہے۔

یہ کتاب سب سے پہلی دفعہ مطبع نجم العلوم لکھنو سے ۱۲۸۷ھ میں چھپی پھر اسی مکتبہ سے ۱۳۰۶ھ میں چھپی۔

زجر الناس علی انکار اثر دین عباسؓ

یہ کتاب بڑی تقطیع میں ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خاصیت یہ ہے کہ امام لکھنوی نے اس کو ۱۲۹۲ھ میں مکہ معظمہ کے اندر مکمل کیا۔ اس کے اندر علامہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول الله الذی خلق سبع سموات و من الأرض مثلهن سے ابن عباسؓ کی روایت پر بڑی مفید اور محقق چیز دنیا کے سامنے پیش کی ہے۔

یہ کتاب سب سے پہلے مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۳۰۳ھ میں چھپی۔ دوبارہ مطبع یوسفی لکھنؤ سے ۱۳۲۷ھ میں چھپی۔

یہ وہ کتابیں ہیں جو خاص علم حدیث پر مبنی ہیں اس کے علاوہ ایک اہم کتاب السعایة فی کشف مافی شرح الوقایة ہے جو اگر چہ فقہ کے موضوع پر ہے۔ لیکن جس طرح انہوں نے تمام فقہی مسئلوں کو مستند روایات سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس سے اندازہ لگانا کچھ بھی مشکل نہیں کہ اس شخص کو حدیث کے تمام موضوعات پر کس درجہ عبور اور کمال حاصل تھا۔

محدث کبیر نذیر حسین دہلوی فرماتے ہیں: أنت فريد دهره ووحيد عصره ما جاء أحد بما جئت به في هذه المأة۔ فبارك الله في حياتك و بركاتك (کنز البرکات فی سیرۃ أبی الحسنات ۶)۔

شیخ زاہد الکوثری فرماتے ہیں: الشيخ عبد الحي اللكهنوي أعلم أهل عصره بأحاديث الأحكام (مقدمۃ الکوثری علی نصب الرایۃ للزیلعی ۴۹)۔

عمر رضا کحالہ فرماتے ہیں: ابو الحسنات عبد الحي محدث مؤرخ (معجم المؤلفین ۱۱/ ۳۸)۔

خیر الدین زرکلی کہتے ہیں: عالم بالحديث والتراجم من فقهاء الحنفية (الأعلام ۷/ ۵۹)۔

ان نابغۂ روزگار ہستیوں کے مذکورہ بالا اقوال اور فن حدیث مشتمل ان کی کتابوں سے

بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علامہ لکھنو حدیث میں کس مقام بلند پر پہنچے ہوئے اور اس موضوع پر کس قدر آپ کی خدمات ہیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

المصادر و المراجع :

۱- مقالات شبلی- جلد سوم ۹۸، علامہ شبلی نعمانی - دار المصنفین، اعظم گڑھ

۲- قدیم لکھنوی کی آخری بہار - مرزا جعفر حسین صاحب - قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی

۳- حیات شبلی ۲۰ - علامہ سید سلیمان ندوی - دار المصنفین، اعظم گڑھ

۴- الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل ۲۱ - علامہ عبد الحی فرنگی محلی

۵- مجموعہ فتاوی عبد الحی ۱/ ۲۴-۲۵ - اسلامک فقہ اکیڈمی فرنگی محل

۶- کنز البرکات ص: ۹ - مولانا محمد حفیظ اللہ بندولی اعظمی

۷- مقالات سلیمانی ج: ۲/ ۵۴-۵۵ - دار المصنفین، اعظم گڑھ

۸- فقہائے پاک و ہند ۲/ ۶۶ - اسحاق بھٹی - بسلسلہ تذکرہ مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی

۹- تذکرہ علمائے فرنگی محل ص: ۱۳۱ - عنایت اللہ فرنگی محلی

۱۰- نزہۃ الخواطر ۸/ ۲۵۵-۲۵۶ - السید عبد الحی الحسنی - مکتبہ دار عرفات، رائے بریلی

۱۱- مقدمۃ السعایہ ۱/۱-۲ - علامہ عبد الحی فرنگی محلی - مکتبہ شیخ الہند، دیوبند

۱۲- فہرس الفہارس ۲/ ۷۲۹-۷۳۰ - الکتانی - دار الغرب الاسلامی

۱۳- التعلیق الممجد ۱/ ۳۴ - عبد الحی فرنگی محلی - مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب مع تحقیق تقی الدین ندوی

۱۴- مقدمہ الشیخ عبد الفتاح علی الأجوبۃ الفاضلۃ للأسئلۃ العشرۃ الکاملۃ

۱۵- حسرۃ الرسول بوفاۃ نائب الرسول ۱۴- مولانا عبد الباقی - مطبع یوسفی، لکھنؤ

۱۶- الامام عبد الحی اللکھنوی امام المتاخرین فخر المحدثین ص: ۱۸۵ - الدکتور ولی الدین الندوی - دار القلم، دمشق

۱۷- مقدمۃ الشیخ عبد الفتاح - ابوغدۃ علی سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر ص: ۵

۱۸- مقدمۃ الشیخ زاہد الکوثری علی نصب الرایۃ للزیلعی ص: ۴۹ - دار المأمون

۱۹- معجم المؤلفین ۱۱/ ۸ ۳- عمر رضا کحالہ - بیروت

۲۰- لأعلام ۷/ ۵۹ - خیر الدین الزرکلی - بیروت

☆☆☆

علامہ عبدالحیؒ لکھنوی اور ان کی فقہی خدمات

مولانا محمد ظفر عالم ندوی ☆

تمہید

حضرات! اسلامی تاریخ میں جن عبقری شخصیات نے اپنی خدمات اور محیر العقول واقعات کے غیر معمولی نقوش چھوڑے ہیں ان میں ایک شخصیت علامہ عبدالحی لکھنوی کی ہے ان کی خداداد ذہانت، غیر معمولی محنت، شوق مطالعہ، ذوق تحقیق وسعت نظر، معتدل مزاج وفکر، اجتہادی شان اور فقہی ذوق ومذاق نے کم وقت میں علم وتحقیق کے وہ حیرت انگیز کارنامے پیش کیے ہیں جن کا جائزہ اور تذکرہ ایک مختصر سے مقالہ میں محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس لیے راقم میدان علوم وفنون کے اس شہسوار کی صرف فقہی خدمات کا مختصر جائزہ پیش کرے گا۔ لیکن اس سے قبل ان کی حیات کی ایک جھلک سامنے پیش کرنا ضروری سمجھتا ہے تاکہ کارناموں کے ساتھ شخصیت کا بھی صحیح اندازہ لگ سکے۔

مختصر حالات زندگی

حضرات!

تذکرہ علماء فرنگی محل کے مصنف مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ نے علامہ عبدالحیؒ لکھنوی کی ولادت کے متعلق لکھا ہے ''اس آفتاب علم کا طلوع بمقام باندہ یوم سہ شنبہ ۲۶ ذی قعدہ ۱۲۶۴ھ

☆ استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنو

کو ہوا مگر مولوی فصیح اللہ نے ۱۲۶۵ھ اور مصرع تاریخ ''بحر افلاک حشمت و اقبال'' لکھا ہے۔
علامہ موصوفؒ اپنے ابتدائی حالات 'السعایۂ کے مقدمہ میں خود لکھتے ہیں:

''میں نے پانچ سال کی عمر میں حفظ قرآن شروع کیا۔قدرت نے مجھ کو حافظہ کی قوت سے نوازا ہے۔یہاں تک کہ مجھ کو بچپن کے واقعات خوب یاد ہیں۔قرأت فاتحہ کی تقریب ایسی یاد ہے جیسے میں دیکھ رہا ہوں۔حالانکہ اس وقت میری عمر صرف پانچ سال تھی بلکہ وہ واقعات جو کہ میری تین سال کی عمر میں واقع پذیر ہوئے مجھ کو خوب یاد ہیں'' (مقدمہ السعایہ ۴۱)۔

مولانا عنایت اللہ تذکرہ علماء فرنگی محل میں علامہ موصوف کی تعلیمی حالات کے متعلق لکھتے ہیں:

''حفظ قرآن کے بعد فارسی و ابتدائی حساب وکتاب کی تحصیل مولوی خادم حسین سے کی اور جملہ کتب درسیہ اپنے والد ماجد کے سوا کسی سے نہیں پڑھی۔صرف علوم ریاضیہ کی کتب اپنے والد کے ماموں مولانا نعمت اللہ بن مولانا نور اللہ سے والد ماجد کے انتقال کے بعد پڑھی جس کے متعلق آپ کے استاد کا خیال یہ تھا کہ محض حصول تبحر کے لیے پڑھ رہے ہیں ورنہ ضرورت کا سوال ہی نہیں'' (تذکرہ علماء فرنگی محل ۱۳۱)۔

تذکرہ علماء فرنگی محل کے مصنف آگے علامہ موصوف کے حالات کے متعلق لکھتے ہیں:

''والد ماجد کے انتقال تک حیدرآباد میں قیام رہا۔بعد انتقال والد ماجد اراکین سلطنت نے والد کا قائم مقام کرنا چاہا۔آپ کے حیدرآبادی اعزہ کا اس عہدہ کے قبول پر اصرار تھا مگر اس عالی حوصلہ ذات نے خدمت علم میں حرج کے خیال سے عسرت میں زندگی بسر کرنا گوارا کیا اور عہدہ کے قبول سے انکار کردیا۔وطن واپس آ کر خدمت علم شروع کی۔دنیائے اسلام جانتی ہے کہ کیا اور کس قدر اور کتنی اہم خدمات علمی مولانا نے کیے۔خود مولانا نے جو اپنا تذکرہ مختلف

کتب میں لکھا ہے اسی کو دیکھ کر معلوم ہوسکتا ہے کہ کس قدر علمی روایات کی یہ ذات گرامی حامل تھی‘‘ (تذکرہ علما فرنگی محل ۱۳۴)۔

افسوس کہ علم وتحقیق کا یہ آفتاب کچھ ہی عرصہ دنیا میں علوم فنون کی ضیاء پاشی کرتے ہوئے ۲۹ر ربیع الاول ۱۳۰۴ھ کو غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اہل علم وتحقیق کے تاثرات

حضرات! قبل اس کے کہ میں ان کی علمی اورفقہی خدمات کا جائزہ لوں اس عظیم شخصیت سے متعلق مستند اہل علم وتحقیق نے جو تاثرات بیان فرمائے ہیں ان کو مختصراً پیش کردوں تاکہ اس عظیم ہستی کے مقام کا تعین اور ان کی شخصیت کی بلندی پوری طرح واضح ہوسکے۔

علامہ موصوف کی ذات گرامی اور شخصیت کیا تھی؟ اس کے متعلق خود انہی کے معاصر اور ہم نام عالم دین مؤرخ ہند مولانا عبدالحی الحسنیؒ کے قلم گہر بار سے سنیے: موصوف اپنی مایہ ناز تصنیف نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں:

’’كان ذكيا فطنا حاد الذهن عفيف النفس رقيق الجانب خطيبا مصقعا متبحرا فى العلوم ومعقولاً ومنقولاً مطلعا على دقائق الشرع وغوامضه يتبحر فى العلوم وتحرى فى نقل الأحكام وحرر المسائل وانفرد بالهند بعلم الفتوى فسارت بذكره الركبان بحيث أن علماء كل اقليم يشيرون إلى جلالته‘‘ (نزہۃ الخواطر ۸/۲۳۵)۔

وہ (مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی) بلا کے ذہین تھے پاکباز نرم دل اور زبردست خطیب تھے، علوم عقلیہ ونقلیہ میں تبحر علمی حاصل تھا فقہ کے پیچیدہ مسائل سے بخوبی واقف تھے تبحر علمی کے ساتھ ساتھ احکام کے نقل کرنے میں بھی مہارت تامہ تھی آپ نے بکثرت مسائل تحریر فرمائے فن فتوی میں آپ پورے ہندوستان میں منفرد تھے ہر کونے سے لوگ آپ سے فتوی دریافت کرنے آتے تھے ہر مکتب فکر کے علما آپ کی جلالت علمی کے معترف تھے۔

آ گے موصوف لکھتے ہیں:

کان من عجائب الزمن ومن محاسن الھند وکان الثناء علیه کلمة إجماع والاعتراف بفضله لیس فیه نزاع (نزہۃ الخواطر ۸/ ۲۳۵)۔

آپ عجوبہ روزگار اور محاسن ہند تھے آپ کی تعریف ہر شخص کرتا تھا اور آپ کے فضل وکمال کا ہر شخص معترف تھا۔

علامہ یوسف بنوری فرماتے ہیں:

من اولیئک الافراد من العلماء الربانیین الجامعین بین علوم الروایۃوعلوم الدرایة المنقول والمعقول مع ورع وتقوی وعبادة وھدی صالح وسمت حسن ھو العالم الفاضل مولانا الشیخ ابو الحسنات محمد عبد الحی اللکنوی (مقدمہ البنوری علی السعایہ فی کشف مافی شرح الوقایہ للکنوی ص ۱)۔

وہ علماء ربانیین جو علوم روایہ وعلوم درایہ معقول ومنقول کے جامع تھے اور ساتھ ساتھ تقوی پرہیزگاری انابت اور اخلاق فاضلہ سے متصف تھے ان میں حضرت مولانا ابو الحسنات عبد الحی لکھنوی تھے۔

ماضی قریب کے مشہور محقق علامہ الشیخ عبد الفتاح ابوغدہ جنہوں نے علامہ لکھنوی کی تصنیفات کا صرف گہرائی سے مطالعہ ہی نہیں کیا بلکہ تحقیق وتعلیق کا اہم کارنامہ بھی انجام دیا وہ التعلیق الممجد کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

ھذا الرجل إمام فی العلم وإمام فی کثرة التالیف المفیدة المتقنة مع قصر العصر فقد عاش تسعا وثلاثین سنة وأربعة أشھر وخلف أکثر من خمسة عشر ومائة کتاب ورسالة ولو حسبت أیام حیاته وقسمت علی صفحات مؤلفاته لأتت بالمحدحش بالعجائب'' (مقدمہ التعلیق الممجد)۔

یہ شخص علوم وفنون کے امام اور باوجود کم عمر پانے کے جو تقریباً ۳۹ سال ۴ ماہ تھی بے شمار

مستند اور مفید کتابوں کے مصنف تھے جنہوں نے ۱۱۵ سے زائد کتابیں اور رسائل چھوڑے۔ اگر ان کی زندگی کے ایام گنے جائیں اور ان کی تصنیفات کے اوراق پر تقسیم کیے جائیں تو آپ حیرت میں پڑ جائیں گے۔

ان حضرات کے علاوہ بہت سے علماء نے علامہ موصوف کی عبقریت، ذہانت، وسعت مطالعہ ذوق تحقیق, فکری اعتدال، وسعت نظر اور بلند علمی کارناموں کے بارے میں بڑے اونچے کلمات کہے ہیں جن کو میں طوالت کے خوف سے ترک کر رہا ہوں اور اپنے موضوع کے دوسرے حصے یعنی فقہی خدمات کی طرف رخ کر رہا ہوں۔

قبل اس کے کہ میں ان کی فقہی تصنیفات کا تعارف کراؤں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کا فقہی مسلک اور اس بارے میں ان کے نظریات پیش کر دوں۔

فقہی مسلک اور نظریہ اعتدال:

مولانا عبدالحی الحسنی علیہ الرحمۃ ان کے فقہی مذہب اور مسلکی اعتدال کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وکان علی مذهب أبی حنيفة فی الفروع والاصول ولكنة غير متعصب فی المذهب ويتتبع الدليل ويترک التقليد إذا وجد فی مسالة نصا صريحا مخالفا للمذهب۔

علامہ موصوف اصول فروع میں مذہب حنفی کے متبع تھے لیکن متشدد نہیں تھے یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو اس کے متعلق دلائل کو تلاش کرتے اور اگر مذہب حنفی کے مخالف نص صریح ملتی تو اس مسئلہ میں مذہب حنفی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔

وہ خود بھی اپنے اعتدال کے متعلق اپنی کتاب ''النافع الکبیر'' میں لکھتے ہیں:

ومن منحه أی منح الله سبحانه أنی رزقت التوجه إلی فن الحديث وفقه الحديث ولا أعتمد علی مسألة مالم يوجد أصلها من حديث أو آية وماكان

خلاف الصحيح الصريح أتركه وأظن المجتهد فيه معذوراً بلک ماجوراً۔

یہ اللہ کا بڑا انعام ہے کہ انھوں نے مجھے فن حدیث اور فقہ حدیث کی توفیق عنایت فرمائی، یہی وجہ ہے کہ جب تک کسی مسئلہ کے متعلق کوئی آیت یا کوئی حدیث نہیں ملتی ہے اس وقت تک میں اس مسئلہ پر اعتماد نہیں کرتا ہوں اور جو مسئلہ صحیح صریح حدیث کے خلاف نظر آتا ہے اس کو چھوڑ دیتا ہوں اور اس مسئلہ میں مجتہد کو معذور بلکہ ماجور سمجھتا ہوں۔

اور آگے مزید بیان کرتے ہیں۔

ومن منحه انه جعلنى سالكا بين الافراط والتفريط لاتأتى مسألة معركة الأراء بين يدى إلا ألهمت الطريق الوسط فيها ولست ممن يختار التقليد (النافع الكبير)۔

یہ بھی اللہ کے انعام کا ایک حصہ ہے کہ انھوں نے مجھے اعتدال کی توفیق مرحمت فرمائی ہے، لہذا جب بھی میرے سامنے اہم مسئلہ آتا ہے تو اس مسئلہ میں وسطیت اختیار کرتا ہوں اور جو لوگ تقلید محض کے پابند ہوکر فقہاء کے قول کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے ہیں اگر چہ دلائل شرعیہ کی مخالفت لازم آرہی ہے وہ میرے نزدیک پسندیدہ نہیں ہیں۔

فقہی تصنیفات کا مختصر تعارف/ خضرات! یوں تو علامہ لکھنوی کی تصنیفات مختلف موضوعات اور فنون پر بقول شیخ عبدالفتاح ابوغدہ ایک سو پندرہ سے متجاوز ہیں لیکن فن فقہ میں ان کی تالیفات کم وبیش پچاس ہیں ذیل کی سطروں میں ہم ان میں سے چند کا مختصراً تعارف پیش کریں گے تاکہ علامہ موصوف کی فقہی خدمات کا اندازہ لگ سکے۔ اخیر میں اس موضوع کے متعلق کتابوں کی فہرست بھی پیش کریں گے تاکہ تصانیف کا استیعاب بھی ہوجائے۔

۱- السعایہ فی کشف مافی شرح الوقایہ

یہ کتاب فن فقہ میں علامہ عبدالحی کی سب سے بڑی تصنیف اور شاندار کارنامہ ہے جو ان کے تبحر علمی پر دلالت کرتا ہے، علامہ موصوف نے اس میں کتاب الوقایہ اور اس کی شرح صدر

الشریعہ کی ہے اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور علماء کے حلقوں میں اس کی مقبولیت کی وجوہات کو بھی بیان کیا ہے مؤلف نے خود اس کی تالیف میں اپنا منہج بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''پہلے میں نے متن کی عبارات کو حل کرنے اور اس کی تشریح کا التزام کیا ہے، اس کے بعد اس عبارت سے متعلق جرح وکلام کیا ہے اس کے ذیل میں مستند فقہی کتابوں سے فروعات کو نقل کیا ہے علماء وفقہاء کے اختلاف کو بھی ذکر کیا ہے اور ان کے دلائل بھی بیان کیے ہیں۔ساتھ ہی حدیث اصول حدیث، رجال اور علل کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے، ان تمام تر توضیح وتنقیح میں انصاف اور ترجیح سے کام لیا ہے۔افراط وتفریط سے بچنے سے بھرپور کوشش کی ہے۔مسلکی تعصب سے مکمل طور سے گریز کیا ہے۔جو بھی یہ شرح پڑھے گا وہ ضرور یہ کہے گا: **هذا بحر زاخر وكنز فاخر وسحر ساحر كم ترك الأول للآخر** (السعایہ ۳)۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ عظیم الشان تصنیف پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکی، مؤلف **باب الاذان** تک ہی پہنچ پائے تھے کہ اللہ کو پیارے ہو گئے اور یہ کام تشنہ رہ گیا **مولانا عنایت اللہ** صاحب فرنگی محلی تذکرہ علمائے فرنگی محل میں لکھتے ہیں کہ اگر اس کتاب کو علامہ صدر الشریعہ دیکھتے تو وہ مولانا کے ہاتھوں کو محبت سے چوم لیتے اگر یہ کتاب تمام ہو جاتی تو یقیناً علماء زمانہ البحر الرائق اور فتح القدیر کو بھول جاتے (تذکرہ علمائے فرنگی محل ۱۳۵)۔

علامہ یوسف بنوری نے بجا طور پر فرمایا ہے کہ مولانا عبدالحیؒ کی سب سے بڑی تالیف اور سب سے جامع کتاب ''السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ'' ہے اگر یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچ جاتی تو یقیناً ان کتابوں کے ہم پلہ شمار کی جاتی جو کہ مذاہب کے احکام اور ادلہ کے بیان میں ہیں جیسے حافظ ابن عبد البر المالکی کی کتاب **الاستدراک لمذاہب علماء الامصار** اور کتاب التمہید ہے، حافظ ابن قدامۃ کی کتاب المغنی اور حافظ بدر الدین العینی الحنفی کی کتاب البنایہ فی شرح الهدایۃ

ہے اور دوسری ایسی کتب جو اس موضوع پر موسوعات کا درجہ رکھتی ہیں لیکن افسوس کہ یہ کتاب مکمل نہ ہوسکی (مقدمہ السعایہ ۱۳ از علامہ بنوریؒ)۔

۲-عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ

یہ وہ حاشیہ ہے جو مؤلف نے شرح الوقایہ پر تحریر کیا تھا یہ حاشیہ اہل علم کے درمیان متداول چلا آرہا ہے۔ ہندوپاک کے تقریباً تمام دینی مدارس میں شرح الوقایہ رائج ہے۔ اور تقریباً ہر نسخہ پر مؤلف کا یہ حاشیہ ہے، بلاشبہ ہندوپاک میں ہر طالب علم اس حاشیہ سے مستفید ہوا ہے اور انشاء اللہ مستقبل میں بھی مستفید ہوتا رہے گا۔ اس کتاب کے منہج کے بارے میں مصنف خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اس میں متن کو حل کیا ہے اور اس کی تفصیل لکھی ہے اور کتاب وسنت اور آثار صحابہ کو یا ان اصولوں کو جو متفق علیہ ہیں احکام فقہی میں دلائل کے طور پر ذکر کیا ہے اور احناف کے درمیان جو اختلافات ہیں ان کا تذکرہ کیا ہے، موقع کی مناسبت سے جگہ جگہ فروعات بھی نقل کیے ہیں (عمدۃ الرعایۃ ۵)۔

۳-حاشیۃ علی الجامع الصغیر

جامع صغیر امام محمد کی ان اہم تصانیف ہیں جو ظاہر الروایۃ کہلاتی ہیں۔ یہ کتاب پہلے بھی کئی مرتبہ چھپ چکی تھی لیکن علامہ عبدالحیؒ نے اس کو پھر سے چھپوایا اور اس پر اپنی تحقیق وتوضیح بھی شامل فرمایا، ان کو ایک قدیم مخطوط مل گیا تھا اس سے مطبوعہ کا مقابلہ کر کے صحیح ترین نسخہ چھپوایا ساتھ میں بہت ہی مفید تعلیق فرمائی جس میں بہت سے اہم مسائل کی توضیح بھی فرمائی ہے۔

۴-حاشیہ ہدایۃ

مولانا عبدالحیؒ نے ہدایہ اولین پر حاشیہ تحریر فرمایا۔ ہدایہ آخرین پر ان کے والد کا حاشیہ تھا اس پر بھی انہوں نے بعض اضافے کیے۔ یہ حاشیہ مطبع مصطفائی لکھنؤ سے مولانا ہی کی حیات

میں کئی مرتبہ شائع ہوا۔ پھر مطبع یوسفی لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اس کے بعد ہند و پاک کے مکتبوں سے مسلسل چھپ رہا ہے۔

۵-حسن الولایۃ بحل شرح الوقایۃ

یہ وہ تعلیق ہے جس مؤلف نے شرح الوقایہ پر اس وقت تحریر کی جب وہ اس کتاب کو اپنے والد ماجد مولانا عبدالحلیم سے سبقاً سبقاً پڑھ رہے تھے یہ تعلیق چونکہ مختصر تھی اس لیے مؤلف نے ایک اور تعلیق لکھی جو غالباً ابھی تک طبع نہیں ہو سکی ہے۔

۶-التعلیق علی القول الجازم

یہ وہ تعلیق ہے جو مؤلف نے اپنی کتاب 'القول الجازم فی سقوط الحد بنکاح المحازم' پر کی ہے۔ اس تعلیق میں بعض اسماء اور غریب الفاظ کی تشریح کی ہے۔ اور بعض مسائل کی توضیح بھی، یہ تعلیق اصل کتاب کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

۷-جمع الغرر فی ردنظر الدرر

علامہ موصوف علیہ الرحمۃ نے یہ کتاب مولانا احمد علی مصطفیٰ آبادی کے رد میں لکھی تھی وجہ یہ ہوئی کہ مؤلف کے والد مولانا عبدالحلیم لکھنوی نے شق قمر کے معجزہ پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام تھا ''نظم الدرر فی سلک شق القمر'' اس کتاب میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتاب ''التفہیمات'' کی عبارت نقل کی جس سے بادی النظر میں یہ وہم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب شق قمر کے معجزہ کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے رد میں مولانا احمد علی مصطفیٰ آبادی نے کتاب لکھی جس کا نام ''نثر الدرر'' تھا جب یہ کتاب مولانا عبدالحلیم کے پاس پہنچی تو انھوں نے مولانا عبدالحی اور اپنے شاگرد مولوی وکیل احمد سکندرپوری کو اس کا رد لکھنے کا حکم دیا، مولانا عبدالحی نے ایک جامع رسالہ تحریر فرمایا جس میں ان غلطیوں کی نشاندہی کی جو لغت یا معنی کے اعتبار سے ہوئے ہیں یہ رسالہ اپنے موضوع

پر بہت ہی اہم ہے۔

۸-آکام النفائس فی أداء الأذکار بلسان الفارس

یہ اہم رسالہ علامہ عبد الحی نے فارسی زبان سے متعلق مسائل پر لکھا ہے جس میں انھوں نے اذان، اقامت، تکبیر، نماز میں قرأت قرآن اور ان جیسے مسائل کو ذکر کیا ہے مثلاً یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر ایک امی شخص فارسی زبان میں قرآن کی کوئی سورہ جیسے سورۃ فاتحہ وغیرہ سیکھ جاتا ہے تو کیا پھر بھی وہ امی کہلائے گا اسی طرح یہ مسئلہ بھی بیان کیا کہ اگر کوئی نماز جنازہ میں دعا فارسی زبان میں پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح فارسی زبان میں تشہد، نماز میں دعا، نماز کے اختتام پر سلام، قنوت، رکوع وسجود کی تسبیحات کو بیان فرمایا ہے۔

ان کے علاوہ دیگر مسائل جیسے جمعہ کا خطبہ قرأت قرآن، ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا، حج میں تسبیح وتہلیل، فارسی زبان میں کہنا وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں، غرض کہ اس میں جتنے مسائل ہیں وہ سب بڑی تحقیق، تدقیق اور تنقیح کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور اک تحقیقات موجود ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتی ہیں یہ رسالہ مطبع مصطفائی سے ۱۳۰۳ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

۹-أحکام القنطرۃ فی أحکام البسملۃ

یہ رسالہ ایک مقدمہ اور دو باب پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں لفظ البسملہ کی لغوی تحقیق اور اس کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ پہلے باب میں البسملۃ قرآن کا جزء ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق علماء کی آراء ذکر کی گئی ہیں۔ دوسرے باب میں البسملۃ سے متعلق احکام بیان فرمائے گئے ہیں اس باب میں علماء کے اقوال، مناقشہ اور راجح اقوال بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

غرض کہ مؤلف نے زیر بحث مسائل کی شاندار تحقیق کی ہے اور ان کے متعلق احادیث اور آثار کو بھی جمع کیا ہے، یہ رسالہ مطبع یوسفی سے ۱۳۰۵ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۰-افادۃ الخیر فی الاستیاک بسواک الغیر

اس رسالہ کی تالیف کی وجہ علامہ موصوف یہ بیان فرمایا ہے کہ مجھ سے اکثر یہ سوال پوچھا جاتا تھا کہ دوسرے کی استعمال شدہ مسواک کو استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

تو میں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا اور اس موضوع کے متعلق تمام احادیث اور آثار کو ذکر کردیا ہے۔ یہ رسالہ بھی مطبع چشمۂ فیض لکھنؤ سے ۱۳۰۴ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۱-الإفصاح عن شہادۃ المرأۃ فی الإرضاع

یہ رسالہ دو فصلوں پر مشتمل ہے، فصل اول میں نکاح کے بعد تنہا عورت کی شہادت کو دعویٰ میں نہ قبول کرنے کا بیان ہے، موصوف نے اس مسئلہ کے اثبات میں بڑی تعداد میں احادیث، آثار، فقہا کے اقوال درج فرمائے ہیں اور دوسری فصل میں نکاح سے قبل تنہا عورت کی شہادت کو رضاعت کے دعویٰ میں نہ قبول کرنے کا بیان ہے۔ اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات کثرت سے ذکر کیے ہیں اور ان پر مناقشہ بھی فرمایا ہے۔ یہ مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۲۹۹ھ میں شائع ہوا ہے۔

۱۲-اقامۃ الحجۃ علی أن الاکثار فی التعبد لیس ببدعۃ

یہ رسالہ سلف صالحین کے مجاہدات اور عبادات سے متعلق ہے۔ علامہ موصوف نے اس کو دو فصلوں، دو مقصدوں اور خاتمہ پر منقسم کیا ہے۔ پہلی فصل میں یہ ذکر ہے کہ جو صحابہ تابعین اور ان کے بعد آنے والوں نے کیا یا جو افعال ان کے زمانے میں ہوئے اور ان پر صحابہ اور تابعین نے نکیر نہیں فرمائی تو یہ بدعت نہیں ہیں۔

فصل دوم میں ان حضرات کا ذکر ہے جنھوں نے تمام عمر عبادات اور اجتہادات میں صرف فرمادی، مقصد اول میں اس امر کو ثابت کیا ہے کہ طاقت کے مطابق عبادات میں جد وجہد

کرنا بدعت نہیں ہے۔ اس کے اثبات میں صحابہؓ، تابعین اور ائمہ سلف کے افعال درج کیے ہیں۔

مقصد دوم میں اس حدیث کو درج کیا ہے جس میں اکثار سے منع کیا گیا ہے اس حدیث کا جواب دیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ پوری رات نماز پڑھنا، ایک ہی دن میں پورا قرآن ختم کرنا، ایک سے زیادہ بار ختم کرنا ایک ہزار رکعات پڑھنا وغیرہ بدعت نہیں ہے بلکہ یہ امر مرغوب ہے۔

یہ کتاب مصنف کی حیات میں پہلے طبع ہو چکی تھی پھر ۱۳۸۶ھ میں شیخ عبد الفتاح ابوغدہ کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی۔

۱۳ - امام الکلام فیما یتعلق بالقرأۃ خلف الامام

یہ کتاب تین ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے، باب اول میں صحابہؓ اور بعد کے علماء کا ذکر کیا ہے، باب دوم میں حنفی، شافعی اور مالکی مسالک کے استدلالات قرآن وسنت واجماع اور قیاس سے ذکر فرمائے ہیں۔

باب سوم میں تحقیق کا خلاصہ پیش فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فرض نمازوں میں مقتدی پر قطعی طور پر قرأت کرنا فرض نہیں ہے۔ مقتدی کو سورہ فاتحہ کی قرأت کرنا مستحب ہے۔ سری نمازوں میں سورہ فاتحہ کی قرأت کرنا مقتدی کے لیے سنت ہے۔ یہی مسلک حنفی اور مالکی مذاہب میں ایک بڑی جماعت کا رہا ہے اور دقت نظری کے ساتھ دیکھا جائے تو راجح یہی ہے گو کہ یہ قول حنفی مسلک میں ضعیف ہے۔

یہ کتاب ۱۳۰۴ھ میں چھپ چکی تھی۔ پھر ۱۴۱۱ھ میں شیخ عثمان جمعہ ضمیریہ کی تعلیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

۱۴ - الانصاف فی حکم الاعتکاف

علامہ موصوف نے اس رسالہ میں تراویح کے مسئلہ کو کہ یہ سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے یا سنت مؤکدہ علی العین ہے۔ اگر سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے تو کیا سنت علی الکفایہ علی اہل البلد ہے

یا ہر محلّہ پر ہے؟ پوری تحقیق کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ یہ رسالہ بھی مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۳۰۲ھ میں شائع ہوا ہے۔پھر اس پر حاشیہ مولانا عبدالغفور رمضان پوریؒ نے ''الاسعاف بتحیۃ الانصاف'' کے نام سے لکھا ہے۔

۱۵-تحفۃ الأخیار فی إحیاء سنۃ سید الابرار

اس رسالہ میں مؤلف نے حنفیوں سے متعلق بعض غلط فہمیوں کا صحیح احادیث اور دلائل کی روشنی میں ازالہ کیا ہے۔رسالہ کے اخیر میں نماز تراویح سے متعلق احادیث وآثار نقل کیے ہیں،فقہا کے اقوال بھی درج کیے ہیں اور ان پر مناقشہ فرما کر راجح قول بھی بیان فرمایا ہے۔

یہ رسالہ بھی شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی تحقیق کے ساتھ ۱۴۱۲ھ میں دارالقلم بیروت سے شائع ہوا ہے۔

۱۶-تحفۃ الثقات فی تفاضل اللغات

اس کتاب کے بارے میں مؤلف نے اپنی دوسری تالیفات میں ذکر کیا ہے النافع الکبیر وغیرہ میں بھی ذکر ہے،لیکن چونکہ مکمل نہیں ہوسکی تھی اس لیے ابھی تک شائع نہیں ہوسکی۔

۱۷-تحفۃ الطلبۃ فی تحقیق مسح الرقبۃ

اس رسالہ میں گردن کے مسح پر گفتگو کی ہے یہ سنت ہے یا مستحب؟ اس سلسلے کی احادیث جمع فرمایا ہے اور روایات کا درجہ بھی متعین فرمایا ہے۔فقہاء کے اقوال بھی بیان فرمائے ہیں اور ان کی تنقیح بھی کی ہے یہ رسالہ مطبع یوسفی لکھنؤ سے ۱۳۰۷ھ میں شائع ہوا ہے۔

۱۸-تحفۃ الکملۃ علی حواشی تحفۃ الطلبۃ

یہ رسالہ تحفۃ الطلبۃ پر تعلیق ہے اور اصل کتاب کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

۱۹-تحفۃ النبلاء فی جماعۃ النساء

اس رسالہ میں صرف عورتوں کی فرض نمازوں اور دوسری نمازوں کے لیے جماعت کا کیا حکم ہے؟ اس کو احادیث وآثار، فقہاء کے اقوال اور ان پر مناقشہ کے ساتھ بیان کیا ہے اور احناف کے مسلک کو بھی واضح کیا ہے۔ ۱۲۹۸ھ میں یہ رسالہ مطبع مصطفائی لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔

۲۰-التحقیق العجیب فی التثویب

اس رسالہ میں تثویب کے لغوی معنی اور اصطلاحی مفہوم کو بیان کیا ہے، اقامت اور الصلوۃ خیر من النوم کو بھی تثویب میں شامل فرمایا ہے اور اس مسئلہ میں فقہاء کے تین اقوال بھی ذکر فرمائے ہیں (۱) فجر کے علاوہ کراہت کا قول (۲) امراء کے لیے تمام نمازوں کے لیے، جواز کا قول (۳) مغرب کے علاوہ تمام نمازوں میں استحسان کا قول اور یہ متاخرین کا مسلک ہے۔

یہ رسالہ مطبع چشمۂ فیض سے ۱۳۰۴ھ میں شائع ہوا۔

۲۱-تدویر الفلک فی حصول الجماعۃ بالجن والملک

یہ رسالہ دو فصلوں پر مشتمل ہے پہلی فصل میں جنات کے متعلق نماز پڑھنے کا حکم بیان فرمایا ہے کہ جنات کے ساتھ نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے اور جنات کی امامت کیسی ہے دونوں کے جواز کو نصوص کے ساتھ بیان ہے۔

دوسری فصل میں فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا بیان ہے کہ فرشتوں کی اقتداء میں نماز جائز ہے اور کیا فرشتوں کے لیے انسان کی اقتداء کرنا جائز ہے یا نہیں اس کو بھی روایات سے ثابت کیا ہے۔ یہ رسالہ چشمۂ فیض لکھنؤ سے ۱۲۹۵ھ میں شائع ہوا۔

۲۲-ترویح الجنان بتشریح حکم شرب الدخان

اس رسالہ میں مؤلف نے شرب الدخان کا حکم کتاب وسنت اور فقہاء کی تصریحات کی

روشنی میں بیان کیا ہے اور اس مسئلہ میں علماء کے درمیان جو افراط وتفریط تھی اس کا جواب دیتے ہوئے اس کو مباح مع الکراہت قرار دیا ہے۔

اس میں روزہ کی حالت میں شرب الدخان کا بھی حکم بیان فرمایا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ تمباکو کی زراعت اور اس کی تجارت پر بھی بحث کی ہے اور آخر میں قہوہ پینے کا حکم بھی بتایا ہے۔ یہ رسالہ ۱۳۰۳ھ میں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے شائع ہوا ہے، اس پر مؤلف کی تعلیق بھی ہے جس میں بعض اسماء اور مبہم مسائل کی مختصر توضیح بھی ہے۔

وقت کی کمی کی وجہ سے اب میں صرف موضوع سے متعلق کتابوں کے اسماء درج کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

۲۳- عمدۃ النصائح فی ترک القبائح

۲۴- غایۃ المقال فی ما یتعلق بالنعال

۲۵- السعی المشکور فی رد المذہب المأثور

۲۶- ردع الاخوان عما محدثات آخر جمعۃ رمضان

۲۷- رفع الستر عن کیفیۃ إدخال المیت وتوجیہہ إلی القبلۃ فی القبر

۲۸- زجر أرباب الریان عن شرب الدخان

۲۹- زجر الشبان والشیبۃ عن ارتکاب الغیبۃ

۳۰- سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر

۳۱- ظفر الأنفال علی حواشی غایۃ المقال

۳۲- غیث الغمام علی حواشی إمام الکلام

۳۳- الفلک الدوار فی رویۃ الہلال بالنہار

۳۴- الفلک المشحون فیما یتعلق بانتفاع المرتہن بالمرہون

۳۵- قوت المغتذین بفتح المقتدین

۳۶-القول الأشرف فی الفتح من المصحف

۳۷-القول المخور علی القول المنثور

۳۸-القول المنشور فی ہلال خیر الشہور

۳۹-الکلام الجلیل فیما یتعلق بالمندیل

۴۰-الکلام المبرم فی نقض القول المحقق المحکم

۴۱-الکلام المبرور فی رد القول المنصور

۴۲-تحفۃ الانظار علی تحفۃ الأخبار

۴۳-نزہۃ الفکر فی سبحۃ الذکر

۴۴-ہدایۃ المعتدین الی فتح المقتدین

۴۵-الہسہسۃ بنقض الوضوء بالقہقہۃ

۴۶-المحۃ بخشیۃ النزہۃ

۴۷-جمع الغرر فی رد نثر الدرر

۴۸-مجموعۃ الفتاوی

۴۹-نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل

۵۰-تعلیق علی نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمٰن

اسی پر اپنی بات ختم کرتا ہوں اور آپ حضرات سے اجازت چاہتا ہوں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

☆☆☆

تاریخ سے متعلق علامہ عبدالحی فرنگی محلی کی کتابوں کا تعارف

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی ☆

زندگی ایک سفر کا نام ہے، اور دنیا ایک مسافر خانہ ہے، جہاں انسان تھوڑی دیر کے لئے رکتا ہے، اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوجاتا ہے، اس مسافر خانے میں کچھ ایسے لوگ بھی آکر ٹھہرتے ہیں جو اپنی نشانی چھوڑ جاتے ہیں، لوگ انہیں اپنے دلوں میں بسائے ہوئے ہیں، اور زبانوں پر ان کے تذکرے ہوتے ہیں، تاریخ اور تذکرے کی کتابیں اسی لئے لکھی جاتی ہیں، تاکہ ان کا نقش قدم محفوظ رہے، جن راہوں پر چل کر کے انھوں نے کامیابی حاصل کی ہیں، دوسرے لوگ بھی کامیابی حاصل کرنے کے لئے اسی راستے کو اپنائیں، ان کی خوبیوں اور اچھائیوں، ان کی عظمتوں اور خصوصیتوں پر نظر رہے تاکہ انہیں اپنی زندگی میں لایا جاسکے، خامیاں اور ناکامیاں بھی معلوم رہیں تاکہ ان سے بچا جاسکے۔ ان کے مراتب اور مدارج سے بھی آگاہی رہے تاکہ ہر شخص کو اس کے مرتبے اور درجے پر رکھا جاسکے، تاریخ پیدائش اور وفات، نیز ان کا زمانہ اور اس وقت کے حالات سے باخبری رہے تاکہ ان کے مختلف راویوں کے درمیان تطبیق دی جاسکے، اور متقدم ومتاخر کے بارے میں معلوم ہوسکے۔ ان کے آثار، حکایات، فیوضات اور تصنیفات کے متعلق علم رہے تاکہ ان کی سیرت کو اپنانے کا جذبہ اور شوق پیدا ہو۔

علم تاریخ ورجال کے یہ وہ فوائد ہیں جبکہ علامہ عبدالحی فرنگی محلی نے اپنی کتاب ''فوائد بہیہ'' کے شروع میں لکھا ہے: یہ کتاب درحقیقت علامہ محمود سلیمان کفوی کی کتاب'' کتائب اعلام

☆ جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ

الاخیار فی طبقات فقہاء مذہب النعمان المختار'' کی تلخیص ہے، یہ کتاب ابھی تک مخطوطہ کی شکل میں ہے اور زیور طباعت سے آراستہ نہ ہوسکی ہے، علامہ کفوی دسویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں، انھوں نے اس کتاب میں امام ابوحنیفہؒ سے لے کر اپنے زمانے تک کے مشہور علماء حنفیہ اور بزرگان کا تعارف کرایا ہے، علامہ فرنگی محلی نے اس کتاب کی تلخیص کے ساتھ بہت سی اہم چیزوں کا اضافہ بھی کیا ہے، شروع میں ایک طویل مقدمہ لکھا ہے جو فقہ کی تاریخ، تعریف، اہمیت اور طبقات فقہاء پر مشتمل ہے، کتاب کی تلخیص کے ساتھ مفید اضافے بھی ہیں، اور بعض جگہوں پر علامہ کفوی پر تنقید اور ان سے اختلاف بھی کیا ہے، ختم کتاب پر الگ سے دو ''فصل'' لکھی ہے، جن میں ان لوگوں کے ناموں کی تعیین کی گئی ہے، جنہیں رجال کی کتابوں میں مبہم طور پر ان کی صفت، نسبت یا کنیت وغیرہ سے ذکر کیا گیا ہے، اور دوسری فصل ''علم رجال'' سے متعلق مختلف فوائد اور لطائف پر مشتمل ہے۔

علامہ کفوی کی کتاب میں پانچ سو چھبیس فقہاء کرام اور علماء عظام کا تذکرہ ہے اور ذیلی طور پر سترہ لوگوں کے نام آئے ہیں، علامہ فرنگی محلی نے چوالیس ناموں کا اضافہ کیا ہے، اور بعض لوگوں کے تذکرے خاتمہ میں آئے ہیں، اس طرح سے پوری کتاب چھ سو چار شخصیات کے تعارف پر مشتمل ہے جس میں تاریخ پیدائش اور وفات، تالیفات وتصنیفات، اور اساتذہ وتلامذہ کے تذکرے کا اہتمام کیا گیا ہے، خوبیوں کے ساتھ خامیوں کا بھی تذکرہ ہے، امیر کاتب اتقانی کے خودستائی پر مشتمل جملوں کی خوب خبر لی گئی ہے، یہی وہ صاحب ہیں جن کا خیال ہے کہ رکوع میں جاتے اور اٹھتے ہوئے ''رفع یدین'' کرنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، علامہ فرنگی محلی نے ان کے اس نقطہ نظر پر بھی کتاب میں متعدد جگہ تفصیلی روشنی ڈالی ہے، اور پرزور انداز میں اس غلط رائے کی تردید کی ہے۔

اور عصام بن یوسف کے تذکرے میں لکھا ہے کہ یہ امام ابو یوسف کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں اور رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے ہوئے ''رفع یدین'' کیا کرتے تھے، علامہ فرنگی محلی اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی حنفی کسی مسئلے میں قوت دلیل کی وجہ سے اپنے امام کی رائے کے برخلاف رائے اختیار کرتا ہے تو وہ تقلید سے باہر نہیں ہوگا، بلکہ ترک تقلید کی شکل میں یہ عین تقلید ہے...... ہمارے زمانے کے جہلاء اس شخص پر زبان طعن دراز کرتے ہیں جو کسی مسئلے میں دلیل کی بنیاد پر امام کی تقلید نہیں کرتا ہے، عام لوگوں کی طرف سے اس طرح کی بات بہت زیادہ تعجب خیز نہیں ہے، لیکن تعجب ان لوگوں پر ہے جنہوں نے علماء کی شباہت اختیار کی ہے، لیکن عوام کی طرح وہ بھی جانوروں کی روش اختیار کئے ہوئے ہیں۔

تاریخ سے متعلق تالیفات کی تعداد:

شیخ ابوغدہ نے تاریخ اور رجال سے متعلق ان کے درج ذیل کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔

۱- الفوائد البهيئة، ۲- التعليقات السنية على الفوائد البهيئة ۳-مقدمه الهداية ۴- مذيلة الدراية ۵- النافع الكبير، مقدمه الجامع الصغير ۶- مقدمه السعايه ۷- مقدمه عمده الرعاية ۸- مقدمه التعليق الممجد ۹- خير العمل بذكر تراجم علماء فرنگی محل ۱۰- النصيب الاوفر فى تراجم العلماء المئة الثالثة عشر ۱۱- ابناء الخلان بابناء علماء هندوستان ۱۲- ابراز الغي فى شفاء العى ۱۳- تذكرة الراشد برد تبصرة الناقد ۱۴- طرب الاماثل بتراجم الاماثل ۱۵- حسرة العالم بوفاة مرجع العالم (مقدمه الرفع والتكميل/ ۲۴ از عبد الفتاح ابو غدہ)۔

ان میں سے بعض کتابوں کا سرسری تعارف پیش خدمت ہے:

۱-النافع الکبیر مقدمہ الجامع الصغیر

امام محمد کی مشہور کتاب ''جامع صغیر'' کے تعارف اور جائزے پر مشتمل ایک مختصر مگر جامع اور نافع مقدمہ ہے جو چار فصلوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

پہلی فصل میں فقہاء کے طبقات اور فقہ حنفی کی کتابوں کے درجات کا تذکرہ ہے، عام طور پر فقہاء کے طبقات میں جن لوگوں کا نام ذکر کیا جاتا ہے اس پر بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے۔ مجتہد کی مشہور تین قسموں (مجتہد مطلق، مجتہد منتسب، مجتہد فی المذہب) کے بیان کے بعد لکھا ہے کہ بحر العلوم لکھنوی لکھتے ہیں کہ عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد اجتہاد مطلق کا دروازہ بند ہوگیا ہے، اور امت پر ان میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے، یہ بے دلیل اور ہوس پر مبنی ہے، ان کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے، ایسے لوگ ان لوگوں میں شامل ہیں جن کے متعلق حدیث میں کہا گیا ہے کہ وہ بغیر جانے بوجھے فتوی دیں گے، خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، کیا انہیں معلوم نہیں کہ یہ غیب کی بات ہے اور ان پانچ چیزوں میں شامل ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ علامہ فرنگی محل اسے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''حاصل یہ ہے کہ جس شخص کا یہ دعوی ہو کہ ائمہ اربعہ کے بعد اجتہاد مطلق اور مستقل کا دروازہ اس طرح سے بند ہوگیا ہے کہ اب اس کا کھلنا ناممکن ہے تو وہ غلطی پر ہے، کیونکہ اجتہاد اللہ کی رحمت ہے، اور رحمت خداوندی کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہوتی ہے...... ائمہ اربعہ کے بعد بھی مجتہد مطلق پیدا ہوئے ہیں جیسے داؤد ظاہری، امام بخاری وغیرہ۔

دوسری فصل میں جامع صغیر کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور تیسری فصل میں امام محمد، ابو یوسف اور امام ابوحنیفہ کی شہرت ذکر کی گئی ہے۔ چوتھی فصل میں جامع صغیر کے شارحین، مرتبین اور ناظمین کا تذکرہ ہے اور چونتیس شخصیات کا تعارف کرایا گیا ہے اور خاتمہ خودنوشت سوانح حیات پر مشتمل ہے۔

امام ابوحنیفہ کے تذکرے میں لکھا ہے کہ بعض حنفیوں کا یہ حال ہے کہ وہ ہر حال میں امام کے اقوال اور فتاوی سے چمٹے رہتے ہیں گرچہ وہ صحیح حدیث کے مخالف ہی کیوں نہ ہو، اور اپنے اس طرز عمل کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اگر حدیث صحیح ہوتی تو صاحب مذہب ضرور اس پر عمل کرتے اور اس کے خلاف فتوی نہ دیتے، صاحب مذہب کا اس کے برخلاف فتوی دینا اس

حدیث کے صحیح نہ ہونے کی دلیل ہے، یہ جہالت کی بات ہے، اس لئے کہ قابل اعتماد لوگوں نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے کہ حدیث کو ان کی رائے پر مقدم رکھا جائے، لہذا جو رائے حدیث کے برخلاف ہو اسے چھوڑ دینا ہی صحیح رائے ہے اور عین تقلید ہے نہ کہ ترک تقلید۔

۲-مقدمہ الہدایہ

یہ مقدمہ چھ فصلوں پر مشتمل ہے اور ہر فصل کو انھوں نے ''ہدایہ'' کے عنوان سے ذکر کیا ہے، پہلی ہدایہ میں مولف ہدایہ کا تعارف اور ان کی تصانیف کا ذکر ہے، دوسری اور تیسری ہدایہ میں صاحب ہدایہ کی بعض اصطلاحات کی تشریح اور فروگزاشتوں کا بیان ہے، چوتھی ہدایہ میں ''ظاہر الروایہ'' سے کیا مراد ہے؟، اس کی وضاحت کی گئی ہے، پانچویں ہدایہ میں ہدایہ کی آخر کی دو جلدوں میں مذکور شخصیات کا تعارف ہے، اور حروف تہجی کے اعتبار سے ۹۸ علماء اور فقہاء کا تذکرہ ہے، جس میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ، تاریخ پیدائش ووفات، تصنیفات اور خصوصیات کا ذکر ہے اور چھٹی ہدایہ میں علامہ لکھنوی نے صاحب ہدایہ تک اپنی بعض سندوں کو بیان فرمایا ہے۔

۳-مذیلۃ الدرایۃ لمقدمۃ الہدایہ

یہ کتاب بھی متعدد ہدایات پر مبنی ہے، پہلی ہدایہ میں ۵۴ لوگوں کا تعارف ہے، دوسری ہدایہ میں ہدایہ میں مذکور مبہم اور غیر واضح ناموں اور جگہوں کی وضاحت کی گئی ہے، تیسری ہدایہ میں بعض قبائل، فرقوں اور ادیان کا تذکرہ ہے، جیسے بنوتمیم، قریش، خوارج، یہود ونصاری اور ان کی کل تعداد انیس ہے- چوتھی ہدایہ میں کتاب میں مذکور جگہوں اور شہروں کی تعیین کی گئی ہے، اس ہدایہ میں انھوں نے ''بدر'' نامی جگہ کے تذکرے میں لکھا ہے کہ:

''اس جگہ کے متعلق یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے کہ یہاں غزوہ بدر کے بعد سے قیامت تک فتح ونصرت کا نقارہ بجایا جاتا رہے گا، متعدد بزرگوں نے یہاں نقارے کی آواز سنی ہے اور بہت سے سربرآوردہ لوگوں نے اسے نقل کیا ہے، لہذا بعض قابل احترام لوگوں کے انکار

کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس لئے کہ کسی شخص کا جاننا اس کے خلاف حجت ہے جو نہ جانے۔

کشف سے معلوم ہونے والی چیزوں کو علم، یقین اور قطعیت کا درجہ دینے کا جو خطرناک انجام ہوسکتا ہے اسے اس عبارت میں دیکھا جاسکتا ہے۔

حجر اسود کے تعارف میں حضرت عمرؓ کا مشہور مقولہ نقل کیا ہے: "**إني أعلم أنک حجر لا تنفع أو لا تضر**" مجھے معلوم ہے کہ تو پتھر ہے، تیرے ہاتھ میں نہ تو نفع ہے نہ ضرر۔ اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا، یہ مشہور روایت ہے اور صحیح سندوں سے مروی ہے، اور حجر اسود کے بوسے کے سلسلے میں اسلامی عقیدے کی بھرپور ترجمانی کرتی ہے۔لیکن علامہ عبد الحی فرنگی محلی نے ایک ضعیف بلکہ موضوع حدیث کا سہارا لے کر نہ معلوم کیوں اسے رد کرنے کی کوشش کی ہے، حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب یہ جملہ کہا تو قریب ہی میں حضرت علیؓ بھی موجود تھے وہ بول پڑے کہ ہرگز نہیں، حجر اسود نفع، نقصان پہنچاتا ہے، اللہ تعالی نے انسان سے عہد ومیثاق لینے کے بعد اسے لکھ کر حجر اسود کے سینے میں محفوظ کردیا ہے، اور قیامت کے دن حجر اسود اس طرح سے آئے گا کہ اس کی دو آنکھیں اور ایک زبان ہوگی اور اس کے لئے گواہی دے گا جس نے اس عہد کے ساتھ وفاداری کی ہوگی......حاکم جو کسی حدیث پر حکم لگانے کے سلسلہ میں سہولت پسند اور جلد باز واقع ہوئے ہیں، انھوں نے بھی اسے نقل کرنے کے بعد خاموش رہنے ہی میں عافیت سمجھی ہے، لیکن ذہبی نے صراحت کردی ہے کہ اس حدیث کو حضرت ابوسعید خدری سے نقل کرنے والا ابو ہارون ساقط ہے، اس کے نیچے کے راویوں کا حال اور بھی برا ہے (دیکھئے مستدرک حاکم ۱/ ۴۵۸)۔

ہندوستان کے تذکرے میں لکھا ہے کہ:

"**عليه الصلاة والسلام وهل فيه نور سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم اولا**"۔

(یہ وہ ملک ہے جہاں آدم (ہمارے نبی پر اور ان پر درود وسلام ہو) آسمان سے

اتارے گئے، اوریہیں پرسب سے پہلے نورمحمدی ان کے اندر داخل ہوا)۔

اس فصل میں ۵۹ شہروں اور جگہوں کا تذکرہ ہے، اور کتاب کے آخر میں صاحب ہدایہ کی مسامحات کا ذکر ہے۔

مقدمہ ہدایہ میں امام شافعیؒ کے تذکرے میں لکھا ہے کہ علامہ لکھنوی کے والد سے دوران سفر ایک مشہور مورخ، محدث اور شافعی عالم عبد اللہ بن عقیل نے بطور مزاح کہا کہ جس دن امام شافعی کی پیدائش ہوئی ہے وہی دن امام ابوحنیفہ کی وفات کا دن ہے، اسے شافعی اور حنفی الگ الگ زاویہ نظر سے لکھتے ہیں، شوافع کہتے ہیں کہ جب ہمارے امام ظاہر ہوئے تو تمہارے امام بھاگ کھڑے ہوئے، حنفیہ کہتے ہیں کہ تمہارے امام ڈر کی وجہ سے چھپے ہوئے تھے جب ہمارے امام رخصت ہو گئے تب باہر نکلے- علامہ لکھنوی کے والد نے کہا کہ یہ سوچ عصبی ذہن کی پیداوار ہے، ہمارے لئے دونوں ہی قابل اعتماد اور احترام ہیں، جب تک ابوحنیفہ کی ضرورت تھی اللہ نے ان کو باقی رکھا، اور جب ان کی ضرورت نہیں رہی اور ان سے جو کام لیا جانا تھا وہ پورا ہو گیا تو اللہ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا، اور امام شافعی نے آکر ان کے کام کو آگے بڑھایا۔

اس واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلاف کے احترام کے سلسلہ میں علامہ لکھنوی اور ان کے والد کس درجہ حساس تھے، اور مزاح میں بھی بے احترامی پر مبنی جملہ انہیں گوارا نہیں تھا۔

۴-مقدمہ عمدۃ الرعایہ

یہ مقدمہ نو ''دراسات'' پر مشتمل ہے، پہلے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے علامہ لکھنوی کے زمانے تک شیوع علم کی کیفیت کا ذکر ہے، دوسرے میں حنفی فقہاء کے طبقات کا بیان ہے اور تیسرے میں طبقات مسائل کی تشریح ہے، جبکہ چوتھا ''دراسہ'' مفتی اور مصنف سے متعلق مختلف فوائد پر مشتمل ہے، فتاوی کے لئے کونسی کتابیں معتبر ہیں اور کونسی غیر معتبر اس پر سیر حاصل بحث ہے، خصوصاً ''خلاصہ کیدانی'' پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، اس میں اس بات پر بھی گفتگو کی گئی ہے کہ فقہی کتابوں میں مذکور احادیث پر کہاں تک اعتماد کیا جا سکتا ہے، علامہ لکھنوی

لکھتے ہیں کہ فقہی کتابوں میں مذکور احادیث پر مکمل اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ فقہ کی معتبر اور مستند کتابوں میں ضعیف اور موضوع حدیثوں کی ایک بڑی مقدار موجود ہے، جیسے:

(الف) **لسان اهل الجنة العربية**

(جنت والوں کی زبان عربی ہوگی)۔

(ب) **من صلى خلف عالم تقي فكانما صلى خلف نبي**

جس نے کسی متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی گویا اس نے کسی نبی کی امامت میں نماز پڑھی

(ج) **علماء امتي كانبياء بني اسرائيل**

میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں

اور اس کی وجہ انھوں نے یہ بیان کی ہے کہ ہر فن کے لئے کچھ لوگ مخصوص ہوتے ہیں، چونکہ فقہاء کی پوری توجہ مسائل کے استنباط اور استخراج کی طرف ہوتی ہے، اس لئے وہ اس پہلو کی رعایت نہیں کر پاتے۔

واضح رہے کہ خود علامہ لکھنوی کے یہاں پر اس طرح کی چیزیں پائی جاتی ہیں، ان کے حواشی، مقدمات اور تعلیقات میں بھی کسی وضاحت کے بغیر ضعیف بلکہ موضوع حدیث مل جاتی ہے، اس کی دو ایک مثالیں آچکی ہیں۔ خود اسی مقدمہ کے شروع میں انھوں نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

''**اصحابي كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم**۔

اور انہیں اعتراف بھی ہے کہ محدثین کے یہاں یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ مختلف لوگوں کے کشف کے ذریعہ اس کی صحت ثابت ہوتی ہے:

''**اسانيده وان كانت ضعيفة ...... ولكنه صحيح عند اهل الكشف**''۔

حالانکہ ''آثار مرفوعہ'' وغیرہ میں خود انھوں نے صراحت کی ہے کہ حدیث کی صحت کو جاننے کے لئے کسی کشف کا کوئی معیار نہیں ہے، اور یہ ایک اجماعی اور اتفاقی چیز ہے، شاید ہی اس میں کسی کا اختلاف ہو۔ اگر کسی حدیث کی اصلیت اور صحت کو جاننے کے لئے یہی معیار ہے تو پھر

علم رجال کی کتابوں، اور جرح وتعدیل کے اصولوں کو ایک طرف رکھ کر کسی صاحب کشف کو بلاکر تحقیق کرلینا چاہئے۔

پانچواں ''دراسہ'' فقہ حنفی کی کتابوں کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے چند فوائد نافعہ پر مشتمل ہے، چھٹے میں صاحب ''وقایہ اور شارح وقایہ'' کا تعارف ہے، اور ساتویں میں دس ایسے لوگوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے وقایہ کی شرح کی ہے اور آٹھویں میں چوالیس لوگوں کی ایک طویل فہرست ہے جنہوں نے وقایہ پر حاشیہ آرائی کی ہے، جس میں ان کے والد اور والد کے چچا کا تفصیلی تذکرہ ہے، اور خودنوشت سوانح حیات بھی ہے، آٹھویں میں ان اکسٹھ لوگوں کا تذکرہ ہے جن کا نام کسی بھی حیثیت سے وقایہ یا شرح وقایہ میں آیا ہے۔

۵-مقدمہ التعلیق الممجد

موطا امام مالک بروایت امام محمد پر علامہ فرنگی محلی کا حاشیہ، ایک شاہکار اور بے مثال یادگار ہے، اگر ان کی صرف یہی ایک کتاب ہوتی تو ان کی عظمت ورفعت کے لئے کافی ہوتی تقلید کے دائرے میں رہتے ہوئے تحقیق کا حق کیسے ادا کیا جا سکتا؟ عصبیت سے بے زاری اور حق کی طرفداری کیا چیز ہوتی ہے؟ بے لاگ تجزیہ کسے کہتے ہیں؟ ان سب سوالوں کا جواب آپ کو اس کتاب سے مل سکتا ہے- اس کتاب میں حدیث کے تقریباً چارسو ساٹھ راویوں کا تذکرہ ہے، ان کے تذکرے میں کن چیزوں کا خیال رکھا گیا ہے؟ اس کے محقق خود علامہ محلی کا بیان ہے:

"انی ذکرت تراجم الرواۃ واحوالھم ومایتعلق بتوثیقھم وتضعیفھم من دون عصبیة مذھبیة وحمیة جاھلیة"۔

(میں نے راویوں کا تعارف اور ان کے حالات کو بیان کیا ہے، اور ان کو ثقہ یا ضعیف قرار دینے میں مذہبی عصبیت اور جاہلی حمیت کو رکاوٹ نہیں بننے دیا ہے)۔

کتاب کے شروع میں ایک طویل مقدمہ ہے جو اہم فوائد اور نکات پر مشتمل ہے، سب سے پہلے تدوین حدیث پر گفتگو کی گئی ہے، پھر امام مالک کا تفصیلی تعارف ہے، اس کے بعد موطا

کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے، حدیث کی صحیح ترین کتاب موطا ہے یا صحیح بخاری اس پر بحث کی گئی ہے، امام مالک سے موطا نقل کرنے والوں کی تعداد، موطا کے متعدد نسخے، اور اس کی احادیث وآثار کو شمار کرنے کی کوشش کی گئی ہے، موطا کی تعلیق میں حصہ لینے والوں میں سے تیرہ لوگوں کا تفصیلی تعارف کرایا گیا ہے ساتھ ہی امام محمد، ابو یوسف اور امام ابوحنیفہ کا تعارف اور ان پر کئے گئے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

یہ مقدمہ تیرہ فوائد اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، خاتمہ میں لکھتے ہیں کہ اس کتاب میں کوئی موضوع حدیث نہیں ہے، ضعیف حدیث موجود ہے، لیکن ان کا ضعف بہت معمولی ہے، نیز دوسرے طریقوں سے اس کمزوری کی تلافی بھی ہوجاتی ہے، بعض حدیثیں شدید ضعیف ہیں، لیکن ان میں وارد مضمون صحیح سندوں سے ثابت ہے، اس لئے یہ کمزوری بھی مضر نہیں ہے۔

حاصل مطالعہ

حاصل یہ ہے کہ علامہ فرنگی محلی جہاں ایک طرف بلند پایہ محدث اور انصاف پرور فقیہ ہیں وہیں وہ اعلی درجے کے مورخ اور تذکرہ نگار بھی ہیں، اور اس فن میں بھی وہ مجتہدانہ صلاحیت اور بصیرت کے حامل نظر آتے ہیں، تاریخ نگاری میں انھوں نے بعض معاصرین خصوصا علامہ قنوجی پر جو فاضلانہ اور محققانہ تنقید کی ہے انہیں دیکھنے سے فن تاریخ میں ان کی دقیقہ رسی اور تیز نگاہی اور حقیقت پسندی کا اندازہ ہوتا ہے۔

عیب اور خامی سے پاک صرف اللہ کی ذات ہے، نافرمانی اور گناہ سے معصوم صرف نبیوں کا پاکیزہ گروہ ہے، اللہ اور اس کے رسولوں کے علاوہ کسی کی بھی تمام باتیں صحیح نہیں ہوسکتی ہیں- علامہ فرنگی محلی پر بھی تاریخ کے حوالے سے بعض لوگوں نے بجا تنقید کی ہے، اس سلسلہ میں علامہ کوثری کی بعض تصنیفات کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ

تصوف اور اس کا تعارف

مفتی محبوب علی وجیہی ☆

فرنگی محل زبان زدخلائق ہے اور کئی صدیوں سے یہ نام لکھنؤ کی پہچان رکھتا ہے وہ ہے علمائے فرنگی محل مگر تعجب یہ ہے کہ فرنگی محل کا ترجمہ ہے انگریزوں کا محل جس زمانے میں انگریزوں کو فرنگی کہتے تھے،مولانا عبدالباری نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ اکبر بادشاہ کے دورِ حکومت میں ایک فرانسیسی انگریز ہندوستان آیا اور اکبر بادشاہ کی اجازت سے ایک مدتِ خاص تک رہنے کے لئے لکھنؤ میں ایک بہت بڑا مکان بنایا غالباً اس سے اس کا مقصد یہ ہوگا کہ اپنے مال کا اسے گودام بھی بناؤں وہ عالمگیر کے دور سے پہلے اپنے وطن فرانس کو واپس چلا گیا اور یہ مکان حکومت کا ہوگیا۔ عالمگیر بادشاہ کے زمانے میں جب ملا قطب الدین شہید کو سہالہ میں شہید کردیا گیا تو یہ حویلی یا محل عالمگیر نے ان کے خاندان کو تحفۃً دیدیا۔ یہ پورا خاندان سہالہ سے اس حویلی میں آکر بس گیا) اس لئے فرنگی محل کی طرف ان کی نسبت آج تک باقی ہے اور جب تک ان کے خدمات علمی باقی رہیں گے یا یہ خاندان باقی رہے گا فرنگی محل کا نام بھی باقی رہے گا۔ یہ خوش نصیب خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے تعلق رکھتا ہے، اسی لئے یہ حضرات اپنے نام کے ساتھ انصاری لکھتے ہیں۔حضرت ابو ایوب انصاری کی اولاد میں سب سے پہلے خواجہ جلال الدین انصاری جہاد کی غرض سے ہندوستان تشریف لائے پھر خواجہ جلال الدین کی

☆ ناظم تعلیم مدرسہ جامع العلوم فرقانیہ، رامپور، یوپی

اولاد میں بدر الدین انصاری پیدا ہوئے جنہوں نے علوم نقلیہ وعقلیہ میں کمال حاصل کیا یہ لوگ مجاہد بھی تھے اور علوم میں سالار علم بھی تھے۔ اشاعت اسلام ان کا مقصد تھا، اس لئے جہاں جاتے مسجد، مدرسہ اور خانقاہ ضرور قائم کرتے۔ مولانا بدر الدین نے دہلی میں زندگی گزاری اور حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ پھر آپ دہلی کے قریب موضع برناوہ میں رہائش اختیار کی اور وہیں ۸۱۷ھ میں وفات پائی اس کے بعد حضرت نظام الدین برناوہ سے اودھ یعنی یوپی تشریف لائے اور سہالی جو بارہ بنکی کا ایک قصبہ ہے وہاں سکونت اختیار کی اور اسی قصبہ میں وفات پائی۔ آپ کا روضۂ مبارک سہالی میں مرجع خلائق ہے۔ حضرت نظام الدین کے بعد ان کی اولاد بھی سہالی ہی میں آباد رہی۔ آپ کی ہی اولاد میں ایک بزرگ ملا محمد حافظ الدین سہالوی نے تبحر علمی حاصل کرکے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا جس سے اطراف واکناف کے طالب علموں نے اپنی پیاس بجھائی اور آپ مقبول عام وخاص ہو گئے۔

اکبر بادشاہ نے بیرونی طلبہ کی کثرت کی خبر سن کر ایک بڑا رقبہ آپ کو معافی میں دیدیا یعنی گورنمنٹ اس کی پیداوار سے اپنا حصہ نہیں لے گی سب طلبہ کی خورد ونوش میں خرچ کیا جائے گا۔ ملا حافظ الدین کی اولاد میں ایک ایسا آفتاب طلوع ہوا جس کی روشنی سے دنیائے علم ودانش منور ہوگئی جن کا نام نامی ملا قطب الدین شہید سہالوی ہے اول تعلیم اپنے والد مولوی عبد الحلیم سے حاصل کی جو اس وقت لاہور میں ایک مدرسہ میں استاذ تھے پھر دوسرے مشہور علماء سے منقولات ومعقولات میں سند فراغت حاصل کی اور اپنے وطن سہالی میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ تدریس کے میدان میں یگانہ روزگار ہوئے مشکل سے مشکل مسئلہ اور پیچیدہ سے پیچیدہ بات طلبہ کے دلوں میں اتار دیتے تھے، بڑے علم ودانش کے لوگوں نے آپ کے علم وفضل کی بہت تعریف کی ہے، امام الاساتذہ کے لقب سے آپ کو یاد کیا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان کے اکثر علماء آپ کے چشمۂ فیض سے فیضیاب نظر آتے ہیں۔

سہالی میں عثمانی لوگ بھی رہتے تھے اکثر ان لوگوں سے انصاریوں کا جائدادوں وغیرہ

کے سلسلہ میں جھگڑا ہوتا تھا، آپ کی وجاہت اور مغلیہ حکومت کے اثر ورسوخ کی وجہ سے شیوخ عثانی دبے رہتے تھے، اس لئے شیوخ عثانی نے آپ کو ہٹانے کے لئے آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ۱۹؍رجب ۱۱۰۳ھ کو موقع پاکر آپ کے مکان پر انہوں نے حملہ کرکے آپ کو شہید کردیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے ایک لڑکے ملا محمد سعید کو اورنگ زیب دکن لے گئے۔

اورنگ زیب نے اس پر بہت افسوس ظاہر کیا اور ملا محمد سعید صاحب کی درخواست پر فرنگی محل جو ایک مدت سے غیر آباد پڑا تھا اور گورنمنٹ مغلیہ کا تھا وہ ان کو اور ان کے خاندان کو رہائش کے لئے دیدیا تب یہ خاندان سہالہ سے منتقل ہوکر لکھنؤ فرنگی محل آ گیا اور اس میں آباد ہوگیا تب سے ان کے نام کے ساتھ فرنگی محلی لکھا جانے لگا۔

ملا قطب الدین سہالوی کے چار صاحبزادے تھے بڑے ملا محمد اسعد، ملا محمد سعید، ملا نظام الدین اور ملا محمد رضا ان سب میں علمی میدان میں ملا نظام الدین صاحب نے شہرت ومقبولیت حاصل کی۔ یہ درس نظامی جو آج تک عربی مدارس میں جاری وساری ہے انہی کا مرتب کیا ہوا ہے البتہ زمانے کے تغیر وتبدل کی وجہ سے اس میں کمی زیادتی رہی مگر اس کی جو خاص مرکزیت ہے وہ آج تک باقی ہے۔

مولانا عبد الحی فرنگی محلی کے والد ماجد مولانا عبد الحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک جید عالم تھے، تمام معقولات ومنقولات میں ایک متبحر عالم تھے آپ نے علماء فرنگی سے ہی پڑھا فن ریاضی اپنے ماموں مولوی نعمت اللہ صاحب سے حاصل کیا فراغت کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ لکھنؤ، باندہ وجونپور میں ہزاروں تشنگانِ علوم وفنون کو سیراب کرکے یہ آفتاب علم حیدرآباد کو منور کرنے کے لئے حیدرآباد پہنچ گیا وہاں بھی اس نے مہارت علمی کا سکہ جمادیا آپ نے ۱۲۷۹ھ میں حج کا ارادہ کیا اور حج بیت اللہ اور زیارت روضہ مطہرہ سے مشرف ہوئے اور وہاں مشہور علماء سے استفادہ کرنے کے بعد حیدرآباد واپس تشریف لائے۔ عدالت دیوانی کے نگراں

مقرر رہوئے آپ کی وفات ۲۹ رشعبان ۱۲۸۵ھ کو ہوئی، یادگاروں میں چند تصنیفات اور مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ چھوڑے۔ یہ مختصر میں نے مولوی عبدالحی صاحب کے خاندانی شرافت اور اعلیٰ درجہ کے علماء سے نسبی سلسلہ کا ذکر اس لئے کیا کہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی عظمت اور علمی شان ناظرین کرام کے سامنے آجائے ورنہ مجھے تو مولانا عبدالحی کے حالات ومقدمات پر کچھ لکھنا ہے۔

حضرت مولانا مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم جس زمانہ میں باندہ میں پڑھاتے تھے تب آپ کی ولادت ہوئی، یوم ولادت پیر سن ۱۲۶۴ھ-۱۸۴۷ء ہے۔آپ کی تاریخی سن ولادت مؤرخین نے مہر افلاک حشمت واقبال بیان کی ہے جو واقعہ کے مطابق بلامبالغہ سچ اورحق ہے جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی تو آپ کے والد باندہ سے لکھنؤ آگئے وہاں کی ملازمت ترک فرمادی ایک سال تک لکھنؤ میں مقیم رہے اور یہیں مولانا عبدالحی صاحب کی بسم اللہ کی تقریب ہوئی اور یہیں آپ نے قرآن شریف حفظ کرنا شروع کیا، ایک سال کے بعد والد محترم کی ملازمت جونپور میں لگ گئی، چنانچہ آپ مع اہل وعیال جونپور منتقل ہوگئے اور وہاں مولانا عبدالحی صاحب نے کسی حافظ ابراہیم صاحب نامی سے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا اور پورے قرآن کے حافظ صرف دس سال کی عمر میں ہوگئے پھر والد صاحب سے کتب درسیہ پڑھنے میں مشغول ہوگئے اورکل درسی کتابیں خواہ منقولات کی ہوں یا معقولات کی اونچی سے اونچی اپنے والد صاحب سے پڑھیں، البتہ علوم ریاضی اپنے والد کے ماموں صاحب مولوی نعمت اللہ صاحب سے پڑھیں اور فراغت حاصل کی، اس وقت آپ کی عمر صرف سترہ سال کی تھی فراغتِ علمی کے بعد حیدرآباد میں پڑھانا شروع کردیا۔ پڑھانے کا انداز بڑا دلکش تھا گراں سے گراں مضمون آسانی سے سمجھا دیتے تھے اس لئے حیدرآباد میں پھر لکھنؤ میں طلبہ کی بھیڑ جمع ہوجاتی تھی۔دومرتبہ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے ایک مرتبہ والد صاحب کے ہمراہ وہاں کے شافعی، مالکی، حنبلی اور حنفی علماء سے سند حدیث حاصل کی اور پھر واپس حیدرآباد

آ گئے، درس وتدریس میں مشغول ہوگئے ۱۹ر سال کی عمر ہوئی تھی کہ والد صاحب آپ کو لے کر لکھنؤ آئے اور مولوی مہدی حسن بن محمد مولانا محمد یوسف صاحب کی لڑکی سے آپ کا نکاح کر دیا۔ والد صاحب اس کے بعد دو سال حیات رہے اس وقت تک آپ بھی حیدرآباد میں مشغولِ درس رہے والد صاحب کے انتقال کے بعد پھر حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ مطہرہ کے لئے تشریف لے گئے اور پھر حیدرآباد کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا۔ نواب حیدرآباد نے دو سو پچاس روپیہ ماہانہ آپ کا وظیفہ مقرر کر دیا، اب ہمیشہ کے لئے لکھنؤ میں قیام پذیر ہوگئے، درس وتدریس اور اپنی تصنیفات میں ہمہ تن مشغول ہوگئے۔

مولوی صاحب فتوی نویسی بھی کرتے تھے اور اس کے لئے کتب بینی بھی فرماتے جو تین جلدوں میں مجموع الفتاوی کے نام سے مطبوعہ دستیاب ہے۔ شرح وقایہ جو علم فقہ کی مشہور کتاب ہے اس پر عمدۃ الرعایہ کے نام سے اس کے حواشی لکھے وہ اتنے مقبول ہیں شرح وقایہ کے ساتھ کہ ان کو بھی ضرور چھاپا جاتا ہے ورنہ کتاب اساتذہ اور طلبہ کے لئے سمجھنا مشکل ہو جائے۔ ہدایہ جو درسِ نظامی میں ایک گراں کتاب فقہ کی ہے اس پر بھی آپ نے حواشی لکھے ہیں۔ اب یہی حواشی طلبہ اور اساتذہ کے لئے مشعلِ راہ ہیں یہ نہ ہوں تو کتاب پڑھنا اور پڑھانا مشکل ہو جائے۔

آپ نے ایک بڑی کتاب لکھنا شروع کی جو فقہ کے اندر آپ کی ایک تصنیف ہے مگر مکمل نہ ہوئی یہ اگر مکمل ہو جاتی تو ایک لاجواب کتاب ہوتی مگر ابھی ایک ہی جلد لکھ پائے تھے کہ قضا وقدر کا فیصلہ آ پہنچا اور سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر رب تعالی کے دربار میں حاضر ہو گئے۔ موطا امام محمد پر ایک حاشیہ تعلیق الممجد لکھ کر اپنے آپ کو ایک اعلیٰ محدث بھی ثابت کر دیا۔ ادھر دیکھو تو منطق اور فلسفہ میں بھی اپنے وقت کے امام نظر آتے ہیں۔ مولانا غلام یحیی کے میر زاہد پر حواشی ہیں جن پر مولانا عبد الحق صاحب خیرآبادی نے کچھ اعتراضات وارد کئے ہیں، آپ نے مولانا عبد الحق صاحب کے اعتراضات کو رد کیا اور مولانا نے ان پر اعتراضات کا رد لکھا تب مولوی عبد الحی صاحب نے پھر اس کے جوابات لکھے پھر ادھر سے خاموشی ہوگئی تو ادھر سے بھی کچھ نہیں لکھا

گیا، الغرض حضرت مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر فن میں ماہر نظر آتے ہیں۔

آپ کی تصنیفات چھوٹی بڑی سو سے زائد ہیں جو آپ کی سوانح کی کتابوں میں لکھی گئی ہیں۔ملاحظہ فرمائیں:

بانسہ شریف جہاں شیخ عبدالرزاق بانسوی کا مزار ہے وہاں سے علمائے فرنگی محل کو کافی عقیدت تھی اور بہت سے لوگ بانسہ شریف سے بیعت بھی تھے آپ کے کوئی اولاد نہیں ہوتی تھی آپ کی والدہ صاحبہ نے اولاد کی دعا کے واسطے شیخ عبدالرزاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر بانسہ بھیجا وہاں آپ نے ایک چلہ کیا اور اولاد کے لئے آپ کے وسیلہ سے دعائیں کیں، اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد آپ کو اولادیں عطا فرمائیں جن میں ایک صاحبزادی سن بلوغ کو پہنچی اور صاحب اولاد ہوئیں دوسری بار آپ کی والدہ کو پیٹ کے درد کی شکایت ہوئی اور وہ کسی علاج و تدبیر سے ٹھیک نہیں ہوئیں تب آپ کی والدہ صاحبہ آپ کو پھر بانسہ شریف لے کر حاضر ہوئیں آپ روز مزار شریف پر حاضری دیتے تھے ایک دن آپ کی والدہ صاحبہ نے آپ کو پان دیا اور ساتھ ہی میں تمباکو کے ایک ڈنٹھل کا ٹکڑا توڑ کر دیا اور فرمایا: بیٹے یہ کھالو، آپ نے کھالیا تھوڑی دیر کے بعد پوچھا طبیعت کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا: بالکل اچھی ہے، والدہ صاحبہ نے فرمایا: اس پان میں تمباکو تھی اور تم کو تمباکو سے قے ہو جاتی ہے، اسی لئے میں نے معلوم کیا پھر فرمایا: رات میں نے خواب میں حضرت شیخ سید عبدالرزاق صاحب بانسوی کو دیکھا ان کے ہاتھ میں تمباکو کا ڈنٹھل تھا اور آپ نے فرمایا عبدالحی کو پان میں تمباکو کھلایا کرو، اس لئے میں نے تمباکو کو تمہیں پان میں ڈال کر کھلائی۔مولانا عبدالحی فرماتے ہیں: اس کے بعد میں مسلسل پان میں تمباکو ڈال کر کھاتا ہوں، اب نہ استفراغ ہوتا ہے نہ پیٹ میں درد، اس بیماری سے میرا چھٹکارا ہو گیا۔

آپ نے لکھنؤ کے قیام کے زمانے میں سفر تقریباً نہیں کئے، ایک مرتبہ دہلی اور ایک مرتبہ یا دو مرتبہ بہار کا سفر کیا، ہمہ تن تصنیف اور مطالعہ میں یا پڑھانے میں گزارتے تھے۔مگر عمر بہت کم لے کر آئے تھے صرف عمر مبارک ۳۹ر سال کی ہوئی تھی کہ آپ پر مرگی کے دورے پڑنے

لگے، علاج بھی کئے گئے جب کچھ صحت ہوتی تو پھر اپنے کام میں مشغول ہوجاتے تھے۔آخر کار پیر کے دن ۳۰؍ربیع الاول ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء کو یہ آفتاب علم غروب ہوگیا اور اپنے پیچھے علماء اسلام کو یتیم بنایا گیا۔مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی ذہانت اور حافظہ عطا فرمایا تھا، آپ کو اپنی کم عمری کے بہت سے واقعات یاد تھے۔نواب سید صدیق حسن صاحب غیر مقلد تھے ان سے زائد نوک جھونک رہتی تھی ان کے اعتراضات اور ان کے جوابات کا سلسلہ تا زندگی باقی رہا اور بھی علماء سے آپ کے مباحثہ جاری رہے۔آپ ہر میدان علم وفن میں ایک مانے ہوئے عالم تھے، اگر یوں کہا جائے کہ آپ فرنگی محل کے اعلیٰ واکمل بزرگوں میں سے ایک اعلیٰ شخصیت ہیں تو بیجا نہیں ہوگا، آپ کے بعد ایسا جامع عالم پھر پیدا نہیں ہوا تو یہ بات بھی درست ہے، علماء تو اس کے بعد بھی پیدا ہوئے مگر آپ جیسا کوئی عالم پیدا نہیں ہوا، اب تو اس گھرانے سے گویا علم اٹھ گیا، صورت باقی ہے معنی ختم ہوگئے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کی طرف سے حضرت مولانا عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اور ان کے سرچشمۂ علوم وفنون کے سب ماہرین کو جزا دے۔آمین

تصوف اور اس کا تعارف:

لفظ تصوف دورِ رسالت اور دورِ صحابۂ کرام کی پیداوار نہیں ہے یہ بعد کو ایک جماعت کاملین وعرفان حق نے اپنے لئے ایجاد کیا ہے جیسے رسول اللہ کے اقوال واعمال سے شغف رکھنے والے کو محدث اور مسائل فقہ کے ماہر عالم کو فقیہ یا مفتی یا مجتہد کہا جاتا ہے، اس کی اصل تزکیۂ باطن ہے جس طرح مقدمہ کتاب کے شروع میں بیان کیا جاتا ہے جب تک ظاہری اصلاح شریعت کے مطابق نہیں ہوگی باطن میں جلا اور پاکیزگی پیدا نہیں ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصدِ اصلی تین چیزوں کو بیان کرتا ہے: ایک کتاب اللہ کی تعلیم اور اس پر بھی مکمل عمل، دوسرے تزکیۂ نفس، تزکیہ کا دوسرا نام تصوف ہے، تزکیہ نفس خواہشات اور عیش وآرام کی زندگی سے حاصل نہیں ہوسکتا، اس کے لئے کثرت سے روزہ

رکھنا اور کم کھانا، حرص دنیا دل سے نکال دینا، جو مولیٰ دے اس سے زائد کی خواہش نہ کرنا، اس کے لئے ہر قسم کے لذائذ سے اجتناب ضروری ہے۔ **الغرض** تزکیہ نفس اور رضائے الٰہی صوفی کا مقصد عظیم ہے۔ اگر صوفی سے کہا جائے کہ تم جنت میں جانا چاہتے ہو یا رضائے الٰہی پسند کرتے ہو تو وہ جنت میں جانے کے مقابلہ میں رضائے الٰہی کو ترجیح دے گا۔

تصوف شریعت کا ایک حصہ ہے کیونکہ شریعت کے تین اجزاء ہیں: **عقائد، اعمال،** احسان۔ بخاری شریف میں ہے: **إنک ان تعبد الله کأنک تراه وإن لم تکن تراه فإنه یراک۔**

سچا صوفی وہ ہے جو بقدر جینے کے کھاتا پیتا ہے، دنیا سے دور اور متنفر ہوتا ہے، چاہے مالدار ہو مگر اس کا دل دنیا سے خالی ہوتا ہے اور عشقِ خدا میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ قصہ مشہور ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن جامی حضرت عبید اللہ احرار کے ساتھ جارہے تھے نئے نئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور خیال تھا کہ میں ان کا مرید ہوں گا، مگر دیکھا کہ حضرت عبید اللہ کے گھر میں مال کی ریل پیل ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ایک بادشاہ کا گھر ہے، اس لئے دل میں یہ خیال آیا کہ ایسا مالدار شخص خدارسیدہ کیسے ہوسکتا ہے۔ دل میں مختلف خیال آرہے تھے کہ اتنے میں ایک دریا آیا جس میں کافی پانی بہہ رہا تھا آپ نے فرمایا، اے عبدالرحمٰن اس پانی میں اپنی لکڑی ڈال، عبد الرحمٰن جامی نے لکڑی ڈال کر نکالی تو آپ نے فرمایا: جامی تم نے سارا پانی دریا کا ناپاک کر دیا، کیونکہ لکڑی پر نجاست لگی تھی، اس لئے سارا پانی ناپاک ہوگیا۔ علامہ عبدالرحمٰن جامی نے عرض کیا یہ تو بہتا ہوا پانی ہے دریا کا پانی کیسے ناپاک ہوگا؟ آپ نے فرمایا: جب تیری ناپاک لکڑی سے دریا کا پاک پانی ناپاک نہیں ہوسکتا تو فقیر کا پاک دل اس دنیائے فانی کے مال سے کیسے ناپاک ہوسکتا ہے؟ اللہ والے دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک سالک دوسرے مجذوب، مجذوب عشقِ الٰہی میں ایسے مستغرق ہوتے ہیں کہ انہیں دنیا کی کچھ خبر نہیں رہتی، ایک طرح سے وہ مجنون اور دیوانے ہوجاتے ہیں، اس لئے وہ شریعت کے مکلف بھی نہیں رہتے ان کی ترقی باطن بھی رک جاتی ہے۔

دوسرے سالک ہیں وہ باہوش رہتے ہیں اور سب جائز اور ضرورت کے کام کرتے ہیں مگر دل میں سوائے خدا کے اور کچھ نہیں ہوتا انہیں کے لئے یہ کہاوت ہے ”دل بیار اور دست بکار“۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع الکمالات تھے پھر آپ کی بابرکت صحبت کی وجہ سے خلفاء راشدین بھی تمام کمالات سے مزین تھے لیکن خلفاء راشدین کے بعد حکومت پر دنیا داروں کا قبضہ ہوگیا، اس لئے وہ حضرات جن کے دل میں اسلام کا درد تھا اور آپ کی تعلیم وحکمت کو باقی رکھنے میں مشغول ہوگئے، محدثین اور فقہاء نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیض کو باقی رکھا اور اس راہ میں بڑی بڑی دشواریاں ومشکلیں پیش آئیں مگر انہوں نے ان سب کو بخوشی برداشت کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب تزکیۂ نفس کو صوفیائے کرام نے سنبھالا اور جاری رکھنے میں جو ریاضت ومجاہدہ نفس کیا اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ اکثر صوفیائے کرام نے پہلے علوم ظاہرہ میں کمال پیدا کیا پھر حصولِ علم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔

متقدمین اور متاخرین صوفیائے کرام کی خانقاہیں علوم ظاہرہ کا بھی مرکز ہوتی تھیں، دیکھئے تصوف کی کتابوں میں ایسی ایسی علمی اور فلسفیانہ موشگافیاں ہوتی ہیں کہ جس سے آج تک عقل حیران ہے وحدت الوجود، وحدت الشہود۔ تناسخ وغیرہ ایسی باریک وسنجیدہ بحثیں ہمارے صوفیائے کرام کی درسگاہوں میں ہوتی تھیں مگر جیسے عقائد، اعمال، اخلاق میں انحطاط آیا وہیں تصوف میں بھی گراوٹ آئی صرف مریدوں کو جمع کرنے اور ان سے نذرانے وصول کرنے کے لئے قوالی میلے ٹھیلے مزارات پر شروع ہوگئے، مجاہدات اور ریاضتیں اور اوووظائف نام کو رہ گئے، جنوں بھوت پریت کا زور ہونے لگا اور پھر اس کے اتارنے اور بھگانے کے لئے کیا کیا خرافاتیں ظاہر ہونے لگیں کہ معاذ اللہ، پھر عورتوں کا ہجوم مردوں عورتوں میں بلا امتیاز خلط ملط ہونا مزارات پر آکر بھی نماز نہ پڑھنا صرف تفریح کرنا اور گانا سننا جیسے خرافات ہونے لگے، پیروں کے پیروں پر سجدے کی طرح گرنا اور سمجھنا کہ بس ان کی ایک دعا یا نگاہ سے ہمارے سب کام ہوجائیں گے پیر خود بدعمل اور خدا سے دور ایسے پیروں کی دعاؤں سے کام ہونا کیسے درست ہوسکتا ہے۔ آج کل

کے ظاہری فقیروں اور مدعیان تصوف نے تصوف کو بدنام کردیا ہے، مگر نہ خیال کیجئے کہ اصلی صوفی دنیا سے مٹ گئے آج بھی اصلی صوفی جو عاشق خدا اور رسول ہیں اور عاملین شریعت ہیں اور کامل پرخلوص اللہ کے بندے ہیں جو ابھی دنیا میں موجود ہیں لیکن تلاش کی ضرورت ہے۔علمائے فرنگی محل ہمیشہ کسی نہ کسی بزرگ کے فیض سے مستفیض ہوئے اُن کے دستِ حق پر بیعت کی اور ان کے خلفائے مجاز بھی ہوئے، اکثر بانسہ شریف کے بزرگ سید شیخ عبدالرزاق صاحب کے سلسلہ سے منسلک رہے۔مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی بھی بانسہ شریف سے عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔

اے اللہ ہمیں قرآن اور حدیث کی روشنی عطا فرما اور اس پر چلنے کی توفیق دے اور اپنے مقبول بندوں میں شمار فرما۔آمین وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین۔

☆☆☆

علامہ عبدالحی فرنگی محلی اور تصوف وسلوک

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ☆

علامہ عبدالحی فرنگی محلی کی شخصیت، ایسی نادرہ روزگار اور فخر عہد شخصیت تھی، جن کے کارنامے اور علمی وتصنیفی خدمات اور ظاہر وباطن کی جامعیت اور علم وعشق کا التزام ایسا تھا جس نے ان کی کم عمری میں عالم اسلام کی چیدہ اور چنندہ ہستیوں میں داخل کر دیا تھا۔ اور وہ زندگی کی صرف ۳۹ بہاریں دیکھ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اتنی کم عمری میں انہوں نے جو دین وشریعت کی تفہیم وتشریح اور حدیث وفقہ سے متعلق ذخیرہ کتب پیش کیا۔ اس کے پیچھے دو سبب بنیادی نظر آتے ہیں۔ ایک درس ومطالعہ میں انہماک، دوسرا ابتدائی عمر سے گویا وہ ابھی طالب علم ہی تھے تدریس سے وابستگی۔ جہاں تک درس میں انہماک کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے الفاظ ہیں:

''عہد اخیر کے ایک جلیل القدر عالم ومدرس مولانا عبدالحی فرنگی محلی نماز فجر سے پہلے بعض طلبہ کو وقت دیتے تھے اور اس وقت بھی ایک سبق ہوتا تھا (ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی جائزہ، ۱۴۱)۔ اور ایک واقعہ تو بڑی شہرت رکھتا ہے کہ ایک بار ان کے مطالعہ کے انہماک کا امتحان۔ ان کے والد مولانا عبدالحلیم صاحب نے اس طرح لیا کہ انہوں نے پانی طلب کیا۔ والد نے پانی کی جگہ تیل پلوا دیا اور وہ مطالعہ میں ایسے منہمک رہے کہ تیل کو پانی سمجھ کر پی گئے۔ تب والد کو اطمینان ہوا۔ اور وہ حکیم بھی تھے فوراً اس کا تریاق دیا۔

طالب علمی کے زمانہ سے تعلیم وتفہیم اور تدریس اس طرح اختیار کر لی تھی، کہ جو پڑھتے

☆ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

پڑھاتے جاتے ۱۲ سال کی عمر سے ان کو یہ خصوصیت حاصل ہوگئی اور یہ ایسا امتیاز انہیں ملا جس میں ان کے اقران اور اسلاف میں بھی نظیر نہیں ملتی، ان کی اس خصوصیت کو مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنی کتاب ''ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت'' میں اس طرح لکھا ہے کہ وہ رقم طراز ہیں:

''حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خودنوشت سوانح عمری میں لکھا ہے:

''وکلما فرغت من تحصیل کتاب شرعت فی تدریسہ'' (نفع المفتی والمسائل ۲۴)۔

(جس کتاب کے پڑھنے سے میں فارغ ہوتا اسی کو پڑھانا بھی شروع کردیتا)۔

''کلما'' کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ کوئی اتفاقی صورت ایک دو کتابوں کے ساتھ پیش نہیں آئی تھی بلکہ ہر کتاب کے ساتھ آپ کا یہی دستور تھا جس کا پہلا فائدہ تو یہی تھا جیسا کہ مولانا ہی فرماتے ہیں:

''فحصل لی الاستعداد التام فی جمیع العلوم بعون اللہ الحی القیوم''

(تمام علوم میں میری لیاقت پختہ ہوتی چلی گئی، اللہ حی وقیوم کی اعانت سے)۔

اور یہ واقعہ بھی ہے کہ علم کو جو یوں مسلسل تازہ بتازہ نو بنو حالت میں رکھنے کی کوشش کرے گا اس کی قابلیت جتنی بھی بڑھتی چلی جائے کم ہے۔ خصوصاً تجربہ کی بات ہے کہ کسی چیز کے سمجھنے میں آدمی پڑھتے وقت اتنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتا جتنی ذمہ داری پڑھانے کے وقت خود بخود اس پر عائد ہوجاتی ہے۔ خود سمجھ لینا اور سمجھ کر دوسرے کو سمجھانے کی کوشش کرنا دونوں میں بڑا فرق ہے۔ مولانا نے لکھا ہے کہ اس طریقہ کار کا یہ نتیجہ تھا کہ:

''مجھے کسی کتاب کے سمجھنے سمجھانے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی تھی۔ خواہ کوئی

کتاب ہو اور کسی فن کی ہو۔حتیٰ کہ اس مشق کی بنیاد پر ایسی کتابوں کو میں نے پڑھادیا جنہیں استاد کے سامنے میں نے نہیں پڑھا تھا۔مثلاً طوسی کی شرح اشارات، اور الافق المبین طب میں قانون اور رسائل عروض (ص ۴۱۴)۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی اس خصوصیت وامتیاز نے ان کو وہ قلب صافی اور نفس زکیہ عطا کردیا کہ جس کے بغیر علم نبوت کا حاصل ووارث ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ وہ آغاز جوانی سے ترک مالایعنیہ اور اجتناب عن المعاصی پر عمل پیرا رہے۔ اور اس کے نتیجہ میں انہوں نے وہ نور باطن حاصل کیا کہ جس نے ان کی تحریروں اور تصنیفات فتاویٰ اور ارشادات کو وہ مقبولیت عطا کی جو اس سے پہلے حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ گویا اس سے پہلے امام سیوطیؒ، امام نوویؒ جیسے ائمہ کو حاصل ہوئی تھی۔ ان کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہوئی کہ ایسے باکمال اساتذہ فن سے علم حاصل کیا جو سلوک وتصوف، للٰہیت وربانیت میں بھی قدم راسخ رکھتے تھے، مثال کے طور پر حضرت شاہ عبد الغنی بن شاہ ابوسعید مجددی دہلوی ثم مہاجر مدنی، شیخ احمد بن زین دحلان شافعی، مفتی محمد بن عبد اللہ بن حمید الحنبلی مکہ مکرمہ وغیرہ اور خود ان کے والد مولانا عبدالحلیم ابن امین اللہ فرنگی محلی قابل ذکر ہیں جو علم ومعرفت کی جامع صفات شخصیت تھیں۔

مولانا عبدالحی لکھنوی کو اللہ نے جن صفات ومحاسن ظاہری وباطنی سے نوازا تھا ان میں انہماک درس ومطالعہ اور کثرت افادہ کے شغل کے ساتھ ان اذکار واشغال کو بھی دخل تھا جو ان کے آباء واجداد کا خاصہ رہا اور خانوادۂ فرنگی محل کے علماء نے اس کا خصوصی اہتمام کیا، اس سلسلہ میں خاندانی طور پر سلسلہ قادریہ کی چھاپ یہاں نظر آتی ہے۔ جو حضرت سید شاہ عبدالرزاق بانسوی کے طریق سے پہنچی جن کے دامن فیض سے اس خاندان والاشان کے مورث اعلیٰ حضرت ملا نظام الدین فرنگی محلی وابستہ ہوئے تھے، اور انہوں نے اس میں اپنے اقران ومعاونین اور تلامذہ ومعتقدین کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی تھی۔

مولانا عبدالحی لکھنوی کا سراپا ان کے ہی ایک ہم وطن معاصر محبّ مخلص اور مؤرخ

مولانا عبدالحی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے نزہۃ الخواطر (۷/۲۵۱) میں اس طرح بیان کیا ہے۔

"وانی حضرت بمجلسه غیر مرة فألفیته صبیح الوجه أسود العینین، نافذ اللحظ، خفیف العارضین مسترسل الشعر زکیا فطینا، حاد الذهن عفیف النفس، رقیق الجانب، خطیبا مصیقعاً، مستبحراً فی العلوم معقولا ومنقولاً، مطلقاً علی دقائق الشرع وعفا مصنه، تبحر فی العلوم، وتحری فی نقل الاحکام، وحرر المسائل، وانفرد فی الهند معلم الفتویٰ فسارت بذکره الرکبان بحیث أن علماء کل اقلیم یشیرون الی جلالة"۔

اور آگے لکھتے ہیں:

"والحاصل أنه کان من عجائب الزمن ومن محاسن الهند، وکان الثناء علیه کلمة اجماع والاعتراف بفضله لیس فیه نزاع" (نزہۃ الخواطر المجلد السابع ۲۵۲)۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے جس طرح فقہ حنفی کو مدلل پیش کیا اسی طرح حدیث سے متعلق ان شبہات کا ازالہ کیا جو وقتاً فوقتاً پیدا کیے جاتے رہے ہیں، اسی طرح تصوف وسلوک کو حدیث وسنت کے دلائل کے ساتھ پیش کیا۔ اور اس کے اصولوں اور اذکار واشغال کو ثابت کیا، ذکر بالجہر جو ایک متنازعہ مسئلہ اہل علم وفکر کے درمیان رہا لیکن انہوں نے تکبیرات تشریق، اذان، اس طرح بعض دوسرے موقعوں پر جہر کی مشروعیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ذکر اللہ میں رفع صوت کو اہمیت دی ہے۔ اسی طرح تلبیہ کا ذکر کہ وہاں رفع صوت سنت ہے، اسی طرح سلام وغیرہ میں آواز کا بلند ہونا، علامہ عبدالحی لکھنوی نے مطلق اللہ کے ذکر میں جہر اور رفع صوت کے قائل حضرات کا ذکر کرتے ہوئے اس کا اشارہ دیا کہ یہ حضرات یوں ہی اس کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کے پاس مضبوط دلیلیں ہیں اور امام سیوطیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

الذکر فی الملا لایکون الا عن جهره فدل الحدیث علما جوازه

اسی طرح ذکر کے حلقات سے بھی استدلال کیا ہے، جیسا کہ حضرت انسؓ کی روایت ہے:

ان الله سيارة من الملائكة يطلبون حلق الذكر فاذا أتوا حلقهم حفوابهم (سباحۃ الفکر:۱۵)۔

اور اس کی مشروعیت اور جواز کے لیے کہ علی الاعلان ذکر وتلاوت کی جاسکتی ہے، اس حدیث سے خاص طور پر استدلال کرتے ہیں جس میں کہا گیا ہے حدیث قدسی ہے "من ذكرني في ملأ ذكرته في ملأ خير منه" اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد قرآنی "كذكركم آبائكم او اشد ذكراً"۔

البتہ ذکر کے جہر میں افراط سے کام لینے کو بعض شبہات کی وجہ سے مولانا درست نہیں سمجھتے اور وہ ملا علی قاری اور علامہ حصکفی کی بھی یہ رائے بتاتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

(الجهر المفرط ممنوع شرعاً، وكذا الجهر الغير المفرط إذا كان فيه إيذاء لاحد من نائم او مصل أو حصلت فيه شبهة رياء أو لو حظت، فيه خصوصيات، غير مشروعة أو ألتزم كالتزام المتنزمات، فكم من مباح يصير بالتزام. من غير لزوم. والتخصيص من غير مخصص. مكروها، كما صرح به على القارى فى شرح المشكوٰة والحصكفى فى الدر المختار وغيرهما (سباحة الفكر فى الجهر بالذكر للإمام اللكهنوى تحقيق عبد الفتاح ابو غده حلب سوريا)۔

ان کا ایک رسالہ "اقامة الحجة على ان الاكثار فى التعبد ليس ببدعه" بھی ہے۔ اس میں دو بنیادی باتیں اور دو مقصدی باتیں ہیں۔ اور آخر میں نتیجہ وپیغام سے رسالہ کو ختم کیا ہے۔

بنیادی بات یہ فرمائی کہ صحابہؓ تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں جو عمل پیش آیا اور ان

حضرات کی طرف سے اس پر نکیر نہیں کی گئی تو وہ بدعت نہیں اور اگر نکیر ثابت ہے تو وہ بدعت قرار پائے گا۔ اسی طرح اگر ان حضرات صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ کے بعد کوئی نیا عمل پایا گیا، تو اس کو دلائل شرعیہ پر پیش کیا جائے گا اگر شریعت میں اس کی کوئی اصل ہوگی یا اس کی نظیر پائی جاتی ہوگی، تو وہ بدعت نہ ہوگا اور اگر اس کی کوئی اصل شرع میں نہ ملے گی تو پھر وہ نیا عمل بدعت وضلالت ہوگا اگر چہ اس کا مرتکب اصحاب فضیلت یا مشہور بالمشیخت ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ علماء وعابدین کے افعال حجت نہیں ہیں جب تک کہ شرع کے مطابق نہ ہوں۔

دوسری طرف مولانا عبدالحی صاحب نے اکابر صحابہؓ کی کثرت عبادت کو پیش کیا ہے اور ان کے ساتھ کبار تابعین کی کثرت عبادت کو بھی پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ عبادت میں جہد ومشقت برداشت کرنا اور اپنی ساری عمر غایت طاعت میں صرف کرنا کیسے بدعت اور غلط ہوسکتا ہے جب کہ دیگر صحابہؓ کے نزدیک یہ قابل رشک چیز تھی۔

جہاں تک مقصد کا تعلق ہے تو اس میں انہوں نے ان شبہات کا ازالہ کیا ہے جو کثرت عبادت ومجاہدے پر واقع ہوتے اور یہ ثابت کیا ہے کہ کثرت عبادت چند وجوہ سے بدعت وضلالت نہیں ہے۔ ایک تو یہ کہ حسب طاقت صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین سے عبادت میں جد وجہد ثابت ہے اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا، اور ہر وہ چیز جو اس قسم کی ہو وہ بدعت نہیں۔ اور سنت کی تعریف کرتے ہوئے بڑی بلیغ بات یہ فرمائی کہ ہر وہ عمل جو بغیر نکیر کے ثابت ہو وہ سنت ہے اس لیے کہ سنت کا اطلاق صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے فعل کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ یہ آپؐ کے فعل کے علاوہ صحابہ کرامؓ کے فعل کو بھی عام ہے، بلکہ اگر وہ کسی فعل سے راضی ہوں اگر چہ خود اس پر عمل نہ کیا ہو تو وہ بھی سنت ہے۔

جہاں تک عبادت وغیرہ میں تشدد اور مبالغہ سے کام لینے کی بات ہے تو اس سلسلہ میں مولانا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ فیصلہ دیا کہ بعض کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جاری رکھا اور خود بھی اس پر عمل کیا کہ قدم مبارک سوج جاتے

تھے۔ اور یہ سوال کیے جانے پر کہ آپؐ کی تو باز پرس ہونی نہیں ہے فرمایا تھا'' افلا اکون عبداً شکوراً'' اور جن لوگوں کو آپؐ نے عبادت میں سختی کرنے سے روکا تو ان کے ذاتی حال اور کیفیت کے سبب سے تھا کہ جیسے کسی پر نیند کا زیادہ غلبہ وغیرہ۔ مولانا عبدالحی صاحب اس میں صحیح مسلک یہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ افراد امت کو جب ملال کا خوف ہو تو اس قدر عبادت میں کثرت اور جد وجہد اختیار کرنا چاہیے۔ اگر جس کو اس کا اندیشہ نہ ہو یا عبادت سے لذت آشنا ہو چکا ہو یا نفس کی اصلاح کے لیے ضروری سمجھتا ہو تو وہ ریاضت اور عبادت میں کثرت کو اختیار کر سکتا ہے، بلکہ اس کا اختیار کرنا افضل ہے، اس لیے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو مغفور اور مبشر بالجنہ ہیں۔ ان کا جب عبادت میں یہ حال تھا تو پھر ہمارا کیا حال ہونا چاہیے، جس کا انجام مخفی ہے اور گناہوں نے اس کی پشت کو بوجھل کر رکھا ہے، اور عذاب جہنم سے وہ مامون نہیں ہے۔

مصنف ''اقوال سلف'' حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی مدظلہ نے علامہ عبد الحی لکھنوی کی اس تطبیق وتحقیق کو سبھی کے لیے بہت مفید قرار دیا ہے۔ اس میں علامہ لکھنوی نے جو اعتدال کا راستہ اختیار کیا ہے وہ ہر جگہ نہیں ملتا، کہیں خاص عبادت کو اتنی کم جگہ ملتی ہے جیسے کھانے میں نمک اور کہیں اتنی زیادہ کہ دوسرے حقوق فرائض نظر انداز ہو جاتے ہیں، مولانا لکھنوی نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات واحوال کو سامنے رکھ کر بہترین توجیہ پیش کی ہے کہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت نماز سے منع نہیں فرمایا تھا بلکہ آپؐ نے ان کو حسب طاقت عمل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اور یہ اجازت اس حد تک ہے کہ عامل عمل سے اکتا نہ جائے اور عمل ہی کو چھوڑ نہ دے (ملاحظہ ہو اقوال سلف حصہ ۴/۱۸۲)۔

مولانا عبدالحی لکھنوی کی "اقامة الحجة علی ان الاکثار فی التعبد لیس ببدعه" اس موضوع پر لاجواب اور معرکۃ آراء تصنیف ہے، جو علماء کو اور اصحاب ارشاد وتربیت کو

بڑی پسند رہی ہے۔ مولانا محمد قمر الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ یہ کتاب مصلح الامت مرشدی مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کو بے حد پسند تھی، اس لیے اس سے وہ مضامین برابر سنایا کرتے تھے۔

علامہ لکھنوی نے وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے جو بات لکھی ہے وہ ان کے علو استعداد باطنی اور جذبہ تقرب الی اللہ وتعلق مع اللہ کی غمازی کرتی ہے انہوں نے لکھا ہے: ''میں اولاً ارباب کمال کے فضائل ومناقب پر مشتمل کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا تھا تاکہ مجھے بھی ان حضرات کے اخلاق حمیدہ سے تخلق کی سعادت نصیب ہو، چنانچہ اس کی وجہ سے سلف صالحین اور حضرات متاخرین کی ریاضات اور ان کے مجاہدات کی معرفت حاصل ہوئی، جو اپنے ہر ہر لحظہ کو عبادت میں صرف کرتے تھے اور اللہ کی جناب میں زیادتی قرب وقبول کے طالب ہوتے تھے اور میں اعتقاد رکھتا تھا کہ یہی وہ صراط مستقیم ہے جس سے درجات نعیم تک پہنچا جا سکتا ہے (اقوال سلف ۴ر ۱۷۴)۔

مولانا عبدالحی لکھنوی نے زیادہ عمر نہیں پائی ۱۲۶۴ھ میں باندہ میں پیدا ہوئے دس سال کی عمر میں حافظ قرآن ہوئے اور ۱۷ برس کی عمر میں تمام علوم سے فراغت حاصل کرلی اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہوئے۔ بے حد ذہین تھے ۱۲ سال کی عمر سے تعلیم دینے لگے تھے، اور مشکل سے مشکل کتابیں سمجھ کر سمجھانے پر قادر ہوگئے تھے، دوبار حج کی سعادت حاصل کی، اور وہاں مشائخ وعلماء سے استفادہ کیا، اور آخر ربیع الاول ۱۳۰۴ھ میں ۳۹ر سال کی عمر میں وفات پائی اور آباء کے قبرستان باغ مولوی انوار میں مدفون ہوئے۔

رحمه الله تعالىٰ رحمة واسعة وتقبل خدماته وحسناته جميعا۔

☆☆☆

تیسرا باب

ج: علامہ محمد عبدالحی فرنگی محلی کی کتابیں-ایک تعارف

علامہ ابو الحسنات عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ
اور ان کی کتاب ظفر الأ مانی فی مختصر الجرجانی - ایک جائزہ

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن الأعظمی ندوی ☆

کچھ ملا قطب الدینؒ کے بارے میں:

ملا نظام الدین محمد ضلع بارہ بنکی کے قصبہ ''سہالی'' کے رہنے والے تھے، ان کے والد ماجد ملا قطب الدین انصاری ایک بڑے عالم شمار کئے جاتے تھے، علوم عقلیہ ونقلیہ میں ان کا مرتبہ معاصر علماء سے بدرجہا فوقیت رکھتا تھا، وہ اپنے زمانہ کے طلباء کی تعلیم وتربیت میں مشغول رہ کر زندگی گزارتے تھے، اس زمانہ کے مغل بادشاہ اورنگ زیب نے ان سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی، مگر وہ ان سے نہ مل سکے، قصبہ ''سہالی'' میں ان کے گھر کے اندر گھس کر نسبی عداوت کی بنا پر انہیں قتل کردیا گیا، اس حادثہ کے وقت ملا قطب الدین سہالی کے اپنے مدرسہ میں طلباء کو پڑھا رہے تھے، ان کی تاریخ شہادت ۲۷/مارچ ۱۶۹۲ء مطابق ۱۹/رجب ۱۱۰۳ھ ہے۔

خانوادۂ ملا قطب الدین کی لکھنؤ آمد

ملا قطب الدین کی شہادت کے بعد ان کا خاندان سہالی سے ہجرت کر کے لکھنؤ میں قیام کرنے کی فکر میں مشغول تھا، اسی دوران ملا قطب الدین کے دوسرے بیٹے محمد سعید نے حیدرآباد دکن جا کر اورنگ زیب سے ملاقات کی، اور اپنے والد کے واقعۂ شہادت سے ان کو باخبر

☆ مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

کیا، اگرچہ ان کو اس حادثہ کا پہلے ہی سے علم ہو چکا تھا، ملا محمد سعید نے اورنگ زیب سے درخواست کی کہ ملا قطب الدین کا خاندان لکھنؤ منتقل ہونا چاہتا ہے، ان کی اس خواہش کو قبول فرما کر لکھنؤ میں کوئی قیام گاہ عطا فرمادی جائے، عالمگیر نے درخواست قبول کرتے ہوئے لکھنؤ میں مقیم فرانسیسی تاجر کی حویلی پر نظر انتخاب مرکوز کی، یہ کوٹھی اس وقت تک اجارہ داری کی مدت سے آزاد ہو کر حکومت کی تحویل میں آگئی تھی، عالمگیر نے اس کو ملا قطب الدین کے خاندان کو عطا کرنے کے لئے فرمان جاری کردیا، چنانچہ اس خاندان نے سہالی سے ہجرت کر کے لکھنؤ کو اپنا وطن ثانی بنالیا، اور اسی حویلی میں قیام پذیر ہوگیا، جس کو بعد میں فرنگی محل کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔

ملا نظام الدین محمد: حیات وعلمی حالات

اس وقت ملا نظام الدین طالب علمی کے دور سے گزر رہے تھے، اپنے والد سے شرح جامی تک کا درس لے چکے تھے، لکھنؤ آنے کے بعد سلسلۂ تعلیم جاری رکھا، اور اس وقت کے اساتذہ اور علماء سے کسب فیض کیا، آخر میں ملا غلام نقشبندی گھوسوی سے دیگر ضروری کتابیں پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے، اس وقت ان کی عمر ۲۱-۲۲ رسال کے درمیان تھی، اس لئے کہ ان کی تاریخ پیدائش ۱۰۸۱ھ اور تاریخ وفات ۱۱۶۱ھ ہے۔

تعلیمی مراحل طے کرنے کے بعد ملا نظام الدین کا تعلق ملا عبد الرزاق بانسوی سے سلوک ومعرفت کے میدان میں قائم ہوا، اور وہ ان کی توجہات خاصہ کا مرکز بن گئے، اور علوم اسلامیہ کے درس وتدریس کا سلسلہ فرنگی محل میں قائم کردہ مدرسہ کے اندر شروع کردیا، یہی وہ مدرسہ ہے، جس کو ہم مدرسہ نظامیہ فرنگی محل کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اسی کی نشاۃ ثانیہ فرنگی محل کے نوجوان عالم ورہنما مولانا خالد رشید نظام الدین محمد فرنگی محلی کررہے ہیں۔

درس نظامی کی عمومیت وشہرت

ملا نظام الدین محمد نے تعلیم وتدریس کا ایک ایسا نصاب مرتب کیا، جو منجانب اللہ مقبول

ہوا، آج تک انہیں کا وضع کردہ نصاب تعلیم مدارس اسلامیہ میں رائج وسائر ہے، اور اس کو ہم ''درس نظامی'' کے نام سے یاد کرتے ہیں، علامہ شبلی نعمانی نے مقالات شبلی میں درس نظامی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''درس نظامی اگرچہ ملا نظام الدین کی طرف منسوب ہے، لیکن درحقیقت اس کی تاریخ ایک پشت اوپر سے شروع ہوتی ہے، یعنی ملا نظام الدین کے والد سے جن کا نام ملا قطب الدین شہید تھا''۔

ملا نظام الدین نے اس مدرسہ میں پچاس سال تک درس وتدریس کی خدمت انجام دی، اور اس کا شہرہ دور دور تک پہونچا فرنگی محل کے اس مدرسہ کی مثال علامہ شبلی نعمانی نے کیمبرج یونیورسٹی سے دی ہے (گویا یہ ہندوستان کی کیمبرج یونیورسٹی ہے)۔

فرنگی محل کے نامور علماء

بتوفیق ایزدی ملا نظام الدین کے مدرسہ نظامیہ فرنگی محل سے بڑے بڑے نامور اور جید علماء نکلے، خود فرنگی محل کے جید علماء کی تعداد ۳۰۰ سے زائد ہے، ان علماء میں تیرہوی صدی ہجری کے ملا محمد مبین فرنگی محلی، ملا عبد العلی بحر العلوم، مولانا محمد عیسیٰ فرنگی محلی، مولوی نور اللہ فرنگی محلی، مولوی اختر فرنگی محلی، مفتی ظہور اللہ فرنگی محلی اور ملک العلما مولوی حیدر فرنگی محلی، محمد غوث فرنگی محلی، مولوی نعیم اللہ فرنگی محلی، اور دیگر بہت سے علماء خاص طور سے قابل ذکر ہیں، جن کا احاطہ اس مختصر مضمون میں کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی: حیات وکارنامے

فرنگی محل کے نامور علماء میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا اسم گرامی خاص طور سے قابل ذکر اور لائق استفادہ ہے، مولانا عبد الحی فرنگی محلی، ملا نظام الدین صاحب درس نظامی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا مختصر نسب نامہ اس طرح ہے، عبد الحی بن عبد الحلیم بن امین اللہ بن محمد

اکبر بن أبو الرحم بن محمد یعقوب بن عبد العزیز بن محمد سعید بن قطب الدین شہید سہالوی لکھنوی، آپ کی ولادت باندہ میں ۱۲۶۴ھ مطابق ۱۸۴۷ء میں ہوئی، پہلے خاندانی تعلیم وتربیت سے منسلک رہے اور حفظ قرآن کیا، اور اپنے والد ماجد مولانا عبد الحلیم بن أمین اللہ سے درسیات کی کتابیں پوری توجہ اور مطالعہ کے ساتھ پڑھنے کے ساتھ مفتی نعمت اللہ بن نور اللہ فرنگی محلی سے استفادہ کیا، اور اپنی ذہانت طبع اور حصول علم کی تمام شرائط کو پوری کرتے ہوئے ۱۷ر سال کی عمر میں سند فراغت حاصل کی، اور حیدرآباد جاکر تدریس وافادہ کا سلسلہ شروع کیا، اور ایک عرصہ تک وہاں مقیم رہے، ان کی علمی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ معقولات ومنقولات دونوں میں مہارت کے درجہ پر فائز تھے، شریعت کے امور واسرار سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ اصول فروع پر بھی گہری نظر کے مالک تھے، یہی وجہ تھی کہ مسند تدریس پر بیٹھنے کے بعد آپ نے ایک عالم ربانی اور فقیہ عالی مرتبت کی مثال قائم کی، فقہ میں آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا، آپ کی اہم کتاب ''السعایۃ فی کشف ما فی شرح الوقایہ'' اگرچہ یہ تصنیف ناقص رہ گئی، لیکن اپنے موضوع پر منفرد ہے، اس طرح شرح وقایہ کا حاشیہ ''عمدۃ الرعایۃ'' کے نام سے قابل ذکر ہے، صرف فقہ کے موضوع پر تقریباً آپ کی ۴۰ر کتابیں ہیں۔ اور مذہب حنفی کے متبع ہونے کے ساتھ ہر طرح کے جمود سے بالاتر تھے، اور موفق من اللہ تھے، اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں:

''حدیث اور فقہ کی طرف توجہ کرنے میں منجانب اللہ مجھے توفیق حاصل ہے، جب بھی کوئی مسئلہ نص صریح کے خلاف پاتا ہوں تو اسے ترک کردیتا ہوں، وہ یہ بھی کہتے تھے خالص تقلید مجھے پسند نہیں کہ ہر حال میں فقہاء کی رائے اختیار کی جائے، چاہے وہ ادلۂ شرعیہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، لیکن کسی امام اور فقیہ پر طعن وتشنیع کو ناپسندیدہ فعل سمجھتا ہوں''۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو فقہ اسلامی میں بصیرت اور فہم معتدل عطا فرمایا تھا، ان کی کتابیں اس پر شاہد عدل ہیں، احیائے سنت پر ان کی مستند کتاب ''تحفة الأخبار في إحياء سنة سيد الأبرار'' ہے، اسی طرح ''إقامة الحجة على أن الإكثار في التعبد ليس ببدعة'' اپنے

موضوع پر منفرد کتاب ہے''قرائۃ الفاتحۃ خلف الإمام پر انہوں نے إمام الکلام فیما یتعلق بقراءۃ الفاتحۃ خلف الإمام کے نام سے لکھ کر بہت سے سوالات کا جواب شافی دے دیا ہے، اور اپنی فقہی بصیرت کا لوہا علماء عصر اور علماء اسلام سے منوالیا ہے۔

علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ کے بارے میں علماء ومشائخ کے تاثرات

اس تحریر میں ان کی خدمت حدیث کا مختصر ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں، جس کا اعتراف ملک کے باہر کے علماء نے بھی بڑی فراخ دلی سے کیا ہے، اس موقع پر ڈاکٹر ابولبابہ طاہر صالح حسین جو امارات یونیورسٹی کے استاذ حدیث وعلوم حدیث ہیں، انہوں نے مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''وہ علمائے اعلام جن کی شخصیت نمایاں ہوئی، اور جن کا حصہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں بہت زیادہ نمایاں ہے، علامہ ابو الحسنات عبدالحی لکھنوی ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے نہایت بلند اور قیمتی عقلی اور ذہنی طاقتوں سے نوازا تھا، اور جس کا درتا بندہ صلاح وتقوی تھا، زمانہ کے عجائبات میں اور ہندوستان کی علمی حسنات میں ان کا شمار ہوتا ہے، ان کی تعریف علماء نے متفقہ طور پر کی ہے، اور ان کے علم وفضل کا پورا اعتراف کیا ہے، وہ مختصر عمر کے باوجود ایک سوبیس کتابوں کے مصنف ہونے کا امتیاز رکھتے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے تصنیف وتالیف میں بہت بلند مرتبہ عطافرمایا تھا، اسی طرح مقاصد ووسائل کے علوم اور ان کے اصول وفروع پر ان کی نظر بہت گہری تھی، ان کے معاصرین علماء وان کے اساتذہ وشیوخ نے ان کو علمی اور سندی اجازت عطا کی، اور ان کے علمی فضل کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے درجۂ تفوق وامتیاز کو تسلیم کیا''۔

شامی محدث وعالم عبدالفتاح ابوغدہ فرماتے ہیں کہ'' جب بھی ان مؤلفین اور مصنفین کا تذکرہ ہوگا جن کی تصنیفات پچاس یا سو سے زیادہ ہیں تو بغیر کسی شک وشبہ کے امام عبدالحی اس میں سرفہرست اور پیش پیش ہوں گے، وجہ یہ ہے کہ آپ کی تصنیفات کی تعداد ۱۱۵ کے قریب ہیں۔خاص کر جب اس کثرت کا موازنہ مرحوم کی مختصر عمر سے کیجئے تو کل ۳۹ سال تھی اور زیادہ

معلوم ہوتی ہیں۔

علامہ عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب نزہۃ الخواطر میں ان کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

''علوم عقلیہ ونقلیہ میں بہت متبحر تھے، اور شریعت مطہرہ کی باریکیوں اور اس کے رموز واسرار سے خوب واقف تھے، تمام علوم پر وہ یکساں دسترس رکھتے تھے، اور احکام فقہیہ کے نقل میں انہوں نے تحری سے کام لیا، اور مسائل کو وضاحت کے ساتھ تحریر کیا، اصول فروع میں ان کو پوری دسترس حاصل تھی، اور دقت نظر کا امتیاز حاصل تھا، بلاشبہ وہ زمانہ کے عجائبات میں اور ہندوستان کی قابل فخر شخصیات میں شمار کئے جانے کے قابل ہیں۔ متفقہ طور پر تمام علماء ان کے علم وفضل کا اعتراف کرنے اور ان کے جامع الاصول والفروع ہونے پر متفق ہیں''۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ کے والد ماجد علامہ شریف مولانا عبدالحی حسنی رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب نزہۃ الخواطر میں ساڑھے چار ہزار علمائے ہند کے تراجم تحریر فرمائے ہیں، ان میں صرف علمائے فرنگی محل کے ۴۷/ علمائے افاضل کے ترجمے اور ان کے حالات لکھے ہیں۔

مقام مسرت ہے کہ برادر مکرم جناب مولانا طارق رشید فرنگی محلی (صاحبزادہ حضرت مولانا ابوالطیب احمد میاں فرنگی محلی امام عیدگاہ لکھنؤ) نے ان تمام علمائے فرنگی محل کے تراجم وحالات کو نزہۃ الخواطر سے جمع کرکے الگ سے ایک کتاب میں شائع کیا ہے، جس کا نام ''اعلام فرنگی محل بما فی نزھة الخواطر'' رکھا ہے۔ نزہۃ الخواطر اب ''الإعلام بما في تاريخ الهند من الأعلام'' کے نئے نام سے نہایت خوبصورت طباعت کے ساتھ شائع ہوچکی ہے۔

علامہ جرجانی: ایک تعارف

اس مختصر مضمون میں میں علوم حدیث اور مصطلح حدیث کے موضوع پر ظفر الأمانی کا تذکرہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ اس وقت ہمارے سامنے آٹھویں صدی ہجری کے محدث سید علی

بن محمد بن علی الزین ابو الحسن الحسینی جرجانی حنفی ہیں، جو ''سید شریف عالم شرق'' کے نام سے معروف تھے، وہ آٹھویں صدی میں شہر جرجان میں پیدا ہوئے، ان کی تاریخ پیدائش شعبان ۷۴۰ھ ہے، بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ جرجان میں ریاست استرآباد کے ایک گاؤں ''طاغو'' میں پیدا ہوئے، انہوں نے تحصیل علم کے لئے مختلف ممالک کا سفر کیا، اور اپنے زمانہ کے علماء اخذ سے حصول علم میں بڑے انہماک کے ساتھ مشغول رہے، مصر و روم اور دیگر علمی مراکز میں بھی جا کر علمائے کبار سے متون وشروح کا علم حاصل کیا، اور ۷۸۹ھ میں شیراز پہونچ کر تصنیف وتالیف میں مشغول ہوئے تھے کہ اسی زمانہ میں تیمور لنگ شیراز پہونچا اور ماوراء النہر جانے پر مجبور کیا، چنانچہ سید علی جرجانی سمرقند چلے گئے اور وہیں اپنا علمی اور تعلیمی مشغلہ جاری رکھا، اور تیمور کے انتقال کے بعد پھر شیراز واپس آ گئے۔

علامہ سخاویؒ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: تعلیم وافتاء میں مشغول ہوئے اور عالی مقام علماء ان کے ہاتھوں فارغ التحصیل ہوئے، ان کے تلامذہ کی کثرت ان کے لئے مزید علمی شہرت کا باعث بنی، علامہ عینی اور دیگر علماء نے ان کی علمی فضیلت اور ان کے بلند مقام کا اعتراف کیا ہے، ان کو یکتائے زمانہ قرار دیتے ہوئے سلطان العلماء کا لقب دیا ہے، علامہ جرجانی کی وفات ۶/ربیع الثانی ۸۱۶ھ میں شیراز میں ہوئی، وفات کے وقت ان کی عمر ۷۶/سال تھی۔

ان کی تصنیفات مختلف علوم وفنون میں ۵۰/سے زیادہ ہیں، مثلاً تفسیر، حدیث، اصول فقہ، علوم حدیث، علوم العربیۃ، منطق وفلسفہ، فقہ فرائض ان تمام موضوعات پر انہوں نے اپنے علمی آثار چھوڑے ہیں۔

مختصر الجرجانی اور اس کے قلمی ومطبوعہ نسخے

مختصر الجرجانی علامہ علی جرجانی کی تصنیف ہے، جو دراصل مشکاۃ شریف پر طیبی کے حاشیہ کے مقدمہ کا خلاصہ ہے، جو مختصر ہے اور بڑی حد تک غامض بھی، مشکاۃ پر علامہ طیبی کا حاشیہ مع مقدمہ کے پاکستان سے ''الکاشف عن حقائق السنن'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اسی طرح

طیبی کا یہ خلاصہ بغداد میں بھی زیورطبع سے آراستہ ہو چکا ہے، مختصر الجرجانی کے قلمی نسخے مختلف بڑے کتب خانوں میں آج بھی موجود ہیں، مثلاً خدا بخش لائبریری میں مختصر الحدیث للجرجانی کے نام سے، اسکندریہ یونیورسٹی کے مکتبۂ عامہ میں، بغداد کے مکتبۃ الأوقاف میں، اس مختصر رسالہ کی تحقیق وشرح متعدد اہل علم نے کی ہے، مکتبۂ شبلی ندوۃ العلماء میں بھی اس کتاب کا بہت قدیم مطبوعہ نسخہ موجود ہے۔

ظفر الأمانی کی تصنیف

لیکن علامہ عبدالحی فرنگی محلی کی شرح ''ظفر الأمانی علی مختصر الجرجانی'' کے نام سے زیادہ مبسوط اور مفصل ہے، اس کے بارے میں علامہ عبدالحی کا بیان قابل استفادہ ہے، وہ لکھتے ہیں:

''علم اصول حدیث کے موضوع پر مختصرات کے میدان میں سب سے عظیم تصنیف مختصر جرجانی ہے، اسی لئے علمائے حدیث نے اس کو بہت اہمیت دی ہے، اور وہ تمام علمی حلقوں میں ایک بلند مقام رکھتی ہے، اللہ تعالی نے میرے دل میں یہ ڈالا کہ میں اس مختصر کی ایسی شرح لکھوں جو اصول مقاصد پر پوری طرح حاوی ہو، اور اس میں کوئی پیچیدگی نہ باقی رہے، خاص طور سے جب اس مختصر کو پڑھنے کے لئے میرے پاس بعض ایسے طلباء آئے جن کو میں نے پڑھاتے وقت محسوس کیا کہ اس کتاب کی مفصل شرح لکھنا فائدہ سے خالی نہیں ہے''۔

علامہ فرنگی محلیؒ نے یہ شرح اپنے حیدرآباد دکن میں قیام کے دوران تحریر کی، اور دو قسطوں میں اس شرح کو پوری کرنے کی توفیق اللہ تعالی نے انہیں عطا فرمائی، اور عمر کے آخری حصے میں مکمل ہوسکی، اس شرح کے پوری کرنے کے بعد ایک مہینہ ۱۸ دن کے بعد ان کا وقت موعود آپہونچا، اور وہ ۳۹ سال کی عمر میں ماہ ربیع الاول کے آخر میں ۱۳۰۴ھ میں راہ آخرت ہوئے۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

مختصر الجرجانی کے قدیم مطبوعہ نسخہ میں اس کے سرورق پر یہ عبارت تحریر ہے اس کا بعینہ اس موقع پر نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

"ومن يتوكل على الله فهو حسبه، هذا المختصر من الخلاصة للطيبي في فن أصول الحديث المنسوب إلى السيد السند والحبر المستند، رأس المحققين، ورئيس المدققين، الجهبذ الفهامة والألمعي العلامة، أستاذ علماء الآفاق وإمام الأئمة على الإطلاق على الجرجاني الشهير بالسيد الشريف، قدس الله سره العزيز"۔

مختصر جرجانی کے چند مباحث ظفر الأمانی کی روشنی میں

یہ کتاب لیتھو پریس کے ذریعہ آج سے بہت پہلے ۱۲۵۵ھ میں شیخ سعد الدین علوی کے اہتمام اور ان کی تصحیح وتعلیق کے ساتھ مصطفیٰ خاں اور محمد روشن خاں کے پریس سے شائع ہوئی، (اندازہ ہے کہ لکھنؤ میں ہی پریس قائم تھا) اس رسالہ کی کتابت عبد الرحمٰن نامی شخص کے ہاتھوں انجام پائی، شیخ سعد الدین علوی نے حسب ضرورت اس رسالہ پر اپنے مختصر حواشی بھی تحریر کئے ہیں، رسالہ کی ابتداء اس طرح سے ہوتی ہے:

"الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله محمد وآله أجمعين، وبعد۔

فهذا مختصر جامع لمعفرة علم الحديث" پر شیخ سعد الدین علوی کی تعلیق کا نمونہ مندرجہ ذیل ہے، حاشیہ یوں ہے: أي مختصر خلاصة الكتاب للطيبي في أصول الحديث، اور لمعرفة علم الحديث پر دوسرا حاشیہ یوں ہے: المراد بعلم الحديث ها هنا علم أصول الحديث على حذف المضاف، وهو علم يعرف به أحوال ما يسند إلى النبي صلى الله عليه وسلم من حيث الصحة والضعف وأحوال إسناده من حيث الاتصاف والانقطاع وأحوال رجاله من حيث الجرح والتعديل۔

المقدمة کے تحت شیخ علی جرجانی نے لکھا ہے:

المقدمۃ فی بیان اُصولہ و اصطلاحاتہ۔

علم اصول حدیث اور اس کی اصطلاحات پر جو مقدمہ السید الشریف شیخ علی جرجانی نے تحریر کیا ہے، علامہ عبدالحی فرنگی محلی نے اپنی شرح ظفر الأمانی کے ذریعہ اس کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''علم حدیث سے مراد اصول حدیث اور اس کی اصطلاحات ہیں، متن کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مشہور یہی ہے کہ جہاں اسناد کا سلسلہ ختم ہوجائے اور اصل مفہوم کو بیان کرنے کے لئے استعمال کیا جائے۔ علی جرجانی نے متن کی تعریف میں لکھا ہے کہ متن، حدیث کے ان الفاظ کا نام ہے، جن پر معانی کی بنیاد قائم ہے، اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ لکھنوی نے لکھا ہے کہ الفاظ کی اضافت حدیث کی طرف عہدی ہے، یعنی جو الفاظ صاحب حدیث سے صادر ہوئے، یہی وجہ ہے کہ ترجمۃ الحدیث کو متن نہیں کہا جاسکتا''۔

علامہ جرجانی نے اپنی مختصر میں یہ لکھا ہے کہ حدیث عام ہے اس بات سے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہو، یا صحابی کا یا تابعی کا، ان کا فعل یا ان کی تقریر ہو، علامہ لکھنوی نے لکھا ہے کہ اس موقع پر علمائے حدیث کے مابین چار الفاظ استعمال ہوتے ہیں: خبر، حدیث، سنت اور اثر، اسی لئے حدیث اور خبر کے درمیان تباین کلی ہے، حدیث وہ ہے جو رسول اللہ سے یا صحابی یا تابعی سے منقول ہو، لیکن خبر اس کے ماسوا کلام کو کہتے ہیں۔

تبرکاً یہ چند الفاظ زیر تحریر آ گئے، تا کہ اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ علامہ جرجانی کی مختصر میں غموض وخفا کا پہلو غالب ہے، اس لئے اس مختصر کی شرح ایک ناگزیر ضرورت قرار دی جاسکتی ہے، جس کا بیڑا علامہ لکھنوی نے اٹھایا، اور انتہائی تفصیل اور وضاحت سے علم اصول حدیث اور اس کی مصطلحات کو لکھ کر اور زیور طبع سے آراستہ کر کے نہ صرف یہ کہ طالبین علم حدیث کے لئے اصول حدیث اور مصطلحات حدیث کا نادر اور نہایت قیمتی ذخیرہ تیار کردیا، بلکہ اس علم سے اشتغال رکھنے والے تمام علماء اور محدثین کو علم اصول حدیث کے خزانے کی چابی عطا کر دی، اور مختصر جرجانی

کے مقدمہ اور مقاصد کو اپنے مفصل اور واضح ترین شرح کے ذریعہ علم حدیث اور اس کے اصول ومصطلحات کے مکتبہ عامرہ میں ایک نہایت قیمتی اضافہ کر کے علمائے حدیث کے لئے تحقیق وتعلیق کا نیاباب کھول کر علم حدیث اور اس کے متعلقات تک پہونچنے کے لئے راستہ کو مختصر وآسان کر دیا۔

ایک ناقص رائے

علامہ لکھنوی نے اپنے زمانہ کے طریقہ کے مطابق علامہ جرجانی کے متن کو شرح کے ساتھ پہلو بہ پہلو رکھا ہے اور متن کے اوپر خط کھینچ کر متن وشرح کے درمیان فرق کو قائم رکھنے کا قدیم طریقہ اختیار کیا، اگر علامہ لکھنوی کی عمر مبارک نے وفا کی ہوتی تو شاید وہ آنے والے اڈیشنوں میں متن کی عبارت کو شرح کی عبارتوں سے اوپر رکھتے، اور ایک لکیر کے ذریعہ متن اور شرح کو ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط ہونے سے محفوظ کردیتے، مثلاً علامہ جرجانی کی مختصر جرجان کی عبارت:

مندرجہ ذیل طریقہ کے مطابق صفحہ کے اوپر لکھتے اور اس کی شکل کچھ اس طرح ہوتی:

(ا) وبعد ہٰذا مختصر جامع لمعرفۃ علم الحدیث، مرتب علی مقدمۃ ومقاصد اس کی شرح مندرجہ ذیل صفحات میں مذکور ہوتی:

(ا) بعد الحمد والصلاة، ما حضر في الذهن من المعاني، قليل المباني، كثير المعاني، معرفة علم أصول الحديث على حذف المضاف، وهو علم يعرف به أحوال السند إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم من حيث الصحة والضعف، وأوصاف إسناده من الاتصال والإرسال والرفع والوقف وغير ذلک، وأحوال رجاله من الجرح والتعديل۔

(مرتب) الترتيب في اللغة: جعل كل شئ في مرتبته، وهو بحسب الظاهر لايتعدى ب "على" فإما أن يكون بتضمين معنى الاشتمال، يقال: اشتمل الشئ على الشئ أو يكون بتضمين معنى البناء، يقال: بنى الدار على طبقتين، وقد يقال: الترتيب أيضا قد يتعدى ب "على" بناء "على أن معنى

الترتيب جعل أجزائه مرتبة، بحيث يقع كل واحد في مرتبته، وهذا يتصور على أنحاء مختلفة، فيعلم ب "على" النحو المعين الواقع هو عليه (ظفر الأمانی ص ۳۶، بتحقیق الدکتور المحدث تقی الدین الندوی)۔

میرے ناقص خیال میں بلکہ حسن ظن کے اعتبار سے اگر علامہ لکھنوی کو وقت ملا ہوتا اور ان کو منجانب اللہ نظر ثانی کی توفیق ہوئی ہوتی تو یقیناً وہ متن کو اوپر کی سطر میں اور شرح کو اس کے نیچے کی سطروں اور صفحات میں پیش کرتے، لیکن علامہ لکھنوی کی نہایت کم عمری میں سفر آخرت کی وجہ سے یہ کتاب ظفر الأمانی قدیم ترتیب پر قائم رہی۔

البتہ بعد میں تحقیق وتخریج اور بحث وتعلیق کی خدمت انجام دینے والے ہمارے محترم دوست محدث دوراں حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی أطال اللہ بقاءہ لخدمۃ الحدیث الشریف وعلومہ، متن کو الگ اور اس کے نیچے شرح کے صفحات رکھتے اور کتاب اسی طرح تحقیق وتعلیق کے ساتھ خوبصورت شائع ہوئی ہوتی، تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کی قیمت اور طلب دونوں میں اضافہ ہوسکتا تھا، اور موجودہ دور میں علمی اور تحقیقی کام کرنے کے اسلوب سے بھی وہ ہم آہنگ ہوتی، ہوسکتا ہے کہ تحقیق وتخریج کے ماہر محدث عصر اس کتاب کو پوری طرح حسن وجمال کے زیور سے آراستہ کردیں اور یہ ظاہری کمی بھی پوری ہوجائے۔

عمر مختصر، کارنامے بے شمار

مولانا نے صرف ۳۹؍سال کی عمر پائی، اور بہت کم عمری میں قرآن حفظ کرلیا اور انہوں نے علوم اسلامیہ کے میدان میں زبردست کارہائے نمایاں انجام دیئے، اور بحث وتحقیق کا ایک عظیم الشان قلعہ تعمیر کیا، اگر وہ موفق من اللہ نہ ہوتے، تو اس شان عظیم کے مالک نہیں ہوسکتے تھے، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی محبوب بندے سے بہت تھوڑے وقت میں بڑے سے بڑا کام لے لیتے ہیں، جس کے لئے عادۃً ایک طویل عمر کی ضرورت ہوتی ہے، دیکھا جاتا ہے کہ جس کام کے لئے ۸۰-۹۰ سال کی عمر درکار ہوتی ہے، وہ اگر ۴۰-۴۵ سال میں پورا ہوگیا

توتقدیر الٰہی ان کے لئے آخرت کا راستہ اسی وقت ہموار ہوجاتا ہے، گویا انہوں نے اپنی مفوضہ خدمت بہت کم وقت میں انجام دے دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آخرت کا راستہ آسان فرمادیا، تاکہ وہ وہاں کی خیرات وبرکات سے ابھی سے فائدہ اٹھانا شروع کردیں، اور للآخرۃ خیر لک من الأولی کے ماتحت دنیا کو ترک کرکے آخرت کی راہ پر گامزن ہونا نہ صرف یہ کہ ایک بڑی کامیابی اور سعادت ہے، بلکہ ایک آسمانی شہادت ہے کہ میرے بندے نے اپنی ذمہ داری کو بہت کم وقت میں پوری کرلی، اور اس کے لئے اپنا آخری انعام لینے کا وقت آپہونچا۔

طبقۂ علماء ومحدثین میں حیات اخروی کو حیات دنیوی پر ترجیح دینے کی مثالیں تاریخ کے صفحات میں بکثرت موجود ہیں، ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو اپنی ذمہ داریوں کو انجام دینے اور پوری کرنے میں زیادہ وقت کی ضرورت ہوتی ہے، ان کی عمر بھی اللہ کے فیصلہ کے مطابق طویل ہوجاتی ہے، تاکہ وہ بسہولت اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کو پوری کرکے آخرت کی راہ لیں، اور ان کو جنت کی بشارت اپنے کام کے پورے ہونے تک مل جائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وأبشروا بالجنة التي كنتم توعدون، نحن أولياءكم في الحياة الدنيا وفي الآخرة، ولكم فيها ما تشتهي أنفسكم ولكم فيها ما تدعون، نزلاً من غفور رحيم۔**

علامہ عبد الحی فرنگی محلی کے منجملہ خاصان مئے خانہ ہونے پر جگر مرادآبادی کا یہ شعر مطابق حال ہے:

جان کر منجملہ خاصان مئے خانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ مجھے

بلاشبہ علامہ لکھنوی آیۃ من آیات اللہ تھے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اپنی قدرت کاملہ کی ایک نشانی اپنے بندوں کو دکھائی، **فالحمد لله على ذلك حمداً كثيراً رحمه الله تعالىٰ رحمة واسعة وأدام عنده في الباقين وسجل حسناته في الخالدين۔ صلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد، وعلىٰ آله وصحبه أجمعين۔**

☆☆☆

مولانا عبدالحیؔ فرنگی محلی اور ان کی ''فرحۃ المدرسین''
فقہی مسائل کی گرہ کشائی اور تحقیق کا افادی پہلو

پروفیسر عبدالباری ☆

مولانا عبدالحیؔ فرنگی محلی (۱۸۴۷-۱۸۸۶ء) ایک عبقری شخصیت کے مالک تھے۔ حصول علم اور فروغ علم ان کی زندگی کا ماحصل تھا۔ اواخر عہد وسطی میں برصغیر ہند نے عربی زبان وادب اور علوم اسلامیہ کی ترویج وترقی میں ایک اہم مرکز کی صورت اختیار کرلی تھی۔ عالمی پیمانے پر یہاں یگانۂ روزگار کتابیں لکھی گئی۔ انہیں نوادرات میں ہم مولانا کی عربی کتاب ''فرحۃ المدرسین بذکر المؤلفات والمؤلفین'' کوبھی شمار کرسکتے ہیں، کسی حد تک ہم اس کتاب کومختلف علوم اسلامی سے متعلق کتب کی انسائیکلوپیڈیا کہہ سکتے ہیں۔ یہ عالم اسلام کی تقریباً ۲۰۰ اہم ترین کتابوں کے تعارف پرمحیط ہے۔ یہ کتاب ہنوز زیورطبع سے آراستہ نہیں ہوسکی ہے۔ مخطوطہ کی شکل میں اس کا واحد نسخہ خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ کے ''مولانا عبد الحیؔ کلکشن'' میں دیکھا جاسکتا ہے۔

یہ کتاب مولانا کی زندگی کے اخیر زمانہ کی تصنیف ہے۔ کتابوں کے نام حروف تہجی کے اعتبار سے مذکور ہیں لیکن حروف میں ن-ذ، ز-ل-واو-ر-ی کے تحت آنے والے مؤلفات کا ذکر باقی رہ گیا ہے کیونکہ اس کی تکمیل سے پہلے ہی مولانا کا انتقال ہوچکا تھا، مولانا کا انتقال کم عمری میں ہوا۔ انھوں نے مشکل سے چالیس سال کی زندگی پائی، لیکن اس مختصر سے عرصہ میں ہی

☆ سابق صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

تقریباً ۱۰۰ کتابیں اور رسائل ان کی تصنیفات میں شمار ہوتی ہیں۔

مولانا کے زمانے میں عالمی سطح پر عمومی حیثیت سے اور خصوصیت سے برصغیر ہند میں مسلمانوں کو اضمحلال و انتشار کا سامنا تھا۔ امت مسلمہ علمی فکری اور معاشرتی سطح پر زوال پذیر تھی۔ اہل علم و دانش اور ملت کا درد رکھنے والوں کے لئے یہ صورت حال جاں گسل تھی۔

اسی صورت حال کے پس منظر میں مفکر اسلام علامہ اقبال نے زوال گزیدہ امت کی مسیحائی کا بیڑا اٹھایا اور انہیں احساس کمتری سے نکالنے، اپنی کمزوریوں پر نگاہ رکھنے اور ایک غیرت مند قوم کی طرح نئے حوصلوں کے جلو میں اسلاف کی عظمتوں کو زندہ کرنے کی دعوت دی۔ اس دعوت میں دل سوزی بھی تھی اور عظمتوں کے حصول کا نسخۂ کیمیا بھی۔ اقبال کے دل دردمند کی آواز آپ بھی گوش گزار کیجئے:

مرحلۂ شوق میں وہ جرأت اندیشہ کہاں
آہ! محکومی و تقلید و زوال تحقیق

دیکھئے علامہ اقبال نے قوم کی زبوں حالی کے لئے ''زوالِ تحقیق'' کو ایک اہم ترین عنصر بتایا ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں کہ خصوصیت سے علم و عرفان کے میدان میں ''تحقیق'' کا حصہ کم سے کمتر ہو چلا تھا۔ علامہ اقبال سے بہت پہلے اس فقدان کا احساس ہمیں بدرجۂ اتم خود مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کی تصنیفات میں ملتا ہے۔ اس احساس کی گراں باری سے ان کا دل دردمند بھی ازحد متاثر ہوتا ہے۔ وہ اس کمی کے ازالہ کے لئے جی جان سے کمربستہ ہو جاتے ہیں اور صحیح رُخ سے ایک عملی جہت کی ابتدا کرتے ہیں۔ اسی عملی جہت کے پہل کے طور پر وہ ''نزھۃ المدرسین'' کی تصنیف کا کام شروع کرتے ہیں، علماء کے صف میں برصغیر ہند میں بلاشبہ اس نئی طرز تحریر اور ایک جدید تحقیقی انداز نے بہت سارے جمود کے سلسلوں سے باہر نکل آنے کی داغ بیل ڈال دی، عام طور پر علماء اور فضلاء کے تذکروں میں مختصر احوال زندگی کے ساتھ ان کی تصانیف کا مختصر تعارف شامل ہوتا ہے۔ اس صورت میں نہ تو خود مصنف کے علمی مقام و مرتبے کی

حقیقی نشان دہی ہو پاتی ہے اور نہ کتاب کی اصل قدر و قیمت واضح ہوتی ہے جس سے دوسرے اسی فن میں لکھنے والوں کی تصانیف کا تقابلی موازنہ بھی نہیں ہو پاتا۔ اس صورت حال کی وجہ سے خصوصیت سے فقہی مسائل کے استنباط اور حل میں مشکلات درپیش ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں ''نزھۃ المدرسین'' میں کتابوں کے تنقیدی وتحقیقی جائزے کی صورت میں پہلی بار علمی تصنیفات کی قدر و قیمت اور مقام و مرتبے کا اندازہ کھل کر سامنے آیا۔ وہ چاہتے تو اپنی کتاب ''طرب الاماثل'' میں جہاں وہ علماء کے احوال زندگی رقم کرتے ہیں وہیں ان کی تصانیف کا تذکرہ بھی کر دیتے لیکن انہوں نے علیحدہ سے ''فرحۃ المدرسین'' میں تصنیفات کا پورے تنقیدی شعور کے ساتھ جائزہ لیا اور کتابوں اور شروح وتعلیقات کتب پر بھی تحقیقاتی انداز سے نظر ڈالی کچھ اس طرح کے دوسرے اہم اور صاحب مرتبت علماء کی رائیوں کو بھی جو کتاب مذکور سے متعلق تھیں سند کے لحاظ سے پیش کر دیا تاکہ کتاب کی وقعت اعتباریت اور افادیت لوگوں کے لئے قابل قبول ہو سکے۔

اپنی اس تحقیقی نہج کو عام کرنے کی غرض سے ''فرحۃ المدرسین'' کے تجربے کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے مختلف کتابوں اور مشہور شرحوں کے تعارف میں ایک نئے اور وقیع ''مقدمۂ کتب'' کا سلسلہ شروع کیا اس سلسلے میں سب سے زیادہ پُرمغز اور انوکھا اندازِ تحریر انہوں نے اپنی چار کتابوں:

(۱) السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ

(۲) النافع الکبیر-مقدمہ الجامع الکبیر

(۳) الفوائد البہیۃ

(۴) عمدۃ الرعایۃ

میں بڑی چابکدستی اور خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔

اپنی نئی علمی پیش رفت اور اس کے دوررس فوائد کے پس منظر میں وہ ''الفوائد البہیۃ'' کے مقدمے میں اپنی مفکرانہ اور بے باکانہ تحقیقی افتادِ طبع کے جلو میں یوں رقم طراز ہیں:

''میں نے اپنے زمانہ کے بیشتر علماء سے واقفیت حاصل کی ہے بلکہ بہت سے ان علماء سے بھی واقف ہوں جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں۔مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ علماء اہم کتابوں میں مذکور مشہور علماء کے فقط مختصر احوال زندگی کچھ ذاتی اوصاف اوران کی پیدائش وفات کے سنین سے ہی آگاہی رکھتے ہیں۔

اگر ان سے کتاب میں مذکور کسی ایسے فقیہ کے بارے میں جیسے کسی مخصوص لقب یا کسی نسبت سے یاد کیا گیا ہو، یہ پوچھ لیا جائے کہ ان کا نام کیا ہے؟ ان کا زمانہ کون سا تھا؟ اور وہ کسی علاقے سے تعلق رکھتے تھے؟ تو وہ عقل وسمجھ سے عاری نظر آنے لگتے ہیں وہ اپنی تحریروں میں کسی مخصوص فقیہ کی تصنیف کو دوسرے فقیہ سے منسلک کر دیتے ہیں، انہیں ان دونوں میں التباس کا خدشہ ہی محسوس نہیں ہوتا۔آپ دیکھیں گے کہ جب انہیں چھان پھٹک کرنی ہو خاص طور پر علماء کے اقوال کے سلسلے میں تو وہ کمتر درجہ رکھنے والے کو اعلیٰ درجہ والے پر مقدم کر دیتے ہیں اور اعلیٰ درجہ ومرتبہ والے کو ادنی مقام پر رکھ دیتے ہیں، وہ معروف ومجہول، مردود ومقبول میں نہ تو تمیز باقی رکھتے ہیں اور نہ اہمیت والی اور غیر اہمیت والی چیزوں میں فرق کر پاتے ہیں (الفوائد البہیۃ ص۲)۔

مذکورہ بالا تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالحئیؒ کو ہندوستانی تذکرہ نویسی کی بعض فنی کمزوریوں اور ناپختہ کاریوں کا نہ صرف علم تھا بلکہ وہ ان کے ازالہ کی صورت گری بھی کرتے تھے۔ سیرۃ النبی کے فن کو ہی لیجئے وہ ابن سید الناس کی ''عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر'' میں اپنا تحقیقی جائزہ پیش کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہ کتاب سیرت نبویؐ کے فن میں قابل اعتبار ہے اور خود سیرت نگاروں نے اس پر اعتماد کا اظہار کیا ہے اس مختصر سے تعارف میں ہی کتاب کی قدر وقیمت ظاہر ہونے لگتی ہے، پھر وہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کا مطالعہ بنفس نفیس کیا ہے۔اس کتاب کے ابتدائی کلمات کو حوالے کے طور پر تحریر میں لاتے ہیں۔اہم مندرجات کی نشان دہی کرتے ہیں۔پھر ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے ایک بڑے عالم اور مورخ السیوطی کی حسن المحاضرہ سے کچھ اقتباس نقل کرتے ہیں یہ بتانے کے لئے کہ علامہ سیوطی اس کتاب کے بارے میں

کیا رائے رکھتے ہیں، اسی طرح وہ عیون الاثر، کی ثقاہت کو مستند بنا دیتے ہیں۔ ہمیں اس کتاب سے کسب فیض میں کسی لیت ولعل کی حاجت باقی نہیں رہتی (فرحۃ المدرسین؛ مولانا عبدالحئی ص: .....)۔

تحقیق مسائل کے ضمن میں جس فکر کو لے کر وہ "فرحۃ المدرسین" کی تصنیف میں آگے بڑھے، اسی فکر کے دائرے میں انہوں نے شروح کے مقدموں میں اپنی بات کو مزید وضاحتوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ہم ان کتابوں میں لکھے گئے ان کے مقدموں کو کسی حد تک مقدمہ ابن خلدون کی طرح ایک کامیاب کوشش پاتے ہیں۔

کتابوں کے ان مقدموں میں سب سے زیادہ وقیع اور افادیت والا حصہ "السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ" کا مقدمہ ہے۔ خود مصنف نے السعایۃ کو اہم ترین کتاب بتایا ہے۔ مولانا عبدالحئی فرنگی محلی نے یہاں کتابوں کے مصنفین اور ان کی کتابوں پر خالص تحقیق کو اپنا رہنما بنایا ہے اور بے باکی سے حقائق کی گرہ کشائی کی ہے۔ ان کا مزاج اعتدال پسند تھا اور جو کچھ انہوں نے تنقیدی تبصرے اور وضاحتیں کیں ہیں ان کا مقصد علم کی ترویج اور حقائق کو سامنے لانا تھا۔ اسی لئے تحریر کے شروع میں یہ دعائیہ کلمات تحریر کرتے ہیں" اللہ میری تصانیف خالصۃ" لوجہ اللہ اور نافعا لخلقہ" بنادے۔ پھر لکھتے ہیں: جو بھی تفصیل میں نے اختلاف علماء الملۃ وفقہاء الامۃ پیش کی ہے وہ "متجنبا عن طريقة الافراط والتفريط" محترزاً عن مسالک التعصب والتغليط ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ علماء نے اپنے اپنے مبلغ علم کی مناسبت سے حواشی وشروح لکھے ہیں لیکن سبھی اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکے ہیں کہ "ما ہو الواجب من تاسیس المسائل بالدلائل وترصیص المعقول بالمنقول۔ پھر فیصلہ کن طریقے پر اعلان کرتے ہیں کہ علم الشرائع والاحکام کی حقیقی بنیادیں -" هو الكتاب والسنة والاجماع واثار الصحابة وأقيسة الائمة والأعلام" ہیں۔

وہ مصنف اور ان کی کتاب کی حقیقت اور اہمیت ہر ممکنہ تحقیق وتفتیش سے واضح کردیتے ہیں اس سلسلے میں علامہ ذہبی کی بھی گرفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان سے بھی استفادے میں

سہو ہوا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ مصنف الوقایۃ دراصل برہان الشریعۃ ہیں تاج الشریعۃ نہیں۔ وہ اس صورت حال کی درستگی کے لئے مسامحات اور مناقضات کی بنیادوں پر چھ سات نکات تصحیح کے لئے پیش کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر ان مسامحات کی تصحیح نہیں ہوگی تو فتنے کی شکل پیدا ہوگی۔

ہمیں علماء کی صف میں خصوصیت سے ہندوستان میں ایسی علمی وتحقیقی پیش رفت کا پتہ نہیں چلتا، ضرورت ہے کہ مولانا کی کتابوں کے ان مقدموں کا اردو ترجمہ کیا جائے اور ان کے طریقۂ تحقیق کو فقہی مسائل کی گرہ کشائی میں استعمال کیا جائے۔ ہم بہتر نتائج کی امید کرسکتے ہیں۔ ''فرحۃ المدرسین'' کے تحقیق شدہ اڈیشن کی جلد طباعت کا انتظام بھی ازبس ضروری ہے۔

☆☆☆

فرحۃ المدرسین بذکر المؤلفات والمؤلفین

تعارف اور جائزہ

ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی ☆

فاضل اجل، عالم بے بدل علامہ عبدالحی فرنگی محلی کی ذاتِ گرامی صفات علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ کی جامعیت اور تبحر وکمال پر علمائے عرب وعجم متفق اللسان ہیں۔ مولانا عبدالحی حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں تحریر فرماتے ہیں:

وإني حضرت مجلسه غير مرة، فألفيته ...... عفيف النفيس، رفيق الجانب، خطيبا مصقعا، متبحرا في العلوم معقولا ومنقولا، مطلعا على دقائق الشرع وغوامضه، تبحر في العلوم ...... وانفرد في الهند بعلم الفتوى. فسارت بذكره الركبان، بحيث أن علماء كل إقليم يشيرون إلى جلالته (۲۵۱/۸)۔

علامہ موصوف نے درس وتدریس کے علاوہ تصنیف وتالیف کی طرف بھی توجہ فرمائی۔ چنانچہ آپ نے بہت سی معرکہ آرا اور بلند پایہ کتابیں بھی یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں سے ایک ''فرحۃ المدرسین بذکر المؤلفات والمؤلفین'' بھی ہے۔ پیش نظر مضمون میں اسی کا تعارف مقصود ہے۔

''فرحۃ المدرسین'' مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی آخری تصنیف ہے۔ ابھی اس کی تکمیل بھی نہ ہوئی تھی کہ مصنف نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔ یہ کتاب ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

☆ لکچرر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

اس کا مسودہ جو بہ خط مصنف ہے، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں محفوظ ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ ان کے تلمیذ رشید اور خالہ زاد بھائی مولانا محمد عبدالباقی انصاری لکھنوی کے قلم سے ہے۔ اس میں انہوں نے اس کتاب سے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس کا ماحصل یہ ہے کہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی جب "الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ" کی تصنیف اور "التعلیقات السنیۃ" کے تحشیے سے فارغ ہوئے تو انہوں نے ایک جامع اور مبسوط کتاب لکھنے کا ارادہ فرمایا جو اکابر کے تراجم اور معتبر و مستند تصانیف کے احوال پر مشتمل ہو، لیکن مشاغل کی کثرت اور وقت کی قلت کے باعث وہ اس منصوبے کی تکمیل نہ فرما سکے۔ پھر ان کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ مذکورۃ الصدر موضوع سے متعلق انہوں نے جو کچھ مواد جمع کیا ہے اسے دو کتابوں کی شکل دے دیں۔ ان میں سے پہلی کتاب اصالۃً علمائے احناف اور دیگر مذاہب کے اہل علم کے تراجم پر مشتمل ہو اور تصانیف کا ذکر اس میں ضمناً ہو اور دوسری کتاب میں اصالۃً تصانیف کے احوال بیان کیے جائیں اور مصنفین کے تراجم ضمناً ہوں۔ اس خیال کو عملی جامہ پہناتے ہوئے انہوں نے پہلی کتاب "طرب الأماثل فی تراجم الأفاضل" کے نام سے مرتب کی اور اس کے مقدمے میں مندرجہ بالا باتوں کا ذکر بھی فرمایا۔ پھر دوسری کتاب "فرحۃ المدرسین بذکر المؤلفات والمؤلفین" کے عنوان سے ترتیب دی۔

اس کتاب کے حاشیے پر انھوں نے لکھا ہے کہ وہ اس کی تصنیف سے یکم ربیع الاول بروز چہارشنبہ ۱۳۰۳ھ کو فارغ ہوئے، ابھی اس پر مقدمہ لکھنے کی نوبت نہ آسکی تھی کہ انھوں نے ۲۹/ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ کو وفات پائی۔ یہ دونوں کتابیں حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دی گئی ہیں اور دونوں اس لحاظ سے نا تمام ہیں کہ ان میں چھ حروف تہجی (ث، ذ، ز، ط، ل، ی) کم ہیں۔

اب ہم اس کتاب کی ترتیب سے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ مصنف کا طریق کار یہ ہے کہ وہ گفتگو کا آغاز کتاب کے نام سے کرتے ہیں۔ پھر صاحب کتاب کے نام، نسب اور نسبت وغیرہ کا بیان کرتے ہیں۔ پھر ایجاز کے ساتھ کتاب کی قدر و قیمت اور اس کی خصوصیات پر

روشنی ڈالتے ہیں، اکثر وبیشتر اس کی صراحت بھی کرتے ہیں کہ انہوں نے کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور یہ کہ اس کا آغاز اس جملے سے ہوتا ہے۔ پھر خطبۂ کتاب سے وہ عبارت نقل کرتے ہیں جس سے مقصد تالیف پر روشنی پڑتی ہو۔ اس کے بعد طبقات وتراجم کی کتابوں کی مدد سے صاحب کتاب کے سوانح بیان کرتے ہیں۔ پھر اس مصنف کی دوسری تصانیف کا ذکر کرتے ہیں۔ ان تمام امور کے ذکر میں عموماً میانہ روی کا انداز اختیار کرتے ہیں۔ البتہ کبھی کبھار شرح وسط سے بھی کام لیتے ہیں۔ اسی طرح بعض اوقات دو تین سطروں پر بھی اکتفا کرجاتے ہیں۔

''نزحۃ المدرسین'' کے پیش نظر قلمی نسخے میں مشتملات کی کوئی فہرست نہیں ہے۔ میں نے اس کتاب کا ورق ورق مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ مصنف نے اس میں جن کتابوں کا مستقلاً ذکر کیا ہے، ان کی مجموعی تعداد ۱۰۲ ہے۔ ان میں بیشتر فقہ کی پھر حدیث اور تفسیر کی ہیں۔ ان کے علاوہ سیرت، تاریخ، طبقات، لغت، اخلاق اور تصوف وغیرہ سے متعلق کتابوں کا بھی اس میں ذکر کیا گیا ہے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے بعض اقتباسات یہاں پیش کیے جائیں تاکہ مصنف کا اسلوب اور طریق کار پوری طرح سامنے آجائے۔ اس سلسلے کا آغاز ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری سے کیا جاتا ہے۔ اس کتاب سے متعلق مصنف تحریر فرماتے ہیں:

فتح الباری شرح صحیح البخاری، شرح لطیف، قد أقبلت علیه الأمة، واعتمد علیه الأئمة، قد طالعته، أوله: ''الحمد لله الذی شرح صدور أهل الإسلام بالهدی'' الخ، ثم قال: "أما بعد فقد أن الشروع فیما قصدته من شرح الجامع الصحیح علی ما وعدت، وکنت عزمت علی أن أسوق حدیث الباب بلفظه قبل شرحه، ثم رأیت ذلک مما یطول به الکتاب جدا، فسلکت الآن طریقا وسطی، أرجو نفعهما، الخ''۔

قال السیوطی فی حسن المحاضرة: ابن حجر إمام الحفاظ فی زمانه،

قاضی القضاة شهاب الدین أبو الفضل أحمد بن علی بن محمد بن علی الکنانی العسقلانی، ولد سنة ثلاث وسبعین وسبع مأة وتعلم أولا الشعر، فبلغ فیه الغایة، ثم طلب الحدیث، فسمع الکثیر ورحل وتخرج بالحافظ العراقی، وبرع فیه، وتقدم فی جمیع فنونه، وانتهت إلیه الرحلة والریاسة فی الحدیث فی الدنیا بأسرها۔

وألف کتبا کثرة کشرح البخاری، وتغلیق التعلیق، وتهذیب التهذیب، وتقریب التهذیب، ولسان المیزان، ولإصابة فی أحوال الصحابة، ونکت ابن الصلاح، ورجال الأربعة، ولنخبة وشرحها، وتبصیر المنبه بتحریر المشتبه، وتقریب المنهج بترتیب المدرج۔

وأملی أکثر من ألف مجلس، توفی فی ذی الحجة سنة اثنین وخمسین وثمان مأة، وختم به الفن، حدثنی الشهاب المنصوری شاعر العصر أنه حضر جنازته، فأمطرت السماء علی نعشه، وقد قرب إلی المصلیٰ، ولم یکن زمان مطر، قال فأنشدت فی ذلک الوقت:

قد بکت السماء علی　قاضی القضاة بالمطر
وانهدم الرکن الذی　کان مشیداً من حجر

وقد مدح السخاوی وهو من تلامذة ابن حجر فی ذیله غایة مدح وذکر فیه أن ابتداء تالیف فتح الباری فی أوائل سنة سبع عشرة وثمان مأة علی طریق الإملاء، بعد ان کملت مقدمته فی مجلد ضخم فی سنة ثلاث عشرة، وسبق منه الوعد للشرح، ثم صار یکتب بخطه شیئا فشیئاً، ثم یکتب الکراسة، ثم یکتبها الأئمة المعتبرون، ویعارض مع الأصل، مع المباحثت فی یوم من الأسبوع إلی أن انتهی فی أول یوم رجب سنة اثنین وأربعین وثمان مأة۔

ولما تم، عمل مصنفه وليمة عظيمة لم يتخلف عنها من وجوه المسلمين إلا نادرا في يوم السبت ثاني شعبان، وقرئ في المجلس الأخير، وحضر هناک الأئمة كالقاياتي والونائي والسعد ويرى، وكان المصروف في الوليمة المذكورة نحو خمس مأة دينار، انتهى ملتقطا۔

واختلف في تلقيبه بابن حجر، فقيل لكثرة ماله وضياعه، فالمراد بالحجر الذهب والفضة، وقيل لجودة ذهنه وصلابة رأيه، بحيث لايرد عليه إيراد مورد، وقيل الحجر اسم أبيه الخامس، كذا في شروح النخبة (ص: ۹۵-۹۷)۔

(''فتح الباری شرح صحیح بخاری'' ایک عمدہ شرح ہے۔ امت کا اس کی طرف التفات اور ائمہ کا اس پر اعتماد ہے۔ میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کا آغاز اس جملے سے ہوتا ہے ''الحمد لله الذي شرح صدور أهل الاسلام بالهدى الخ'' پھر وہ خطبۂ کتاب میں فرماتے ہیں: اپنے وعدے کے مطابق میں جامع صحیح کی شرح شروع کرتا ہوں۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ ہر باب کی حدیث اس کے الفاظ کے ساتھ نقل کروں اس کے بعد اس کی شرح کروں، پھر مجھے محسوس ہوا کہ اس طرح کتاب بہت طویل ہوجائے گی۔ اب میں نے درمیانی راہ اختیار کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ نفع بخش ہوگی۔ الخ

سیوطی حسن المحاضرۃ میں لکھتے ہیں: ابن حجر اپنے زمانے کے امام الحفاظ ہیں، وہ قاضی القضاۃ تھے۔ ان کا پورا نام شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن علی الکنانی العسقلانی ہے۔ ۷۷۳ھ میں پیدا ہوئے۔ پہلے شاعری سیکھی یہاں تک کہ اس میں درجۂ کمال کو پہنچ گئے۔ پھر فن حدیث کی تحصیل کی چنانچہ کثرت سے احادیث سنیں اور اس کے لیے سفر کیا۔ حافظ عراقی کی خدمت میں رہ کر فارغ التحصیل ہوئے۔ علم حدیث میں مہارت حاصل اور حدیث کے تمام فنون میں سب سے آگے نکل گئے۔ یہاں تک کہ پوری دنیا میں رحلت حدیث اور ریاست حدیث انہیں پر ختم ہوگئی۔

انھوں نے بہت سی کتابیں لکھیں مثلاً شرح بخاری، تغلیق التعلیق، تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب، لسان المیزان، الاصابۃ فی احوال الصحابہ، نکت ابن الصلاح، رجال لأربعہ، نخبہ، شرح نخبہ، تبصیر المنتبہ بتحریر المشتبہ اور تقریب المنہج بترتیب المدرج وغیرہ۔

انھوں نے ایک ہزار سے زیادہ املا کی مجلسیں منعقد کیں۔ ذی الحجہ ۸۵۲ھ میں وفات پائی۔ فن حدیث انھیں پر ختم ہوگیا۔ مجھ سے شہاب منصوری شاعر وقت نے بیان کیا کہ وہ ان کے جنازے میں موجود تھے۔ جنازہ مصلّی کے قریب پہنچا تھا کہ بارش ہوگئی، حالانکہ بارش کا موسم نہ تھا۔ شہاب کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے یہ اشعار پڑھے:

آسمان بارش کی شکل میں قاضی القضاۃ پر رویا

وہ ستون زمیں بوس ہوگیا جو پتھر سے تعمیر ہوا تھا

سخاوی نے جو ابن حجر کے تلامذہ میں ہیں اپنے ذیل میں ان کی بہت تعریف کی ہے اور اس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ فتح الباری کی تصنیف کی ابتدا املا کے طرز پر ۸۱۷ھ کے اوائل میں ہوئی۔ اس کا مقدمہ ایک ضخیم جلد میں ۸۱۳ھ میں مکمل ہو چکا تھا۔ اس میں وہ شرح لکھنے کا وعدہ کر چکے تھے۔

پھر یہ صورت ہوئی کہ ابن حجر اپنے ہاتھ سے تھوڑا تھوڑا لکھتے، پھر ایک کاپی کے بقدر تیار کرتے۔ پھر اسے معتبر ائمہ سے نقل کرتے۔ پھر اصل سے مقابلہ کرتے۔ پھر ہفتے میں ایک دن اس پر مباحثہ ہوتا، یہاں تک یہ شرح یکم رجب ۸۴۲ھ کو مکمل ہوگئی۔

جب شرح مکمل ہوگئی تو ابن حجر نے ایک بہت بڑی دعوت کی جس میں تقریباً تمام سربرآوردہ مسلمان شریک ہوئے، دعوت کی یہ تقریب سنیچر کے دن ۲/شعبان ۸۴۲ھ کو منعقد ہوئی۔ اس دعوت میں ائمہ وقت مثلاً قایاتی، ونائی اور سعد دیری شریک ہوئے۔ اس دعوت میں پانچ سو دینار خرچ ہوئے۔

اس میں اختلاف ہے کہ ان کا لقب ابن حجر کیوں ہے؟ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ان

کے مال اور جائداد کی کثرت کی وجہ سے انہیں یہ لقب دیا گیا۔ اس صورت میں حجر سے مراد سونا چاندی ہوگا، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے ذہن کی عمدگی اور رائے کی درستگی اس لقب کا سبب بنی، کیونکہ ان پر کسی معتبر کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ پانچویں پشت میں ان کے جد امجد کا نام حجر تھا (یہ بیانات شرح نخبہ سے ماخوذ ہیں)۔

فتح الباری سے متعلق مصنف کی عبارت یہاں بہ تمام وکمال نقل کی گئی ہے تاکہ اس کتاب میں ان کا اسلوب اور طریق کار پوری طرح سامنے آجائے، اب ہم بعض دوسری کتابوں سے متعلق ان کے بیانات جستہ جستہ نقل کرتے ہیں''۔ عمدۃ القاری'' سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

عمدة القاری شرح صحیح البخاری للعینی، قد طالعته، أوله: ''الحمد لله الذی أوضح وجوه معالم الدین، الخ''۔

وهو شرح لطیف، ...... قال فی کشف الظنون: هو بخطه فی إحدی وعشرین مجلداً بمدرسته التی أنشأها بالقرب من الجامع الأزهر، وشرع فی تألیفه فی أواخر شهر رجب سنة إحدی وعشرین وثمان مأة، وفرغ منه فی الجماری الأولی سنة سبع وأربعین، واستمد فیه من فتح الباری بحیث ینقل الورقه بکمالها، وکان یستعیره من البرهان بن الخضر بإذن مصنفه، وتعقبه فی مواضع، وطوله بما تعمد الحافظ ابن حجر حذفه، من سیاق الحدیث بتمامه، وإفراد کل من تراجم الرواة، وبیان الأنساب واللغات والإعراب والمعانی والبیان، واستنباط الفوائد من الأحادیث۔

حکی بعض الفضلاء أنه ذکر لابن حجر ترجیح شرح العینی بما اشتمل علیه من البدیع وغیره، فقال بلدیهة: هذا شیٔ نقله من شرح رکن الدین، وقد کنت وقفت علیه قبله، ولکن ترکت النقل عنه لکونه لم یتم، وإنما کتب منه قطعة، ولذا لم یتکلم العینی بعد تلک القطعة بشیٔ من ذلک، وبالجملة

فشرح العینی شرح حافل کامل، لکن لم ینتشر کانتشار فتح الباری فی حایة مؤلفه، وهلم جراً، انتهی (ص: ۸۷-۸۸)۔

صحیح بخاری کی ایک اورشرح ارشاد الساری سے متعلق رقم طراز ہیں:

ارشاد الساری شرح صحیح البخاری للعلامة أحمد بن محمد الخطیب القسطلانی المصری الشافعی فی عشر مجلدات، شرح موجز، نافع للمدرسین، حاد لما ینفع المستفیدین، قد طالعته، أوله ......

وقد کان بین القسطلانی والسیوطی مناقشة، وکل منهما یرد علی الآخر فی تصانیفه، حتی قال القسطلانی فی شرح حدیث قصة موسی مع الخضر المروی فی صحیح البخاری: "ولا ریب فی أن هذه القصة أبلغ رد علی من فی هذا العصر حیث فاه بقوله: أنا أعلم خلق الله، انتهی، وأشار بذلک إلی السیوطی فإنه الذی ادعی ذلک فی عصره.

وذکر صاحب کشف الظنون: یحکی أن جلال الدین السیوطی کان ینقصه، ویزعم أنه یسرق من کتبه، ویستحد منها، وینسب النقل إلیه، وادعی علیه بذلک بین یدی شیخ الاسلام زکریا الأنصاری، فألزمه ببیان مدعاه، فقال: إنه نقل عن البیهقی وله عدة مؤلفات، فلیذکر لنا أنه ذکر فی أی مؤلفاته، لنعلم أنه نقله عنه، ولکنه رأی فی مؤلفاتی، فنقله، وکان الواجب علیه أن یقول: لقل السوطی عنه۔

ثم إن القسطلانی قصد إزالة ما فی خاطره، فمشی من القاهرة إلی الروضة، وکان السیوطی معتزلاً عن الناس بها، فوصل إلی بابه ودقه، فقال له: من أنت، فقال: أنا القسطلانی جئت إلیک حافیا لتطییب خاطرک، فقال له: قد طاب، ولم یفتح الباب (ص: ۸-۱۰)۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ مدح ہو یا قدح کہیں بھی جادۂ اعتدال سے تجاوز نہیں فرماتے۔ چنانچہ انھوں نے ''فرحۃ المدرسین'' میں بھی یہی روش اختیار کی ہے کہ تصانیف کا ذکر ہو یا مصنفین کا وہ ہر جگہ میانہ روی کی راہ اختیار کرتے ہیں، یعنی خوبیوں کے اعتراف کے ساتھ ساتھ کمیوں کا مناسب انداز میں ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وہ ایک عمدہ کتاب اور بلند پایہ تصنیف ہے...... میں نے اس کا بہ کثرت مطالعہ کیا ہے اور اس سے بے پناہ استفادہ کیا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ کتاب اپنے مصنف کے وفور علم کی گواہی دیتی ہے اور ان کے تبحر کا بہ بانگ دہل اعلان کرتی ہے۔

محققین کے ایک جم غفیر اور متبحرین کی ایک بڑی جماعت نے اس کی تعریف کی ہے۔

اس کے ساتھ ہی علامہ ابن تیمیہ کا یہ بیان بھی نقل کرتے ہیں:

ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں رد شمس کی حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''طحاوی اہل علم کی پرکھ کی طرح احادیث کی پرکھ کی عادت نہیں رکھتے۔ اسی لیے وہ شرح معانی الآثار میں مختلف احادیث کی روایت کرتے ہیں۔ پھر اکثر وبیشتر از روئے قیاس جسے وہ حجت سمجھتے ہیں، بعض احادیث کو راجح قرار دیتے ہیں، حالانکہ ان میں سے اکثر روایات از روئے اسناد مجروح اور غیر ثابت ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ انہیں اہل علم کی طرح اسناد کی معرفت حاصل نہیں تھی۔ اگرچہ وہ کثیر الحدیث فقیہ عالم ہیں (ص: ۳۵-۳۶)۔

مولانا عبدالحی نے ''فرحۃ المدرسین'' میں کہیں کہیں ایک ہی فن کی چند کتابوں کے درمیان موازنہ بھی کیا ہے۔ ایسے مواقع پر آپ کے بیانات آپ کی وسعت علم اور دقت نظر کا پتہ دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر علامہ ابن ہمام کی فتح القدیر پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لوگوں کے درمیان یہ بات مشہور ہے کہ ہدایہ کی شرحوں میں ''النہایۃ'' سب سے بلند رتبہ ہے اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ''البنایۃ'' کا درجہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔ خود میری رائے یہ

ہے کہ دلائل کی تفصیل وتوضیح کے لحاظ سے انتہائی سب پر فائق ہے اور دلائل کی تدقیق اور مسائل کی تحقیق کے نقطۂ نظر سے ''فتح القدیر'' سب سے بلند پایہ ہے۔ اس لیے کہ اس کے مصنف نے اس کتاب میں ایک مسلک عجیب اور مذہب غریب اختیار کیا ہے، وہ بسا اوقات خاموشی اور آہستگی کے ساتھ حنفیہ پر ان مسائل کے سلسلے میں اعتراض کر دیتے ہیں، جہاں انہیں کوئی دلیل نہیں ملتی اور مذہبی تعصب اور مسلکی تشدد کے بغیر قوت دلیل سے ثابت شدہ چیز کو اپنا لیتے ہیں۔ اسی لیے تم دیکھو گے کہ ان کے بعد آنے والے محققین ان کے مختارات کو قبول کر لیتے ہیں اور ان کے اقوال کو اپنی تصانیف میں نقل کرتے ہیں۔ مثلاً صاحب غنیۃ، صاحب بحر، صاحب فتح المنان، صاحب رسائل الارکان اور صاحب مرقاۃ وغیرہ (ص: ۳۰)۔

مولانا عبدالحی نے امام نووی کی شرح صحیح مسلم کے بارے میں بھی بہت عمدہ گفتگو کی ہے، جسے یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہو رہا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

یہ ایک متوسط انداز کی شرح ہے یعنی اس میں نہ ملال انگیز طویل کلام ہے نہ مخلل انداز اختصار۔ اس میں حدیث کے الفاظ اور معانی کی تحقیق بھی ہے اور راویوں کے احوال اور علتوں کا ذکر بھی ہے۔ اس کے ساتھ ہی تحقیق اور اختصار کے ساتھ اختلاف مذاہب اور ان کے دلائل کا بیان بھی ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ اوجِ کمال تک پہنچانے والا ہے۔ یہ کتاب شہادت دیتی ہے کہ اس کے مصنف کو سابق شارحین پر برتری حاصل ہے اور علمائے راسخین کے درمیان ان کا درجہ بہت بلند ہے (ص: ۳۷-۳۸)۔

''فرحۃ المدرسین'' کے حوالے سے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس کتاب میں صرف ایک ہندوستانی مصنف کا ذکر آیا ہے اور وہ شیخ عبدالنبی بن احمد بن عبدالقدوس گنگوہی ہیں، جو مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کے معاصر تھے۔ مولانا عبدالحی نے ''فرحۃ المدرسین میں ان کی دو کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک ''السنن الہدی'' اور دوسری ''کتاب الرد علی صلوٰۃ القفال''۔

''فرحۃ المدرسین'' مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے دورِ آخر کی تصنیف ہے، جس کی تکمیل

وتہذیب کا انہیں موقع نہ مل سکا۔ اس لیے اس میں کہیں کہیں عدم توازن کا احساس ہوتا ہے۔ مثلاً ''بلوغ المرام'' کا تذکرہ صرف ڈیڑھ سطر میں ہے۔ آگے بیاض چھوٹی ہوئی ہے اسی طرح جامع ترمذی سے متعلق صرف تین سطریں ہیں۔ دوسری جانب ابن ارسلان کی 'صفوۃ الزبد'' کے ذیل میں شمس الدین سخاوی کی الضوء اللامع سے ۶ صفحات کا اقتباس نقل کیا گیا ہے۔ اسی طرح ''الکشف الحثیث عمن روی بوضع الحدیث'' کے تذکرے بھی الضوء اللامع سے سات صفحات نقل کیے گئے ہیں۔ ولی الدین عراقی کی ''شرح سنن أبی داؤد'' کے تحت کتاب کے متعلق گفتگو بہت کم ہے۔ زیادہ حصہ مصنف کے احوال پر مشتمل ہے۔ ان سب کے باوجود یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ''نزہۃ المدرسین بذکر المؤلفات والمؤلفین'' مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی ایک اہم اورگراں قدر تصنیف ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کا ایک تحقیق شدہ ایڈیشن شائع کیا جائے، چونکہ یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے اس لیے آئندہ صفحات میں ان تصانیف کی فہرست پیش کی جاتی ہے جن کا اس کتاب میں مستقل عنوان کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔

مراجع وماخذ:

(الألف)

۱- إغاثۃ اللہفان لابن القیم
۲- إحیاء العلوم للإمام الغزالی
۳- الأشباہ والنظائر لابن نجیم
۴- أنموذج اللبیب فی خصائص الحبیب للسیوطی
۵- الإتقان فی علوم القرآن للسیوطی
۶- إرشاد الساری للقسطلانی
۷- الأنوار للعلامۃ یوسف الأردبیلی
۸- أعلام النبلاء للذہبی
۹- الإکمال لابن ماکولا

۱۰- الأنساب للسمعانی
۱۱- الإمام بأحادیث الأحکام لابن دقیق العید الشافعی
۱۲- الإستذکار لمذاہب الأعصار لابن عبدالبر
۱۳- إنسان العیون فی سیرۃ النبی المامون لعلی بن إبراہیم الحلبی
۱۴- الإستیعاب فی أحوال الأصحاب لابن عبدالبر
۱۵- آکام المرجان فی أحکام الجان للقاضی بدرالدین الشبلی الحنفی
۱۶- الأذکار للنووی
۱۷- الإرشاد والتطریز لعبد اللہ الیافعی
۱۸- الأسرار لأبی زید الدبوسی
۱۹- الإیضاح شرح التجرید للکرمانی
۲۰- الأزہار المتناثرۃ فی الأخبار المتواترۃ للسیوطی
۲۱- الأسوص فی کیفیۃ الجلوس لقاسم بن قطلوبغا الحنفی
۲۲- الأصل فی بیان الوصل لقاسم بن قطلوبغا
۲۳- الإصابۃ فی أحوال الصحابۃ لابن حجر العسقلانی

(الباء)

۲۴- البحر الرائق لابن نجیم
۲۵- البنایۃ للعینی
۲۶- البدائع للکاشانی أو الکاسانی
۲۷- البزازیۃ لابن البزار
۲۸- بہجۃ النفوس شرح صحیح البخاری لعبد اللہ بن سعد الأندلسی
۲۹- البدور السافرۃ فی أحوال الآخرۃ للسیوطی

۳۰- البرہان شرح مواہب الرحمٰن کلاہلا براہیم بن موسی الطرابلسی

۳۱- بستان العارفین للنووی

۳۲- بلوغ المرام فی أحادیث لأحکام لابن حجر العسقلانی

(التاء)

۳۳- تعریفات الجرجانی للسید شریف الجرجانی

۳۴- تنویر لأبصار لشمس الدین الخطیب التمرتاشی الحنفی

۳۵- تحفۃ الملوک للعلامۃ زین الدین محمد بن أبی بکر الرازی الحنفی

۳۶- التوضیح لشارح الوقایۃ صدر الشریعۃ

۳۷- التلویح للتفتازانی

۳۸- تبیین الحقائق لفخر الدین عثمان بن الزیلعی

۳۹- التبیین شرح منتخب الحسامی لقوام الدین أمیر کاتب

۴۰- تحریر لأصول لابن الھمام

۴۱- تہذیب لأسماء واللغات للنووی

۴۲- تاریخ ابن کثیر

۴۳- تفسیر الحلی للسیوطی

۴۴- تفسیر ابن أبی حاتم

۴۵- تفسیر ابن مردویۃ

۴۶- تفسیر الحلی لمحمد بن أحمد الحلی

۴۷- تفسیر الطبری

۴۸- تفسیر البیضاوی

(ج)

۴۹- جامع الرموز للقہستانی

۵۰- الجواہر المضیئة شرح الدرة المنیفة
۵۱- جواہر الفتاوی للامام رکن الدین الکرمانی
۵۲- جامع الترمذی
۵۳- جامع أحکام الصغار

(ح)

۵۴- حاشیة الخیالی علی شرح العقائد النسفیة
۵۵- حاشیة الدرر والغرر لحسن بن عمار الشرنبلالی
۵۶- حاشیة الدرر لنوح آفندی
۵۷- حاشیة الدر المختار للطحطاوی
۵۸- حاشیة مراقی الفلاح للطحطاوی
۵۹- الحصن الحصین من کلام سید المرسلین للجزری
۶۰- حاشیة البحر الرائق لخیر الدین الرملی
۶۱- حاشیة منح الغفار لخیر الدین الرملی
۶۲- حاشیة تفسیر البیضاوی للخفاجی
۶۳- حلیة الأولیاء لأبی نعیم
۶۴- حیاة الحیوان للدمیری

(خ)

۶۵- خلاصة الفتاوی لطاہر بن عبد الرشید البخاری
۶۶- الخلاصة فی أصول الحدیث للطیبی
۶۷- الخیر الباقی لجواز الوضوء من الفساقی لابن نجیم
۶۸- الفتاوی الخیریة لخیر الدین الرملی

۶۹- الدر المختار للحصکفی

۷۰- الدرۃ المنیفۃ للعلامۃ محمد بن عمر الأزہری

۷۱- الدر المنتقی شرح ملتقی الأبحر للحصکفی

۷۲- درر الحکام للملا خسرو

۷۳- رسالۃ ابن أبی زید فی فقہ المالکیۃ

۷۴- رسالۃ فی عدم فساد الصلوۃ برفع الدین لمحمود القونوی

۷۵- الروضۃ للنووی

۷۶- رسالۃ القشیری

۷۷- رمز الحقائق شرح کنز الدقائق لبدر الدین العینی

(س)

۷۸- سنن الدارقطنی

۷۹- سنن البیہقی

۸۰- سنن ابن ماجۃ

۸۱- سنن أبی داؤد

۸۲- السراج الوہاج للبغدادی

۸۳- سعادۃ أہل الإسلام بالمصافحۃ عقیب الصلوۃ والسلام الشرنبلالی

۸۴- السراج المنیر بشرح الجامع الصغیر للسیوطی

۸۵- سنن الہدی فی متابعۃ المصطفیٰ لعبد النبی بن أحمد الگنگوہی

(ش)

۸۶- شرح النقایۃ للبرجندی

۸۷- شرح النقایۃ لإلیاس زادہ

۸۸- شرح معانی الآثار للطحاوی

۸۹- شرح مسند الامام الاعظم بروایة الحصکفی لعلی القاری

۹۰- شرعة الاسلام لامام زادہ

۹۱- شرح ألفاظ المختصر للأزہری

۹۲- شرح النقایة للشمنی

۹۳- شرح الکافیة للرضی

۹۴- شرح سنن أبی داؤد للنووی

۹۵- شرح سنن أبی داؤد لولی الدین العراقی

۹۶- شرح أربعین للبہاء العاملی

۹۷- شرح صحیح مسلم للنووی

۹۸- شرح المہذب للنووی

۹۹- شرح مسند الشافعی للرافعی

۱۰۰- شرح موطا محمد لعلی القاری

۱۰۱- شرح الصدور فی أحوال الموتی والقبور للسیوطی

۱۰۲- شرح الدرر والغرر لاسماعیل النابلسی

۱۰۳- شرح الجامع الصغیر للمناوی

۱۰۴- شرح منیة المصلی الصغیر للحلبی

۱۰۵- شرح الجامع الصغیر لقاضی خاں

۱۰۶- شرح المشکوٰة لابن حجر الہیثمی المکی

۱۰۷- شرح ہدیة ابن العماد لعبد الغنی النابلسی

۱۰۸- شرح السیر الکبیر للسرخسی

۱۰۹- شرح الأصل أی المبسوط للحلوائی

۱۱۰- شرح مجمع البحرین لابن ملک

۱۱۱- شرح الفیۃ الحدیث للعراقی

۱۱۲- شرح الشفاء للخفاجی

۱۱۳- شرح مسلم للقاضی عیاض

۱۱۴- الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ للقاضی عیاض

۱۱۵- شرح الہدایۃ للسروجی

۱۱۶- شرح المصابیح للقاضی البیضاوی

۱۱۷- شرح المؤطا للسیوطی

۱۱۸- شرح المنہاج للمحلی

۱۱۹- شرح معانی الآثار للعینی

۱۲۰- شرح نخبۃ الفکر لابن حجر

۱۲۱- شرح الجامع الصغیر لصدر الشہید

۱۲۲- شرح سنن ابن ماجۃ لابن الملقن

(ص)

۱۲۳- الصحاح للجوہری

۱۲۴- صفوۃ الزبد لابن أرسلان

۱۲۵- ضیاء الساری شرح صحیح البخاری لعبد اللہ بن سالم المکی

۱۲۶- الضیاء المعنوی شرح مقدمۃ الغزنوی لابن الضیاء

(ظ)

۱۲۷- الظہیریۃ لظہیر الدین محمد بن أحمد

(ع)

۱۲۸- العنایۃ شرح الہدایۃ للشیخ أکمل الدین الحنفی

۱۲۹- العون للقاضی علاء الدین المروزی

۱۳۰- عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری للعینی

۱۳۱- عدۃ المنسوخ من الحدیث لابن لأہدل

۱۳۲- عیون لأثر فی فنون المغازی والسیر لابن سید الناس

۱۳۳- عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی

۱۳۴- العلل المتناہیۃ فی لأحادیث الواہیۃ لابن الجوزی

(غ)

۱۳۵- غنیۃ المصلی للعلامۃ إبراہیم الحلبی

(ف)

۱۳۶- فتح القدیر لابن الہمام

۱۳۷- فتح الغفار شرح المنار لابن نجیم

۱۳۸- فتح الباری لابن حجر العسقلانی

۱۳۹- فوائد النسفی لقاضی أبی علی الحسین النسفی الحنفی

۱۴۰- فتاوی قاضی خاں

۱۴۱- فتاوی قاسم بن قطلوبغا

۱۴۲- الفوائد الجلۃ فی اشتباہ القبلۃ

۱۴۳- الفصول المہمۃ فی مناقب الائمۃ

(ق)

۱۴۴- القاموس المحیط للفیروزآبادی

۱۴۵- الکفایۃ للمرہدی أبی الرجاء

(ک)

۱۴۶- الکوکب المنیر حاشیۃ الجامع الصغیر (للسیوطی) تلمیذ محمد بن العلقمی الشافعی

۱۴۷- کتاب الترغیب والترہیب للمنذری

۱۴۸- الکافیۃ لابن الحاجب

۱۴۹- الکشاف للزمخشری

۱۵۰- کنز الدقائق لحافظ الدین النسفی

۱۵۱- کشف الأسرار و قد یقال کشف أصول البزدوی للعلامۃ عبد العزیز البخاری

۱۵۲- الکافی شرح الوافی کلاہما لحافظ الدین النسفی

۱۵۳- کتاب الناسخ والمنسوخ للنحاس

۱۵۴- کتاب الناسخ والمنسوخ لأبی القاسم ہبۃ اللہ الأنصاری

۱۵۵- کتاب الناسخ والمنسوخ لأبی داؤد السجستانی

۱۵۶- کتاب المعرفۃ للبیہقی

۱۵۷- کتاب العلل لابن أبی حاتم الرازی

۱۵۸- کتاب غرائب مالک للدارقطنی

۱۵۹- کتاب الآثار لمحمد بن حسن الشیبانی

۱۶۰- کتاب الضعفاء لابن حبان

۱۶۱- کتاب الرد علی إمام الحرمین

۱۶۲- الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث لسبط ابن العجمی

۱۶۳- کتاب الرد علی المنخول للکردری

۱۶۴- کتاب السواک لأبی نعیم الأصبہانی

۱۶۵- کتاب الرد علی صلوٰۃ القفال لعبد النبی بن احمد الہندی

۱۶۶- الکاشف للذہبی

۱۶۷- الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف لابن حجر العسقلانی

(م)

۱۶۸- المغرب فی اللغۃ للمطرزی

۱۶۹- منح الغفار شرح تنویر الابصار للتمرتاشی

۱۷۰- مرقاۃ المفاتیح لعلی القاری

۱۷۱- المقاصد الحسنۃ للسخاوی

۱۷۲- المغنی عن حمل الاسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الاخبار للعراقی

۱۷۳- المنح الوفیۃ شرح المقدمۃ العزیزیۃ فی فقہ المالکیۃ للعلامۃ محمد بن محمد المالکی

۱۷۴- المنار فی اصول الفقہ لحافظ الدین النسفی

۱۷۵- المستصفی شرح الفقہ النافع للنسفی

۱۷۶- المفید والمزید للکردری

۱۷۷- مرآۃ الاصول شرح مرقاۃ الوصول کلاہما لملا خسرو

۱۷۸- مختارات النوازل لصاحب الہدایۃ

۱۷۹- مراقی الفلاح شرح نور الایضاح کلاہما لحسن الشرنبلالی

۱۸۰- المجتبی شرح مختصر القدوری للزاہدی

۱۸۱- منہاج السنۃ لابن تیمیۃ وہو رد لمنہاج الکرامۃ للحلی الشیعی

۱۸۲- منظومۃ ابن وہبان فی الفقہ

۱۸۳- مجمل اللغۃ لابن فارس اللغوی

۱۸۴- مقاییس اللغۃ لابن فارس

۱۸۵- مغنی اللبیب لابن ہشام النحوی

۱۸۶- المقتصد لعبد القاہر الجرجانی

۱۸۷- المفصل للزمخشری

۱۸۸- المدارک لحافظ الدین النسفی

۱۸۹- مفاتیح الجنان لیعقوب بن سید علی الحمی

۱۹۰- مرقاۃ الصعود شرح سنن أبی داؤد للسیوطی

۱۹۱- المحیط للسرخسی

۱۹۲- المحیط البرہانی لصاحب الذخیرۃ

۱۹۳- معالم التنزیل للبغوی

۱۹۴- المعجم الکبیر للطبرانی

۱۹۵- المعجم الصغیر للطبرانی

۱۹۶- المعجم الأوسط للطبرانی

۱۹۷- المستدرک للحاکم

۱۹۸- مشارق الأنوار علی صحاح الآثار للقاضی عیاض

۱۹۹- المقامۃ الوردیۃ للسیوطی

۲۰۰- المقامۃ المسکیۃ للسیوطی

۲۰۱- مفتاح الحصن الحصین حاشیۃ علی حصن الحصین لمؤلفہ

۲۰۲- المجرد فی الفقہ لحسن بن زیاد اللؤلؤی

۲۰۳- مجمع البحرین لابن الساعاتی

۲۰۳- المنبع شرح المجمع ،مؤلفہ غیر معلوم

۲۰۴- معراج الدرایۃ فی شرح الہدایۃ لقوام الدین الکاکی

۲۰۵- مقدمۃ ابن الصلاح فی علوم الحدیث

۲۰۶- مقدمۃ فتح الباری لابن حجر العسقلانی

۲۰۷- معالم التنزیل للبغوی

۲۰۸- مصابیح السنۃ للبغوی

۲۰۹- منحۃ السلوک شرح تحفۃ الملوک للعینی

۲۱۰- ملتقی الأبحر لإبراہیم الحلبی

۲۱۱- مجمع الأنہر لشیخ زادہ

۲۱۲- معالم السنن شرح سنن أبی داؤد للخطابی

۲۱۳- مرآۃ الجنان للیافعی

(ن)

۲۱۴- النہایۃ فی شرح الہدایۃ لحسام الدین بن علی السغناقی

۲۱۵- نہایۃ غریب الحدیث لابن الأثیر الجزری

۲۱۶- النہر الفائق شرح کنز الدقائق

۲۱۷- نصب الرایۃ لأحادیث الہدایۃ للزیلعی

(ہ)

۲۱۸- الہدایۃ شرح البدایۃ کلاہما للمرغینانی

☆☆☆

السعایہ-ایک مطالعہ

قاری ظفر الاسلام صدیقی ☆

شمس الدین ذہبی کے متعلق ان کے شاگرد رشید نے کہا تھا۔

حلف الزمان لیأتین بمثله　　　خشت یمینک یازمان فکفر

زمانے نے ذہبی کے مثل لانے پر قسم کھائی تھی (لیکن وہ ذہبی جیسا پیدا نہ کرسکا) اے زمانہ! تو اپنی قسم کا کفارہ دے کیوں کہ تو اپنی یمین میں حانث ہوگیا۔علامہ فرنگی محلی کی شخصیت بھی کچھ اسی طرح کی تھی۔مولائے کریم نے موصوف کو ہمہ جہت علوم وفنون سے نوازا تھا۔

ولیس علی الله بمستنکر　　　أن یجمع العالم فی واحد

صاحب نزہۃ الخواطر رقم طراز ہیں: **وکان مع تقدمه فی علم الاثر وبصیرته فی الفقه له بسطة کثیرة في علم النسب والاخبار وفنون الحکمیة وکان ذا عنایة تامة بالمناظره**" (۲۳۶/۸)۔نیز ایک اور قیام پر ہندی ابن خلکان الحسنی الندوی بڑے ہی وقیع کلمات اور خطابات سے نوازتے ہوئے ایک شعر نذر کرتے ہیں۔

العالم الفاضل التحریر افضل من　　　بث العلوم فاروی کل ظمآن

علمی پیاس بجھانے والوں میں حضرت فرنگی محلی ممتاز مقام رکھتے ہیں۔آپ نے سبھی پیاسوں کو سیراب کردیا۔

کسے معلوم تھا کہ بانی درس نظامی ملا نظام الدین کے برادر گرامی ملا سعید کی اولاد میں ایسا

☆ شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم مئو

عالم پیدا ہوگا جو اپنے گونا گوں علوم وفنون زہد واتقا سے ہندو بیرون ہند کی ایسی عظیم خدمت انجام دے گا کہ اس کے احسانات کا بدلہ ملت چکا نہ پائے گی۔ اللہ اللہ تیری قدرت کے آگے سر سجود صرف اور صرف ۳۹ سال ۹ ماہ کی مختصر زندگی میں جن میں سے سترہ سال تحصیل علوم عقلیہ ونقلیہ کی نذر ہوگئے، اکیس سال ۴ ماہ میں درس وتدریس وتصنیف وتالیف کے میدان میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ ایک طویل اعمر بھی شاید ہی انجام دے سکے۔ علامہ سید سلیمان ندوی تحریر کرتے ہیں: ''اس مختصر زمانے میں مرحوم کے درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور تحقیق وتدقیق کے آوازہ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیائے اسلام گونج اٹھی۔ اطراف ودیار کے علم کے طالب آپ کے آستانے پر جمع ہوتے منقول ومعقول کا یہ مجمع البحرین زندگی کے آخری لمحے تک موجیں مارتا رہا''
مولانا عبدالحئ الحسنی الندوی لکھتے ہیں: ''له في الاصول والفروع قوة كاملة وقدرة شاملة وفضيلة تامة واحاطة عامة وفي حسن التعليم صناعة لايقدر عليها غيره'' (نزہۃ الخواطر ۸/۲۳۵)۔ آپ کو اصول فروع میں دستگاہ کامل اور درس وتدریس میں مکمل رسوخ حاصل تھا، اس فن میں آپ کو اس قدر ملکہ تھا کہ اس میں آپ کا کوئی ثانی نظر نہیں پڑتا۔ آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد مولانا حسنین احمد مقیم ابوظہبی نے ۱۱۰، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے ۱۱۵ اور ڈاکٹر تقی الدین ندوی نے ۱۲۰ شمار کی ہیں۔ سبھی تصانیف انتہائی محققانہ اور علمی ہیں۔ آپ مسلک احناف سے بعض مسائل میں اختلاف بھی کرتے ہیں، اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ وہ مجتہد ہیں بلکہ وہ مقلد ہی ہیں۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا عین تقلید ہے ''قال في فوائد البهية في ترجمة عصام بن يوسف: ويعلم أيضا ان الحنفي لوترك في مسئلة مذهب امامه بقوة دليل خلافا لايخرج به عن ربقة التقليد بل هو عين التقليد في صورة ترك التقليد، ـ لا ترى أن عصام بن يوسف ترك مذهب أبي حنيفة في عدم الرفع ومع ذلك معدود في الحنفية ويؤيده ماحكاه أصحاب الفتاوى المعتمدة من أصحابنا من تقليد أبي يوسف يوما الشافعي في طهارة القلتين وإلى الله المشتكى

من جهة زماننا حيث يطعنون على من ترك تقليد إمامه في مسئلة واحدة لقوة دليلها ويخرجونه عن مقلديه ولاعجب منهم فانهم من العوام، إنما العجب ممن يتشبه بالعلماء ويمشي مشيهم كالانعام (نزہۃ الخواطر ۸/۲۳۶)۔

آپ اپنی مشہور کتاب فوائد البہیہ میں عصام بن یوسف کے ترجمہ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ یہ بات بھی جان لینا چاہئے کہ اگر کوئی حنفی کسی مسئلہ میں اپنے امام کے مذہب کوقوی تر دلیل کی وجہ سے چھوڑ دے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اس نے تقلید کا قلادہ اپنی گردن سے نکال پھینکا بلکہ ترک تقلید کی صورت میں اپنے امام کی عین تقلید ہوگی، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ عصام بن یوسف رفع یدین کے قائل ہیں پھر بھی وہ احناف میں شمار کئے جاتے ہیں اصحاب فتاوی سے یہ بھی منقول ہے کہ ایک دن حضرت امام ابو یوسفؒ نے قلتین کی طہارت کا حکم دیا جبکہ یہ مسلک امام شافعیؒ کا ہے۔باوجود اس کے علماء کی تشنیع وطعن کو اللہ کے دربار میں پیش کرتا ہوں کہ اگر کوئی کسی مسئلہ میں قوی تر دلیل کے باعث اپنے امام کے مسلک کو چھوڑ دیتا ہے تو اس پر فقرے کسے جاتے ہیں، اگر وہ لوگ عوام الناس میں سے ہوتے تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی، مگر وہ ایسے لوگ ہیں جو علماء کے مشابہ ہیں، لیکن وہ عام لوگوں کی روش پر چل پڑے ہیں۔میں یہ معاملہ اللہ کے حوالہ کرتا ہوں۔

یوں تو علامہ فرنگی محلی کو تمامی علوم وفنون پر یکساں قدرت تھی، مگر آپ کی توجہ خاص فقہ وحدیث پر تھی، آپ النافع الکبیر ۲۷ پر تحریر فرماتے ہیں: "ومن منحه أني رزقت التوجه الى فن الحديث والفقه ولا اعتمد على مسئلة مالم يوجد أصلها من حديث أو آية وماكان خلاف الحديث الصحيح الصريح أتركه واظن المجتهد فيه معذورا بل ماجورا" احسانات الٰہیہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ احقر کو فن حدیث وفقہ کی جانب بطور خاص توفیق ملی ہے۔میں کسی مسئلہ میں اس وقت تک اعتماد نہیں کرتا جب تک کہ اس کی اصل کسی آیت یا حدیث سے مل جائے، کوئی مسئلہ نص صریح کے مخالف ہوتا ہے تو میں اسے چھوڑ دیتا ہوں اور مجتہد کو اس میں معذور بلکہ ماجور سمجھتا ہوں۔

محقق فرنگی محلی نے شروح وحواشی کے علاوہ فقہی مسائل کے تعلق سے تقریباً چالیس رسالے چھوڑے ہیں جن کا ذکر مقدمۂ سعایہ ۴۱-۴۲ پر مفصلاً موجود ہے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ احکام القنطرة فی احکام البسملة، زجر أرباب الريان عن شرب الدخان، الانصاف فی حکم الاعتکاف، الافصاح عن حکم شهادة المرء ة فی الرضا ع، وتحفة الطلبة فی حکم مسح الرقبة وغیره۔

باوجود تصانیف کثیرہ کے حضرت محقق علیہ الرحمہ کے نزدیک جو تصنیف انتہائی مؤقر اور عظیم الشان ہے وہ شرح وقایہ کی شرح سعایہ ہے جس کی عظمت پر خود مصنف علیہ الرحمہ کی عبارت شاہد ہے:"وشرح شرح الوقايه المسمى بالسعايه فی کشف ما فی شرح الوقايه وهو أجل تصانيفی قد التزمت فيه بسط الكلام فی اثبات الأحكام بأدلتها وإيراد المذاهب المختلفة فی كل مسئلة مع الأحاديث التی استندوا بها وذكر مايراد عليها ومايجاب عنها مع ترجيح بعضها على بعض، وذكر الفروع المناسبة للمقام، وقد شرحت الى هذا الحين من باب الأذان الى فصل الجماعة، ومن كتاب الطهارة إلى باب التيمم بلغت الاجزاء الى ما (النافع الکبیر ۲۶-۲۷)۔میری جملہ تصانیف میں سعایہ سب سے بالا وبرتر ہے میں نے اس میں بالتفصیل اثبات احکام مذاہب مختلفہ مع الادلہ، حدیث پر وارد ہونیوالے اعتراضات مع ان کے جوابات، نیز بعض کی ترجیح بعض پر اور موقع ومحل کے مناسب تفریعات کا التزام، بہرکیف محقق علام کی اس تصنیف کی دیگر تصانیف کے مابین وہی مقام حاصل ہے جو فتح الباری کو حافظ ابن حجر کی دیگر تصانیف کے مابین ہے۔

کتاب کے شروع میں ۴۴ صفحات پر مشتمل ایک تفصیلی دیباچہ ہے اس میں موصوف اس کتاب کی انفعیت کو بایں الفاظ نقل کرتے ہیں:"وسيقول من يقف على ما اودعته من النكت اللطيفة والابحاث الشريفة والترجيحات الرائقة والتوفيقات الفائقة

والفروع المهمة والفوائد الجمة وكشف المقامات المفصلة، وبيان الوقائع المشكلة، واختلافات المذاهب المتكثرة وجمع الدلائل والشواهد المتفرقة وبذل الجد في بيان ماهو الارجح والأقوى وصرف الجهد الى ذكرما به يفتى والإشاره إلى ترجيح مذهب من بين المذاهب العليه مع التحرز عن العصبية والحمية حمية الجاهلية الى غير ذالک من الخزائن المودعة والاسرار المستودعة هذا بحر زاخر وكنز فاخر وسحر ساحر كم ترک الأول للآخر (سعایہ المجلد الاول فی الدیباچہ ۳)۔

میں نے جونکات لطیفہ، ابحاث شریفہ، ترجیحات رائقہ، وتوفیقات فائقہ فروع مہمہ، فوائد جمہ، مقامات مشکلہ کے حل اور اس کے مقامات کی نشاندہی، مذاہب کے باہمی اختلافات، راجح اور اقوی کے بیان، مفتی کوفتوی کس پر دینا چاہئے اس کے بیان، بدون کسی تعصب اور حمیت کے مذاہب کے مابین ترجیح کی جانب اشارہ کیا ہے۔ اس پر مطلع ہونے والا برجستہ کہہ اٹھے گا کہ یہ تو ایک ناپیدا کنار سمندر، عظیم خزانہ اور جادوگر کا جادو ہے۔ اگلوں نے پچھلوں کے کام کرنے کے لئے ابھی تو بہت کچھ چھوڑ رکھا تھا)۔

سعایہ کے تعلق سے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری شارح ترمذی صاحب معارف السنن اس طرح تحریر فرماتے ہیں: "ومن أكبر مؤلفاته وأوسعها بحثا، وأجمعها فوائد كتاب السعاية في كشف ما في شرح الوقايه ولو تم هذا الكتاب بعد بجنب الكتب الواسعة الحادية لبيان المذاهب في الأحكام وأدلتها كالاستذكار لمذاهب العلماء الأمصار وككتاب التمهيد كلاهما لحافظ المغرب الحافظ أبو عمرو بن عبد البر المالكي المتوفى ۴۶۴ھ وككتاب المغني للحافظ ابن قدامه الحنبلي وككتاب البنايه في شرح الهدايه للحافظ بدر العيني وغيرها من كتب أعيان الأمة وأعلام الملة التي أصبحت موسوعات في موضوعاتها،

وبالأسف انها لم تتم، وکم حسرات فی بطون المقابر (قبل مقدمۂ سعایہ)۔

محقق فرنگی محلی کی تصانیف میں بحث کے اعتبار سے سب سے افضل اور فوائد کے اعتبار سے سب سے جامع کتاب سعایہ ہے، اگر یہ کتاب مکمل ہوجاتی تو کتاب الاستذکار اور کتاب التمہید، مغنی اور بنایہ کے درجہ کی ہوتی، جنہیں اپنے اپنے مذاہب پر موسوعات کا درجہ حاصل ہے، مگر افسوس کہ وہ مکمل نہ ہوسکی۔ کتنی حسرتیں ہیں جو قبر میں آسودۂ خواب ہیں۔

علامہ نے طالب علمی ہی کے زمانہ میں سولہ سال کی عمر میں شرح وقایہ کا ایک حاشیہ حسن الولایۃ لشرح الوقایہ مرتب کیا تھا، جسے حاشیہ قدیمہ کہا جاتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں: ''وقد کنت حین أقرأ شرح الوقایه علی الوالد الماجد فی آخر العشرة الثامنة من المائة الثالثة من الألف الثانی من الهجرة علی صاحبها أفضل الصلوات وأزکی التحیات کتبت علی بعض مواضعه بامره الشریف تعلیقا مختصرا سبقا سبقا علی حل بعض المواضع متفرقا، وأسمیه حسن الولایة بحل شرح الوقایه وهو علی النصف الاول من شرح الوقایه (سعایہ ۱/۳) جس وقت میں اپنے والد بزرگوار سے شرح وقایہ ۱۲۷۸ء کے آخیرویں سال میں پڑھ رہا تھا، تو والد بزرگوار کے ہی حکم سے بعض متفرق مقامات کی شرح اور اس کی وضاحت بھی کرتا جاتا تھا جس کا نام حسن الولایہ بحل شرح الوقایہ رکھا تھا اور یہ حل شرح وقایہ اول کے نصف تک ہی مشتمل تھا۔

سعایہ ایک مطالعہ:

مصنف علام نے یا أیها الذین آمنوا إذا قمتم إلی الصلوٰة فاغسلوا وجوهکم الخ کے ذیل میں ۷۴ بحثیں کی ہیں اور تمامی بحثوں کو دلائل اور احادیث سے مبرہن فرمایا ہے۔ المبحث الاول: هذه الآیة مما تأخر نزوله وتقدم حکمه۔ یا ایها الذین آمنوا فالآیة مدینة إجماعا وفرض الوضوء کان بمکة مع فرض الصلوٰة۔ قال ابن عبد البر: معلوم عند جمیع أهل المغازی أنه صلی الله علیه وسلم لم

يصل منذ فرضت عليه الصلوٰة الا بوضوء، ولايدفع ذالک إلاجاهل إذ معاند والحكمة فى نزول آية الوضوء مع تقدم العمل به ليكون فرضه متلوا بالتنزيل، ويحتمل أن يكون أول الأية نزل مقدما مع فرض الوضوء ثم نزل بقيتها وهو ذكر التيمم فى هذه القصة كذا فى الاتقان۔ محقق علام نے آیت مائدہ کے نزول سے قبل وضو کے نہ ہونیوالے قول کی تردید کرتے ہوئے اس کے اثبات میں موصول ومرسل روایات پیش کی ہیں، قلت: وهذا يصلح ردا على من أنكر وجود الوضوء قبل الهجرة مندوبا وجزم ابن حزم بأنه لم يشرع إلا بالمدينة بحث ۱۰ سے بحث ۱۷ تک خطاب سے متعلق علمی ومعلوماتی بحثیں کی ہیں اور خطاب کی بحوالہ اتقان ۳۴ قسمیں بیان کی ہیں۔آ گے لکھتے ہیں:ومن ذالک خطاب التشريف نحو ياأيها الذين آمنوا ...... وأخرج ابن ابي حاتم عن خيثمة قال: ماتقرء ون فى القرآن ياأيها الذين آمنوا، فانه فى التوارة ياأيها المساكين۔

مسح رأس کے سلسلہ میں علامہ لکھتے ہیں:وعلى هذا تكون فى المسئلة احدى عشر قولا خمس روايات عن أصحابنا وأربعة أقوال للمالكية وأما الثالث من أقوالهم فهو موافق لرواية مقدار الناصية عندنا الخامس يوافق قول الشافعية وقولان للشافعية (سعایہ ۱/۷۳)۔آ گے محقق علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ اگر استیعاب کوفرض قرار دیدیا جاتا ہے تو اس میں امت کو دشواری اور حرج کا سامنا کرنا ہوگا"والقائلون بافتراض الكل وعفو الشئ اليسير استدلوا بما استدلوا به المستوعبون إلا أنهم قالوا فى مسح كل الرأس فى كل وقت تعسر وحرج عظيم فيعفى ترک شئ يسير فاحفظه۔ نیز القائلون سے علامہ نے استیعاب کی فرضیت کے باوجود تقصیر اور کمی کے اقوال کی حکمت بیان فرمائی ہے،مسح رأس اور اس سے متعلق مسائل تقریبا ۲۷ صفحات پر بیان کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:فاحفظ هذا التفصيل فانه قل من يطلع عليه (سعایہ ۱/۷۳)اس تفصیل کو

یاد کرلو بہت کم لوگ ہیں جو ان تفصیلات سے باخبر ہیں۔

موصوف شارح پر نقد کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ پوری شرح میں وہ ان مقامات پہ جو محل "فانهن" ہیں بلکہ محل واو نہیں "فا" لاتے ہیں، لگتا ایسا ہے کہ انہیں فا سے شدید محبت ہے اور کسی چیز کی محبت انسان کو گونگا اور بہرا بنا دیتی ہے، اسی طرح کا ایک مقام فحکم الخلف في المقدار حکم الاصل بھی ہے چنانچہ حضرت محقق رقم طراز ہیں: أقول الشارح شديد المحبة بحرف الفاء والحب في الشيئ يعمي ويصم فيورد الفاء في أوائل الجمل في جميع تصانيفه من دون أن يتأمل في أنه هل هو موضع الفاء أم لا، فإن قوله فحكم الخلف کبریٰ تصغری سابقہ فيجب فيه حذف الفاء وايراد الواو بدله ليكون نظم الكلام الخ (سعایہ ۱/۸۹)۔

مسح لحیہ کے تحت لکھتے ہیں کہ "وامسحوا برؤسكم" سے دلالۃ اس کا اثبات ہوتا ہے اور "فاغسلوا وجوهكم" سے عبارۃ النص کے ذریعہ غسل کا پتہ چلتا ہے، ان کو سامنے رکھتے ہوئے صاحب متون وقایہ، کنز ومختار ومجمع ومختصر القدوری پر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے مرجوع الیہا قول "فاغسلوا وجوهكم" کی مراد "وهو عبارة عما يواجه الانسان واللحية سوى المسترسل" کے غسل کو جو عبارۃ النص سے ثابت ہے چھوڑ دیا اور مرجوع عنہا قول یعنی غسل ما یستر ہ البشرۃ کو جو دلالۃ النص سے ثابت ہے لے لیا۔ نیز تخلیل لحیہ کے تحت علامہ نے تین اقوال ذکر کرتے ہوئے احناف کا مسلک استحباب کا ذکر کیا ہے اور پھر جن حضرات نے اسے جواز کے درجہ میں رکھا ہے، دونوں میں اس طرح تطبیق دی ہے: والظاهر أن القول بالجواز ليس بمغائر للقول بالاستحباب، ولذا بک (نراهم تارة ينسبون اليها الجواز وتارة استحباب ۔ اس کے بعد علامہ دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں: قلت: الحق أن قول الجواز إن وقع عن الإمام الأعظم وقع بسبب عدم وصوله اخبار تخليل اللحية الكثيرة بل وصل عنده حديث أو حديثان فحكمه بالاستحباب فهو معذور بل ماجور (سعایہ ۱/۱۲۶)۔

وضو کرتے وقت دونوں ہاتھ ایک ساتھ دھلے جائیں گے یا الگ الگ باری باری سے

اس طور پر کہ پہلے داہنا پھر بایاں۔ اس کے تحت **موصوف** ووجہ الفرق سے بحث کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اعضاء وضوء حقیقۃ وعرفاً مختلف ہیں اس لئے ایک ساتھ نہیں دھلے جائیں گے، لیکن **تحت الخطاب فاغسلوا وأيديكم** ایک ہیں اور جب اختلاف واتحاد میں تعارض ہوجاتا ہے تو ترجیح اختلاف کو ہوتی ہے اس لئے دونوں الگ الگ دھلے جائیں گے۔ اس عقلی وجہ پہ **موصوف** ایک واسطہ کے بعد لکھتے ہیں: **وقد روى عن صاحب الشرع صلى الله عليه وسلم واصحابه غسلهما بالجمع**۔ یعنی حضور اکرم اور صحابۂ کرام دونوں ایک ساتھ دھلتے تھے۔ بہر حال معقول ومنقول میں معارضہ کے وقت ترجیح منقول کو ہوگی۔ **فانه لامجال لأن يعارض العقل بالمنقول** (۱۰۷)۔

مسواک کے فضائل احادیث وروایات کی استنادی حیثیت **مفصلا** بیان کرنے سے قبل مسواک کے فوائد: خروج روح میں آسانی، انگلیوں سے اسے کس طرح پکڑیں، اس کے خلاف کرنے پر کن کن بیماریوں کا اندیشہ ودیگر بڑی مفید باتیں سات مباحث پر مشتمل بیان فرمائی ہیں۔ اس کی اسناد کے تحت لکھتے ہیں: **كلها مروية بعضها مرفوع وبعضها موقوف وإن كان في اسنادها مقال فينبغي العمل بها**۔ اسی طرح مسواک کی دعا **اللهم اجعل سواكي رضاك عني واجعله طهورا وتمحيصا وبيض وجهي كما تبيض به اسناني** کے متعلق لکھتے ہیں: **وفي سنده متهم بالوضع** (۱۱۹)۔

اگر کوئی شخص تین مرتبہ سے زیادہ یا کم دھوئے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اس سلسلہ میں ائمہ کے **اقوال** اور احادیث **مفصلا** بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "**ولنذكر ههنا مباحث تفيد البصيرة وتنشط القريحه**" اس سے اشارہ کرتے ہوئے سات بڑی مفید بحثیں کی ہیں اور **المبحث الاول** کے تحت آٹھ **اقوال** نقل کئے ہیں: **القول السادس: معناه فمن زاد على الصلوات الخمس والوتر أو نقص، قال العيني: هو بعيد** آگے آٹھویں **قول: أقول الثامن ماحكاه أيضا من أن معناه من زاد على الماء بقدر المد في الوضوء وعلى**

الصاع فی الغسل أو نقص عن ذالک فقد تعدی و ظلم لحدیث انس ۔ اسی طرح ساتویں قول: القول السابعه ماحکاه العینی عن المشائخ، انه محمول علی نفس الفعل و إن لم یکن ثمه اعتقاد ان دونوں قولوں کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: هذا بعید کالسادس یعنی جس طرح آپ کے نزدیک چھٹا قول بعید ہے اسی طرح آپ کے دونوں اقوال (ساتواں اور آٹھواں) بھی بعید ہیں۔ عینی کے ساتویں قول کی تردید اس طرح کی کہ اگر تجدید وضو کے ارادہ سے تین مرتبہ سے زیادہ دھلا جائے، تو نہ اس سے طہارت واقع ہوگی، نہ وہ ماء مستعمل کہلائے گا "فإن الزیادة علی الثلاث لایقع طھارة ولایصیر الماء به مستعملا إذا قصد به تجدید الوضوء" اسی طرح آٹھویں قول کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تعدی وظلم سے اگر یہ مراد ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد سے وضو اور پانچ مد سے غسل فرماتے تھے، اس میں کمی وبیشی کرنے والا تعدی وظلم سے مخاطب ہے تو یہ بھی بعید ہے، کیونکہ حدیث پاک میں پانی کی تحدید کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے، فانه لیس بقدر الماء ذکر فی الحدیث (سعایہ ۱/۱۳۱)۔

محقق علام جگہ جگہ مفتی بہ قول کی نشاندہی بھی کرتے جاتے ہیں، مثال کے طور پر اگر دانتوں کے درمیان غذا کا کوئی جزء رہ جائے تو پانی پہونچانا ضروری ہوگا یا نہیں؟ إن کان بین اسنانه شئ من الطعام هل یجب إیصال الماء إلی ماتحته إن کان کثیرا یتبین للناظر، و إن کان قلیلا یکون عفوا و إن کا ن فی طواحینه ثقب و فیها شئ یجب إیصال الماء إلیه والفتوی علی أنه إن کان بین اسنانه شئ من الطعام ولم یصل الماء تحته فی غسل الجنابة جاز کذا فی الخلاصة (۱۲۵)۔

علامہ نے اشتراط فی النیۃ وعدم اشتراط کی بحث کرتے ہوئے "إنما الأعمال بالنیات" والی حدیث پیش کی ہے جو تیٰی تک تو غریب ہے مگر یٰی سے روایت کرنے والے ۳۳۰ ہیں لہذا مشہور ہوگئی و عن یحی ثلاثمائة و ثلاثون رجلا (۱۴۴) اور اس حدیث کے

تحت چھ وجہیں بیان کی ہیں، چھٹی وجہ کے تحت لکھتے ہیں: وانما اختار الاعمال علی الأفعال لأن الفعل هو الذی یکون زمانه یسیرا ولم یتکرر، قال الله تعالیٰ: آلم تر کیف فعل ربک بأصحاب الفیل، وقال الله تعالیٰ: وتبین لکم کیف فعلنا بهم، بخلاف العمل فإنه الذی یوجد من الفاعل فی زمان مدید بالاستمرار والتکرار قال الله تعالیٰ: یا ایها الذین آمنوا وعملوا الصالحات وقال الله تعالیٰ: فلیعمل العاملون ولم یقل فلیفعل الفاعلون فالعمل أخص (سعایہ ۱/۱۴۵)
مذکورہ عبارت سے فعل وعمل کے مابین فرق کی وضاحت آیات ربانیہ سے کی ہے۔

انما الاعمال بالنیات میں امام شافعیؒ عدم عموم مجاز کے قائل ہیں، یا حذف کے یعنی حکم الاعمال بالنیات۔ اس سلسلہ میں حضرت محلی صاحب تلویح کا قول: ما فی التلویح أیضا: أن القول بعدم عموم المجاز ممالم یثبت عن الشافعی علی ما سبق نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ احناف کا شافعی کی طرف اس قول کا انتساب حجت نہیں بن سکتا، لکھتے ہیں: هذا کله سخیف جدا فان صاحب البیت یکون أدری بما فیه بخلاف من هو خارجه فمجرد انتساب الحنفیة مذهبا إلی الشافعی لایکون، حجة اورعدم حجت پر دومثالیں پیش کی ہیں: ألا تری إلی أنهم نسبوا حل نکاح المتعه إلی مالک وأصحابه ینکرون عنه، وکذا نسبوا الیه حرمة متروک التسمیة ناسیا وأصحابه یصرحون بخلافه.
کیا آپ نہیں دیکھتے کہ امام مالکؒ کی طرف نکاح متعہ کے جواز کو منسوب کیا گیا ہے، جبکہ ان کے اصحاب انکار کرتے ہیں، اسی طرح متروک التسمیۃ ناسیا کی حرمت کی نسبت امام مذکور کی طرف کی گئی ہے، جبکہ ان کے اصحاب کی صراحت اس کے خلاف ہے۔ حضرت العلام کے اعتدال کا اندازہ اس تحریر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ: کم من مقلد إمام ینظر فی بعض تصانیف بعض مقلدی غیره وهی مما لایعتمد علیه مسئلة فینقله فی کتابه وینسبه إلیه ویکون ذلک الغیر بریئا عنه وإنما الاعتماد فی نقل المسائل للکتب المعتمدة فلعل الحنفیة رأوا فی

كتاب غير معتبر من كتب الشافعية، هذا القول فنقلوه في كتابهم و التفتازاني الذي هو وسيع النظر في كتب الشافعية قد تتبع في الكتب المعتمدة فلم يجده فلقوله: الاعتبار لنقلهم (سعایہ۱/۱۴۷)۔

بہتیرے کسی امام کے مقلد اپنے امام کے علاوہ بعض مقلد کی بعض تصانیف دیکھتے ہیں جو غیر معتبر ہوتی ہیں اور وہ اپنی کتابوں میں نقل کردیتے ہیں اور ان کی طرف منسوب کردیتے ہیں، حالانکہ وہ امام اس سے بری ہوتا ہے جبکہ مسائل کے نقل میں کتب معتبرہ ہی معتمد ہوتی ہیں، اسی طرح احناف نے بھی کتب شافعیہ کی غیر معتبر کتابوں میں یہ بات دیکھی (یعنی عدم عموم مجاز کا قول) ہو اور اسے اپنی کتاب میں نقل کردیا ہو، بہر حال تفتازانی وسیع النظر عالم ہیں، جنہوں نے معتبر کتابوں کے تتبع کے بعد فلم نجدہ کہا ہوگا، لہٰذا یہ معتبر تفتازانی کا قول ہے نہ کہ احناف کا اپنی کتابوں میں نقل کرنا۔ نیت کے اثبات وعدم اثبات واحکام دنیوی واخروی پر ایک طویل بحث کرنے کے بعد علامہ بخاری کی ایک لمبی گفتگو کشف اصول بزدوی سے نقل کرتے ہوئے موصوف کی یہ تحریر پیش کی ہے: **ولقد كنت فيه برهة من الزمان فلم يتضح لي وجه يعتمد عليه وراجعت الفحول فلم يأتوا بجواب شاف انتهى كلام البخاري** (سعایہ۱/۱۳۹)۔

حضرت الامام میں جمود اور تصلب بالکل نہیں ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام شافعی کے وضوء میں نیت کی شرط لگانے کے جواب میں ہمارے اصحاب نے سات تقریرات پیش فرمائی ہیں۔ ان کے متعلق حضرت لکھتے ہیں: **وقد قرر أصحابنا الجواب بتقريرات شتى، بعضها مخدوشة وبعضها سالم عن القدح**۔

فقہاء کے مابین سنن ہدی وزوائد کی تفسیر کے درمیان کچھ اغلاق اور اشکالات تھے مصنف علیہ الرحمۃ نے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسی تعریف کی ہے جو ان دونوں سے پاک ہے: **والذي يظهر بالنظر المدقق هو أن الفرق بين العبادة والعادة يعرف بالعرف فما يكون في الملبس والمسكن والمشرب والمشي والقيام والقعود وأمثالهما**

مما يتكرر في الانسان بالطبع وإن لم يرد الشرع يعد من العادات وان نوى الانسان فيها جهة من جهات القربة وكل ماليس كذالك بل يعرف حسنه بالشرع يعد من العبادات فاندفع الاشكال وزال الاعضال۔نظر دقیق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عادت اور عبادت کے درمیان فرق یہ ہے کہ اگر اس پر شرع وارد نہ ہوئی ہوتو عرف سے سمجھا جائے گا اور یہ عادات کے قبیل سے ہوگا۔ اور اگر کسی انسان نے ایسے عمل کی نیت کی جس کا مستحسن ہونا ازروئے شرع ہے تو وہ عبادات کے قبیل سے ہوگا۔مصنف سعایہ نے جس اشکال اور دشواری کا ذکر فرمایا ہے وہ شرح وقایہ کی یہ عبارت ''فإن كانت المواظبة المذكورة على سبيل العادة فسنن الزوائد'' پر واقع ہوتا ہے، صاحب کتاب اس عبارت پر بایں طور نقد فرماتے ہیں:''ان كان معنى العادة ما ذكر لزم أن تكون السنن المؤكدة التي واظب عليها النبي صلى الله عليه وسلم أيضا من العادات فلا يظهر الفرق بين سنن الهدى وسنن الزوائد، ولاينفع ماذكره من أن سنن الهدى مكملات للدين بخلاف السنن الزوائد، فان معرفة هذا الفرق مشكل بل معرفته موقوفة على الفرق بين سنن الهدى والزوائد وليس الامر بالعكس (سعایہ ۱/۱۷۳)موصوف نے سنن ہدی وزوائد کی اور بھی تعریفات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: فاحفظ فان هذا التحقيق من خواص هذا التعليق۔ اس تحقیق کو اچھی طرح یاد کرلو کیوں کہ یہ تحقیق اس تعلیق کے خواص میں سے ہے۔

علامہ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ دوران بحث اس سے متعلق اگر کوئی خاص کتاب موصوف کی ہوتی ہے تو اس کی طرف اشارہ بھی کرتے جاتے ہیں جیسا کہ اعتکاف کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد فرماتے ہیں: وزيادة تحقيق هذه المسئلة في رسالتي الانصاف في حكم الاعتكاف فارجع إليها (سعایہ ۱/۱۶۳) اگر اس مسئلہ میں مزید تحقیق مطلوب ہوتو ہمارے رسالہ الانصاف فی حکم الاعتکاف کی جانب رجوع کرو۔ اسی طرح مسح رقبہ سے متعلق

حضرت العلام نے روایات کا انبار لگا دیا ہے اور ان لوگوں پر رد کیا ہے جو اسے بدعت کہتے ہیں لکھتے ہیں: **ولقد طال الکلام فی نفس مسح الرقبہ فی زماننا ھذا فظن کثیر من متفقھی عصرنا انہ بدعۃ لا اصل لہ مطلقا واغتروا بعبارۃ النووی وغیرہ ولم یمر تحت انکارھم من سردنا من الاخبار ...... ولقد صنفت رسالۃ سنۃ سبع وثمانین سمیتھا تحفۃ الطلبۃ فی تحقیق مسح الرقبۃ** (سعایہ ۱/ ۷۸)(ہمارے زمانہ کے بہ تکلف فقیہ بننے والے بہت سے لوگوں نے مسح رقبہ کو بدعت کہہ دیا ہے۔ ان کو علامہ نووی کی عبارت سے دھوکہ لگا ہے۔ ہم نے اس سلسلہ میں جتنی روایات پیش کی ہیں ان کے دیکھنے کے بعد انکار کی گنجائش نہ رہ جائے گی۔ میں نے مستقلا اس موضوع پر ایک رسالہ تحفۃ الطلبہ عن مسح الرقبۃ بھی لکھ دیا ہے)۔ بعدہ تحفۃ الکلیہ سے متعلق اپنا ایک واقعہ بھی نقل فرماتے ہیں کہ جب میں ۱۲۸۹ھ میں دہلی گیا تو میرے پاس چند ذہین طلباء اس رسالہ کو لے کر حاضر ہوئے اور اس پر دو اعتراضات کئے۔ اصل میں میں نے وضوء کی صفت بیان کرتے وقت ایک حدیث: **ثم مسح رأسہ ثلثا وظاھر أذنیہ ثلثا وظاھر رقبتہ، واظنہ قال: وظاھر لحیتہ،** اس رسالہ میں لکھا تھا اور حوالہ ابن الہمام کا دیا تھا۔ ان طلباء کا کہنا تھا کہ یہ حدیث تو ترمذی میں نہیں ہے، **فقال ذالک الخادش: ھذہ الروایۃ لااثر لھا فی جامع الترمذی، فأجبت: نعم قد طالعت أیضا جامعہ فلم أجد لھا فیہ أثرا ولذالک مانسبتھا إلیہ بل إلی ابن الھمام والعھدۃ علیہ فی الوجود وعدمہ، والعھدۃ علی الناقل انما ھو تصحیح النقل ثم راجعت نصب الرایہ والبنایہ فوجدت فیھا ھذہ الروایۃ مسندۃ الی البزار** ۔(حضرت علامہ نے اس کا جواب دیا کہ میں نے بھی جامع ترمذی میں وہ حدیث نہیں دیکھی، اسی لئے میں نے ترمذی کا حوالہ نہیں دیا، ہم نے تو ابن الہمام کا حوالہ دیا ہے ابن الہمام نے ترمذی کا حوالہ دیا، تو اس حدیث کے ترمذی میں ہونے یا نہ ہونے کی ذمہ داری خود ابن الہمام پر ہے نہ کہ مجھ پر۔ پھر میں نے نصب الرایہ اور بنایہ میں یہ روایت مسند بزار کے حوالہ

سے پالی ( )۔

دوسرا اعتراض: میں نے اس رسالہ میں ملاعلی قاری کے حوالہ سے نقل کیا تھا کہ "مسح الرقبة امان" والی حدیث کی سند ضعیف ہے اور ضعیف روایت فضائل اعمال میں معتبر سمجھی جاتی ہے۔معترض نے یہ کہا کہ یہ قاعدہ یعنی (ضعیف روایت کا فضائل اعمال میں معتبر ہونا) اس وقت ہے جبکہ نفس عمل کا ثبوت حدیث صحیح سے ہوجائے۔ یہاں تو مسئلہ نفس رقبہ کے اثبات کا ہے، ابھی تو نفس رقبہ ہی حدیث سے ثابت نہیں۔تو میں نے جواب دیا کہ اس قاعدے کا مقصود یہ ہے کہ حدیث ضعیف اعمال مفضولہ یعنی مستحبہ کے اندر کفایت کرے گی۔ کیوں کہ ان کی عبارتیں اس بات پر واضح دلیل ہیں کہ ندب حدیث ضعیف سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ابن الہمام نے فتح القدیر کے کتاب الجنائز کے اندر صراحت کی ہے۔پھر میں مطلع ہوا رافعی کی شرح وجیز کی احادیث کی تخریج پر اور میں نے اس میں دیکھا کہ ابن حجر نے اس پر مفصلا کلام کرتے ہوئے میرے ہی جواب کو ترجیح دیا۔

وضوء کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہوکر پینے اور نہ پینے کے متعلق حضرت فرنگی محل نے دونوں طرح کے دلائل پیش فرما کر تمامی روایات کی ایسی توجیہہ کی ہے کہ اس کو پڑھ کر بے ساختہ دل سے نکلتا ہے: وللّٰہ در الکامل اس کی تفصیلات ۱۸۶ تا ۱۸۸ پر دیکھی جاسکتی ہیں، ان روایات میں جن میں کھڑے ہوکر پینے پر حضور کا ـتے کا حکم ہے، اس میں ارشادی لامر طبی اور شرعی اختلافات نقل کئے ہیں،موصوف نے اس بحث کو بھی اٹھایا ہے کہ وضوء کا بچا ہوا پانی پیا الگ مستحب ہے اور کھڑے ہوکر پیا الگ مستحب ہے، آگے لکھتے ہیں: وهو الصحيح لحديث غير مرة (سعایہ۱۸۸)۔

شارح کی عبارت سواء كان معتادا او غير معتاد کے تحت مفصلا ناقض للوضوء کی بحث اٹھائی ہے اور ذیل میں امام مالک وقتادہ کا مسلک نقل کرتے ہوئے امام مالک کے مسلک میں تضاد ثابت کیا ہے اور دلیل میں مؤطا امام مالک اور ان کے اصحاب کی عبارتوں سے

استشہاد فرمایا ہے، ساتھ ہی امام مالک کے مسلک کی تردید میں **عقلی دلائل** بھی پیش فرماتے ہیں:

قال مالک وقتادہ: لاینقض غیر المعتاد کذا فی البنایہ اس پر حضرت العلام لکھتے ہیں: **ھذا یدل أن المذی لاینقض الوضوء عند مالک وانہ من غیر المعتاد وعندہ وھو بعید کیف، وقد روی ھو فی المؤطا اخبار الوضوء من المذی ولم یذکر فیہ مخالفۃ رأیہ، وکتب اصحابہ ناطقۃ بأنہ من النواقض عندہ إلا اذا تتابع فلا ینقض کسلسل البول ...... وفی رسالۃ ابن أبی زید المالکی: یجب لمایخرج من أحد المخرجین من بول أو غائط أو ریح أو لما یخرج من الذکر من مذی مع غسل الذکر کلہ** (سعایہ ۱۹۷)۔

مستحاضہ کے لئے وضوء کا حکم آیا ہے اور یہ غیر معتاد ہے باوجودیکہ جب معتاد کے ساتھ وضو واجب کیا گیا جس میں **عموم بلوی** ہے جس کا تقاضا یہ تھا کہ اس میں وضو نہ ہو اور حکم میں تخفیف ہو تو پھر غیر معتاد کے ساتھ وضو کا **وجوب** بدرجہ اولی ہوگا، **قد ورد الأمر بالوضوء للمستحاضۃ وھو غیر معتاد مع أنہ إذا وجب الوضوء بالمعتاد الذی یعم بہ البلوی فوجوبہ بغیرہ بالطریق الاولی** (سعایہ ۱/ ۱۹۸)۔ آگے امام مالک کے مسلک کے رد پر **عقلی دلیل** پیش فرماتے ہیں: **أقول ھذا: عجیب جدا فإن جعل المذی والودی غیر معتادین مما لم یقل بہ أحد وکیف یقول بہ قائل ووجودھما غیر نادر فی مواضعھا ولعلہ فھم ان المعتاد مایوجد فی کل یوم کالبول والبراز وھو فھم غیر مطابق للعقل والنقل مع أن مالکا ایضا قائل ینقض الوضوء من المذی والودی فلا یصلح الحدیث حجۃ علیہ** (سعایہ ۱/ ۱۹۸)۔

ومن ھھنا یظھر أن ماینقلہ بعض أصحابنا کصاحب العنایۃ والبنایۃ من أن مالکا لایقول بوجوب الوضوء من المذی والودی غیر صحیح۔

سعایہ ۲۰۱ پر فروع مہمہ کی سرخی قائم کرتے ہوئے بڑی عجیب وغریب باتیں لکھی ہیں

جو انتہائی علمی ومعلوماتی ہیں: ''اسی طرح جو چیز حدث نہیں'' وہ نجس بھی نہیں اس کے ذیل میں مصنف علیہ الرحمہ نے سولہ صورتیں بیان کی ہیں جن پر سے چند یہ ہیں: الاولی: کل حدث نجس وهي كاذبة لأن النوم والقهقهة حدث والريح حدث ولاتتصف بالنجاسة الثاني: کل نجس حدث وهى صادقة مشروطة بالخروج فى السبيلين والسيلان أو مايقوم مقامه فى غيره الثالثة بعض الحدث نجس الرابعة: بعض النجس حدث وهما صادقتا، الخامسة کل خارج حدث نجس وهى كاذبة، لأن الريح خارج حدث، وليس بنجس. السادسة: کل نجس خارج حدث وهى صادقة (سعایہ ۱/۲۲۱)۔ مصنف فرنگی محلی فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ کی جو تفصیلی معلومات میں نے پیش کی ہیں بڑی بڑی کتابوں میں بھی وہ نہیں ملتیں، وبسط الكلام فى هذا المقام على ماخلت عنه دفاتر الكرام)۔

دم مسفوح وغیر مسفوح کی بحث کرتے ہوئے نیز عقلی ونقلی دلائل پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: فتأمل فى هذا المقام، فقد ذهل عما سطرنا من التحقيق العلماء الأعلام والعجب كل العجب من نظار الشرح حيث تصدو التضعيف فاكتفوا على حل المواضع المظهرة وتركوا المواضع المغلقة، ومنها هذا المقام الذى تزل فيه ألاقدام، ولعلک تتفطن منى ههنا سخافة كلام الامام الرازى الواقع منه فى تفسير آية البقرة وهو قوله الشافعي: حرم جميع الدماء سواء كان مسفوحا أو غير مسفوح (اس مقام میں غور کرلو ہم نے جو لکھا ہے محققین علماء کی نگاہ میں بھی وہ باتیں نہیں ہیں۔ نیز تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ جب شراح شرح کرنے بیٹھتے ہیں تو آسان عبارتوں کی تو شرح کردیتے ہیں، لیکن مغلق اور مشکل مقامات سے گزر جاتے ہیں۔ یہیں سے تمہیں امام رازی کے کلام کی سخافت (یعنی سارے خون حرام ہیں چاہے وہ مسفوح ہوں یا غیر مسفوح) کا پتہ چل گیا ہوگا۔ اس کے بعد قرآن کی ان آیات کو پیش فرمایا ہے جن میں دم کی حرمت مذکور ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ چار سورتوں کی

چار آیات میں اس کا تذکرہ ہے، جن میں دو سورتیں مکی ہیں اور دو مدنی اور ہر ایک سے صرف دم مسفوح کی نجاست کا پتہ چلتا ہے، محقق علام نے مفسرین کے قول مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف ابن عبدالرزاق، بیہقی وغیرہ کتب حدیث سے بھی اپنے مدعا پر دلائل پیش کئے ہیں اور پھر امام ابوحنیفہؒ کی دلیل دی ہے: وأبوحنیفه تمسک بقوله: قل لاأجد فیما أوحی إلی محرما الأیة تصرح بأنه لم یجد شیئا من المحرمات إلا هذه الأمور فالدم الذی لایکون مسفوحا وجب أن لایکون محرما''۔

علامہ نے ماتن کی عبارت: ولا بماء راکد وقع فیه نجس کے تحت ماء قلیل وکثیر، اس کی تحدید، طہارت وعدم طہارت اور ان کے متعلقہ مباحث اٹھائے اور متصلاً بیر بضاعہ کی طہارت وعدم طہارت ورواۃ سے متعلق تقریباً ۹ صفحات پر مشتمل تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اقول إذا نظر إلی الادلة التی أوردها الامام الغزالی مال القلب إلی قوة هذا المذهب کیف لاوهو ثابت بالاثر الصحیح وذهب إلیه اکثر الصحابة والتابعین کما خرج به الامام الرازی فی تفسیره الخ (سعایہ ۱/۳۷۰)۔ (میں کہتا ہوں کہ جب ان دلائل پر غور کیا جائے جسے امام غزالی نے مالکی مسلک کے اثبات میں پیش فرمایا ہے، تو دل اسی مذہب کی قوت کی طرف مائل ہوتا ہے اور کیوں کر مائل نہ ہو جبکہ یہی مذہب اثر صحیح سے ثابت ہے اور اسی کی طرف اکثر صحابہ اور تابعین گئے ہیں جیسا کہ امام رازی نے اپنی تفسیر مفاتیح الغیب میں اسے نقل کیا ہے)۔ خود امام غزالی کی یہ خواہش تھی کہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک بھی امام مالک کے مذہب کے مانند ہوتا ''واختار هذا المذهب بعض الشافعیه أیضا منهم الإمام الغزالی حیث قال فی احیاء العلوم بعد نقل مذهب امامه: وکنت أود أن یکون مذهبه کمذهب مالک فی أن الماء وان قل لاینجس إلا بالتغیر'' (سعایہ ۱/۳۷۷) پر محقق فرنگی محلی علامہ ابن الہمام کے معارضہ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وممن مال الی قوة هذا المذهب بحر العلوم حیث قال فی رسائل الارکان: الأشبه عندی من حیث الدلیل قول مالک

لأن حديث "الماء طهور لاينجسه شئ" صحيح ثابت بلاريب" آگے لکھتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ موالک وشوافع کی موید روایات امام صاحب تک نہیں پہونچیں، یا پہونچی تو ہوں مگر انہوں نے انہیں کسی اور پر محمول کیا ہو ورنہ وہ یقینی بات کہتے اور قیاسات اور استنباطات کے درپے نہ ہوتے والذی أظن أن هذه الأخبار لم تصل إلى الإمام أبی حنيفة أو وصلته وحملها على معنى لا ح له ولم يحتج الى الاستنباط قطعا۔ بہرکیف مذہب غیر پرعمل جائز ہے۔ الطریقۃ المحمدیہ وشرحہا الحدیقۃ الندیہ میں لکھا ہے کہ مجتہد کے لئے مذہب غیر کی تقلید حرام ہے، پھر بھی ائمہ احناف نے باب طہارت میں غیر کے مذہب پرعمل کو جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ حضرت امام ابو یوسفؒ نے بغداد میں غسل جمعہ کے بعد لوگوں کو نماز پڑھائی، اس کے بعد معلوم ہوا کہ جس کنویں کے پانی سے حضرت الامام نے غسل فرمایا تھا اس میں چوہیا مرگئی ہے تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا چلو آج ہم اپنے مدنی بھائیوں کے قول پرعمل کر لیتے ہیں۔ یعنی إذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا پر۔ جیسا کہ تاتارخانیہ ودیگر کتب فقہ میں یہ بات موجود ہے۔ كما حكى أن ابا يوسف اغتسل ليوم الجمعة وصلى بالناس إماما ببغداد فوجدوا فى البئر الذى اغتسل من مائه فارة ميتة فاخبر بذالك فقال: نأخذ بقول اخواننا من أهل المدينة تمسكا بالحديث المروى عن النبى: انه قال: "اذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا" كذا فى التاتار خانية وغيرها (سعایہ ۱/ ۳۸۰)۔ اس کے بعد محقق علام نے ماء کثیر کے سلسلہ میں بارہ مذاہب نقل فرما کر مذاہب کے قوت وضعف کی جانب بایں الفاظ اشارہ کیا ہے: وان سئلت الترجيح فى هذه المذاهب، يقال لك: أضعفها مذهب الظاهرية وأقواها مذهب المالكية ثم مذهب الشافعية ثم مذهب أصحابنا الحنفية والمرجح من أقوال أصحابنا عند المحققين هو القول بالتفويض (اى المفوض إلى رأى المبتلى به) والمعتبر عند عامة المشائخ هو العشر فى العشر ولعل تحقيق هذا المذهب بهذا النمط لاتوجد فى فتاوى الكتب الكبار فضلا عن

الصغار وللہ الحمد علی ذالک کلہ (سعایہ ۱/ ۳۸۲)(اگر تم ان مذاہب مذکورہ کی ترجیح کی بابت سوال کرو تو کہا جائے گا کہ سب سے ضعیف مسلک ظاہر یہ اور قوی ترین مسلک مالکیہ بعدہ مسلک شافعیہ پھر مذہب حنفیہ ہے، اور ہمارے احناف کے نزدیک راجح قول ماءکثیر کے سلسلے میں مبتلی بہ کی رائے پر محول ہوگا،لیکن عام مشائخ احناف نے دہ دردہ کا قول اپنایا ہے۔میں نے جو تحقیق پیش کی ہے وہ آپ کو بڑی بڑی کتابوں میں بھی نہیں مل سکیں گی چہ جائیکہ فن کی چھوٹی کتابوں میں۔

شرح الوقایہ ۱/ ۱۵۴ کے حاشیہ عمدۃ الرعایہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محاذاۃ بالمرءۃ کے مسئلہ میں بھی محقق فرنگی محلی کا میلان ائمۂ ثلاثہ (مالک وشافعی واحمد بن حنبل) ہی کی جانب عدم فساد کا ہے وہ "أخروھن کما أخرھن اللہ" والی روایت جو مستدل احناف کا ہے، اس کے تحت لکھتے ہیں: **وھذا کلہ مبنی علی ثبوت الحدیث المذکور بسند معتبر مرفوعا إلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یثبت ذالک، وانما روی موقوفا علی ابن مسعود کذا حققہ فی فتح القدیر والغنیۃ۔**

ماءمستعمل کی طہارت وعدم طہارت کے متعلق تفصیلی گفتگو کرنے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مفتی بہ قول طاہر کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: **والعجب من صاحب البحر حیث یمیل کلامہ إلی ترجیح القول بالنجاسۃ ولایتأمل فی مایرد علیہ، ولسنا نحتاج إلی ترجیحہ بعد ماظھر لنا أن الصحیح کون الإمام مع محمد کما ذکرہ فی البزازیہ وغیرہ علی ما مر ذکرہ**" (صاحب بحرالرائق پر بڑا تعجب معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ماءمستعمل کی نجاست کے قول کو ترجیح دی ہے اور اس کا بالکل خیال نہیں کیا کہ اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے اور پھر جب یہ معلوم ہو چکا کہ صحیح قول امام صاحب کا امام محمد کے ساتھ یعنی طاہر کا ہے جیسا کہ بزازیہ وغیرہ میں مذکور ہے تو پھر صاحب بحر کی ترجیح کی چنداں ضرورت نہیں ہے)۔بعدہ محقق علام نے عبدالوہاب شعرانی کی بحوالہ میزان وہ تحریر پیش کی ہے جس میں امام صاحب شروع شروع میں بوقت وضو لوگوں کے گناہ دیکھ لیا کرتے تھے، اس لئے نجاست کا قول فرمایا، تو ایک

امر کشفی ہے نہ کہ امر شرعی جس پر تمام احوال میں فتوی دیا جاتا ہے۔

سؤر خنزیر کے تحت علامہ ائمہ کے اقوال نقل کرنے کے بعد ایک عجیب وغریب واقعہ ذکر فرماتے ہیں: "ذکر بهاؤ الدين العاملي الشيعي في بعض تصانيفه في سياق ذكر سلطان زمانه سلطان خراسان شاه عباس بن سلطان محمد خدا بنده المتوفى ١٠٣٨ه ثمان وثلاثين والف: أن سلطان زماننا خلد الله ملكه عرض له في مصيده خنزير عظيم مضر به بالسيف ضربة وأمر بقلع سنه والإتيان به إليه فوجد مكتوبا عليه لفظ الجلالة بخط مثبت فحصل له، ولنا من الحفرة المصيدة من العسكر نهاية العجب، فإن ذالک من أغرب الغرائب، ولما آرايتها قال لي كيف يجتمع هذا مع نجاسة الخنزير، فقلت له: ان السيد المرتضى قائل بطهارة مالاتحله الحيوة من نجس العين، ووجود هذا الخط على هذا السن ربما يؤيد كلامه فان السن ممالاتحله الحيوة (سعایہ ۱/۴۵۴-۴۵۵)۔(بہاؤ الدین عاملی شیعی نے اپنی بعض تصانیف میں سلطان خراسان شاہ عباس بن سلطان متوفی ۱۰۳۸ھ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ ایک دن دوران شکار ان کے سامنے ایک بڑا خنزیر آ گیا، انہوں نے اپنی تلوار سے اسے ماردیا اور پھر اس کا دانت نکال کر پیش کرنے کا حکم دیا۔ جب دانت نکالا گیا تو اس پر لفظ اللہ واضح طور پر لکھا تھا، یہ بات خود شاہ ایران اور اہل لشکر کو عجیب سی لگی۔ شاہ نے کہا: یہ کیسے لفظ جلالہ خنزیر کی نجاست کے ساتھ اکٹھا ہوگیا۔ اس کا جواب یوں دیا گیا کہ سید مرتضی نجس العین ہوتے ہوئے بھی اگر اس کے کسی جزء میں حیاۃ حلول نہ کئے ہوئے ہو تو اس کی طہارت کے قائل ہیں، لہذا دانت اسی میں سے ہے کہ اس کے اندر حیاۃ حلول کئے ہوئے نہیں ہے)۔ بہر کیف عارض نقل کرتا ہے کہ بالکل اسی طرح کا اشکال حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹوی سہارنپوری کو بھی بعض میتہ کے سلسلہ میں پیش آیا تھا، موصوف نے حضرت گنگوہی کی طرف رجوع فرمایا تو حضرت نے ان الفاظ کے ساتھ جواب دیا کہ وہ ظرف عصباتی

ہے اور عصبات میتہ میں نجاست سرایت نہیں کرتی۔ اس مختصر اور جامع جواب کی تشریح مولانا رومی مفتی آگرہ کے الفاظ میں پیش ہے ''میتہ کی وجہ نجاست وحرمت یہی تو ہوتی ہے کہ وہ میتہ ہی کے جسم کے ایک ظرف میں تھا اور میتہ بجمیع اجزائہا حرام وناپاک ہے، تو دودھ کا ظرف ومحل یعنی جانور کا لبن بھی ناپاک ہوا۔ اور یہ تھن اس ظرف سے مجاور ہونے کی وجہ سے ناپاک ہونا چاہئے تھا۔ حضرت نے ان تمام مقدمات میں ظرف لبن کی نجاست کا لفظ مذکور سے انکار فرما دیا (سہ ماہی فکر اسلامی بستی نمبر ۲۰۰۹ء ص ۲۲۵)۔

ص ۴۶۸ پر سور مشکوک، مکروہ ونجسہ وغیرہ اور اس کی فروعات پیش کی ہیں اور بعض فروعات پر نقد بھی کی ہیں اس کے بعد لکھتے ہیں: ''**ولعلک تفطنت من ھھنا ضعف بعض الفروع التی نقلناھا سابقا فلتنبہ لہ**'' یہ فروعات بڑی علمی ہیں جنہیں مقامات محولہ پر دیکھا جاسکتا ہے۔

سعایہ ۱/۳۵۱ پر یہ بحث علامہ نے اٹھائی ہے کہ کوئی بحری اگر پانی میں مرجائے تو پانی نجس ہوگا یا نہیں، اس کے متعلق چند اقوال نقل کرتے ہیں: **أحدھا ما ذھب الیہ أصحابنا وھو مذھب المالکیۃ** بہت سارے اقوال ذکر کرنے اور ان کے دلائل کو بیان کرنے کے بعد احناف ومالکیہ کی دلیل: **ان مایعیش فی الماء اذا مات فیہ مات فی معدنہ فلا یعطی لہ حکم النجاسۃ** کی عبارت اور اس کی علت پر چند وجوہ نقد فرمایا ہے۔ اس میں سے ایک یہ ہے کہ اس صورت میں تو طیور ووحوش اگر زمین پر مرجائیں تو نجاست کا حکم نہیں لگنا چاہئے، پھر اس جواب پر کہ مات فی معدنہ اور مات علی الارض دونوں دو چیزیں نہیں۔ اس جواب پر محقق علام اقول مخدوش سے نقد کرتے ہیں کہ اس دلیل کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اگر بری (خشکی کا جانور) زمین میں مرجائے تو نجاست کا حکم نہیں لگے گا اور اگر بحری بحر پر نہ مر کر خشکی میں مرجائے تو نجاست کا حکم لگنا چاہئے حالانکہ ایسا نہیں۔ علامہ نے اس مسئلہ پر بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے حضرت محقق جو بھی مسئلہ چھیڑتے ہیں اسے تشنہ نہیں چھوڑتے۔

ماءغیر جاری میں نجاست گرنے سے وضو نہ ہوگا اور اب وہ پانی مطہر نہ رہا۔ قائل کہتا ہے کہ یہ ہمارے اصحاب یعنی احناف کا مسلک ہے اور اس سلسلہ میں زبردست اختلاف ہے، اس طور پر کہ اب یہ مسئلہ مسائل معضلہ اور مباحث مشکلہ میں شمار ہونے لگا ہے جس میں عقلاء کی فہم عاجز ہیں اور بڑے بڑے علماء کے قدم پھسل جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہر ایک کے مذاہب اور دلائل پیش کرنے کے بعد جن لوگوں نے بیر بضاعہ کو استدلال میں پیش فرما کر ماء راکد کی طہارت کا حکم لگایا تھا، ان کی دلیل میں ایک راوی عبید اللہ تھے جن پر کلام کیا گیا تھا اور ماء راکد کی عدم طہارت کے قائلین نے اس دلیل پر اعتراض کیا تھا، اس کا جواب محقق علام بایں الفاظ دیتے ہیں: أقول: هذا الجواب مردود وإن ذكره علي القاري وغيره الخ یعنی قائلین بالنجاسة کی طرف سے اگر قائلین بالطہارۃ کی اس دلیل پر اگر عبید اللہ کے ضعف سے جواب دیا جاتا ہے گو وہ ملا علی قاری یا کوئی اور ہو تو جان لینا چاہئے کہ یہ روایت اور بھی متعدد طرق سے موجود ہے اور طرق متعدد سے ضعف دور ہو جاتا ہے۔ وبذالک تجبر الضعف اور بھی کئی جوابات علامہ فرنگی محلی نے دیئے ہیں، ان جوابات سے موصوف کے اعتدال اور عدم تشدد کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔

تیمم کی مشروعیت، ائمہ کے اقوال اور ان کے دلائل سے فراغت کے بعد مسلک احناف کی تائید میں یوں رقمطراز ہیں: ''وأقوى المذاهب في هذا الباب هو جواز التيمم بكل ماكان من جنس الارض بالأحاديث الواردة بلفظ الصعيد والأرض بعده، ان احادیث کا احصاء کیا ہے جو احناف کے متدلات ہیں اور پھر جن حضرات نے احناف کے دلائل پر نقد کیا ہے ان کا شافی و وافی جواب دیا ہے۔ بعدہ لکھتے ہیں: ''وبالجملة فالنية في التيمم لكونه مفتاحا للصلواة فتصح به أحد أربعة اشياء. أما نية الطهارة من الحدث القائم به وأمانية رفع الحديث ...... وامانية استباحة الصلواة، وأمانية عبادة خاصة بشروطها التي تاتي ذكره'' یعنی وہ تیمم جو مفتاح الصلواۃ کے لئے ہو ان میں چار امور مذکورہ میں سے کسی ایک سے نیت کافی ہو جائے گی اور پھر ذرا آگے لکھتے ہیں:

ولعلک علمت من ههنا أن هذه النيات التی ذکروها انما هو لصحة التيمم الذی تصح به الصلوٰة لا لمطلق التيمم کما يتوهم من ظاهر عبارات کثير منهم ومنهم المصنفؒ (یہاں سے تم نے اچھی طرح جان لیا ہوگا کہ نیات مذکورہ اس تیمّم کو درست قرار دیں گی جس سے ارادۂ صلوٰۃ کیا گیا ہو نہ کہ مطلق تیمّم کو جیسا کہ خود مصنف اور دیگر حضرات کی تحریروں سے وہم ہوتا ہے)۔

ماتن کی عبارت: جاز وضوء ہ بلانية پر علامہ لکھتے ہیں کہ فاضل ہروی نے اپنی شرح میں یوں تحریر کیا ہے: جاز وضوء ہ أی الکافر بلانية أی بلا إرادة الاسلام اور صاحب ہدایہ کی تحریر و إن توضأ لايريد به الإسلام ثم أسلم فهو متوضی جسے انہوں نے صدر الشہید کی شرح جامع صغیر سے لیا ہے اور جامع صغیر وصدر الشہید نے اگرچہ ایسا ہی ذکر کیا ہے، جیسا کہ ہدایہ نے ذکر کیا ہے لیکن جامع صغیر کی عبارت اس طرح ہے: نصرانی توضأ لايريد الوضوء ثم أسلم فهو متوضی۔ اس کے بعد علامہ لکھتے ہیں: مصنف کے قول "بلانية" کی تفسیر "بلانية الاسلام" اگرچہ فی نفسہ صحیح ہے اور ہدایہ کی عبارت کے موافق ہے، لیکن ہدایہ کے ماخذ جامع صغیر کے موافق نہیں۔ کیوں کہ جامع صغیر میں لايريد الوضوء ہے نہ کہ لايريد الاسلام، بعدہ حضرت موصوف شارح کی توجیہ حتی ان توضأ بلانية کو سراہتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ فاضل ہروی جامع صغیر کا مطالعہ نہ کر سکے جس کی بنا پر یہ بات ان سے پوشیدہ رہی اور وہ بلانیۃ الوضوء کے بجائے بلانیۃ ارادۃ الاسلام سمجھ بیٹھے۔

علامہ نے دوسری جلد باب الاذان سے شروع کی ہے اور اذان کے تحت بہت سارے مسائل اور احکام جسے ماتن اور شارح دونوں نے چھوڑ دیئے تھے، اسے مقامات کی سرخی قائم کرتے ہوئے پانچ قسموں میں منقسم کیا ہے اور تمامی بحثیں بڑی مفید اور معلوماتی ہیں: مثلاً هل اذن رسول الله صلى الله عليه وسلم بنفسه أثبته بعض المحدثين وانكره بعضهم۔

علامہ اذان بین یدی الخطیب کی اجابت کے بھی قائل ہیں اور ان لوگوں کے قول

(جیسے صاحب نہر وغیرہ) عدم اجابت کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اذان کے دوران جو کلام منع ہے اس سے مراد کلام دنیوی ہے نہ کہ دینی۔

ایک شخص کا ۳/۴ کپڑا نجس ہے اور ایک چوتھائی پاک ہے تو وہ کیا کرے؟ اس میں ایک رائے یہ ہے کہ مصلی کو اختیار ہوگا چاہے تو ننگا نماز پڑھے اور اگر چاہے تو اس کپڑے کے ساتھ مگر افضل ثانی ہے۔ امام محمد اور امام شافعی کے ایک قول نیز امام مالک واحمد وزفر کے نزدیک اسی نجس کپڑا میں نماز پڑھے گا، فان صلى عريانا لم يجز اور ان حضرات کے دلائل نقل کرنے کے بعد علامہ لکھتے ہیں: قلت: قولهما وان كان أدق نظرا لكن قول محمد وزفر أحسن وأحوط (سعایہ ۲/۸۰)۔ متن کی عبارت: ''والقصد مع لفظه افضل'' پر لکھتے ہیں: ''أقول: فليس المراد بالمستحب فى قول صاحب المنية وغيره المستحب الشرعى وهو الذى فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم أحيانا وتركه فى أكثر الاوقات كمسح الرقبة لأنه لم يثبت ذالك فى صلواة واحدة أيضا بل المستحب العرفى بمعنى ما أحبه العلماء والمشائخ وبه ظهر أن عبارة المصنف أحسن من عبارة من قال أنه سنة واحسن من ذالك كله عبارة الهداية حيث ذكر وجه الحسن فأفاد أن الحسن ليس لنفسه بل لغيره فاحفظ هذا التحقيق فانك لاتجده فى مطاوى الزبر الكبيرة فضلا عن الدفاتر الصغيرة (سعایہ ۲/۱۰۱)۔

(میں کہتا ہوں کہ صاحب منیہ وغیرہ کے قول میں مستحب سے مراد مستحب شرعی نہیں جسے حضور اکرمؐ نے کبھی کیا ہو اور اکثر اوقات ترک کر دیا ہو جیسے مسح رقبہ..... بلکہ مراد مستحب عرفی ہے، یعنی جسے علماء ومشائخ نے پسند کیا ہو۔ مصنف علیہ الرحمہ کی عبارت ہدایہ وغیرہ کی عبارتوں سے زیادہ بہتر ہے۔ اس تحقیق کو یاد کر لو کیوں کہ یہ تحقیق آپ کو بڑی بڑی کتابوں میں بھی دستیاب نہ ہوں گی چہ جائیکہ چھوٹی چھوٹی کتابوں میں۔

ماتن کے قول: ''و القیام'' پر علامہ فرنگی محلی مختلف کتب سے قدرۃ علی القیام اورعدم قدرۃ علی القیام کے احکام ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: وحاصل المرام أن القيام إنما يفترض في صلواة الفرض للقادر عليه وعلى السجود من غير ابتلاء البلية التي هي اشد من تركه فاحفظ هذا التفصيل لعلك لاتجده في الشروح والحواشي بهذا النمط (سعایہ ۲/۱۱)۔

۱۵ا۔ پر موصوف تکرار سجدہ کے دلائل اور اس کے احکام بڑے اچھے انداز میں پیش فرما کر بارہ نکتے اس بابت بیان فرمائے ہیں بعدہ کچھ الفاظ الذخائر الاشرفیہ فی الالغاز الحنفیہ کے حوالہ سے نقل کئے ہیں جو انتہائی معلوماتی ہیں۔

سعایہ ۲/۲۲۱ پر چند بحثیں تشہد سے متعلق ہیں۔ مثلا بوقت تشہد انگلیوں سے اشارہ کے جواز وعدم جواز پر تفصیلی بحث کی ہے، اشارہ کا وقت کب ہوگا۔ بوقت اشارہ تحریک سبابہ ہوگی یا نہیں عند الاشارہ کیفیت عقد کیا ہوگی، عقد وتحلیق سلام تک رہے گی یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔

۲۳۲ پر ایک فرع نہر کے حوالہ سے پیش کرتے ہوئے اس پر نقد کیا ہے: قال في النهر: لم ار مالو قرأ في الآخرين سورة غير الفاتحة وينبغي على مافي الدراية أن المقروء إن كان ذكرا وتنزيها لايكون مسيئا وإلا كأن كان قرأ سورة أبي لهب. قلت هذا عجيب جدا فهل يقول عاقل بالأساءة بقراءة سورة من سور القرآن واطلاق كلامهم قاطبة نص على أن القراءة مطلقا أفضل۔ (نہر میں مذکور ہے کہ اگر کوئی آخرین میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ کوئی سورہ پڑھے تو اس کا حکم میں نے نہیں دیکھا، لیکن درایہ کا قول مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر مقروء ذکر وتزکیہ کے طور پر ہو تو گناہگار نہ ہوگا، ورنہ تو ہوگا گویا کہ ابولہب کی قراءۃ کی یعنی کراہت ہوگی۔ شیخ فرنگی محلی فرماتے ہیں کہ یہ بات بہت ہی عجیب ہے کہ اس پر نص ہوتے ہوئے کہ قراءۃ مطلقا افضل ہے، پھر بھی کیا کوئی عاقل سورۃ فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورہ کی قراءت پر گناہ کا حکم لگا سکتا ہے؟

ایک نماز میں زیادہ سے زیادہ تین بار تشہد پڑھا جا سکتا ہے، ابو اللیث سمرقندی کی خزانۃ الفقہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں فائدہ: قال فی البحر فی خزانة الفقه لابی اللیث: أكثر مایمكن من التشهد فی الصلوٰة الواحدة عشر مرات وهو أن یدرک الإمام فی التشهد الأول من صلوٰة المغرب ثم یتشهد معه الثانیة وعلی الامام سهو فیسجد معه ویتشهد الثالثة ثم یتذکر الامام ان علیه سجدة تلاوة فیسجد ویتشهد معه الرابعة ثم یسجد الإمام بهذا السهو ویتشهد الخامسة ثم إذا سلم الإمام قام الماموم وصلی رکعة وتشهد السادسة ثم صلی رکعة أخری وتشهد السابعة وقد کان سهی فیما یقضی فسجد للسهو وتشهد الثامنة ثم تذکر أنه قرأ آیة السجدة فسجد وتشهد التاسعة ثم سجد بهذا السهو تشهد العاشرة ومراده من التشهد بعد سجود التلاوة تشهد الصلوٰة فی القعدة الأخیره۔

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ زیادہ سے زیادہ دس مرتبہ پڑھا جا سکتا ہے۔

حضرت فرنگی محلی نے نماز وغیر نماز میں درود شریف پڑھنے سے متعلق تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔ ساتھ ہی امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق نماز میں درود شریف کی فرضیت پر خود شوافع اور دیگر حضرات کے نقد کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فظهر من هذا البیان الواسع والتبیان المانع أن وجوه وجوب الصلوٰة کلها ضعیفة لایقبلها أرباب المدارک المدققه ولذا شنع علی الشافعی فی هذه المسئلة کثیر من المحققین من مقلد وغیرهم منهم أبوجعفر الطبری والطحاوی وابن المنذر والخطابی وقد حکی القاضی عیاض فی الشفا مقالاتهم وادعی بعضهم تفرد الشافعی بذالک، وأنه لم یقل به أحد من السلف وقد أصابوا فی اصل التشنیع وخطأ بعضهم مدعی الاجماع عن السلف علی خلافه فقد حکی نحوه عن الشعبی وبعض الصحابة لکنه إنما یصح لو صح الافتراء عنهم وهو مشکل وللقسطلانی فی هذا المقام تعقبات

على القاضي لاتخلو عن التعصب المذهبي والحق أحق بالاتباع واختيار الحق عين الاتباع (سعایہ۲/۲۴۲)۔

(لچکدار اور واسع بیان سے یہ ظاہر ہوگیا کہ درودشریف کے وجوب کی ساری وجہیں ضعیف ہیں۔ دقیق نظر رکھنے والے اسے قبول نہیں کرسکتے، اسی لئے امام شافعیؒ پر اس مسئلہ میں بہت سے محققین مقلدین وغیر مقلدین نے نقد کیا ہے جن میں سے ابوجعفر طحاوی، ابن المنذر خطابی وغیرہ ہیں جن کے نقد کو قاضی عیاض نے شفا میں بیان کیا ہے، بعض حضرات نے دعوی کیا کہ اس مسئلہ میں امام شافعی متفرد ہیں، سلف میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے تو اصل تشنیع میں تو وہ مصیب ہیں مگر اجماع کا دعوی کرنے میں خطاپر ہیں، کیوں کہ شافعی کے مثل شعبی اور بعض صحابہ کا بھی قول ہے، اس لئے تفرد کا دعوی صحیح نہ ہوا۔ لیکن یہ تخطیہ اسی صورت میں درست ہوگا جبکہ ان حضرات سے فرضیت کا ثبوت مل جائے اور وہ ملنا مشکل ہے)۔

سعایہ ۲/۲۷۶ پر فتاوی حجۃ کے حوالہ سے جامع المضمرات کی تحریر حفظ قرآن کے سلسلہ میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "قال في جامع المضمرات عن فتاوى الحجة اعلم أن حفظ القرآن قدر ماتجوز به الصلوٰة فرض عين على المسلمين وحفظ جميع القرآن فرض على سبيل الكفاية، حتى لو حفظ واحد من المسلمين مابين المشرق والمغرب خرج الكل عن العهدة وحفظ فاتحة الكتاب وسورة واجب على كل مسلم انتهى ووجهه ماتقرر في الأصول من ان مالايحصل الفرض إلا به فرض ومالايحصل الواجب إلا به واجب، وينبغي أن يزاد عليه أن حفظ قدر ما تتأدى به السنة سنة عين وحفظ قدر مايتادى به المستحب مستحب فافهم" (جامع المضمرات میں فتاوی حجہ سے نقل کرکے لکھا ہے کہ قرآن کا حفظ اتنی مقدار جس سے نماز درست ہوجائے تمام مسلمانوں پر فرض عین ہے اور تمام قرآن کا حفظ فرض کفایہ ہے، یہاں تک کہ اگر مشرق ومغرب کے درمیان میں صرف ایک حافظ قرآن پایا جائے تو

تمام سے ذمہ داری ساقط ہوجائے گی۔ فاتحۃ الکتاب اور اس کے ساتھ کسی سورۃ کا حفظ تمام مسلمانوں پر واجب ہے اس کی علت جو اصول میں بتلائی گئی ہے یہ ہے کہ جتنی مقدار کے حفظ سے فرض حاصل ہوجائے فرض ہے اور جتنی مقدار کے حفظ سے واجب حاصل ہوجائے واجب ہے۔ مناسب ہے کہ زیادہ کیا جائے اس پر یہ کہ جتنی مقدار سے سنت ادا ہوجائے سنت عین ہے اور جتنی مقدار سے مستحب حاصل ہوجائے مستحب ہے)۔

سورۂ فاتحہ کی قرأت کے ذیل میں علامہ ایک لطیفہ بحوالہ امام رازی نقل کرتے ہیں: **ذکر الامام الرازی فی تفسیر سورة المومنین أن بعض العلماء اختاروا الامامة فقیل له فی ذالک، فقال: إنی أخاف إن ترکت الفاتحة ان یعاتبنی الشافعی وإن قرأتها مع الامام ان یعاتبنی أبوحنیفة فاخترت الامامة طلبا للخلاص من هذا الاختلاف** اس کے بعد علامہ لکھتے ہیں: **قلت: هذا من قبیل اللطائف والظرائف وإلا فلا یتصور معاتبة الشافعی علی مقلدی ابی حنیفةؒ ولا معاتبة ابی حنیفة علی مقلدی الشافعی کیف وکل منهم علی الصواب ومسلک کل من الأئمة ماخوذ عن الشرع فالاقتداء بأحدهم عین الاقتداء بالشارع بل ولایتصور معاتبة أحد من الائمه إذا انتقل واحد من مقلدیهم الی مذهب امام آخر أو قلده فی بعض المسائل لا لغرض نفسانی بل لقوة دلیل لاحت له فافهم فاحفظه.** (سعایہ ۲/ ۳۰۰)۔ امام رازی نے سورۃ المومنین کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ بعض علماء نے امامت کو اختیار کیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ امام ہی بننا پسند کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ تو کہنے لگے (میں ڈرتا ہوں اس بات سے کہ اگر مقتدی کی صورت میں فاتحہ کی قراءت چھوڑ دوں تو امام شافعی کا معتوب بنوں اور اگر پڑھوں تو امام ابوحنیفہ کا۔ لہٰذا ان دونوں سے خلاصی اسی صورت میں ممکن ہے کہ میں امامت کروں۔ اس کے بعد علامہ لکھتے ہیں کہ یہ بات تو لطائف ظرائف میں سے ہے، کسی بھی امام کی طرف سے عتاب نہیں ہوسکتا، کیوں کہ دونوں مسلک برحق ہیں اور دونوں ہی شرع سے ثابت ہیں، لہٰذا ان میں سے کسی کی بھی اقتداء گویا شرع کی اقتداء

ہے بلکہ ایک امام کا مقلد دوسرے امام کی تقلید کرنے لگے تو اس میں بھی کسی کو ناراضگی نہ ہوگی حتی کہ ایک ہی امام کے بعض مسائل میں تو تقلید کی جائے اور بعض میں نہیں بشرطیکہ یہ نفسانی خواہش کے باعث نہ ہو بلکہ دلائل کی قوت کے سبب ہو تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ()۔

اس عاجز نے سعایہ کے چند مقامات کا ایک اجمالی مطالعہ پیش کیا ہے جس سے یک گونہ اس کی عظمت اور مصنف علیہ الرحمہ کی عبقریت اور ان کی مسلکی بے تعصبی اور کتاب لکھتے وقت جن شرطوں کے التزام کی بابت محقق علام نے اشارہ فرمایا تھا اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ایک صاحب عیسیٰ مبارک یمنی شعبۂ دینیات میں پروفیسر سعود عالم قاسمی کے اشراف میں ''السعایہ دراسۃ وتحقیقہ'' کے موضوع پر پی۔ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ یہ ایک بڑا کام ہوگا اور اہل علم کے لئے انتہائی مفید ہوگا۔

☆☆☆

فتاوی عبدالحی - ایک جائزہ

مفتی انور علی اعظمی ☆

مولانا عبدالحی فرنگی محلی ہندوستانی محدثین اور فقہاء کی صف میں انتہائی ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ مختصر سی عمر کے باوجود سو سے زیادہ کتابیں آپ کی یادگار ہیں اور اس دور سے لے کر آج تک بڑے بڑے علماء سے خراج تحسین حاصل کر رہی ہیں۔ یوں تو فرنگی محل کے علماء کی خدمات چار صدیوں پر پھیلی ہوئی ہیں اور ان میں علم کے آفتاب و ماہتاب اور روشن ستارے ہیں لیکن ان کے درمیان مولانا عبدالحی فرنگی محل کی ایک الگ شان اور ایک نرالا مقام ہے، چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنوی اپنی مشہور کتاب ''نزہۃ الخواطر'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''الحاصل انه كان من عجائب الزمن ومن محاسن الهند وكان الثناء عليه كلمة الاجتماع والاعتراف بفضله ليس فيه نزاع'' (نزہۃ الخواطر ۸/ ۱۹۰)۔

نام ونسب اور خاندانی پس منظر:

عبدالحی بن عبدالحلیم ابن امیر اللہ ابن محمد اکبر ابن ابو الرحم ابن یعقوب ابن عبدالعزیز ابن محمد سعید ابن قطب الدین شہید سہالوی لکھنوی۔

تذکرۂ (تذکرہ علماء ہند: ۱۸۴) علماء ہند کے مؤلف رحمان علی کے بیان کے مطابق بتاریخ ۱۱/ شعبان ۱۲۶۴ھ لکھنؤ میں پیدا ہوئے، لیکن خود مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی خودنوشت سوانح عمری

☆ مفتی دارالعلوم مئو

سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ۱۲۶۴ھ مطابق ۱۸۴۷ء بمقام باندہ پیدا ہوئے۔
التعلیق الممجد علی الموطأ الامام محمد پر آپ تحریر فرماتے ہیں:

”انا العبد الراجي رحمة ربه القوي كنيتي ابو الحسنات كناني به والدي بعد بلوغي، واسمي عبد الحي تجاوز الله عن ذنبي الخفي والجلي سماني به والدي في اليوم السابع من ولادتي، وقد ولدت في بلدة باندہ حين كان والدي مدرساً بها في مدرسة النواب ذو الفقار الدولة في السادس والعشرين من ذي القعده يوم الثلاثاء من السنة الرابعة والستين بعد الالف والمئتين“ (التعليق الممجد على الموطا لامام محمد: ۲۷)۔

آپ کا شجرۂ نسب مشہور صحابی حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے ملتا ہے۔ چنانچہ مولانا عبد الحی فرنگی محل اپنے خاندان کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے آباء واجداد مدینہ طیبہ سے ہرات آئے، وہاں سے لاہور منتقل ہوئے پھر لاہور سے دہلی کا سفر کیا اس کے بعد دہلی سے چل کر لکھنؤ کے قصبہ سہالی میں آباد ہوئے، وہیں پر آپ کے جد امجد ملا قطب الدین کی شہادت کا واقعہ پیش آیا ان کی قبر سہالی ہی میں ہے۔ اس کے بعد یہ خاندان اورنگ زیب عالمگیرؒ کے زمانہ میں لکھنؤ شہر محلہ فرنگی محل میں منتقل ہوگیا بلکہ اورنگ زیبؒ کے حکم سے فرانسیسی تاجر کی یہ کوٹھی جو حویلی فرنگی کہلاتی تھی ملا قطب الدین کے بیٹوں کو حاصل ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

اپنی تعلیم کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن کا حفظ حافظ قاسم لکھنوی کے پاس شروع کیا، لیکن ابھی پارہ عم یتساءلون بھی ختم نہیں کر پایا تھا کہ میرے والد باندہ سے جونپور منتقل ہوگئے، وہاں میں حافظ ابراہیم کے پاس اپنا حفظ مکمل کیا جو دیار پورب کے باشندہ تھے اور میں نے جونپور میں تراویح کی نماز پڑھائی اس وقت میرے والد مدرسہ الحاج امام بخش میں استاذ تھے، حفظ کے دوران والد مرحوم سے فارسی اور انشاء وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتا رہا۔ پھر حافظ مکمل

کرنے کے بعد والد مرحوم سے میزان الصرف سے لے کر تفسیر بیضاوی تک درسیات کی تکمیل کی، سترہ سال کی عمر کو پہونچنے تک اس وقت کے مروجہ نصاب سے فراغت حاصل کر چکا تھا۔ اپنے والد کے شاگرد رشید مولوی محمد خادم حسین مظفر پوری سے حساب کا علم حاصل کیا۔

مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ بچپن سے میرے دل میں تدریس اور تصنیف کی محبت اور ان دونوں چیزوں سے انسیت ڈال دی گئی تھی، میں جو کتاب پڑھتا تھا اسے پڑھنے کے معاً بعد پڑھاتا تھا، اس لئے مجھے اللہ تعالیٰ کی مدد سے تمام علوم میں کامل استعداد حاصل ہوگئی اور مجھے کوئی کتاب مشکل نہیں لگی۔ ہر فن دستگاہ نصیب ہوئی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ تدریس سے دلچسپی اور مطالعہ کے شوق کا فائدہ یہ ملا کہ میں نے بعض ایسی کتابیں بھی پڑھائیں جسے استاذ سے نہیں پڑھا۔ جیسے علامہ طوسی کی شرح اشارات، اور الافق المبین اور قانون طب اور رسائل عروض وغیرہ۔

آپ کو علم ریاضی اور ہیئت سے خصوصی لگاؤ تھا

آپ کی تحریر کے مطابق انھوں نے اپنے والد کے ماموں اور ان کے استاذ مولانا نعمت اللہ ابن نور اللہ بناری سے شرح چغمینی مع حواشی برجندی پڑھی، علامہ طوسی کا رسالہ الاسطرلاب پڑھا، اسی طرح سید نصیر الدین طوسی کی کتاب تذکرہ اور اس کی شرح پڑھی۔ علم ہیئت کی بہت ساری کتابیں اسی دلچسپی کے ساتھ پڑھیں کہ حضرت الاستاذ اپنے احباب کے درمیان میری تعریف کرتے تھے، اس وقت ان کی عمر اٹھاسی سال تھی اور میں ان کا آخری شاگرد ہوں۔ انہیں ایام میں محقق نصیر الدین طوسی کو خواب میں دیکھا اور ان سے کچھ سوالات بھی کئے، انہوں نے خوشی کا اظہار کیا، اس خواب سے میں نے یہ سمجھا کہ وہ مجھے اس فن میں مہارت حاصل ہونے کی بشارت دے رہے ہیں اور میرے اشتغال سے خوش ہیں (بحوالہ الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل بتحقیق عبدالفتاح ابوغدہ، مطبوعہ اتحاد بکڈپو لکھنؤ، دیوبند)۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی اپنی تصانیف کے آئینہ میں

اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو تدریس وتصنیف کی لذت سے ابتدا ہی سے آشنا کر دیا تھا،

حالانکہ دونوں چیزیں الگ الگ ذوق کی ہیں، کم ایسے لوگ ملیں گے جن میں یکساں طور پر دونوں چیزوں میں مہارت ہو، اللہ رب العزت کا آپ پر ایک انعام ہے کہ تدریس وتصنیف دونوں سے مناسبت عطا فرمائی، مولانا ابو الحسن علی ندوی اپنی کتاب المسلمون فی الہند میں تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا کی تصانیف کی تعداد ایک سودس کے قریب ہے۔

تصنیف سے دلچسپی کا عالم یہ ہے کہ اپنے بچپن ہی میں چند کتابیں لکھ ڈالیں جیسے امتحان الطلبہ فی الصیغ المشکلہ (۲) التبیان فی شرح المیزان، اسی طرح علم نحو میں خیر الکلام فی تصحیح کلام الملوک ملوک الکلام۔

مولانا فرنگی محلی نے منطق وحکمت میں تیرہ کتابیں، علم مناظرہ میں دو کتابیں، علم تاریخ میں سولہ کتابیں اور فقہ، سیر وحدیث میں تقریباً اڑتالیس کتابوں کا ذخیرہ چھوڑا، انتالیس سال کی عمر میں تصانیف کی یہ لمبی فہرست مولانا کی ذکاوت وذہانت، عبقریت اور علمی عظمت پر ایک واضح دلیل ہے، مولانا موصوف کی بعض تصانیف انتہائی مشہور ومعروف ہیں جیسے سعایہ، ظفر الامانی، الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل، سعایہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: **وهي اكبر تصانيفي و اجلها قد انتظمت فيها بسط الكلام في اثبات الاحكام بادلتها۔**

مولانا کی تصانیف کو منجانب اللہ قبولیت حاصل ہوئی، بہت ساری کتابیں ان کی زندگی ہی میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوگئیں چنانچہ تحریر فرماتے ہیں: **وإني اشكر الله شكرا متواليا على أن رزق تصانيفي قبولا عاليا وجعلها محمودةً بالسنة الطلبة والكلمة ورزقها شيوعاً واشتهارا عاما حتى توجهت إليها الأفاضل من الديار البعيدة والأمصار الشاسعة۔**

شرح وقایہ اور ہدایہ پر آپ کا حاشیہ انتہائی مفید اور مقبول ہے، برصغیر میں یہ دونوں کتابیں آپ کے حاشیے کے ساتھ شائع ہورہی ہیں اور اساتذہ اور طلبہ اس سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں، اسی طرح حدیث کی مشہور کتاب موطا امام محمد پر آپ کا حاشیہ التعلیق الممجد بھی انتہائی

وقیع اور مفید ہے۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ پر اللہ تعالی کی نوازشیں:

اللہ رب العزت نے آپ پر اپنے انعامات کی خوب بارش کی، زمانہ کے علماء کے درمیان آپ کو بہت ساری خوبیوں میں ممتاز فرمایا مولانا فرماتے ہیں کہ مجھے فن حدیث اور فقہ حدیث کی جانب توجہ کرنے کی خاص توفیق عطا کی گئی، اللہ تعالی نے معقولات کے مقابلے میں مجھے منقولات سے زیادہ شغف عطا فرمایا، جو لذت منقولات کی تصنیف وتالیف میں حاصل ہوتی ہے اور جو سُرور حدیث وفقہ کی تدریس میں ملتا ہے وہ دوسرے فنون میں نہیں ملتا۔ سب سے زیادہ مجھے خوشی حدیث نبوی کی خدمت سے حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح اللہ کا ایک بڑا فضل یہ بھی ہے کہ میرے دل میں اس نے علم کی محبت ڈال دی اور حب مال اور حب جاہ کی محبت سے مجھے بچالیا۔ جب والد محترم کا حیدرآباد دکن میں انتقال ہوا اس وقت وہ قضاء کے ایک اونچے عہدہ پر مامور تھے، میرے احباب نے اصرار کیا کہ میں اپنے باپ کے عہدہ کو اپنالوں، لیکن میں نے اس بڑے عہدہ اور بڑی تنخواہ کو اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ کام میری تصنیف وتالیف میں حارج بنتا۔ اس لئے میں نے قلیل وظیفہ پر قناعت کرلی اور پوری عمر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں گزاردی۔ ریاست حیدرآباد نے دوسو پچاس روپئے کا وظیفہ بلاشرط خدمت طے کردیا اور میں لکھنؤ واپس آ گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا احسان یہ بھی ہے کہ اس نے دوبار مجھے حج بیت اللہ کی سعادت نصیب فرمائی، اس مبارک سفر میں حج وزیارت کے ساتھ بڑے بڑے علماء سے ملاقات ہوئی، جیسے سید احمد ابن زین دحیلان جو حرم مکی میں استاذ تھے، اسی طرح علامہ شیخ عثمان دمیاطی شافعی، ابن شیخ حسن الدمیاطی۔

جن بڑے علماء سے اس مبارک سفر میں آپ کی ملاقات ہوئی ان میں علامہ عبدالرحمٰن الکربری الدمشقی بھی ہیں، حرم مکی میں حدیث رسول کا درس دینے والے امام المحدثین شیخ عمر ابن

عبدالکریم بھی ہیں، علماء مذکورین کے علاوہ دوسرے بڑے بڑے مشائخ سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی، آپ نے ان حضرات سے کتب حدیث کی اجازت لی، حضرت مولانا عبدالحی صاحب نے اپنی سندوں کی تفصیل اپنی کتاب انباء الخلان بابناء علماء ہندوستان میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے بحوالہ الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل وفات انتالیس (۳۹) برس کی عمر میں ربیع الاول ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء میں ہوئی اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن کئے گئے (ص ۲۰۲ اودھ میں افتاء کے مراکز اور ان کی خدمات)۔

فتاوی عبدالحی - ایک جائزہ:

مولانا عبدالحی فرنگی محلی علم کا ایک سمندر ہیں۔ ان کی علمی وسعت پر ان کی تصانیف شاہد عدل ہیں۔ آپ کی دلچسپی علوم عقلیہ اور نقلیہ دونوں سے تھی، لیکن حدیث وفقہ سے خصوصی لگاؤ تھا۔ فتاوی عبدالحی اس کا شاندار مظہر ہے۔

فطری طور پر مولانا کی ذات میں جو خوبیاں ودیعت رکھی گئی تھیں وہ ان کی تصانیف اور فتاوے میں واضح طور پر دکھائی دیتی ہیں۔ آپ کے فتاوے کے جائزہ سے مندرجہ ذیل امور بخوبی نظر آتے ہیں:

۱- مسائل کی تحقیق میں نصوص بالخصوص صحیح احادیث کو بنیاد بناتے ہیں، کیونکہ آپ فقیہ ہونے کے ساتھ حدیث، اصول حدیث اور رجال پر گہری نظر رکھتے ہیں، آپ کی طبیعت تقلید جامد سے میل نہیں کھاتی، آپ فرماتے ہیں کہ کسی مسئلہ پر میں اس وقت تک اعتماد نہیں کرتا جب تک اس کی اصل کسی حدیث یا آیت میں نہ پا جاؤں۔ جو مسئلہ کسی صریح حدیث کے خلاف ہوتا ہے اسے چھوڑ دیتا ہوں اور مجتہد کو اس میں معذور بلکہ ماجور جانتا ہوں۔

۲- اسی طرح فتاوی عبدالحی کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مزاج میں مسلکی تشدد نہیں ہے بلکہ اعتدال ہے چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالی کے احسانات میں ایک احسان میرے اوپر یہ بھی ہے کہ اس نے مجھے افراط وتفریط کے درمیان چلنے کی توفیق بخشی۔ جب

کوئی اہم مسئلہ میرے سامنے آتا ہے تو درمیانی راستہ میرے دل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ میں تقلید محض کے چکر میں نہیں پڑتا اور شرعی دلائل کے خلاف ہونے کی صورت میں کسی قول فقہی کے التزام کو اپنے لئے ضروری نہیں سمجھتا لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ مولانا موصوف ائمہ کرام اور فقہاء عظام کے قدر دان نہ ہوں، یا فقہ سے کسی قسم کی نفرت اور بیزاری رکھتے ہوں۔ بات صرف اتنی ہے کہ تقلید آپ دلائل کی روشنی میں کرتے ہیں جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے شاگردوں سے کہا تھا کہ کسی کے لئے میرے قول کو اختیار کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ یہ بات میں نے کہاں سے کہی۔ فتاوی عبد الحی تین جلدوں پر مشتمل ہے جلد اول میں کتاب الکفر والایمان، کتاب العقائد، کتاب العلم، کتاب الطہارۃ، کتاب المساحۃ، کتاب المساجد، کتاب الصلاۃ، کتاب الجنائز، کتاب الصوم، کتاب الزکاۃ، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الرضاع، کتاب الطلاق، کتاب الوقف، کتاب البیوع کے عنوانات قائم کئے۔ جلد ثانی میں کتاب الربا، کتاب الحظر والاباحۃ، کتاب الاکل والشرب، کتاب الوصیہ، کتاب الدعوی، کتاب القضاء، کتاب الشہادۃ، کتاب الوراثت، کتاب البیعۃ والخلافہ، کتاب الرہن، کتاب الاجارۃ، کتاب الرق، کتاب التعزیر، کتاب المناقب، کتاب الصید، کتاب الاضحیۃ والعقیقہ، وغیرہ عنوانات پر مشتمل ہے اور اخیر میں کتاب المتفرقات کے عنوان سے بھی کچھ مسائل موجود ہیں۔ تیسری جلد میں مذکورہ بالا عنوانات کے تحت کچھ مزید جوابات مذکور ہیں:

مولانا نے بہت سارے سوالات کے جواب انتہائی مفصل اور مدلل دیئے ہیں، فتاوی عبدالحی کا مطالعہ اہل افتاء کے لئے بیش قیمت معلومات کا ذریعہ ہے، بعض جوابات انتہائی طویل ہیں حوالے میں لمبی لمبی عربی کی عبارتیں ہیں، مولانا نے جواب اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں دیئے ہیں۔ آپ کے مزاج میں جو اعتدال اور میانہ روی پائی جاتی ہے اس کا عکس جواب میں موجود ہے نمونہ کے طور پر کچھ فتاوی ذکر کئے جاتے ہیں۔

استفتاء نمبر ۲۶۳ جلد دوم: چہ می فرمایند علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ

اہل تشیع چہ باشندگان لکھنؤ و چہ ساکنان جوار لکھنؤ آ نانکہ فی زمانا موجود ہستند طعام خانہائے شان وذبیحۂ دست آنہا جائز است یانہ، بیٔنوا توجروا۔

ہو المصوب۔ شیعہ کہ منکر ضروریات دین اند مثل آناں کہ علیؓ راخدا میگویند ہمچنیں آنانکہ قذف حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ میسازند کافر اند ذبیحۂ شان ناجائز وآنانکہ چناں نیستند اگرچہ سب شیخین میسازند کافر نیستند بلکہ فاسق،، ذبیحہ شان درست است۔

مولانا عبدالحی کا مذکورہ جواب صحیح اصل پر مبنی ہے اور اہل تشیع کے بارے میں ایک معتدل رائے ہے، مولانا نے سب شیخین کو کفر کی وجہ نہیں مانا ایک دوسرے سوال میں اس مسئلہ کا مدلل جواب دیا ہے۔ صفحہ چھ جلد اول پر لکھتے ہیں شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے: **سب الشیخین لیس بکفر کما صححه ابو الشکور السلمی فی تمهیده و ذلک لعدم ثبوت مبنی وعدم تحقق معناه، فان سب المسلم فسق کما فی حدیث ثابتؐ یستوی الشیخان وغیرهما فی هذا الحکم، ولأنه لوفرض أن أحدا قتل الشیخین بل والختنین بوصف الجمع لایخرج عن کونه مسلماً عند أهل السنه والجماعة، ومن المعلوم أن السب دون القتل نعم لو استحل السب او القتل فهو کافر لامحاله** (۱/۷)۔

فتاوی عبدالحی ۱/۹۹ پر اس دور کے ایک خاص مسئلہ کے متعلق استفتاء کیا گیا جس کا تعلق کتاب الاکل سے بھی ہے اور کتاب الطہارۃ سے بھی ہے ملاحظہ فرمائیں:

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع متین زادہم اکثر شرفا وکرامہ اس صورت میں کہ فی زمانا تاجران قوم انگریزی کہ جو تجارت مٹھائی کی کرتے ہیں، ہڈیاں حیوانات مردہ ماکول اللحم وغیر ماکول اللحم کی جلا کر کوئلہ قند وشکر کو صاف کرنے میں استعمال کرتے ہیں، اس طرح پر کہ اس کوئلہ کو کوٹ کر ظرف سوراخدار میں بھر کر اور پوٹری خوہ راب وگڑ پانی میں گھول کر اس شربت کو اس ظرف سے جس میں کوئلہ پٹا ہوا ہے گزران کر دیگ میں پہونچاتے ہیں، بعدہ اس کو

جوش دے کر اس کا قند وشکر تیار کرتے ہیں کہ وہ قند وشکر اس عمل سے نہایت شفاف اور سفید ہوجاتا ہے اور اس کے ذائقے اور رنگ وبو میں کسی طرح کا تغیر واقع نہیں ہوتا، مگر جو اشخاص اجورہ دار مزدور واسطے جمع کرنے اور جلانے ہڈیوں کے مقرر ہوتے ہیں تو وہ ایسے با احتیاط اور باتمیز نہیں ہوتے کہ ہڈیوں ناپاک یعنی خنزیر اور ہڈیوں پاک یعنی دیگر حیوانات میں تمیز وشناخت کر کے ناپاک کو پاک سے علیحدہ کریں، لہٰذا ان ہڈیوں سوختہ میں احتمال ہے کہ کس قدر ہڈیاں خنزیر کی بھی کہ جس کو شرع نے نجس العین قرار دیا ہے مخلوط ہوں نظر بریں احتمال علماء دین سے سوال ہے کہ اگر ان ہڈیوں سوختہ حیوانات مردہ ماکول اللحم وغیر ماکول اللحم میں ہڈیاں خنزیر کی مخلوط نہ ہوں تو نسبت کھانے اس قند وشکر کے شرعاً کیا حکم ہے اور اگر مخلوط ہوں تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

جواب: صحیح فی الواقع ہڈی ہر جانور کی سوائے خنزیر کے پاک ہے اور بعد کوئلہ ہوجانے کے خنزیر کی بھی ہڈی پاک ہوجاتی ہے بوجہ انقلاب ذات کے پس شکر مذکور جو اس کوئلہ سے صاف کی جاتی ہے طاہر اور کھانا اس کا جائز ہے، واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ شیعوں کے نزدیک متعہ جائز ہے، مولانا عبد الحی صاحب سے یہ سوال کیا گیا کہ شیعہ امامیہ کی کتابوں میں متعہ کے حرمت کی روایت موجود ہے یا نہیں؟ آپ نے اس کا جواب ان کی کتاب کے حوالہ سے دیا۔

سوال: در کتب شیعہ امامیہ روایت حرمت متعہ یافتہ می شود یا نہ۔

جواب: در استبصار کہ کتابے است معتبر نزد امامیہ از علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نقلاً آوردہ قال: حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحوم الحمر الاہلیۃ، ونکاح المتعۃ ودر تہذیب ہم روایت حرمت متعہ موجود است۔

نسب کی بنیاد پر طعن وتشنیع شریعت میں جائز نہیں، لیکن ذات برادری کی بنا پر اونچ نیچ کا احساس پہلے بھی رہا ہے اور آج بھی ہے، قرآن وحدیث میں اس کی نفی کی گئی ہے اور سارے

انسانوں کو آدم کی اولاد بتا کر مساوات اور برابری کا درس دیا گیا ہے، لیکن بہت سے لوگ اپنے کو اشراف اور پیشہ کی بنیاد پر دوسروں کو ارذل کہتے ہیں اور اس فرق کو دین کے معاملات اور نماز کی امامت وغیرہ میں بنیاد بناتے ہیں۔ مولانا عبدالحی صاحب نے اس طرح کے ایک سوال کا بہت واضح جواب دیا ملاحظہ فرمائیں:

سوال: چہ می فرمایند علماء دین دریں باب کہ کسے عالم بالسنہ وعامل ہم باشد لیکن او از قوم نورباف است امامتش برائے نماز چہ حکم دارد و در قوم مسطور رواج نکاح ثانی است بعض می گویند کہ امامت چنیں کس مکروہ است وچوں کسے گوید کہ ایں در رذیلان است ونہ در شریفان وچوں کسے از برادری شان کہ خود را شریف میگویند جزئیت بر نکاح ثانی کنند از ومراعات اسلامی کہ در شادی وغمی وغیرہ می باید ترک می سازند، پس ایں چنیں گفتن وترک مراعاۃ مذکورہ کردن شرعاً چہ حکم دارد ومع سند صحیح ارشاد شود بینوا توجروا۔

ہوالمصوب: فقہاء حنفیہ اتفاق دارند بریں کہ احق برائے امامت اولا عالم کہ عامل ہم باشد واز فواحش ظاہرہ مجتنب باشد از ہر قومے وگروہے کہ باشد واعتبار نسب متاخر است از اعتبار علم وورع وغیر پس امامت آں عالم بالسنہ وعامل ہم است اگر چہ از قوم نورباف است افضل واحق است نہ مکروہ ورواج نکاح ثانی امریست مستحسن نہ امریست شنیع کہ موجب کراہت اقتداء باشد وشکے نیست کہ نکاح ثانی در شرع مسنون است ہر کہ ایں را قبیح داند وبسبب ایں فعل مشروع ترک مراعات اسلامی کند آثم خواہد شد بلکہ اگر امر شرعی را من حیث انہ شرعی مستقبح داند خوف کفر است کما لا یخفی علی من طالع کتب الفقہ واللہ اعلم حررہ محمد عبدالحی عفا اللہ عنہ (اول ص ۱۳۱-۱۳۲، فتاوی عبدالحی)۔

مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی کے فتاوے انتہائی مدلل ہیں اور آپ کو فقہ کی جزئیات پر بہت عبور حاصل ہے، فتاوی عبدالحی کے مطالعے سے ان چیزوں کا اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے، مجموعہ فتاوی ا/۳۴۶ پر طلاق کے بارے میں ایک جواب ملاحظہ ہو:

استفتاء نمبر ۲۸۹: ایک شخص کی چار بیبیاں ہیں، ایک مکان میں چاروں موجود ہیں

دروازہ بند تھا شوہر نے باہر سے پکارا کسی بیوی نے اندر سے جواب دیا اور جواب دے کر خاموش ہوگئی صبح کو مرد نے کہا کہ جس بیوی نے جواب دیا اس کو تین طلاق ہے، عورتوں سے پوچھا کہ کس نے جواب دیا ہے ہر ایک نے انکار کیا اب کس پر طلاق واقع ہوا۔ بینوا توجروا

ہو المصوب: اس صورت میں سب سے وطی کرنا بسبب اشتباہ کے حرام ہے جب تک کہ تعیین مطلقہ کی معلوم نہ ہو اشباہ میں ہے: **الاصل في الابضاع التحريم، فاذا تقابل في المرأة حل وحرمة غلبته الحرمة، ولهذا لايجوز التحرى في الفروج واذا طلق احدى نسائه بعينها ثلاثا ثم نسيها ۔**

کتاب الحظر والاباحہ ۱۰۶/۲، مجموعۃ الفتاوی کا ایک جواب ملاحظہ ہو:

استفتاء نمبر **۹۲: ماقولكم أيها العلماء! في أن الجمل إذا غذى بلبن الخنزير من حين ولد إلى أن يكبرا يحل أكله ام لا بينوا توجروا۔**

هو المصوب: نعم يحل أكله بعد ذبحه لأن لحمه لايتغير وماغذى به صار مستهلكا لم يبق له اثر صرح به التمر تاشى فى كتاب الحظر والإباحة من شرحه لكتابه تنوير الابصار المسمى بمنح الغفار – والله اعلم حرره الراجى عفو ربه القوى ابو الحسنات محمد عبد الحئ تجاوز الله عن ذنبه الجلى والخفى۔

فتاوی عبدالحئی تحقیق کا ایک بیش قیمت ذخیرہ ہے۔ نمونہ کے طور پر چند فتاوے مختلف ابواب کے ذکر کئے گئے۔ اس کا مطالعہ اہل افتاء کے لئے بے حد مفید ہے، ضرورت یہ ہے کہ مجموعہ فتاوی پر کچھ تحقیقی کام ہو اور اچھی کتابت اور عمدہ تعلیق کے ساتھ اسے شائع کیا جائے۔ اس کے نسخے عام طور پر میسر بھی نہیں انشاء اللہ العزیز اس کی جدید طبع علمی دنیا کے لئے ایک عمدہ اضافہ ہوگی اور لوگوں کے لئے حضرت مولانا عبدالحئی فرنگی کی وسعت علمی سے استفادہ کا بہتر ذریعہ ہوگی۔

مولانا عبدالحئی صاحب کے فتاوے کا جو نسخہ ہمارے سامنے ہے اس کا نام مجموعۃ

الفتاوی ہے یہ مجموعہ آپ کے نواسے محمد ایوب انصاری ابن مولانا محمد یوسف کی کوششوں سے شائع ہوا ہے، مرتب مولانا محمد ایوب انصاری مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کے نواسے ہیں انہوں نے اپنے مختصر مقدمے میں یہ لکھا ہے کہ ابو الحسنات مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے اپنی زندگی میں فتاوے کی دو ضخیم جلدیں تحریر کرائی تھیں اور علم فقہ کی ترتیب کے مطابق اسے مرتب کر دیا تھا اور خود حضرت ہی نے اس کا نام مجموعۃ الفتاوی رکھا، آپ کا یہ مجموعہ متعدد بار مطبع یوسفی لکھنؤ سے شائع ہو چکا ہے۔

مولانا عبدالحی صاحب بحیثیت مفتی اپنے زمانے میں بہت ہی مشہور تھے اور عوام وخواص کا آپ کی جانب انتہائی رجوع تھا جیسا کہ فتاوی کے مطالعے سے بآسانی یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

چوتھا باب

اختتامی امور

تجاویز

علمائے فرنگی محل - حیات وخدمات

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور دارالعلوم فرنگی محل لکھنؤ کے اشتراک سے ۱۶؍تا ۱۸؍جمادی الاخریٰ ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰؍تا ۲۲؍مئی ۲۰۱۱ء بروز جمعہ تا یک شنبہ دارالعلوم فرنگی محل کے احاطے میں علمائے فرنگی محل - حیات وخدمات پر یہ اہم سیمنار منعقد ہوا۔ جس میں ہندوستان کے مختلف علاقوں، مرکزی درس گاہوں اور علمی وتحقیقی اداروں کے علاوہ بیرون ملک سے بھی بعض مؤقر اہل علم نے شرکت کی۔

بہ حیثیت مجموعی ۳۰ سے زیادہ مقالات پیش کیے گئے اور نہایت خوش گوار ماحول میں یہ علمی اور تاریخی سیمنار اختتام پذیر ہوا۔

سیمنار میں بہ اتفاق رائے درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

۱- علمائے فرنگی محل کا ایک نمایاں وصف ان کا فکری اعتدال ہے۔ اعتقادی مسائل ہوں یا فقہی، انہوں نے ہر جگہ میانہ روی کا راستہ اختیار کیا ہے اور اہل سنت کے دائرہ میں آنے والے کسی بھی گروہ کی تکفیر وتفسیق سے اجتناب کیا ہے؛ بلکہ تمام اہل قبلہ کے معاملے میں احترام اور رواداری کو ملحوظ رکھا ہے؛ تاکہ امت مسلمہ انتشار اور بکھراؤ سے محفوظ رہے۔ نیز اختلافی مسائل پر اظہار خیال کرتے ہوئے لب و لہجے میں بھی اعتدال کا خیال رکھا گیا ہے اور دل آزاری سے بچنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ موجودہ حالات میں اس رویہ کو فروغ دینے کی ضرورت ہے؛

تا کہ امت کوفرقہ بندی سے بچایا جا سکے۔اختلاف وانتشار کی وجہ سے ان کی طاقت ٹوٹ نہ جائے اور اعدائے اسلام (جو مسلمانوں کو مسلکی فروعی اختلافات میں الجھانا چاہتے ہیں) اپنے منصوبوں میں کامیاب نہ ہونے پائیں؛ اس لیے علماء اور بالخصوص مقررین واصحاب قلم سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ میانہ روی کا راستہ اختیار کریں۔ اختلافی مسائل میں اظہار خیال کرتے ہوئے دوسرے فریق کا احترام ملحوظ رکھیں اور لب ولہجے میں ایسی کڑواہٹ نہ آنے دیں جو فاصلوں کو بڑھائے۔ نیز وقت کا تقاضہ ہے کہ باہمی اختلافات میں غلو کرنے کے بجائے اسلام پر اس وقت مغرب کی طرف سے جو یلغار ہو رہی ہے، اس کے دفاع پر توجہ کی جائے۔

۲- علمائے فرنگی محل نے مختلف جہتوں سے اسلامی علوم کی عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں اور خاص طور پر تدریس اور تصنیف وتالیف کو اشاعت علم کا ذریعہ بنایا ہے؛ مگر افسوس ہے کہ علما فرنگی محل کی بعض کتابیں اب تک طبع نہیں ہوسکی ہیں اور اہل علم ان سے استفادہ کرنے سے قاصر ہیں۔اسی طرح بعض کتابیں وہ ہیں جو پہلے طبع ہوچکی ہیں لیکن اب نایاب ہیں۔علامہ عبدالحی فرنگی محلی اکیڈمی سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ ان کتابوں کو شائع کرنے اور منظر عام پر لانے کا اہتمام کرے۔

۳- خوشی کی بات ہے کہ علمائے فرنگی محل کی بعض تالیفات پر نہ صرف برصغیر بلکہ عالم اسلام کے علماء نے بھی تحقیق وتعلیق کا کام کیا ہے۔خاص طور پر مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی صاحب کی تالیفات پر بعض عرب علماء نے بڑی توجہ فرمائی ہے، لیکن اب بھی بہت سی کتابوں پر تحقیق وتعلیق کی ضرورت ہے۔ان کتابوں کو تعلیقات سے مزین کرایا جائے اور عصر حاضر کے اسلوب کے مطابق ان کو شائع کرایا جائے۔

۴- علمائے فرنگی محل کی اکثر تالیفات عربی زبان میں ہیں، ضرورت ہے کہ ان کی افادیت کو عام کرنے کے لیے اردو اور انگریزی زبانوں میں ان کا ترجمہ کیا جائے؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان علمی شہ پاروں سے استفادہ کرسکیں۔ اس سلسلے میں خاص طور پر مولانا ولی اللہ فرنگی محلی کی عظیم الشان فارسی تفسیر ''معدن الجواہر'' خصوصی توجہ کی مستحق ہے اور مناسب ہے کہ اسے اردو کا جامہ پہنایا جائے۔

۵- علمائے فرنگی محل کی بعض اہم تالیفات اردو زبان میں بھی ہیں، اپنی افادیت اور اہمیت کے اعتبار سے اس لائق ہیں کہ ان کو عربی میں منتقل کیا جائے؛ تاکہ عالم اسلام ان سے استفادہ کرسکے۔ نیز ان کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو؛ تاکہ مغربی ممالک کے اسکالرز اور عام مسلمان ان سے مستفید ہوسکیں۔

۶- غیر مطبوعہ اور نایاب مطبوعہ کتابوں کی طباعت، حسب ضرورت کتابوں پر تحقیق وتعلیق اور ان کے ترجمے جیسے اہم کاموں کو علامہ عبدالحی فرنگی محلی اکیڈمی انجام دے اور منظم طور پر اس کام کو انجام دینے کے لیے مناسب وسائل اور ذرائع استعمال کرے۔ نیز حسب ضرورت ہندوستان اور بیرون ہند کے اصحاب نظر علماء سے استفادہ کرے اور اسلامک فقہ اکیڈمی کی اس اہم کام میں علمی وفکری تعاون کرے۔

۷- یہ ایک حقیقت ہے کہ اسی خاندان سے شہرۂ آفاق درس نظامی کا آغاز ہوا اور اپنے ارتقاء کے مراحل کو طے کرتے ہوئے آج بھی یہ نصاب نہ صرف برصغیر کا مقبول ترین نصاب ہے؛ بلکہ دنیا کے بہت سے ملکوں میں اس نصاب پر مبنی تعلیم گاہیں موجود ہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ اس علمی مرکز کی اس کی شان کے مطابق نشاۃ ثانیہ ہو، دارالعلوم نظامیہ فرنگی محل کی خدمات کے دائرے کو وسیع کیا جائے اور ایک مثالی درس گاہ کی حیثیت سے اس کو ترقی دی جائے۔

۸- علمی کاوشوں اور دینی خدمات کے اعتراف سے بہتر کاموں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ بھی ہے۔ اس لیے ہر سال ملک کی کسی اہم شخصیت کو تفسیر، حدیث وفقہ اور اسلامی علوم میں نمایاں خدمات پر علامہ عبدالحی فرنگی محلی اکیڈمی کی طرف سے ''علامہ بحرالعلوم عبدالعلی فرنگی محلی ایوارڈ'' دیا جائے۔

۹- علامہ نظام الدین محمد اور ان کے والد ماجد مولانا قطب الدین نے دینی مدارس کے لیے جو نصاب مقرر کیا تھا، یقیناً وہ اپنے عہد کے لحاظ سے نہایت اہم اور اس دور کی ضرورتوں سے ہم آہنگ تھا۔ خود علمائے فرنگی محل ضرورت کے لحاظ سے اس میں حک واضافہ کرتے رہے ہیں اور اس وقت اس نام سے جو نصاب برصغیر کے مدارس میں مروج ہے وہ اسی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ موجودہ حالات میں ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مدارس دینیہ کے نصاب پر مزید غور کیا جائے۔ اسے زیادہ سے زیادہ مفید اور جامع بنایا جائے اور اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وہ عصر حاضر کی ضرورتوں اور تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔ یہ سیمنار علماء اور ذمہ داران مدارس سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں مناسب پیش رفت کریں۔

۱۰- ''قضاء وافتاء'' فقہ اسلامی سے مربوط دو اہم شعبے ہیں اور عام مسلمانوں کا ان سے براہ راست تعلق ہے۔ اس لیے ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ تدریب قضاء وافتاء کے نصاب میں معاشیات اور معلومات کے جدید ذرائع سے واقفیت کو شامل کیا جائے؛ تاکہ وہ اچھی طرح صورت مسئلہ کو سمجھ سکیں اور ان کی رائیں واقعات وحقائق سے ہم آہنگ ہوں۔ جن درس گاہوں میں یہ شعبے قائم ہیں ان سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اس پر خصوصی توجہ کریں۔

☆☆☆

رپورٹ سمینار
علمائے فرنگی محل کی خدمات

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے اپنے علمی انقلابی سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے اسلامک سینٹر آف انڈیا لکھنؤ کے تعاون سے ایک اہم موضوع پر لکھنؤ میں مورخہ ۲۰-۲۲ر مئی ۲۰۱۱ء کو سہ روزہ سمینار کا انعقاد کیا، ہندوستانی علماء کی علمی کاوشیں جن پر دھیرے دھیرے گرد کی تہیں جمتی جارہی ہیں اکیڈمی نے انھیں صاف کرکے اوران کے علمی کارناموں کو اجاگر کرکے ارباب علم ودانش کے سامنے لانے کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے، اسی سلسلہ کی پہلی کڑی یہ سمینار تھا جس کا مرکزی عنوان ''علمائے فرنگی محل کی حیات وخدمات'' رکھا گیا تھا، اس کے ذیل میں ''ملا نظام الدین محمد، بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی، مولانا عبد الباری فرنگی محلی، اورعلامہ عبد الحی فرنگی محلی اوران کے علاوہ دیگر علمائے فرنگی محل کی حیات وخدمات اوران کی تدریسی، اصلاحی، سماجی، سیاسی اور افتاء کی خدمات جیسے اہم موضوعات کو زیر بحث لایا گیا، اس سمینار کی افتتاحی تقریب جمعہ کے دن بعد نماز مغرب دار العلوم فرنگی محل کے احاطہ میں خوبصورت اوروسیع شامیانہ کے نیچے منعقد کی گئی جس میں تقریبا دوہزار لوگوں نے شرکت کی، اس کے بعد دودنوں ہفتہ ویکشنبہ کی نشستیں دار العلوم فرنگی محل کے بڑے ہال میں منعقد کی گئیں، اس سمینار کے لئے درج ذیل مقالات اکیڈمی کوموصول ہوئے:

۱-علامہ ابوالحسنات عبد الحی فرنگی محلی اوران کی کتاب ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی: ایک جائزہ (مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی۔لکھنؤ)، ۲-خانوادۂ فرنگی محل اور خانوادہ

علم الٰہی کے علمی و دینی روابط (مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی۔لکھنؤ)، ۳-علامہ عبد الحی فرنگی محلی اور ان کی علمی خدمات (مولانا ڈاکٹر تقی الدین مظاہری ندوی۔ ابوظبی)، ۴-حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی اور حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی - باہمی تعلقات پر ایک نظر (مولانا سید محمد شاہد مظاہری۔سہارنپور)، ۵-بحر العلوم حضرت ملا عبد العلی فرنگی محلی - حیات وخدمات کے چند گوشے (مولانا عتیق احمد بستوی۔لکھنؤ)، ۶-نظرات في تكوين الملكة الفقهية واسهامات الإمام اللكنوي فيها ۔ (ڈاکٹر صلاح محمد سالم ابو الحاج-اردن)، ۷-السعایہ۔ایک مطالعہ (قاری ظفر الاسلام صدیقی-مئو)، ۸۔فتاوی عبد الحی۔ایک جائزہ (مفتی انور علی اعظمی-مئو)، ۹۔مولانا عبد الحیؒ فرنگی محلی -شخصیت اور ذاتی حالات (مولانا عمیر الصدیق ندوی-اعظم گڑھ)، ۱۰۔مولانا عبد الحی فرنگی محلی اور ان کی ''فرحۃ المدرسین''-فقہی مسائل کی گرہ کشائی اور تحقیق کا افادی پہلو (پروفیسر عبد الباری-علی گڈھ)، ۱۱۔مولانا عبد الحی فرنگی محلی اور معاصر علماء سے اختلاف (پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی-علی گڑھ)، ۱۲-کتاب ''فرحۃ المدرسین بذکر المؤلفات والمؤلفین'' - تعارف اور جائزہ (ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی -علی گڑھ)، ۱۳۔حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلی -تصوف اور اس کا تعارف (مفتی محبوب علی وجیہی- رامپور)، ۱۴۔ملا نظام الدین محمد۔بانی درس نظامی: عہد زوال و انحطاط میں علم وفن کا نیرّ تاباں (ڈاکٹر سید عبد الباری شبنم سبحانی - نئی دہلی)، ۱۵۔العلامة عبد الحي والشخصيات المتقدمة والمعاصرة - تأثراً واختلافاً (عیسی مبارک سالم یمنی-علی گڑھ)، ۱۶۔حضرت علامہ عبد الحی فرنگی محلی لکھنویؒ کی اصول حدیث پر تالیفات (مولانا بدر احمد مجیبی ندوی-پٹنہ)، ۱۷۔مولانا عبد الحی فرنگی محلی۔علمائے عرب وعجم کی نظر میں (ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی-علی گڑھ)، ۱۸۔علمائے فرنگی محل اور افتاء کی خدمات (مولانا اشتیاق احمد اعظمی-مئو)، ۱۹-علامہ عبد الحی لکھنوی اور ان کی فقہی خدمات (مولانا

ظفر عالم ندوی ۔لکھنؤ)، ۲۰۔علمائے فرنگی محل کی اصلاحی خدمات (مولانا ابرارحسن ایوبی ندوی ۔رائے بریلی)، ۲۱۔تاریخ سے متعلق علامہ عبد الحی فرنگی محلی کی کتابوں کا تعارف (مولانا ولی اللہ مجید قاسمی ۔اعظم گڈھ)، ۲۲۔مولانا عبد الحی فرنگی محلی ۔ افکار ونظریات (مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی ۔فیض آباد)، ۲۳۔علماء فرنگی محل (علاوہ مولانا عبد الحیؒ) کی علمی خدمات پر ایک نظر (مولانا منور سلطان ندوی ۔لکھنؤ)، ۲۴۔علماء فرنگی محل کی تدریسی خدمات (مولانا عبد السلام بھٹکلی ندوی ۔لکھنؤ)، ۲۵۔ ابو الحسنات محمد عبد الحی فرنگی محلی اور فن حدیث میں ان کی خدمات (مولانا عبد المتین ندوی ۔لکھنؤ)، ۲۶۔درس نظامی کی معنویت عصر حاضر کے تناظر میں (مولانا نصر اللہ ندوی ۔لکھنؤ)، ۲۷۔علامہ عبد الحی فرنگی محلی اور تصوف وسلوک (مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ۔لکھنؤ)، ۲۸۔علامہ محمد عبد الحی لکھنوی اور علم حدیث (مولانا رحمت اللہ نیپالی ندوی ۔لکھنؤ)، ۲۹۔علماء فرنگی محل اور عربی زبان وادب میں ان کی خدمات (مولانا محمد فرمان ندوی ۔لکھنؤ)، ۳۰۔مولانا عبد الحی فرنگی محلی مغربی مفکرین کی نظر میں (مولانا محمد ضیاء اللہ ندوی ۔نئی دہلی)، ۳۱۔ علماء فرنگی محل اور ان کے فتاوی کی خدمات (تلخیص) (مولانا مجد القدوس خبیب رومی ۔سہارنپور)، ۳۲۔ فرنگی محل لکھنؤ کی شخصیات مولانا عبد الحی حسنی (مصنف نزہۃ الخواطر) کی نظر میں (مولانا معاذ احمد کاندھلوی ندوی ۔سہارنپور)۔

اس سمینار کی کل چھ نشستیں منعقد ہوئیں، جس کے افتتاحی نشست میں ہندوستان کے مختلف حصوں سے آئے اکابر علماء اور دانشوران اور اہالیان لکھنؤ کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی، سمینار کے مہمان خصوصی حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری پروفیسر حدیث شریف جامعۃ العین ابوظہبی نے اس اجلاس کا افتتاح کیا۔صدارت مولانا مفتی ابو الطیب احمد میاں فرنگی محلی (ناظم دار العلوم فرنگی محل وامام عیدگاہ لکھنؤ) نے فرمائی۔

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی نے اپنے افتتاحی خطاب میں کہا کہ علمائے فرنگی محل

کی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع اور متنوع ہے۔ جس کو بیان کرنے کے لیے کئی دفتر ناکافی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آج تک دنیا ان کے فیض سے مستفید ہورہی ہے اور علم وتدریس سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص بھی ان کے احسانات سے سبک دوش نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے کہا کہ اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ علمائے فرنگی محل کی خدمات کو منظر عام پر لانے کے لیے ایک باوقار سمینار کا انعقاد کیا جائے۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ آج کا یہ اہم سمینار علمائے فرنگی محل کی خدمات سے متعارف ہونے کے سلسلے میں اہم سنگ میل ثابت ہوگا۔ مولانا نے کہا کہ مجھے اس بات کا شرف حاصل ہے کہ میں نے خاندان فرنگی محل کی عظیم شخصیت علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی فرنگی محلی کی متعدد اہم کتابوں پر تحقیقی کام کیا ہے۔ ان کتابوں کو عالم عرب میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی اور نامور علمائے کرام سے زبردست خراج تحسین ملا ہے اور آج بھی عرب مما لک میں ان کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے اس خاندان سے عظیم الشان کام لیے ہیں اور اس کے فیض کو پورے عالم میں جاری کیا۔

مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی (چانسلر انٹگرل یونیورسٹی لکھنؤ) نے اس اہم سمینار کے انعقاد پر منتظمین کو مبارکباد دی۔ انہوں نے کہا کہ علمائے فرنگی محل کی خدمات ہمہ گیر اور متنوع ہیں۔ انہوں نے اپنے گراں قدر علمی کارناموں کے دیرپا نقوش چھوڑے ہیں۔ مولانا اعظمی نے کہا کہ ایسے بزرگ علمائے کرام کی یاد میں سمینار بہت پہلے ہونا چاہئے تھا تاکہ لوگوں کے سامنے ان کی خدمات واضح ہوتیں۔

عمان یونیورسٹی اردن سے آئے شیخ ڈاکٹر صلاح ابوالحاج نے اپنے عربی خطاب میں علمائے فرنگی محل کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ ڈاکٹر ابوالحاج نے کہا کہ علامہ عبدالحی فرنگی محلی بلاشبہ عالم اسلام کے ممتاز محدث اور مایہ ناز فقیہ تھے۔

ممتاز فقیہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی نئی

دہلی وسکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) نے اپنے کلیدی خطاب میں کہا کہ اسلامی علوم کی اشاعت، حدیث، فقہ اور اصول فقہ جیسے علوم وفنون کی خدمت اور ملی وقومی قیادت کے کاموں میں علمائے فرنگی محل کی خدمات اہل علم کی نظر سے مخفی نہیں لیکن افسوس ہے کہ اس اہم ترین موضوع پر کام نہیں ہوا۔ اس لیے اسلامک فقہ اکیڈمی نئی دہلی نے خانوادہ استاذ الہند علامہ نظام الدین محمد فرنگی محلی کے نوجوان عالم مولانا خالد رشید ندوی فرنگی محلی جو فرنگی محل کی علمی وتعلیمی میراث کی بازیافت اور اس کی اشاعت کے لیے سخت کوشاں ہیں، سے اس سمینار کے انعقاد کی بات کی اور بفضل خداوندی علمائے فرنگی محل کی خدمات کے عنوان پر یہ سمینار ہورہا ہے۔ انہوں نے کہ کہ اس سمینار کا مقصد یہ ہے کہ ان عظیم علمائے کرام کے کارناموں کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ آیندہ نسلوں کے سامنے دینی علوم کا ایک نمونہ سامنے آئے اور طالبان علوم نبوت اس سے اپنا رخ طے کرسکیں۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سینئر استاد حدیث مولانا سید سلمان حسینی ندوی (عمید کلیۃ الدعوۃ والاعلام، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے کہا کہ علمائے فرنگی محل کو ہندوستان کی علمی اور ثقافتی تاریخ میں مرکزی مقام حاصل ہے۔ ان علماء نے تاریخ کے مختلف ادوار میں ملت اسلامی کی قیادت وسیادت کا فریضہ انجام دیا ہے۔

مولانا طارق رشید فرنگی محلی (صدر اسلامک سوسائٹی آف آرلینڈ وامریکہ) نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا اور علمائے فرنگی محل کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ خاندان فرنگی محل کا نسبی تعلق مدینہ منورہ سے ہے۔ اس خاندان کے افراد تبلیغ دین اور علوم اسلامی کی اشاعت کے لیے ہرات ہوتے ہوئے بلاد ہند میں آئے اور قصبہ سہالی ضلع بارہ بنکی میں آباد ہوئے۔ علامہ نظام الدین محمد فرنگی محلی کے والد ماجد علامہ قطب الدین شہید کی شہادت کے بعد یہ خاندان لکھنؤ منتقل ہوگیا۔ بادشاہ ہندوستان اورنگ زیب عالمگیر علامہ قطب الدین کی جلالت علمی سے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے علامہ سے فتاوی ہندیہ جو فتاوی عالم

گیری کے نام سے مشہور ہے کی ترتیب وتدوین میں شامل ہونے کی درخواست کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ علامہ قطب الدین شہید کی اولاد میں ایک سے بڑھ کر ایک آفتاب و ماہ تاب پیدا ہوئے ہیں۔ بہ قول علامہ شبلی نعمانیؒ: تمام دنیائے اسلام میں یہ بات صرف اسی مقدس ذات کو حاصل ہے کہ پورے دوسو برس تک متواتر اور بلافصل ان کی نسل سے علماء ہوتے چلے آئے اور آج بھی یہ سلسلہ قائم ہے۔

علی گڑھ سے تشریف لائے پروفیسر مولانا سعود عالم قاسمی (سابق ڈین وچیئرمین شعبہ دینیات سنی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے کہا کہ علمائے فرنگی محل کے بہت سے ایسے مخطوطات ہیں جن پر تحقیق کرنے اور شائع کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے ایک پوری اکیڈمی کی ضرورت ہے۔

دارالعلوم فرنگی محل کے مہتمم مولانا خالد رشید ندوی فرنگی محلی (نائب امام عیدگاہ، لکھنؤ) نے سمینار کے اس افتتاحی نشست کی نظامت کے فرائض انجام دیئے، جس میں انھوں نے کہا کہ آبروئے دین وعلم علمائے فرنگی محل کی خدمات پر یہ اولین سمینار ہے جس کے لیے ہم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور ان کی اسلامک فقہ اکیڈمی کے نہایت شکرگزار ہیں۔ انہوں نے علمائے فرنگی محل کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ تمام مورخین نے علمائے فرنگی محل کی خدمات کا بھرپور اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ علامہ شبلی ان علمائے کرام کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''آج جہاں جہاں علوم عربیہ کا نام ونشان باقی ہے اسی خاندان کا پرتو فیض ہے، ہندوستان کے کسی گوشہ میں جو شخص تحصیل علم کا احرام باندھتا ہے اس کا رخ فرنگی محل کی طرف ہوتا ہے''۔

سمینار کی پہلی نشست ۱۲ر مئی بروز شنبہ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری (استاد حدیث، جامعۃ العین، ابوظہبی) کی صدارت اور ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی (شعبہ اردو، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کی نظامت میں ہوئی، جس میں ''۱۔علمائے فرنگی محل اور

افتاء کی خدمات، ۲۔علماءفرنگی محل (علاوہ مولانا عبد الحیؒ) کی علمی خدمات پر ایک نظر، ۳۔ علمائے فرنگی محل کی اصلاحی خدمات، ۴۔علماءفرنگی محل کی تدریسی خدمات، ۵۔درس نظامی کی معنویت عصر حاضر کے تناظر میں'' کے عنوانات پر مقالات پیش کئے گئے۔

دوسری نشست مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی (مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وچانسلر انٹیگرل یونیورسٹی لکھنؤ) کی صدارت اور ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی (پروفیسر شعبہ دینیات سنی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کی نظامت میں ہوئی، جس میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)، اور مولانا واضح رشید ندوی (معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے بھی شرکت کی، اس نشست میں ''۱۔فتاوی عبد الحی۔ایک جائزہ، ۲۔ملا نظام الدین محمد۔بانی درس نظامی: عہد زوال و انحطاط میں علم وفن کا نیر تاباں، ۳۔علامہ عبد الحی کی کتاب السعایہ۔ایک مطالعہ، ۴۔مولانا عبد الحی فرنگی محلی۔علمائے عرب وعجم کی نظر میں، ۵۔کتاب'' فرحۃ المدرسین بذکر المؤلفات والمؤلفین''۔تعارف اور جائزہ، ۶۔حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلی۔تصوف اور اس کا تعارف'' جیسے اہم موضوعات پر مقالات پیش کئے گئے۔

اس نشست کے اخیر میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا: تاریخ اسلام میں بے شمار ایسی شخصیات گزری ہیں جن کے کارنامے اور جن کی خدمات پوری انسانیت کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں، علماء فرنگی محل کا تعلق اسلامی تاریخ کی انہی غیر معمولی شخصیات سے ہے جنھوں نے اپنے علم وعمل کے ایسے ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں کہ قیامت تک آنے والے انسان ان کے کارناموں سے روشنی حاصل کرسکتے ہیں۔انھوں نے مزید کہا کہ ہندوستان کے مشہور مؤرخ علامہ عبد الحی حسنی نے اپنی کتاب نزہۃ الخواطر میں علمائے فرنگی محل کی ۴۷ شخصیات کا تذکرہ کیا ہے، جن میں علامہ نظام الدین محمد، عبد العلی بحر العلوم، علامہ عبد الحی فرنگی محلی کا نام نامی علمی دنیا

میں استناد اور اعتبار کے لئے کافی ہے، مولانا نے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالی نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے، قرآن سے وابستہ جتنے بھی علوم ہیں ان سب کی حفاظت علماء کے ذریعے ہوتی رہے گی، ضرورت اس بات کی ہے کہ اکابر علمائے امت کے کارناموں سے آنے والی نسلوں کو واقف کرایا جائے تا کہ ان کے اندر عزم و حوصلہ پیدا ہو اور وہ علمائے عظام کے کارناموں سے سبق حاصل کریں۔

اس کے بعد تیسری نشست بعد نماز مغرب ہوئی جس کی صدارت حضرت مولانا سید محمد شاہد مظاہری (امین عام جامعہ مظاہر علوم، سہارنپور) نے فرمائی اور نظامت کے فرائض مولانا عتیق احمد بستوی (استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وسکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) نے انجام دیئے، اس نشست میں مندرجہ ذیل مقالات پیش کئے گئے: ۱۔ابوالحسنات محمد عبد الحی فرنگی محلی اور فن حدیث میں ان کی خدمات، ۲۔مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی -شخصیت اور ذاتی حالات، ۳۔مولانا عبد الحی فرنگی محلی ۔افکار ونظریات، ۴۔خانوادہ فرنگی محل اور خانوادہ علم الٰہی کے علمی ودینی روابط، ۵۔علامہ عبد الحی لکھنوی اور ان کی فقہی خدمات، ۶۔بحر العلوم عبد العلی فرنگی محلی - حیات وخدمات کے چند گوشے، ۷۔علامہ عبد الحی فرنگی محلی اور تصوف وسلوک، ۸۔تاریخ سے متعلق علامہ عبد الحی فرنگی محلی کی کتابوں کا تعارف، ۹۔فرنگی محل لکھنؤ کی شخصیات مولانا عبد الحی حسنی (مصنف نزہۃ الخواطر) کی نظر میں، ۱۰۔حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی اور حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی ۔باہمی تعلقات پر ایک نظر۔

اس سمینار کی چوتھی نشست ۲۲ رمئی بروز یکشنبہ صبح ساڑھے نو بجے منعقد کی گئی، جس کی صدارت پروفیسر عبد الباری (سابق صدر شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے فرمائی اور نظامت کی ذمہ داری مولانا عمیر الصدیق ندوی (دار المصنفین، اعظم گڑھ) نے ادا کی، اس نشست میں درج ذیل مقالے پیش ہوئے: ۱۔حضرت علامہ عبد الحی فرنگی

محلی لکھنویؒ کی اصول حدیث پر تالیفات، ۲۔مولانا عبد الحی فرنگی محلی اور معاصر علماء سے اختلاف، ۳۔علماء فرنگی محل اور ان کے فتاویٰ کی خدمات، ۴۔علامہ محمد عبد الحی لکھنوی اور علم حدیث، ۵۔العلامة عبد الحي والشخصيات المتقدمة والمعاصرة ۔ تاثراً واختلافاً، ٦۔مولانا عبد الحی فرنگی محلی --- مغربی مفکرین کی نظر میں، ۷۔مولانا عبد الحی فرنگی محلی اور ان کی کتاب ''فرحۃ المدرسین'' فقہی مسائل کی گرہ کشائی اور تحقیق کا افادی پہلو، ۸۔نظرات فی تکوین الملكة الفقهية واسهامات الإمام اللكنوی فيها، ۹۔علماء فرنگی محل اور عربی زبان وادب میں ان کی خدمات۔

اسی دن ساڑھے گیارہ بجے سے اس سہ روزہ سمینار کی اختتامی نشست ہوئی جس کی صدارت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ، وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) نے فرمائی اور نظامت کے فرائض مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا وسکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) نے انجام دیئے۔مولانا ابو الطیب احمد میاں فرنگی محلی کی سرپرستی میں ہونے والے اس سمینار کو خطاب کرتے ہوئے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے علمائے فرنگی محل کے مسلک پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ان کے یہاں عدل واعتدال سب سے نمایاں مقام رکھتا ہے۔ان کی تحریروں اور کتابوں میں ہر جگہ اعتدال وتوازن نظر آتا ہے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ قابل مبارکباد ہیں وہ حضرات جنہوں نے علمائے فرنگی محل کی تاریخ کو دوبارہ زندہ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔انہوں نے کہا کہ مولانا ابو الطیب احمد میاں فرنگی محلی اس شہر کے بزرگ معتبر اور دینی شخصیت ہیں، ان کی سرپرستی میں ہونے والا یہ سمینار اپنے علمی مقصد میں کامیاب ہوا، اور اس میں جو مقالات پیش کئے گئے ان کی طباعت کی جائے تاکہ ان سے علماء وعوام فائدہ اٹھاسکیں۔مولانا نے کہا کہ علمائے فرنگی محل کے کارنامے اور ان کی خدمات

بہت اہمیت کی حامل ہیں، بالخصوص علامہ عبد الحی فرنگی محلی کی علمی فتوحات طلبہ اور اہل علم کے لئے آئیڈیل اور نمونے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

سمینار کی اس اختتامی نشست میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو نظام الدین محمد فرنگی محلی ایوارڈ بدست مولانا ابوالطیب احمد میاں فرنگی محلی دیا گیا۔ علامہ عبد الحی فرنگی محلی ایوارڈ اردن سے تشریف لائے ہوئے مہمان خصوصی ڈاکٹر صلاح محمد ابوالحاج کو مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے ہاتھوں دیا گیا۔ کلمات تشکر دارالعلوم فرنگی محل کی طرف سے مولانا خالد رشید فرنگی محلی اور اسلامک فقہ اکیڈمی کی طرف سے مولانا عتیق احمد بستوی نے ادا کی۔ مولانا طارق رشید فرنگی محلی نے اپنے تاثراتی کلمات میں علامہ عبد الحی فرنگی محلی اکیڈمی اور دارالعلوم فرنگی محل کے آئندہ کے منصوبوں اور عزائم پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے اس سلسلے میں اہل علم اور اہل قلم سے تعاون کی درخواست کی، اور اس اہم اور علمی سمینار کے انعقاد پر میزبان اور مہمان دونوں اداروں کو مبارکباد دی۔

اس سمینار میں علماء و دانشوران کے علاوہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ساتھ ساتھ لکھنؤ شہر و اطراف کے مدارس و دینی اداروں کے اساتذہ و طلباء نے بھی بڑی تعداد میں شرکت کی، اور اخیر میں مولانا صفدر زبیر ندوی نے اس سہ روزہ سمینار کی تجاویز پڑھ کر سنائیں جنھیں اتفاق رائے سے منظور کیا گیا۔

☆☆☆